تاریخ اقوام کشمیر

Abdul Wahid

تواریخ اقوام کشمیر

از

محمد الدین فوق

۱۹۳۴ء

قطعہ تاریخ طبع "تواریخ اقوام کشمیر"

(از مفتی[1] ضیاء الدین صاحب ضیاؔ آف پونچھ کشمیر)

بحمد اللہ ایدوں زشیوا بیاں — کتابے مرتب شدہ فی العیاں
چہ خوش داستانے بہ ترقیم یافت — "ز حالات کشمیر و کشمیریاں"
مؤرخ گرانمایہ عالی خیال — مسلّم بہ تسطیر معجز بیاں
زہے فوق عالی گہر نکتہ سنج — بیاں کردہ مافوق از دیگراں
چنیں شہرہ از شرق تا غرب شد — کہ مجموع شد قصۂ باستاں
سنِ طبع از عیسوی اے ضیاؔ — "تواریخ اقوام کشمیر" خواں
۱۹۳۴

---

[1] مفتی ضیاء الدین صاحب ضیاؔ کے خاندانی حالات انکی ذاتی خدمات علیہ اور انکے کلام کا نمونہ اور ان کا فوٹو "تذکرہ اقوام پونچھ" میں درج ہوگا جو زیر طبع ہے ۱۲

نذر

گوجرانوالہ کے مشہور "خاندان صالح" کے "صاحبزادگان صالح" کی خدمت میں

۱- میاں حمید محمد صاحب ریٹائرڈ ہیڈ کلرک ریلوے رئیس گوجرانوالہ

۲- شیخ عطا محمد صاحب بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ ہائیکورٹ پنجاب رئیس و پریزیڈنٹ بلدیہ گوجرانوالہ۔

۳- شیخ محمد افضل صاحب بی اے ڈویژنل فارسٹ افسر جہلم۔

۴- آنریبل خان بہادر شیخ دین محمد صاحب ایم اے جج ہائیکورٹ پنجاب۔ لاہور۔

ہر چہار برادران گرامی قدر کی قومی فیاضیوں۔ علمی سرپرستیوں اور ذاتی قابلیتوں نے نہ صرف "خاندان صالح" کا نام روشن کر رکھا ہے۔ بلکہ گوجرانوالہ۔ لاہور اور بعض دیگر مقامات کے اسلامی و قومی ادارے اور مسلم کاشمیری کانفرنس کا وظائف فنڈ اور اس کے دیگر شعبے اس خاندان کی اسلامی و قومی فیاضیوں کی زندہ شہادت ہیں۔

علاوہ ازیں اخبار کشمیری کے ساتھ جس نے آج سے ۲۹ سال پیشتر ریاست

۵ا حاشیہ دیکھو صفحہ ب پر۔

کشمیر کے مسلمانوں اور دیگر ممالک کے کشمیریوں میں قومی بیداری و احساس اور ہندوستان کے مسلمانوں میں کشمیر کے مسلمانوں کے ساتھ اپنے مضامین کے ذریعہ ہمدردی و اخوت پیدا کرنیکا بنیادی پتھر رکھا تھا۔ ہر چہار برادران ذی علم کو ہمیشہ اُنس رہا ہے۔ اور خصوصاً شیخ عطا محمد صاحب غیر معمولی طور پر اخبار کی سرپرستی فرماتے رہے ہیں۔

انہی سرپرستیوں۔ عنایتوں اور نوازشوں کے عملی شکریہ کے اظہار میں راقم مؤلف اپنی چہارسالہ تاریخی کد و کاوش یعنی اس ناچیز کتاب کو گوجرانوالہ کے معزز "خاندان صالح" کے ہر چہار برادران عالی منزلت کی خدمت میں نہایت ادب اور نہایت خلوص کے ساتھ بطور نذر پیش کرتا ہے۔ کاش یہ حقیر و ناچیز ہدیۂ قبولیت کا شرف حاصل کر سکے ۔

تم نے دیا فروغ تو ہے واغِ آفتاب
ذرہ بھی ورنہ اُس کی حقیقت سے کم نہیں

۲۸ رجون ۱۹۳۴ء

محمد الدین فوق

لاہور

ظفر برادرس

حاشیہ صفحہ الف

لہ بابو حمید محمد صاحب جو کچھ عرصہ سے بیمار چلے آتے تھے۔ افسوس ہے ۲۹ رجون ۱۹۳۴ء کو بمقام گوجرانوالہ انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ط افسوس ہے مرحوم اس کتاب کو جس کا انہیں بہت اشتیاق تھا۔ اور جس کی انہوں نے کچھ مالی مدد بھی فرمائی تھی۔ ملاحظہ نہ فرما سکے ۱۲

فہرست تصاویر تاریخ اقوام کشمیر



شبیہ مولانا ملا عطا اللہ البنوی القندھاری الکاشمیری مرحوم
عطیہ مولانا سید محمد سبحان اللہ صاحب رئیس اعظم گورکھپور

سلسلۂ تالیفات ظفر برادرس تاجران کتب لاہور ع ۲۸

نو ترمیم بالتصویر

تواریخ اقوام کشمیر

۱۹۳۴ء

جس میں

کشمیر - جموں - نیپال - دہلی - یوپی - ممالک متوسط - بنگال - بہار - صوبہ سرحد - پنجاب - وغیرہ ممالک کی تقریباً پانچ سو مختلف النسل اور مختلف المذاہب کشمیری اقوام و ملل (کشمیری پنڈتوں - سکھوں - ڈوگرہ راجپوتو بوہروں اور مسلمانوں کے تمام فرقوں اور قوموں کی ذاتوں اور گوتوں وغیرہ) کی وجہ تسمیہ - ان کے تاریخی حالات - ان کے مشاہیر - ان کی آبادی اور تمدنی و معاشرتی کیفیت - ان کے آبائی کاروبار - ان کے رسم و رواج اور قدیم تاریخی روایات اور انکے متعلق دیگر دلچسپ کوائف معلومات کا تذکرہ درج ہے

مصنفہ

محمد الدین فوق

تعداد جلد یک ہزار | بار دوم بہ اضافہ مضامین کثیرہ | قیمت فی جلد تین روپے

چالیس سے زیادہ ہاف ٹون عکسی تصویریں اس کتاب میں ہیں

فہرست مضامین حسب ذیل ہے

(کریمی پرنٹنگ پریس لاہور)

کتاب کی جلد نہایت خوشنما ہے۔ جس پر کتاب و مصنف کا نام سنہری حروف میں ہے۔ حجم ۵۶۰ صفحہ۔ ہاف ٹون عکسی تصویروں کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے۔ اس پر قیمت صرف تین روپے خرچ ڈاک قیمت ہے ۱/

یہ کتاب مشتہر کے علاوہ مندرجہ ذیل مقامات سے بھی مل سکتی ہے :-

۱- مینجر اخبار کشمیر جدید سرینگر۔ کشمیر۔

۲- غلام محمد نور محمد تاجران کتب مہاراج گنج بازار۔ سرینگر کشمیر

۳- غلام محمد نور محمد تاجران کتب ہانسیمہ بازار سرینگر کشمیر

۴- لالہ دیانند کپور جنرل مرچنٹ پونچھ (کشمیر)

۵- خواجہ غلام محمد نیوز ایجنٹ۔ انارکلی۔ لاہور۔ ۶- ترین برادرس امیرا کدل

المشتہر ظفر برادرس تاجران کتب ظفر منزل۔ لاہور

تاریخ اقوام کشمیر

دیباچہ

پہلے ایڈیشن اور دوسرے ایڈیشن میں کیا فرق ہے؟

جب ۱۹۱۴ء میں اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔ تو اس میں صرف مسلمانان کشمیر کی اقوام ہی کا ذکر تھا۔ کشمیری پنڈتوں کی گوتوں کی تفصیل تھی۔ نہ راجپوتوں۔ سکھوں اور بوہروں کا تذکرہ تھا۔ اور نہ اقوام پونچھ کے متعلق کوئی اشارہ تھا۔

احباب کی ان شکایات کو رفع کرنے کے لئے "اقوام کشمیر" کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۰ء سے زیر ترتیب تھا۔ پہلے ایڈیشن میں نوے سے بھی کم ذاتوں کا ذکر تھا۔ موجودہ ایڈیشن میں جن ذاتوں، گوتوں اور الوں nick names اور بعض مشہور خاندانوں کا ذکر ہے۔ ان کی تعداد پانچ سو کے قریب ہے۔ اور ابھی بہت سے اصحاب کا تذکرہ اور بہت سی ذاتوں کا اندراج رہ گیا ہے۔[1] علاوہ ازیں اس ایڈیشن میں چالیس سے زیادہ ہاف ٹون عکسی تصویریں ہیں۔ پہلے ایڈیشن میں نہ کوئی تصویر تھی۔ نہ حالات اس کثرت سے تھے۔ بلکہ اس کا سائز بھی بہت چھوٹا تھا۔

تذکرہ اقوام پونچھ کے التوا کی وجہ

ارادہ یہ تھا کہ "تذکرہ اقوام پونچھ" بھی اس کے ساتھ ہی شائع کیا جائے گا لیکن ایک تو کتاب کا حجم اندازہ سے ۲۵۰ صفحے زیادہ ہو گیا۔ دوسرے پونچھ کی بعض اقوام نے حالات اور شجرے ایسے بے سند بے تکے اور غیر مصدقہ بھیجنے شروع کر دیئے۔ کہ ان کی تصدیق و تکذیب کے لئے بڑا وقت صرف کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ اسوقت بھی کہ کتاب مطبع میں چھپ چکی ہے۔ اکثر اقوام کی طرف سے ان اعتراضات

[1] بشرط زیست آیندہ ایڈیشن میں اس کا سائز بڑھا کر بہت سی ذاتوں کا اضافہ کیا جائے گا۔

کا کوئی جواب نہیں ملا۔ جون کے شجروں اور ان کے تاریخی حالات پر کئے گئے تھے میرے اسی انتظار میں مئی ۔ جون کی گرمیاں آگئیں ۔ جن کے متعلق ایک شاعر کہتا ہے؎

مئی اور جون کا آیا مہینہ ہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ

اس لئے "تذکرہ اقوام پونچھ" کا کچھ مسودہ ترتیب دینے کے لئے اپنے ساتھ کشمیر لے جا رہا ہوں ۔ جن مسودات کا انتظار ہے ۔ ان کے لئے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہیگا ۔ اور ممکن ہوسکا ۔ تو بدوران قیام کشمیر خود بھی پونچھ جاؤنگا ۔

قلمی مدد دینے والے اصحاب کا شکریہ!

ان اصحاب کا شکوہ کرنے کے بعد جنہوں نے میرے خطوط کا جواب نہیں دیا ۔ یا جو وعدوں کے باوجود ایفائے عہد نہ کرکے کتاب کی طباعت میں تاخیر کا باعث ہوئے ۔ میرا فرض ہے ۔ کہ ان محبان وطن اور علم دوست اصحاب کا شکریہ ادا کروں ۔ جنہوں نے میرے خطوط کے جواب میں مجھے بعض ذاتوں کے کوائف سے اطلاع دی یا مجھے غیر مطبوعہ و مطبوعہ نایاب کتابیں عاریتاً عنایت فرمائیں ۔ جن کے مطالعہ نے اس کتاب کی تکمیل میں مجھے بہت مدد دی ۔ بالخصوص اصحاب ذیل قابل ذکر ہیں :-

۱ ۔ مولوی مفتی محمد سعادت صاحب مؤرخ کشمیر مصنف تاریخ گلشن کشمیر سرینگر ۔

۲ ۔ ڈاکٹر میرزا شیر علی صاحب برلاس ککر سیداں ضلع راولپنڈی ۔

۳ ۔ حکیم مظفر حسین صاحب مالک سلسلہ لطف زندگانی موچی دروازہ لاہور

۴ ۔ پنڈت تاراچند صاحب ترسل ریٹائرڈ تحصیلدار رئیس سرینگر ۔

پنڈت تاراچند صاحب ترسل معاون خاص کا خاص طور پر ذکر

پنڈت تاراچند صاحب ترسل اپنے بیش قیمت اوقات کا اکثر حصہ اور کئی کتب مطالعہ کیلئے مجھے عنایت فرماتے رہے ۔ کشمیری پنڈتوں کے متعلق اس

؎ ایسے اصحاب کا شکوہ تذکرہ آب حیات کی تصنیف کے وقت شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد دہلوی کو بھی اپنے دوسرے ایڈیشن میں کرنا پڑا تھا ۔

کتاب میں جو پہلا باب ہے اس کے نصف سے زیادہ مصنف دراصل پنڈت صاحب ہی ہیں
انکے پاس کتب خانہ بھی ہے۔ خدا نے انکو حافظہ بھی قابل رشک دے رکھا ہے۔ آپکے کچھ حالات ترسل
فیملی میں درج ہیں۔ کچھ حالات اظہار شکریہ کے طور پر اور افادہ عام کیلئے یہاں درج کرتا ہوں۔

آپ پہلے پہل سنہ ۱۹۴۲ ب میں محکمہ گورنری میں نائب ناظر ہوئے۔ سنہ ۱۹۵۶ ب میں نائب تحصیلدار پٹن
ہوگئے۔ پھر ناظر پھر مترجم اور پھر انسپکٹر کاہچرائی اور کچھ عرصہ کے بعد اپنی محنت و لیاقت سے گورنر کشمیر
کے فارسی دفتر کے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوگئے۔ بعد ازاں تحصیلداری کے امتحان اور آموخت بندوبست
میں تمام ریاست میں سب سے اول رہے۔ کشمیر اور لداخ کی قریباً تمام تحصیلوں میں کام کرنیکے بعد ڈپٹی گورنر سیشنل
شمالی افسر ہوگئے۔ جب شنوائی کا کام ایک ڈیپوٹیشن کے سپرد ہوگیا۔ تو آپ پھر تحصیلداری پر واپس آگئے۔ اور تحصیل کشتوار میں جہاں
آپ پانچ سال رہے۔ ۲۹ سال کی مسلسل اور قابل تعریف ملازمت کے بعد پنشن پر ریٹائر ہوگئے۔

سنہ ۱۹۸۴ ب سے وکالت کر رہے ہیں۔ کشمیر میں اسوقت جو مشہور وکلاء ہیں۔ انمیں رسوخ
لیاقت کے لحاظ سے آپ کا نام صف اول میں ہے۔ بلکہ مقدمات مال میں کشمیر کے علاوہ جموں
اور پشاور اور پنجاب وغیرہ مقامات کے لوگ بھی آپ سے صلاح و مشورہ لیا کرتے ہیں۔

ہندو مسلم اتحاد اور بہبودی راعی و رعایا بھی آپ کا خاص مشن ہے۔ سرینگر کے ہندوؤں
اور مسلمانوں نے باہمی اتحاد و اخوت کیلئے جو انجمن بنام انجمن اتحاد قائم کی ہوئی ہے۔ پونے
دو سال سے آپ اسکے سکرٹری ہیں۔

بسلسلہ وکالت ایک وصف آپ میں ایسا ہے۔ جو غالباً کسی ملک کے کسی وکیل پیشہ
میں نہیں ہے۔ یعنی آپ ہر سنیچر (شنبہ) کو ایک مقدمہ مفت کیا کرتے ہیں۔ اور اسمیں ہندو
مسلمان یا کسی اور قوم کی کوئی تخصیص نہیں۔ البتہ اس کا واقعی نادار و مفلس ہونا ایک
ضروری شرط ہے۔ بلکہ بعض اوقات محتاج اشخاص کو اسٹامپ وغیرہ کے اخراجات
اپنی گرہ سے دیتے ہیں۔

سال گذشتہ میں راجہ صاحب پونچھ نے آپ کو اپنا وزیر منتخب کیا تھا لیکن

بعض وجوہ سے آپ نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔

جنگ عظیم کے ایام میں آپ نے رنگروٹوں کی بھاری تعداد بہم پہنچائی اور نصف لاکھ روپیہ اپنی تحصیل سے قرضۂ جنگ وصول کیا۔ جس پر مہاراجہ سر پرتاپ سنگھ آنجہانی نے ایک نقرئی تمغہ عطا کیا۔ آپ کشمیر کے بہت بڑے رئیس و زمیندار ہیں۔ اور پبلک اور سرکار میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ علوم فارسی اُردو۔ انگریزی کے علاوہ ہندی و پنجابی میں بھی مہارت تامہ رکھتے ہیں منطق فلسفہ اور تاریخ سے بھی ان کو خاص شوق ہے۔

جس محنت اور تندہی سے آپ نے مختلف علوم حاصل کئے ہیں۔ اور نائب ناظری کی اسامی سے ترقی کی ہے۔ وہ ہر نوجوان کے لئے ایک شاہراہ عمل ہے۔

نیاز مند مصنف کی آخری گذارش

راقم مولف نے جہانتک ہو سکا ہے۔ صحیح حالات درج کرنے میں پوری محنت و دیانت سے کام لیا ہے۔ تاہم تاریخ اور معلومات عامہ کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔ اسلئے اگر کسی واقف کار اہل علم کو کسی خاندان کے متعلق یا کسی ذات اور گوت کی تحقیق کے بارہ میں راقم مولف سے تاریخی نکتۂ نگاہ کے لحاظ سے کچھ اختلاف ہو یا کتاب میں کوئی اور عیب نظر آئے۔ تو چشم پوشی کی ضرورت نہیں بلکہ راقم مولف کو از راہ کرم مطلع فرمائیں۔ تاکہ بشرط زندگی آئندہ اڈیشن میں تصحیح کر دی جائے۔

راقم نے اس کتاب کا دیباچہ اگست ۱۹۳۳ء میں بمقام سرینگر کشمیر لکھا تھا۔ اور در اصل کتاب کا بیشتر حصہ وہاں ہی ترتیب دیا جا چکا تھا۔ لیکن لاہور آ کر دیباچہ نئے سر سے لکھنا پڑا۔ کتاب کا تاریخی نام "تواریخ اقوام کشمیر" ۱۹۳۳ء ہے۔

لاہور

۱۵ / جون ۱۹۳۴ء

محمد الدین فوق

باب اوّل

فصل اوّل

کشمیری پنڈت اور ان کی ذاتیں اور گوتیں

کشمیری پنڈتوں کی اصلیت کیا ہے

کشمیر کے قدیم باشندے کون تھے؟

کشمیری پنڈتوں کی اصلیت کے بارہ میں مختلف خیالات ہیں۔ ذیل کی یادداشت[1] جو پنڈت انند کول پریزیڈنٹ میونسپلٹی سری نگر نے حال ہی میں مسٹر ... کے مشورہ سے تیار کی گئی ہے دلچسپی سے خالی نہیں۔

جن لوگوں نے راج ترنگنی کا مطالعہ کیا ہے انہیں اس بات کے تسلیم کر لینے میں تامل نہ ہوگا کہ مذہب اسلام اختیار کرنے سے قبل کشمیر کے ہندو سب کے سب برہمن ہی نہیں تھے نیلمت پوران اور راج ترنگنی میں اس زمانہ کے حالات درج ہیں۔ جبکہ ابھی دنیا میں فن تاریخ نویسی جاری بھی نہیں ہوا تھا۔

لکھا ہے کہ اس زمانہ میں وادیٔ کشمیر ایک بہت بڑی پہاڑی جھیل تھی اور اس کا نام ستی سر تھا کیشپ رشی نے جھیل کا پانی نکال کر اسے خشک کیا۔ اور برہمنوں کو لا کر آباد کیا برہمن گرمی کے ایام یہاں گذار کر سردی کے دنوں میں واپس چلے جایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں یہاں ایک قبیلہ پشاچ اور راکش کے نام سے آباد تھا۔ یہ قبیلہ برہمنوں کے خلاف ایام سرما یہاں گذارتا اور گرمی کے ایام میں تبت چلا جایا کرتا تھا۔ نیل ناگ مصنف نیلمت پوران کے

[1] از ویلی آف کشمیر مصنفہ مسٹر والٹر لارنس سابق سٹلمنٹ کمشنر کشمیر۔

مشورہ سے جو ناگوں کے قبیلہ کا سردار تھا۔ برہمنوں نے یاکشوں کو جو یہاں کے اصلی باشندے کہلاتے تھے اس خیال سے کچھ تحائف دینے شروع کئے۔ کہ وہ ان کو تنگ نہ کیا کریں۔ چنانچہ ابھی تک کہ اس واقعہ کو کئی ہزار سال گذر چکے ہیں۔ ہر سال پندرھویں پوس کی اندھیری رات کو کھچری عاوس کا تیوہار منایا جاتا ہے اس تاریخ کو ہر کشمیری پنڈت کے گھر میں کھچری پکتی اور کوری سنڈیاں میں ڈال کر یاکشوں کے نذرانہ کے طور پر کہیں رکھدی جاتی ہے۔

یاکشوں کے متعلق روایت ہے کہ وہ پست قامت مگر جسم کے مضبوط اور طاقتور ہوتے تھے اور سر پر ٹوپی پہنا کرتے تھے۔

اقوام ڈار۔ نائک اور تانترے کا ذکر نیل مت پوران اور راج ترنگنی میں

کشمیریوں کے عادات و خصائل اور ان کے دھرم کرم کے متعلق سب سے پرانی کتاب نیلہ مت پوران ہے۔ اس کے بعد راج ترنگنی ہے۔ ان دونوں کتابوں میں مندرجہ ذیل قوموں کے نام خاص طور پر پائے جاتے ہیں۔ پیچھ۔ نشد۔ کھش۔ بھٹ۔ بھکش۔ اکیگ۔ ڈامر (ڈار) تانترے۔ نیانک۔ یہ قومیں نہ صرف ملک کے تاجداروں کو تکلیف دیا کرتی تھیں۔ بلکہ برہمنوں کو بھی ستایا کرتی تھیں۔ یہ اقوام کھیتی باڑی۔ فوجی ملازمت اور اسی طرح کے دوسرے کام کیا کرتی تھیں۔ کشمیر کی زراعت پیشہ آبادی میں اب بھی تانترے۔ نیانک اور ڈار (اختصار ڈامر) ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔

کیا کشمیر کے سب باشندے پنڈت ہی تھے؟

بہت سی اقوام یہاں دیگر ممالک سے آکر آباد ہوئی ہیں۔ جن کی تصدیق ذیل کے واقعات سے ہو سکتی ہے:۔

قدیم زمانہ میں کشمیر علم و فضل کا گھر تھا۔ حصول علم کی خاطر دور دور سے یہاں لوگ آیا کرتے تھے۔ دو مشہور چینی سیاحوں نے جن میں سے ایک کا نام ہیوآن سیانگ اور دوسرے کا نام اولوکانگ ہے اپنی تصانیف میں کشمیر کی علمی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"اہل کشمیر علم و فضل کے شائق اور مہذب ہیں" ہیوآن سیانگ ۶۳۱ء اور اولوکانگ ۷۵۹ء

میں یہاں آیا تھا۔ اور دونوں نے یہاں آکر سنسکرت کی تعلیم کو تکمیل تک پہنچایا تھا۔

البیرونی جو ۱۰۱۷ء میں محمود غزنوی کے ہمراہ پنجاب تک پہنچا تھا کشمیر کے متعلق لکھتا ہے۔ "کشمیر ہندوؤں کے علوم و فنون کی بہت بڑی درسگاہ ہے علم سنسکرت کے شائق دور دراز سے یہاں آتے اور اکثر اس کی وادیوں کی قدرتی خوبصورتیوں پر فدا ہو کر ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو رہتے ہیں" پھر لکھتا ہے۔ "سر بفلک دیواروں نے جو وادی کے چاروں طرف چھائی ہوئی ہیں کشمیر کو ایک" محفوظ جائے پناہ بنا رکھا ہے۔ اس لئے بار بار کے بیرونی حملوں سے تنگ آکر دوسرے ملکوں کے لوگ یہاں اقامت گزین ہو جاتے ہیں پھر ایک جگہ لکھا ہے۔ محمود غزنوی نے جب پنجاب کو فتح کیا۔ تو لوگ بھاگ کر ایسے مقامات میں چلے گئے جہاں ہم پہنچ نہیں سکتے تھے اور یا کشمیر، بنارس اور دیگر دور دراز مقامات کو انہوں نے اپنا مسکن بنایا۔ زمانہ قدیم میں چونکہ کشمیر کے تعلقات چین سے قائم تھے۔ اور بعد میں وسط ایشیا سے بھی ہو گئے۔ اس لئے ان اطراف کے لوگ کشمیر میں کثرت سے آتے تھے۔ اور ان میں سے کئی ایک کشمیر ہی کو اپنا وطن بنا لیتے تھے۔

مندرجہ بالا بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ کشمیری برہمن یہاں کے اصل باشندے نہیں ہیں۔ بلکہ دوسرے ملکوں سے آئے تھے۔ وہ صرف برہمن ہی نہیں تھے بلکہ مختلف ممالک کی مختلف اقوام میں سے تھے۔ ان میں سے کئی لوگ حصول علم کی خاطر آتے تھے۔ اور کئی بیرونی حملوں کے خوف سے بھاگ کر یہاں آکر پناہ لیتے تھے۔ رامینا یا راجا تک برہمن جیسا کہ ان کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہندو راجگان کے وزیر ہوتے تھے۔

اسلام کے بعد کشمیری ہندوؤں کی حالت

اسلام نے اپنا علم کشمیر میں ۱۳۳۹ء میں بلند کیا ہے۔ اسی زمانہ میں اور اس کے کچھ عرصہ بعد کشمیر کے تمام ہندو وہ برہمن تھے یا کشتری بدھ مذہب تھے یا کسی اور گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ دیہاتی تھے یا شہر باش سب کے سب مسلمان ہو گئے بعض ہندو مصنفین کے قول کے مطابق صرف گیارہ گھر اور پنڈت انند کول

مصنف کشمیری پنڈت کی تحریر کے مطابق صرف دو گھر ایسے تھے۔ جو اپنے سابقہ مذہب پر قائم رہے۔ کئی لوگ ایسے تھے جو ملک چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بعد میں سلطان زین العابدین کے زمانہ (۱۴۲۰ء تا ۱۴۷۰ء) میں اس کی بے تعصبی کی وجہ سے کئی مہاجر جلاوطن برہمن پنجاب و دکن سے واپس اپنے وطن میں چلے آئے۔ اسی بادشاہ کے عہد میں پنڈتوں نے فارسی زبان پڑھنی شروع کی اور سرکاری نوکریاں اختیار کر کے کارکن کہلانا شروع کیا۔ کارکن پنڈت اپنے گوسوں کو اپنا مذہبی پیشوا مقرر کرتے تھے۔ اور اسے بچابٹ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

کشمیری برہمن وسط ایشیا سے کشمیر میں آئے تھے

برہمنان کشمیر کے متعلق یہ روایت ہے کہ وہ کشپ رشی کی نسل سے ہیں۔ لیکن پنڈت انندکول کی یادداشت ظاہر کرتی ہے کہ کشمیری برہمن دراصل آریہ نسل سے ہیں۔ جو وسط ایشیا سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے (دیکھو راج ترنگنی کتاب ۱۔ ۳۴۱) ان کے خط و خال اور ان کی رنگت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ آریہ نسل سے ہیں۔ ابتدا میں انکی صرف چھ گوترتھیں۔ دتاتریہ۔ بھاردولج۔ گوتم۔ مدگل۔ اوپامنی۔ دھوم۔ دوسرے ملکوں کے برہمنوں سے جو کشمیر میں آکر آباد ہو گئے تھے شادیاں کرنے اور ان میں خلط ملط ہونے سے گوتر بڑھتے بڑھتے ۱۳۳ ہو گئے۔ بعض مورخوں کے نزدیک ان کے بڑے بڑے گوتر صرف تین ہی تھے۔ بھٹ۔ پنڈت۔ راز دان۔ انہیں سے کول۔ سوپوری اور رینہ؎ نکلے ہیں۔

کشمیر کے ہندو مذہبی پیشوا دور دراز ملکوں میں

اس خیال کی تائید میں کافی شہادت موجود نہیں ہے۔ کہ کشمیری پنڈت دراصل یونانی اور ایرانی تھے اور انہوں نے کشمیر میں آکر اپنے آپ کو برہمن مشہور کر دیا۔ البتہ بقول مورخ لوکاک یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ جب سکندر نے ہندوستان کو فتح کیا ہو۔ تو بعض کشمیری اس کے ساتھ یونان چلے گئے ہوں اور وہیں آباد ہو گئے ہوں۔ ایک اور مورخ میری پول بیان کرتا ہے۔ کہ کشمیری مذہبی پیشوا ایشیا کے مختلف علاقوں میں اپنی مذہبی تعلیم کی اشاعت کرتے رہے ہیں۔ اور یہ امر

؎ رینہ اور راجانک کے متعلق مفصل بحث آئندہ ابواب میں درج ہے۔

واقعہ ہے کہ ایک کشمیری جس کا نام شاما بھٹ تھا۔ زمانہ قدیم میں لاسہ جاکر لوگوں کو اپنے مذہب کی خوبیاں بتاتا اور تعلیم دیا کرتا تھا۔ وہاں کے لوگ "سم بھوٹا" کے نام سے اسے یاد کرتے ہیں۔ اور وہاں اس کی مورتی کی تعظیم و تکریم بھی ہوتی ہے۔

کشمیری پنڈت مالابار میں

ملابار شہر میں کشمیری پنڈتوں کے متعلق یہ عجیب روایت مشہور ہے۔ کہ قدیم الایام میں گورے رنگ کے یہ آدمی طوفان میں بہتے ہوئے ساحل مالابار پر آلگے تھے۔ لوگوں نے انہیں مردہ خیال کیا۔ اور جب انہیں جلانے کے لئے اٹھا کر لے چلے۔ تو وہ زندہ ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بیان میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جن دنوں (غالباً وہ سکندر بت شکن کا زمانہ ہوگا یا اس سے بھی قبل ذوالچو کے حملہ کے وقت) کشمیری اپنے ملک سے بھاگ کر باہر جا رہے تھے۔ ان میں سے کچھ مالابار بھی چلے گئے۔ اس واقعہ پر یہ رنگ چڑھا دیا گیا کہ وہ طوفان میں بہ کر آئے اور مردہ تھے اور پھر زندہ ہو گئے۔ دور دراز کا سفر تھا۔ رستے دشوار گذار تھے۔ سفر جبری تھا۔ تکان اور بھوک پیاس اور پریشان حالی سے مردہ ہی معلوم ہوتے ہونگے۔ لوگوں نے سچ مچ مردہ سمجھ لیا ہوگا

؎ زندہ در گور زمانہ میں نہ ہوں گے ایسے
مرثیہ پڑھتے ہیں شاعر ترے بیماروں کا

کشمیری برہمنوں کے دو بڑے گروہ

سطور گذشتہ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ مسلمانوں کے ابتدائے عہد میں کشمیر کے برہمنوں پر ایک ایسا وقت بھی آیا۔ کہ کشمیر میں صرف گیارہ قبائل کشمیری ہندوؤں کے رہ گئے تھے۔ ماقبی یا تو مسلمان ہو گئے یا قتل یا دوسرے ملکوں میں بھاگ گئے تھے جب سلطان زین العابدین بڈشاہ کے زمانہ میں پنڈتوں کو واپس کشمیر آنے کی اجازت مل گئی اور بادشاہ نے انہیں بہت سی مراعات دیں۔ تو بیشمار پنڈت واپس آگئے بلکہ ان کے ساتھ غیر ملکوں کے اور بھی بہت قبائل چلے آئے گیارہ قبائل نے جو کشمیر سے باہر نہیں گئے تھے اپنے لئے لقب ملماسی اختیار کیا۔ اور وہ لوگ جو کچھ عرصہ کے بعد واپس آئے

ہان ماسی کہلانے لگے یعنی ماس قمری کو اور ہان ماس شمسی کو کہتے ہیں۔

پنڈت اور کارکن

بڈشاہ کے زمانہ میں ہی متذکرہ صدر دونوں گروہوں سے پنڈتوں کے دو اور طبقے نکلے۔ ایک طبقہ کارکن کہلایا۔ جو اس وقت کی مروجہ سرکاری و عدالتی زبان فارسی پڑھکر دفتروں اور محکموں میں ملازم ہوتا اور اعلےٰ اعلےٰ عہدے حاصل کرتا تھا۔ فریق دوم باچ بٹ یا باچھ بٹ یا بھاشا بھٹ کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ فریق علم سنسکرت حاصل کرکے پروہتائی کے مذہبی فرائض ادا کرتا تھا اور اسی وجہ سے پنڈت کہلاتا تھا۔

پنڈتوں اور کارکنوں میں کیا فرق ہے؟

دونوں فرقوں کے علیحدہ علیحدہ فرائض نے ان کے مذہبی تعلقات کو قطع تو نہ کیا۔ البتہ کچھ نہ کچھ فرق ضرور پڑ گیا۔ مثلاً کارکن فرقہ خیرات ہرگز نہیں لیتا۔ اور نہ باچ بٹ فرقہ کے ساتھ شادی کرتا ہے۔ باقی تمام امور میں وہ کسی ذات یا گوتر یا شاخ سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان کے رواج اور مذہبی رسومات یکساں ہیں البتہ اگر کوئی شخص خراب کام یا رذیل پیشہ اختیار کرے۔ تو اس کو داغی یا عیب دار یا داغ زدہ کہتے ہیں لیکن اس کے مذہبی حقوق زائل نہیں کیے جا سکتے۔

پنڈتوں کی عام اصلاحی ترقیاں

۱۸۹۱ء کی رپورٹ مردم شماری میں لکھا ہے کہ تجارت اور کاشتکاری کو یہ لوگ حقیر سمجھتے ہیں۔ لیکن آج ۱۹۳۱ء میں حالات بالکل مختلف ہیں کشمیری پنڈت جو آج سے چوتھائی صدی پیشتر ہماری آنکھوں کے سامنے مسلمان تاجروں کا منیم ہوتا تھا۔ خود ایک تاجر کی حیثیت سے اپنے ملک کی تجارت کو فروغ دے رہا ہے۔ اور تجارت بلکہ صنعت و حرفت کے ہر شعبہ میں ایک ممتاز سوداگر اور ایک ہوشیار کاریگر کی شان رکھتا ہے۔ وہ اس وقت حجام بھی ہے سبزی فروش بھی۔ دوا فروش بھی ہے۔ اور بوٹ مرچنٹ بھی۔ اہل قلم بھی ہے اور اہل حرفہ بھی۔ مزدور بھی ہے اور سرمایہ دار بھی۔ غرض کاروباری زندگی کی ہر صنف میں وہ اس وقت پیش پیش ہے کشمیری پنڈت عام طور پر لکھا پڑھا ہے۔ شاید ایک فیصدی بھی ان میں ان پڑھ نہ مل سکیں۔

کشمیری مسلمان سے اس کو کوئی چھوت چھات نہ تھی۔ بلکہ آب کشی کا کام مسلمان (ہشتیوں) سے لیا جاتا تھا۔ اس وقت بھی ایسے پنڈت موجود ہیں۔ جو مسلمان عورتوں کا دودھ پی کر پلے ہوئے ہیں۔ بلکہ شادی بیاہ کے موقعہ پر بعض معزز گھرانوں میں دودھ ماں۔ دودھ بھائی اور دودھ باپ (جو مسلمان ہوتے ہیں) کے حقوق کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ راقم الحروف کو راجہ سر دیا کشن کول اور ان کے برادر بزرگ راجہ سر ہری کشن کول نے بتایا۔ کہ ان کے ہاں اب تک یہ رسم جاری ہے افسوس ہے اب یہ باتیں خواب وخیال ہو رہی ہیں۔

کاشتکاری و زراعت کا بیشک کشمیری پنڈتوں کو بہت کم خیال تھا۔ بلکہ وہ اس کام کو حقیر ہی سمجھتے تھے۔ لیکن اب اس خیال کی بیخ کنی ہو رہی ہے۔ دیہاتی پنڈت تو عرصہ سے زراعت کر رہا ہے لیکن اب شہر باشی پنڈتوں کو بھی زراعت کی قدر معلوم ہو رہی ہے۔ اور وہ حصول اراضی کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

ڈوگرہ عہد سے قبل پنڈت ہمیشہ سفید پگڑی پہنا کرتے تھے۔ مگر "**الناس علی دین ملوکھم**" کے مطابق اب رنگدار پگڑیوں کا رواج ہو رہا ہے۔ اور تعلیم کی بدولت پھرن کو جواب مل رہا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎

یہی ہے اگر شوق ملبوس نو کا
اُتر جائیگا یہ پھرن رفتہ رفتہ

کشمیر کے برہمن اپنے ماتی اور مذہبی رسوم نیلہ مت پوران اور وید مصنفہ لوگاگ رشی کے مطابق ادا کرتے ہیں۔ کھیر بھوانی اور جوالا بھی ان کی عزیز دیویاں ہیں۔ مگر وہ شیو اور وشنو کی پرستش بھی کرتے ہیں۔

کشمیری پنڈت شادی بیوگان کو اپنے مذہب کے خلاف سمجھتا تھا۔ مگر اب بہت سے روشن خیال پنڈت شادیٔ بیوگان کی ترویج کے حامی ہیں۔ اور گذشتہ سال سے ریاست کا ایک جدید قانون بھی شادیٔ بیوگان کی اجازت دے چکا ہے۔ تاہم اس وقت بھی صوبہ کشمیر میں

آٹھ ہزار کشمیری برہمن کنوارے ہیں۔ اور پانچ ہزار کشمیری پنڈت عورتیں بیوہ کی حیثیت سے اپنی زندگی بسر کر رہی ہیں لیکن توقع ہے کہ سنہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری میں پنڈتوں کے کنوارے یا رنڈوے لڑکوں اور بیوہ عورتوں کی تعداد شادیٔ بیوگان کی ترویج کی بدولت بہت کم ہو جائے گی۔

فصل دوم

ملماسی پنڈتوں کے گوتر اور اُن کی ذاتیں

نمبر شمار	نام گوتر	ذات	نمبر شمار	نام گوتر	ذات
۱	اُپمان دادمینے ،	ریمو	۷	سامن ادپنی	گیگو
۲	سامن مدگلی	نبو، رازدان، ہُشران۔ چینا۔	۸	ہبرت اوپنی	گیرو
		کنٹھ۔ خزانچی ہبت والو		شالا آگائے	
۳	پالدیوداس گارگی	مونگا۔ دیوانی۔ زٹو۔ زدتن	۹	سامن داس اپنی	ہٹ
		پوٹ۔ شورا۔	۱۰	کش ادپنی	ہٹ
		ملا۔ میہ ہلا۔ پوٹ۔ میراخور	۱۱	بھوت داس اوپنی	پیشین۔ یاشن۔
		کدل۔ بچو۔ کوکرو۔ سنگرد۔		ملوگاکہ	ٹھاکر۔ زالپوری
		لقابیا۔ کشو۔ کچلو۔ بعصری۔	۱۲	راج بھوت لوگاکہ	بھان
		کھتر۔ مام۔ سوپوری پنڈت		دیول	
۴	دیوپت سامن	سوپوری	۱۳	راتر بھار گوے	زتشو
	ادمپنی کرشک		۱۴	بھوت لوگاکبہ	منڈو
۵	دیو امپنی	کھوسہ۔ ہیدا۔ پنڈت		دھومیاں گوتم	
۶	سامن واس امپنی	دتو ردتی ،	۱۵		

نمبر شمار	نام گوتر	ذات	نمبر شمار	نام گوتر	ذات
۱۵	دیوسامن گوتم کوشک گگلی	کوکل پنڈت	۳۲	دیو بھاردواج کوشک	دیوا
	بھاردواج		۳۳	شانڈے بھاردواج	بٹ
۱۶	سامن مدگلی پاراشر	گیرو	۳۴	نندہ کوشک بھاردواج	بٹ
۱۷	سامن وتسہ	تفنچی	۳۵	کوشک بھاردواج	بٹ
۱۸	سامن کوشک	ٹھاکر سواتل	۳۶	شانڈلی	کار
۱۹	سامن بھارگو	بالی ہٹو	۳۷	چھند شانڈلی	سادھو
۲۰	سامن شانڈلی	پنڈت - واس -	۳۸	درشانڈلی	جوگی
۲۱	سامن واسہ آتری	ٹھو گہاسی، دازہ	۳۹	دردیوشیلان کپلے	مٹا
۲۲	سامن گوتم آتری شلان	رینہ	۴۰	مترشانڈلی	سید
	کوتس		۴۱	دیوشانڈلی	بتہ، چھلو
۲۳	سامن گوتم آتری	ہٹو	۴۲	راج شانڈلی	درد
۲۴	سامن بہرگو ابہاردواج	کلو	۴۳	گھم شانڈلی	بٹ
	ادس آتری		۴۴	سامن رلشیہ کنہ گارگے	کول
۲۵	سامن کنہٹ کشپ	لابرو	۴۵	کوتس آتری	بٹ
۲۶	سامن کارگی	مچامہ	۴۶	راجدت آتری شیلان کوتس	بٹ
۲۷	سامن گن گہوشک	پادھے	۴۷	شہ من آتری	گدو
۲۸	سامن گوتم بھاردواج	کمدا	۴۸	بہو آتری	وارکو
۲۹	وشیسٹ بھاردوج	بٹ، ہکو، ہنڈو	۴۹	شامن وارشنگے	کاچھو، گادو، چغتائی
۳۰	دیوبھاردواج	بٹ، گادر، کلو	۵۰	راتراشیوامتر گستی	ترکرو، ہتو
۳۱	شرمن بھاردواج	ہٹ	۵۱	درکپشل	لدو، جو

نمبر شمار	نام گوتر	ذات
۵۲	کنٹھ کشپ	ڈاسو۔ رازدان۔ بٹ۔ متو
۵۳	متہ کشپ	بٹ
۵۴	دت بٹرمہ کنٹھ گاشپ	رینہ
۵۵	دیوکشپ مدگلی کشپ	برڈو
۵۶	دیوکشپ مدگلی گوتم	آخون
۵۷	دیو گارگی	بھان
۵۸	دیو دشٹ	اکبلو
۵۹	دیوکوتس آتری	بڈگامی
۶۰	دیو بشوامتر وارشگنے	ڈنگو
۶۱	دیوگوتم	بٹ
۶۲	دیوکنٹھ کشپ	کار
۶۳	دیولوگاکہہ	پنڈت یا ہنطپوری
۶۴	دیوکوشک	بٹ۔ پنڈت
۶۵	آتروارشگن شانڈلے	چہدری
۶۶	کوشک	بٹ۔
۶۷	وسشٹ	بٹ۔ رنگہ ٹینگی
۶۸	کارچھند شانڈلی	چہدری۔ کار
۶۹	متراکوشاک	پنڈت
۷۰	شرمہ کوتس	بٹ بسس

نمبر شمار	نام گوتر	ذات
۷۱	دت داس	کھار
۷۲	وسشٹ سامن مدگلی	کھنڈاری
۷۳	الیتر شانڈلی کوشک	راول بنخاسی
۷۴	وٹ وت شیلان کوتس	بٹ بیتھو مقب ملک کھن ٹشو
۷۵	راتروارشگنے	کوتر
۷۶	پاراشر	یچھہ
۷۷	آترھارگرا	ہپ
۷۸	ھوت لوگاکہیہ	پنڈت
۷۹	راج وشیسٹ	شنگلو
۸۰	دت وارشگن	منسر
۸۱	ریشی کرشاک	کاشغری
۸۲	ریشی کوتسی گارگ	زارد
۸۳	سم واتس گارگ	بٹ۔ یمم
۸۴	سنذ کوشاک	بٹ
۸۵	سامن مدگلی	مدن
۸۶	سامن ہاس وتسی	خانہ کٹو
۸۷	ہبوت ادپمنی	ریو۔ خبری۔ برارد سیدا۔ ادپل۔
۸۸	ہبوت دپمنی شلان گائے	گنجو۔ کنزرو۔

نمبر شمار	نام گوتر	ذات	نمبر شمار	نام گوتر	ذات
۸۹	سامن آتری	شال۔ ہنڈو۔ جلد والی	۹۴	دیو پاراشر	بچھ
		سکھ۔ چاکر	۹۵	سامن گوتم	کلو
۹۰	شانڈلی۔	شاعر	۹۶	دیو پاراشر	تمسی۔ بھوگن
۹۱	سامن والتس گارگی	سُم۔ لنگو	۹۷	درگا گیشٹل اوپمینی	میچ
۹۲	سامن گوشہ والتس اوپمینی	چوکو	۹۸	متراسامن کوشک آتری	پنڈت
۹۳	سترمن کوتس آتری	رگو نند۔ گڑوار۔	۹۹	دربھاردواج	
		دت بہت		کوشک	بٹ

بانماسی پنڈتوں کے گوتر اور اُن کی ذاتیں

نمبر شمار	نام گوتر	ذات
۱	دتاتری (کول)	کول ہنگاری جنسی۔ جلالی۔ واتل۔ فکہ۔ سلطان۔ ادگرا۔ ایما موزہ۔ بام زیئ۔ دونٹ۔ طوطا۔ سیہہ۔ بکسو۔ منڈل سنگاری رافض۔ بابو۔ درابی۔ کاک۔ نقیب۔ ناظر
۲	کنٹھ دہومیاین	رازدان۔ وانگنی۔ مجو۔ بنیر۔
۳	سامن بہاردواج	تکو۔ منشی۔ کھر۔ مسکین۔ گھڑیالی۔ بازاری۔ خان۔
۴	پت سامن کوشک	مٹو۔ خوطہ دار۔ گنجو۔ کاچرہ۔ چلو۔ مام۔ جٹو۔ انباردار۔ گلی دلشنوی۔ برارو۔ پنڈت مسلمان۔ کپاسی۔ وانچو۔ میاں جوان شیر۔ جالہ۔ نیزو۔
۵	بھوا گیشٹل اوپمینی	ونہ خان

نمبر شمار	نام گوتر	ذات
۶	سامن کوشک بھاردواج	بٹ۔ کوکرو۔ ڈگرو)
۷	سامن واس موگا کہہ	تور
۸	در بہاردواج	در۔ ترسل بصری۔ جوان شیر۔ قندہاری۔ تھال چور اوہتو۔ ترکی۔ واگذاری۔ بانگی۔
۹	درواسک شانڈلی	صفایا
۱۰	شیلان کوتس	تیوان کول۔ ٹکو
۱۱	بہواپکشتل	کاؤ
۱۲	درواشگن	صفایا بخشی۔ کچرو شائی
۱۳	تیہ سامن کوشک دیوراترپروار	پنڈت۔ وآل
۱۴	بہواپکشتل	زاڈو۔ کلا۔ سامن۔ لٹو۔ کٹو۔ وانٹو۔ چور۔ چوڈر۔ گیرو۔ حکیم وانگنوں یشیو۔

(۳) کشمیری پنڈتوں کی ۱۴ گوتوں کی مختصر کیفیت

جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے۔ پنڈتوں کی اصل ذاتیں بہت ہی کم ہیں۔ البتہ کاروبار پیشہ اور ذاتی محاسن وعیوب کی وجہ سے جس طرح ہندوستان کی دیگر اقوام میں اَل (NICK NAME) پڑجانے کا رواج ہے۔ وہی رواج کشمیر میں بھی ہے۔ البتہ زیادتی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ فہرست ہذا میں جو ۱۴ ذاتیں ہیں۔ وہ دراصل آل کے ساتھ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی ذاتیں ہوں گی۔ جو ہمیں معلوم نہیں ہوسکیں۔ اور حسب ذیل ذاتیں ڈنگبرو۔ وتھو۔ بڈرو۔ گاذ۔ گاکھار۔ کھونکھو۔ بمرو وغیرہ کئی ایسی ہیں جن کا علم

تو ہے لیکن جن کے مطالب و مفہوم حاصل کرنے میں ہم کامیاب نہیں ہو سکے۔ بہر حال ، ذاتیں حسب ذیل ہیں۔

نمبر شمار	عرف عام	کیفیت	نمبر شمار	عرف عام	کیفیت
۱	کھتو	بائیں ہاتھ سے کام کرنیوالا	۱۴	چکرو	ایک گاؤں کا نام ہے وہاں
۲	گگرہ	چوہا			کے رہنے والے جب سرینگر
۳	گنجو	گنجا			آئے۔ تو چکرو کہلانے لگے۔
۴	کاندرو	نان بائی	۱۵	زرو	بہرہ (اونچا بولنے والا
۵	کھورو یا کھرو	گنجہ	۱۶	ناستی	نسوار فروش
۶	طوطا	جس نے پہلے طوطا پالا	۱۷	دارال	دلال
		اس کی قوم اسی نام سے	۱۸	کاربل	ٹیڑھی گردن والے
		مشہور ہو گئی	۱۹	گدی یا گندو	
۷	حلوائی	مٹھائی بیچنے والے	۲۰	کاؤ	کوا
۸	شہدہ	چرسی کو کہتے ہیں	۲۱	لٹو	دُم
۹	آخون	ملاگری کرنے والے یعنی	۲۲	کبتو	کبڑا
		درس تدریس دینے والے	۲۳	بُلا	احمق
۱۰	میرزا	میرزا خاندان کے ملازم یا	۲۴	وانی	بقال۔ دکاندار بیوپاری
		گماشتہ	۲۵	واپچی	یعنی وانٹو بے مغز اخروٹ
۱۱	ہاشی	حاشیہ باف	۲۶	نپڈت	بید بھاشا جانتے اور سکھانے
۱۲	مسکین	غریب الطبع			والے
۱۳	حکیم	حکمت کرنے والے	۲۷	گوری	گیر دگاؤں متصل وانی پورہ کے رہنے والے

نمبر شمار	عرف عام	کیفیت
۲۸	نادو	نائی (حجام)
۲۹	گوسائیں	پروہت
۳۰	کاغذگر	کاغذ بنانے والے
۳۱	رشی	عابد زاہد
۳۲	دراز	لمبے قد والے کسی شخص کے نام پر ایک فرقہ بن گیا۔
۳۳	واز	وازہ۔ باورچی
۳۴	کپتر	کپڑا بیچنے والا
۳۵	پرچہ	پرچہ نویس
۳۶	کاشغر	کاشغر سے تجارت کرنے اور وہاں آمدورفت رکھنے والے۔
۳۷	کابلی	کابل سے تجارت کرنے اور وہاں آمدورفت رکھنے والے۔
۳۸	قندھاری	قندھار سے تجارت کرنے اور وہاں آمدورفت رکھنے والے۔
۳۹	جوان	ایک قدآور اور وجیہہ شخص کے نام پر اس کی اولاد اب جوان گوت سے موسوم ہے۔
۴۰	چور	ایک شخص نے چوری کی وہ پیشہ ور چور نہیں تھا اس کے نام پر اب ایک قوم آباد ہے۔
۴۱	ہاک	سبزی کی کاشت کرنے والے
۴۲	ذار	قمار باز
۴۳	اونٹ	اونٹ کی طرح لمبا اور بے ڈول
۴۴	ٹُت	لمبی تھوتھنی والے کے نام پر
۴۵	ٹھانٹھر	ٹھٹھیار

نمبر شمار	عرف عام	کیفیت
۴۶	داور	یافندہ
۴۷	دیوان	افسر دیوانی کے نام پر
۴۸	کوٹھا	جہاں شالی رکھی جاتی ہے۔ اس کو کوٹھا کہتے ہیں۔ اب کٹھار بھی اس کا نام ہے۔ کٹھار کے مالک کو کوٹھی دار بھی کہتے ہیں۔
۴۹	ہانگلو	ہانگل وانی تحصیل اننت ناگ کے ر
۵۰	چغت	چغتائیوں کے گماشتہ و ملازم
۵۱	ٹوپہ	اصل لفظ ٹوپی ہے۔ پنڈتوں میں ٹوپی پہننے والے کو ٹوپی بھی کہتے ہیں۔ اب سری نگر میں تو کوئی نہیں۔ البتہ یوپی میں چند گھر ہیں۔ پنڈت برج کشن ٹوپہ خاص طور پر مشہور ہیں۔
۵۲	ہکو	خشک۔ یوپی میں پنڈت راج نرائن اگزکٹو انجینئر ہیں اور لاہور میں پنڈت نند لعل ریٹائرڈ جیلر ہکو ہی ہیں۔
۵۳	مجو	مج مول کو کہتے ہیں تحصیل بارہ مولہ میں مجہ گنڈ ایک گاؤں کا نام ہے
۵۴	ہالو	تحصیل پلوامہ کے ہال گاؤں کے رہنے والوں کو ہالو کہتے ہیں۔
۵۵	ہست والو	ہست ہاتھی کو کہتے ہیں۔ فیل خانہ کے ملازم ہست والو کہلاتے ہیں
۵۶	پارمو	پار یعنی پنجاب کے علاقہ میں آمد و رفت رکھنے والے۔ اب تو پارمو پنڈت لکھنؤ اور دہلی تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں پنڈت جوالا پرشاد آذر اور کاشا پرشاد پریشان اچھے شاعر ہیں۔
۵۷	ببر	بھنورا۔ پھول پر اڑنے والا پرندہ
۵۸	نگری	نگری ملاپورہ ایک موضع تحصیل ہندواڑہ میں ہے۔ اس کے رہنے والوں کو سرینگر میں نگری کہتے ہیں۔

نمبر شمار	عرف عام	کیفیت
۵۹	دُرانی	درانی گورنروں کے پیشکار پنڈت رادھاکرشن نائب تحصیلدار کرگل اسی خاندان سے ہیں۔
۶۰	ترکرُو	تندخو اور درشت مزاج کو کہتے ہیں۔
۶۱	بارک زیئی	پٹھان بارک زیئوں کے ملازم اور گماشتہ
۶۲	ناظر	مہتمم لنگر کو کہتے ہیں
۶۳	ضرابو	جن کے بزرگ ضرب یعنی ٹکسال کے افسر تھے۔
۶۴	تنخواہ	تنخواہ بانٹنے والوں کا عرف ہی تنخواہ مشہور ہو گیا تھا۔
۶۵	ڈُلو	پیالہ
۶۶	جلالی	جلالی شیعہ خاندان کے پنڈت گماشتے بھی جلالی کہلائے۔ کشمیر میں شیعہ مذہب چک بادشاہوں کے زمانہ میں شمس الدین عراقی کے ذریعہ آیا ہے۔ رائے بہادر پنڈت رادھاکشن جج ہائی کورٹ جموں وکشمیر جلالی ہی تھے۔ پنڈت جیالال ایم اے نزول افسر سرینگر بھی اسی سلسلہ میں جلالی کہلاتے ہیں۔
۶۷	زرد چوب	ہلدی کی تجارت کرنے والے اٹاوہ کے پنڈت سورج نرائن اور پنڈت پران ناتھ ریٹائرڈ پوسٹماسٹر زرد چوب ہی ہیں۔
۶۸	ٹکرو	ٹکڑی سے زمینداروں کا غلہ تولنے اور محاصل میں وصول کرنے والے۔
۶۹	چک	چک بادشاہان اسلام کے معتبر و معتمد انہی کے نام سے مشہور ہو گئے پنڈت پرتھی ناتھ وکیل کانپور چک ہی تھے۔ ان کے دو نامور فرزند لکھنؤ میں بیرسٹری کر رہے ہیں۔

نمبر شمار	عرف عام	کیفیت
۷۰	صاحب یا صاحبی	تعظیمی لفظ ہے ان کے بزرگ مذہبی یا دنیادی ثروت کے لحاظ سے قابل تعظیم ہوں گے۔ شاید سرینگر کا چشمہ صاحبی جو موضع تھیڈ متصل چشمہ شاہی میں ہے اسی قوم کے کسی بزرگ کے نام پر ہو۔ صاحب کول کی ایک شاخ ہے
۷۱	خیبری	خیبریوں اور جنگیوں کا بھی کسی وقت کشمیر میں زور رہا ہے۔ اب بھی .... تحصیل اوتر مچھی پورہ میں خیبری جاگیردار موجود ہیں۔ ان کے ملازم د معتمد اپنی کے نام پر خیبری مشہور ہو گئے۔
۷۲	سپرو	نام کی وجہ معلوم نہیں کشمیری پنڈت سبھا دہلی کے سکرٹری رام کشن سپرو کو خط لکھا تھا۔ جواب نہیں ملا پنڈت طت بی کے سپرو اسسٹنٹ الکٹریکل انجنیر ہائیڈرو الکٹرک سکیم بھی پنڈتوں کی اسی شاخ سے ہیں۔
۷۳	زالپوری	زابلستان سے آمد و رفت رکھنے والے تاجر یا بیوپاری لاہور کے پنڈت جے ناتھ رٹیائرڈ این ڈبلیو۔ آر اسی فرقہ سے ہیں۔
۷۴	ہاک	

(۴) قسط باشی پنڈتوں کی ذاتیں

زمانہ قدیم میں اہل حرفہ گروہ پر جو سرکاری ٹیکس ہوا کرتے تھے۔ ان کی وصولی پر جو اہل کار تعینات ہوتے تھے۔ وہ عموماً قسط باشی کہلاتے تھے۔ اور ہر اہل حرفہ

کا اہل کار اسی اہل حرفہ کے نام پر مشہور ہو جایا کرتا تھا۔ چند قسط باشی پنڈتوں کی تفصیل ذیل میں درج ہے

کھر کھر (خر) باٹوں سے محصول وصول کرنے کی وجہ سے ان کا نام کھر پڑ گیا۔ سری کنٹھ سابق تحصیلدار اسی قوم میں سے ہے۔ کشمیر میں اب تک خ کو کھ اور ق کو چھ بلاتے ہیں۔ بلکہ کئی لکھے پڑھے لوگ کاغذ کو کاگج۔ خر کو کھر اور نیض کو بھیسج کہتے ہیں۔

آرم ملیاروں یعنی رائیوں سے سرکاری رسوم وصول کرنے کی بدولت یہ بھی آرم مشہور ہو گئے۔ سوپور میں آرم پورہ کے نام سے ایک بہت بڑا محلہ آباد ہے۔ آرم یا ملیار قوم عموماً سبزی کی کاشت کرتی ہے۔ راج ترنگنی میں اس قوم کیلئے اصل قدیم سنسکرت لفظ آرانک لکھا ہے۔

کرال کمہار کو کہتے ہیں۔ کرالہ یار سری نگر کا محلہ اسی قوم کے نام پر آباد ہے۔ جو پنڈت کراوں سے اقساط سرکاری وصول کرتے تھے۔ اُن کی اصل ذات جو بھی تھی۔ کرال کے لفظ میں مدغم ہو گئی۔ اب یہ کرال ہی کہلاتے ہیں۔

قاضی زرقضا یا وصول کرنے پر جو مسلمان مقرر ہوا کرتے تھے۔ وہ بھی قاضی کہلائے اور جو پنڈت اس کام پر مقرر تھے۔ وہ بھی قاضی ہی مشہور ہو گئے۔

گورو گوجر کو کشمیری میں گور دکہتے ہیں۔ ان میں مسلمان بھی ہیں اور پنڈت بھی۔ مسلمان تو مال مویشی پالتے ہیں اور دودھ بھی بیچتے ہیں۔ لیکن پنڈت گورد گوجروں کا کام نہیں کرتے۔ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے آباؤ اجداد گوجروں کے قسط باشی یا پٹواری تھے۔ اور ان سے سرکاری ٹیکس وصول کیا کرتے تھے۔

بقایا جو سرکاری رسومات لوگوں کے پاس باقی رہ جاتی تھیں۔ ان کی وصولی کے لئے سکھوں اور پٹھانوں کے عہد میں ایک تحصیلدار تحصیل بقایا کے لئے مقرر ہوتا تھا۔ ڈوگرہ عہد حکومت کے ابتدائی ایام میں بھی اس عہدہ کا وجود قائم تھا۔ اس کا افسر اعلیٰ افسر محکمہ تصفیہ بقایا کہلاتا تھا۔ بقایا قوم اسی عہدہ کی یادگار ہے۔ پنڈت موہن لال بقایا ریٹائرڈ ہیڈ ورنیکولر کلرک ڈپٹی کمشنر لاہور اور ان کے فرزندان پنڈت بشن لال بی اے ریلوے، اور پنڈت

لہ تعریف کتاب ہذا کے دوران میں ۔۔۔ ۔۔۔ کا انتقال ہو گیا۔

اوتار لال بی اے (شاعر و جرنلسٹ) بھی اسی برادری سے ہیں۔ ملتان کے رائے صاحب پنڈت جیون لعل بقایا جو وہاں کے آنریری مجسٹریٹ بھی ہیں۔ نہ صرف اس خاندان کے لئے بلکہ تمام کشمیریوں کے لئے باعث فخر ہیں۔ لاہور کے پنڈت اقبال ناتھ ہوس پروپرائٹر موہنی ووڈ اور پنڈت تربون ناتھ کوچہ بوگری مصر بھی بقایا خاندان ہی سے ہیں۔ بقایا برادری کا ایک شاعر مست رام بقایا یو۔پی میں مشہور ہے۔

نہرو قدیم زمانہ میں نہروں کے میر منشی، منشی اور اہلکار تھے۔ اسی نام پر نہرو کہلائے۔ ان کی اصل نارو بتائی جاتی ہے۔ نارو ایک چوبی نال ہوتی ہے جس سے پانی ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجاتے ہیں۔ پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت جواہر لال نہرو جن کا نام ہندوستان کے علاوہ تمام دنیا میں بین الاقوامی شہرت رکھتا ہے۔ اسی خاندان کی ذریات سے ہیں۔ سری نگر کے پنڈت بشمبر ناتھ نہرو ایم اے۔ ایل ایل۔ بی پریزیڈنٹ میونسپلٹی سرینگر بھی نہرو ہیں۔ ڈاکٹر کشن لال نہرو اسسٹنٹ کمشنر حفظان صحت گوالیار۔ پنڈت برج لعل نہرو چیف آڈٹ افسر این۔ ڈبلیو۔ آر۔ ان کے فرزند برج کمار نہرو جو ۱۹۳۳ء میں امتحان سول سروس (لنڈن) میں تیسرے نمبر پر کامیاب ہوئے ہیں نہرو خاندان ہی سے ہیں۔ یہ خاندان ہندوستان اور ہندوستان سے باہر بہت مشہور ہے۔

من ڈی من ڈی کشمیر میں ایک پیمانہ کا نام ہے۔ جو ۲۱ سیر کہلاتا ہے۔ سرکاری رسوم کے طور پر شالی کے کرایہ کشوں سے من ڈی شالی وصول کی جاتی تھی۔ جو لوگ رسوم وصول کرنے پر مقرر تھے۔ وہ ہندو تھے یا مسلمان۔ ان کی اولاد اب من ڈی کہلا رہی ہے۔

گذربان محصول لے کو کہتے ہیں جس طرح اس زمانہ میں کسٹم و پرمٹ کی چوکیاں ہیں۔ اور ان پر محالدار محصول لینے کے لئے مقرر ہیں۔ اسی طرح گذشتہ زمانہ میں بھی کم و بیش محصول لیا جاتا تھا اور محصول لینے والے محالداروں کو اس زمانہ میں گذربان کہتے تھے۔ اب گذربان کے نام پر پنڈتوں کی ایک قوم نامزد ہے۔

فصل سوم

کشمیری پنڈتوں کی عام گوتیں اور ذاتیں

(۱) **کل پوش** ٹوپی کو کلپوش کہتے ہیں۔ کل یعنی سر پوش یعنی پوشش مسلمان عورتوں کے قصابہ اور پنڈتانیوں کے ترنگہ کے نیچے کلپوش ہوتا ہے کسی مرد نے بھی شوقیہ یا مذاقیہ طور پر اپنے سر پر کل پوش پہن لیا۔ اس کا نام بھی کلپوش پڑ گیا۔ اور اب اسی کے نام پر اس کے قبیلہ کا نام کلپوش ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کل پوش دو ذاتوں پر مشتمل ہے۔ ایک ذات کلہ کہلاتی ہے۔ کلہ کشمیر میں سر کو کہتے ہیں۔ جیسے گاڈ کلہ یعنی مچھلی کے سر والا۔ یہ لوگ سر کی پوشش (ٹوپی) بنانے یا بنوانے کا کام کرتے تھے۔ ایک ذات پھر کلہ کہلاتی ہے۔ پھرن (پیراہن) کا خلاصہ ہے۔ یہ لوگ ٹوپیاں بھی بنایا یا بنوایا کرتے تھے اور پھرن بھی۔ اس لئے پھر کلہ کہلائے۔ کشمیر کے علاوہ دہلی اور پنجاب میں بھی یہ ذات آباد ہے

ڈلو یا ولی مکان میں سے دھواں نکالنے کے لئے جو سوراخ رکھا جاتا ہے اس کو کشمیری زبان میں ڈلو کہتے ہیں معلوم نہیں اس نام کی اصل وجہ تسمیہ کیا ہے۔ لیکن عوام کے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص نے پہلے پہل اپنے مکان میں آگ تاپنے کے لئے انگیٹھی بنائی اور اس میں دھواں نکلنے کے لئے سوراخ رکھا اس کو ڈلو کے نام سے پکارنے لگے کشمیر میں ایک ضرب المثل ہے۔ پانس بچھک گامت ڈلو ڈلو لگنک تھان

یعنی خود اس قدر عیب دار ہیں۔ کہ ان کے سوراخوں کو ڈھکنے کے لئے کئی ڈلو درکار ہیں۔ اب مرور ایام سے یہ ذات ڈلو کی بجائے ولی مشہور ہو رہی ہے۔ لاہور میں پنڈت گوپی ناتھ ولی ریٹائرڈ تحصیلدار اور پنڈت منموہن کشن ولی بیرسٹر ایٹ لا جو آجکل ریاست نابھ میں کسی معزز عہدہ پر ہیں۔ اور پنڈت اندر کشن ولی سب جج راولپنڈی اور پنڈت براج نرائن ولی آنریری مجسٹریٹ ہردوئی پنڈتوں کی

اسی شاخ سے ہیں۔

(۳۰) **سس** ٹری گاڑی کو کہتے ہیں اور اوپل ہاک کے ساتھ جب مونگ یا ماش کی دال پکاتے ہیں۔ تو اس کو سس اوپل ہاک کہتے ہیں۔ اس ذات کے صرف پانچ سات گھر ہیں۔ اصل ذات معلوم نہیں ان کی کیا تھی۔ کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص کسی جگہ سے دعوت کھا کر آیا۔ کسی نے پوچھا دعوت میں کیا کچھ تھا۔ کہا سس جس نے سنا سسن سس کہا اس سے نام ہی سس پڑ گیا۔

سُکا کشمیری زبان میں کھٹائی کو کہتے ہیں۔ باورچی خانہ کا نام سلہار ہے۔ اصل لفظ سُراہار ہے۔ سُرا کے معنی شراب۔ ہار کے معنی کھانا پینا جب اس میں کھٹائی ڈالتے ہیں۔ تو اس کو سدر کانج کہتے ہیں جب اس میں ترکاری اور ہاک وغیرہ ڈالتے ہیں اس کو سُکر کہتے ہیں۔

(۴۰) **شگالی** اس قوم کے لوگ دراصل کابل سے افغانوں کے ساتھ آئے تھے۔ ان کے سرکردہ کا نام گل شگالی بتایا جاتا ہے۔ وہ میرزا کہلاتا تھا۔ بڑا قد آور وجیہ جوان تھا۔ افغانی صوبہ نے اس کو ہری پربت کے قلعہ کا ایک محافظ مقرر کیا تھا۔ اس خاندان کے کئی اشخاص اس وقت اسلام آباد اور ہری پربت کے اندر ہیں۔ رسول خان جمعدار تحصیل انزت ناگ جو بعد میں ذیلدار بھی ہو گیا تھا۔ اسی گل شگالی کی اولاد سے ہے۔ غلام محمد بیگ ذیلدار اسی کا فرزند ہے ایک مسلمان کے نام پر پنڈتوں کی ایک قوم کس طرح شگالی مشہور ہوئی۔ اس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ پنڈتوں میں ایک شخص شگالی کے سے اوصاف رکھتا تھا۔ یعنی گل شگالی کی طرح قد آور جوان تھا۔ اس کی آنکھوں سے خون برستا رہتا تھا۔ اور آٹھ دس آدمیوں کو مار بھگانا اس کے نزدیک معمولی بات تھی۔ چنانچہ وہ پنڈت بھی شگالی ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔

کشمیر میں جب کوئی زبردستی کرتا یا غنڈاپن دکھاتا ہے۔ تو کہتے ہیں "گل شگالی بنامُت چھو" یعنی تم گل شگالی جیسے بن گئے ہو۔

(۵) **کھن مشو** پانپور سے ذرا اوپر شمال کی طرف کھن مُو ایک گاؤں کا نام ہے۔اس موضع کے کچھ پنڈت جب سرینگر میں آکر آباد ہو گئے۔ تو ان کو کھن مشو کہنے لگے۔
شوق بابا جن کی زیارت پانپور میں ہے۔اور لل دیدی کھن مشو کے برہمن ہی تھے۔پنجاب میں جو کشمیری پنڈت پروہتائی کا کام کرتے ہیں۔وہ بھی کھن مشو ہی ہیں۔
راجہ کھلھند رکے زمانہ میں بلہن شاعر نے "وکرمانک دیو چرتر" نام ایک کتاب لکھی تھی۔موضع کھن مو کے برہمن اسی کی اولاد سے ہیں۔اور کھن مشو کہلاتے ہیں۔

(۶) **گرانہ** ایک خونخوار دریائی جانور کا نام ہے۔پنڈتوں میں کوئی شخص ایسی ہی خونخوار طبیعت کا گذرا ہے۔جس کو عوام نے گرانہ کہنا شروع کر دیا۔اب اس کی اولاد گرانہ کے نام سے موسوم ہے۔

(۷) **وچاری** وچار۔بچار یعنی سوچ اور تفکر کو کہتے ہیں۔بیان کیا جاتا ہے۔کہ جس چشمہ پر مہیکر شوجی نے گنگابل جانے کے متعلق وچار کیا تھا۔اس کو وچار ناگ کہتے ہیں۔اور جو لوگ وہاں آباد ہو گئے۔وہ وچاری کہلائے۔ ۱۹۳۱ء کے ایجی ٹیشن میں یہاں تباہ کن ہندو مسلم تصادم ہوا تھا۔

(۸) **اِش بری** نشاط باغ اور ہارون کے پاس ایک موضع کا نام ہے۔اِش ایشور کو کہتے ہیں۔براری کشمیری زبان میں دیوی کا مفہوم ہے۔جو لوگ اشبری سے سری نگر میں آئے۔وہ اش بری یا اشبراری کہلائے۔

(۹) **مُشران** جسیم وبد شکل وصورت کے انسان کو کہتے ہیں چنانچہ اہل کشمیر جب کسی کو بد دعا دیتے ہیں۔تو کہتے ہیں "چھ مُشران پیون" یعنی تم پر مشران آ پڑے یا "ای چھو مشران ہی اَد"۔ یہ مشران جیسا ہے جس شخص کی شکل وصورت جسیم و مہیب تھی۔پہلے اس کا اپنا نام مشران پڑا۔پھر اس کی اولاد و احفاد کا۔چنانچہ اب مشران سرینگر کے علاوہ یو۔پی میں بھی موجود ہیں۔اور اچھے اچھے عہدوں پر ہیں۔یو۔پی کے مشران

پنڈتوں میں ٹھاکر پرشاد جودت اور درگا پرشاد بیچوڑ کئی نامور شعرا بھی ہوئے ہیں۔

(۱۰) **بخشی** جو مسلمان یا پنڈت گذشتہ زمانہ میں فوج کے منشی اور میر منشی تھے۔ ان کو بخشی فوج بھی کہتے تھے۔ تنخواہوں کی کاٹ چھانٹ کا کام بھی انہی کے سپرد ہوتا تھا۔ ان کی اولاد اب اپنے بزرگوں کے نام پر بخشی ہی کہلا رہی ہے۔ دراصل ذات قریباً سب کو فراموش ہو چکی ہے۔ اُمکار ناتھ بخشی وکیل لکھنؤ جو ایک مشہور شاعر بھی ہیں۔ اسی گوت سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۱۱) **شرغا** طوطے کو طوطا بھی اور شوگا بھی کہتے ہیں۔ اور شرگا یا شرغا اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں طوطے کی طرح ہوں۔ یا جو طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیتا ہو ممکن ہے اس ذات کا کوئی بزرگ انہی اوصاف سے متصف ہو۔ پرتاپ کالج سرینگر کے اولین پرنسپلوں میں پنڈت اقبال کشن شرغا تھے۔ جن کا انتقال گذشتہ سال بنارس میں بعمر ۷۰ سال ہو گیا ہے۔ شرغا خاندان میں بڑے بڑے قابل آدمی ہوئے ہیں۔ اور یو۔ پی کے کئی شاعروں نے بھی اس خاندان کا نام روشن کیا ہے۔ اصل گوت کول ہے۔

(۱۲) **عرض بیگی** کشمیر میں پٹھانوں کی حکومت کے زمانہ میں بلکہ سکھوں کے عہد میں بھی سائلوں اور حاجتمندوں کی عرضیاں پڑھکر سنانے کا رواج تھا۔ جو لوگ عرضیاں سنایا کرتے تھے۔ ان کو عرض بیگی کہا کرتے تھے۔ پنڈت عرض بیگیوں میں راجہ کول عرض بیگی تخلص دیری ایک مشہور شاعر گذرا ہے۔ اس وقت بھی اسی خاندان کا ایک نوجوان سری جیند عرض بیگی گورنری میں ہیڈ کلرک ہے۔

(۱۳) **کاکھجو** کاٹھلیشور واقعہ ٹینکی کدل سرینگر ایک پرانا تیرتھ تھا۔ جہاں اب ایک نیا مندر پرانے مندر کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔ چونکہ یہ خاندان اسی محلہ میں بستا تھا۔ اور اب تک بھی اس کے اکثر افراد وہیں بود و باش رکھتے ہیں۔ اس لئے کاکھجو کے

نام سے موسوم ہو گیا۔ پنڈت موتی لال کاچھو پنجاب برادری کے ایک نامور کشمیری پنڈت تھے شاعر تھے بسمل تخلص تھا۔ آگرہ کالج آگرہ کے پروفیسر پنڈت پیارلیشر ناتھ بھی کاچھو ہی ہیں کاچھو خاندان کا گوتر سوامن دار تسگتے ہے۔

(۱۴) **کوتر** ان کو کوترو بھی کہتے ہیں۔ تحریر میں بھی کوترو ہی آتا ہے۔ روایت ہے کہ ان کے کسی بزرگ نے کوتر یعنی کبوتر پالے تھے چونکہ کشمیری زبان میں کبوتر کو کوتر کہتے ہیں۔ اسلئے کوتر ہی ان کا نام پڑ گیا۔ جو رفتہ رفتہ کوترو ہو گیا۔ سرینگر میں اس قبیلہ کے چند ہی گھر ہیں جن میں آنند جو کوترو رگناتھ کوترو وغیرہ خاص طور پر مشہور ہیں۔

(۱۵) **جوان شیر** افغانوں کے عہد میں امیر جوان شیر کشمیر کا ایک مشہور گورنر گذرا ہے امیر اکدل اسی کے نام پر مشہور ہے۔ اور شیر گڈھی کا اصل بانی بھی یہی گورنر تھا۔ اس کا پیشکار ایک پنڈت تھا۔ جو اسی کے نام سے جوان شیر مشہور ہو گیا۔ اس قبیلہ میں در اور رازدان وغیرہ کئی ذاتیں ہیں۔ وہ سب جوان شیر کہلاتی ہیں۔ زندہ رام جوان شیر اور سہج رام جوان شیر اس فرقہ کے مشہور آدمی ہیں۔

(۱۶) **منشی** اس فرقہ کی اصل ذات ٹکو ہے۔ افغانوں یا سکھوں کے عہد میں اس خاندان کا ایک بزرگ بڑا زبردست منشی گذرا ہے۔ ٹکو کی بجائے اپنے ذاتی ہنر کی بدولت وہ منشی مشہور ہو گیا۔ اور اس کی اولاد بھی منشی ہی کہلائی۔ روایت ہے کہ آخر عمر میں اس کو خلل دماغ کا عارضہ ہو گیا تھا اور وہ درختوں کے پتوں پر کچھ لکھتا اور دریا میں ڈالتا رہتا تھا۔ اس خاندان میں بڑے بڑے نامی اہلکار ہوئے ہیں۔ پنڈت امرچند منشی جواب پنشن پر ہیں۔ اسی خاندان کے ایک مشہور تحصیلدار ہیں۔ یو۔پی کے پنڈت کیلاش پرشاد ایم۔اے اور گوالیار کے پنڈت شیام لال منشی انسپکٹر کسٹم بھی منشی خاندان ہی سے ہیں۔

(۱۷) **مصری** مصر کا کوئی تاجر کشمیر چلا آیا تھا۔ اس نے اپنا گماشتہ جس پنڈت کو مقرر کیا وہ اسی کے نام پر مصری مشہور ہو گیا۔ ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ کوئی پنڈت مصر چلا گیا تھا جب واپس آیا۔ تو مصری کہلایا۔ اور اسی نام پر اس کی نسل مشہور ہو گئی۔ سرینگر میں چند گھر مسلمان مصریوں کے بھی ہیں۔

(۱۸) **منڈو** کشمیری زبان میں منڈو بھیڈو کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ منڈوؤں کا کوئی بزرگ منڈو کی طرح موٹا تازہ اور سخت جان تھا۔ ایک وجہ یہ بھی بتاتے ہیں۔ کہ جو پنڈت زمانہ قدیم میں منڈو (بھیڑ بکریاں) پالا کرتے تھے۔ وہ منڈو کے نام سے ہی موسوم ہو گئے۔ اس قوم میں مسلمان بھی ہیں۔ یو۔ پی کے پنڈتوں کی منڈو شاخ نے کئی قابل افراد پیدا کئے ہیں۔

(۱۹) **وانٹو** جس اخروٹ میں سے گری (مغز) کم نکلے اس کو وانٹو کہتے ہیں۔ جیسے بادہ اخروٹ جو بہت سخت ہوتا ہے۔ اور جس میں سے مغز بہت کم نکلتا ہے۔ اور وہ بھی بڑی مشکل سے۔ یہ لفظ عموماً بخیل کے لئے بولا جاتا ہے۔ ممکن ہے اس قوم کے کسی بزرگ کا یہی حال ہو۔

(۲۰) **پیر** شاہجہان بادشاہ کے زمانے میں "پیر پنڈت پادشاہ" کے عرف عام سے ایک ہندو مرتاض بزرگ گذرے ہیں۔ جن کا مندر بپایہ عالی کدل میں پیر ویسی کی زیارت کے متصل ہے۔ پنڈتوں میں اور مسلمانوں میں بھی "پیر پنڈت پادشاہ" کا بڑا احترام ہے۔ بلکہ پنڈت تو ان کا نام ان الفاظ میں لیتے ہیں "پیر پنڈت پادشاہ سر دو جہان مشکل آسان" ان کو رشی پیر بھی کہتے ہیں۔ پنڈت اب تک ان کے نام کی نذر نیاز دیتے ہیں۔ ان کے چیلے پیر کہلاتے ہیں۔ اور اب وہ پیر قوم کے نام سے ایک علیحدہ جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۲۱) **منٹو** اس لفظ کا تعلق من وٹی طبقہ کے ساتھ ہی ہے جس کا ذکر قسط باشی پنڈتوں کے طبقہ میں ہو چکا ہے۔ کہتے ہیں ان کا کوئی بزرگ ایک ہی وقت شرط باندھ کر پا اسیر یا من وٹی چاول کھا گیا تھا۔ اس وقت سے اس کا نام منٹو پڑ گیا۔ اس قوم میں ہندو مسلمان دونوں شامل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے من وٹی چاول کھانے والا اصل بزرگ پنڈت تھا۔ اس کی اولاد سے جو مسلمان ہوا۔ وہ بھی منٹو ہی کہلایا۔

(۲۲) **تورک یا ترک** جو پنڈت ترکوں کے گماشتہ تھے۔ وہ بھی اپنے مالکوں کے نام پر ترک یا تورک یا ترکی ہی کہلائے۔ سرینگر میں تاب رام ترکی ایک مشہور شاعر گذرا ہے۔ اس نے سکھوں کا جنگ نامہ لکھا ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے ؎

ز پنجابیاں شش جہت در خروش
ز گجراتیاں گاو گردوں بہ جوش

(۲۳) **سوپوری** سوپور سے جو پنڈت زمانہ قدیم میں سرینگر آئے۔ وہ سوپوری کہلائے بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ جو پنڈت سویا پنڈت بانی سوپور کی اولاد سے ہیں۔ وہ سوپوری کہلاتے ہیں۔ بہرحال پنڈتوں کے اس طبقہ کا تعلق سوپور سے ضرور ہے۔ لکھنؤ۔ دہلی اور پنجاب وغیرہ کے کشمیری پنڈت جو اپنے آپ کو شیوپوری لکھتے ہیں۔ وہ غلط ہے۔ صحیح سوپوری ہے۔ لیکن اب یوپی میں غلط العام ہی صحیح تصور کیا جا رہا ہے۔

(۲۴) **ٹھسو** جنوبی کشمیر کی تحصیل کولگام میں ٹھسو ایک گاؤں کا نام ہے۔ اس گاؤں سے جو بزرگ دیہات سے آکر جب شہر (سرینگر) میں آباد ہوئے۔ تو اپنی اصلی گوت یا ذات کی جگہ ٹھسو ہی کہلائے۔ رائے بہادر پنڈت پریم ناتھ (لاہور) کولگام کے موجودہ تحصیلدار پنڈت سری کنٹھ ٹھسو سرینگر کے ڈاکٹر امکار ناتھ ایم بی بی اور پنڈت شمبر ناتھ ٹھسو بی اے ایل ایل بی منصف زیر سنگھ پورہ (جموں) ٹھسو خاندان ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۲۵) **گندنو** گندن دستہ کو کہتے ہیں اور پوش گندن گلدستہ کو۔ پنڈتوں کی اس شاخ کا کوئی فرد گلدستہ بنایا کرتا اور بیچا کرتا تھا۔ وہ گندنو کے نام ہی مشہور

ہو گیا۔ گندنے کے مقابلہ پر ایک لفظ اردو میں بھی گوندھنا ہے۔ اور وہ پھولوں کا ہار اور سہرا
پرونے اور بنانے کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے استاد ذوق کا ایک شعر ہے۔ ؎

تابنی ہاور ہنے ہیں رہے اخلاص بہم — گوندھئے سورۂ اخلاص کو پڑھکر سہرا

(۲۶) **ٹھلل یا ٹل** ٹھلل ٹکر اور ٹکر مارنے کو کہتے ہیں۔ اور ایسے شخص کو جسکی پیشانی چوڑی ہو اور جس سے ستارہ بلندی کے آثار ظاہر ہوں۔ ٹل کا لفظ ٹھلل
ہی سے نکلا ہے۔ بعض اصحاب اپنے نام کے ساتھ ٹھلل لکھتے ہیں۔ جیسے رائے بہادر پنڈت
رام ناتھ ٹھلل سکرٹری سنٹرل بورڈ آف ریونیو شملہ۔ لاہور کے نوجوان شاعر پنڈت راجندر ناتھ
ٹھلل شائق جو بمبئی کے محکمہ ریلوے میں کسی معزز عہدہ پر ہیں۔ بعض اصحاب ٹھلل کی بجائے
ٹل کا لفظ اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں۔ جیسے پنڈت ارجن ناتھ ٹل بیرسٹر ایٹ لا چیف جج
کشمیر اور پنڈت جانکی ناتھ ٹل ڈپٹی کمشنر بہادر شیخوپورہ۔ آج سے کچھ عرصہ پیشتر پنڈت جے ناتھ
ٹل جے پور (راجپوتانہ) کے ایک مشہور وزیر اعظم گذرے ہیں۔

(۲۷) **زاڈو** اصل میں پروہتائی کا کام کرتے ہیں۔ زاڈو نشیبی جگہ یا زمین کو کہتے ہیں جو لوگ نشیبی حصہ میں رہتے تھے۔ وہ زاڈو کہلائے۔ جیسا کہ زڈی بل جہاں شیعہ
آبادی ہے نشیب اور تر جگہ ہونے کی وجہ سے زڈی بل کہلاتا ہے۔ موجودہ تعلیم پاکر زاڈو طبقہ
کے افراد اس وقت خوب نام پیدا کر رہے ہیں۔ پنڈت واسدیو ایم۔ ایس۔ سی ولایت سے بھی ہو آئے
ہیں۔ اسسٹنٹ انجنیئر ہیں۔ اور پنڈت صاحب پروفیسر پرتاپ کالج جو پروفیسر زاڈو کے
نام سے مشہور ہیں۔ اور پنڈت واسدیو زاڈو سپرنٹنڈنٹ انجنیئر انت ناگ زاڈو طبقہ ہی سے ہیں۔

(۲۸) **زلپو** اصل گوت ان کی رازدان ہے۔ خیال یہ ہے کہ ان کا کوئی بزرگ منخنی سا تھا۔ اس کی نسل زلپو کہلائی۔ ایک قیاس یہ بھی ہے کہ وہ نشیبی جگہ میں رہتے تھے نشیب
کو زڈ اور زلپو بھی کہتے ہیں۔ وہ زلپو ہی سے موسوم ہو گئے۔

(۲۹) **قلی** جس طرح بامزئی اور درانی پٹھانوں سے تعلقات رکھنے کی وجہ سے پنڈتوں میں بامزئی اور درانی قومیں اب تک گذشتہ ہندو مسلم تعلقات ظاہر کر رہی ہیں۔ اسی طرح پٹھانوں کے زمانہ میں تار علی خان اور نور جنگ قلی خان درانی بادشاہوں اور افغان گورنروں کے نامور سردار گذرے ہیں۔ ان کی سرکاروں میں جو پنڈت نوکر تھے۔ وہ انہی کے نام پر قلی کہلائے چنانچہ حاجی کریم داد خان گورنر کے زمانہ (۱۷۷۶ء تا ۱۷۸۳ء) میں دلارام قلی منصب صاحب کاری پر ممتاز تھا۔ حاجی مذکور نے دلارام ہی کے مشورہ سے پہلی مرتبہ شالبافوں پر داغ شال ٹانکیں لگایا۔ آزاد خان گورنر کے زمانہ (۱۷۸۳ء تا ۱۷۸۵ء) میں دلارام مدار المہام ہو گیا۔ جب آزاد خان کو اس کے بھائی پہلوان خان اور ملوک خان کی سازش سے اس کے محافظ شبستان عظمت خان تابچی نے گولی سے زخمی کر دیا۔ تو آزاد خان نے جس کے گھر میں سب سے پہلے پناہ لی ہے۔ وہ دلارام ہی تھا میر ہزار خان گورنر نے ۱۷۹۳ء میں دلارام کی بعض حرکات سے ناراض ہو کر ۱۲۔ ذی الحجہ ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۳ء) کو بمقام خانیار اسے ہلاک کرا دیا۔

(۳۰) **ککرو** اچھابل (اسلام آباد) کے متصل ککر ننڈ ایک موضع ہے۔ ککرناگ بھی جو ایک مشہور چشمہ ہے۔ اسی قوم کے نام پر ہے۔ جو لوگ ککر ننڈ سے شہر میں آئے وہ ککرو کہلائے۔ پرکاش پنڈت اس گوت کا ایک مشہور جاگیردار گذرا ہے۔ راجہ سورج کول جو مہاراجہ پرتاپ سنگھ آنجہانی کے اوائل حکومت میں ممبر کونسل رہ چکے ہیں۔ کے والد اسی خاندان سے متبنیٰ ہو کر نگاری خاندان میں گئے تھے۔ پنڈت شام لال سٹینوگرافر محکمہ صاحب پرائم منسٹر اور پنڈت پرشاد رام ریٹائرڈ ملازم محکمہ مال حال معتمد خاص پنڈت تاراچند صاحب ترسل رئیس سرینگر ککرو خاندان ہی سے ہیں۔

(۳۱) **وزیر** شاہان مغل اور شاہان افاغنہ کے عہد میں گورنری کا عہدہ نہ کسی منسٹر مال کے ماتحت تھا۔ نہ کسی پرائم منسٹر کے ماتحت۔ بلکہ اس عہدہ کا اس قدر اقتدار و رتبہ تھا کہ منسٹران مال اور مدار المہام اور دوسرے ذمہ دار وزراء اور منسٹران سلطنت سب گورنر ہی کے

ماتحت ہوا کرتے تھے۔ گورنروں کو اس زمانہ میں ناظم یا صوبہ کہتے تھے۔ بادشاہوں کے وزرا علیحدہ ہوتے تھے اور ناظموں کے مدار المہام اور صاحب کار الگ ہوتے تھے۔ چنانچہ وزرائے کشمیر کے ہاں جو پنڈت ملازم یا گماشتہ تھے رفتہ رفتہ وہ بھی وزیر ہی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اور اب وزیر کشمیری پنڈتوں کی ایک جداگانہ گوت شمار ہوتے ہیں۔ وزیروں کے خاندان میں پنڈت تارا چند وزیر ایم۔ اے جو ولایت سے بھی ہو آئے ہیں۔ اس وقت محال ایر شیم جموں کے ڈائرکٹر ہیں۔ پنڈت واسدیو اسسٹنٹ الیکٹرک انجنیئر ہیں اور ڈاکٹر دوہ لال وزیر وٹرنری اسسٹنٹ ہیں۔

(۳۲) **اُکھل** پنجاب اور یوپی وغیرہ میں کشمیری پنڈتوں کی جس ذات کو اُکھل کہتے ہیں کشمیری زبان میں اس کا نام وُکھل یا وُکھلو ہے۔ زمانہ قدیم میں دھوبیوں کا کم رواج تھا۔ اس لئے دھوتہ یا پٹو مالیدہ کرنے کے لئے بالعموم ہر محلہ میں پتھر کے اوکھل ہوا کرتے تھے۔ دیہات میں اب تک بھی یہی رواج چلا آتا ہے۔ پنڈتوں کے جن گھروں میں اس قسم کے اوکھل موجود تھے۔ ان کا نام ہی اوکھل پڑ گیا۔ نرائن داس اوکھل کشمیری دہلی کے ایک مشہور شاعر ہیں۔ آل انڈیا کشمیری پنڈت سبھا۔ دہلی کے پریزیڈنٹ پنڈت بالکشن اکھل ایم اے بھی اسی ذات سے ہیں۔

(۳۳) **کار** شمالی کشمیر کی تحصیل ہندواڑہ میں کارہامہ ایک گاؤں ہے۔ وہاں سے جو پنڈت یا مسلمان شہر یا قصبوں میں آئے وہ کار کہلائے۔ پنڈتوں کے خاندان میں کرشن کار ایک مرتاض وممتاز بزرگ گذرے ہیں۔ اسی خاندان کے پنڈت جیالال کار پولیس میں ہیڈ کلرک اور نند لال کار ٹیلیگراف آفس میں ملازم ہیں۔ سوپور میں آج (۱۹۳۱ء) سے تقریباً پندرہ بیس سال پیشتر قادر کار (ایک مسلمان) نامور دکاندار گذرا ہے۔

(۳۴) **انبار دار** جب نقدی کی بجائے مالیہ جنس کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا۔ تو سرکاری آدمیوں کی زیر نگرانی جنس شالی وغیرہ کے انبار لگائے جاتے تھے۔ ایسے نگران یا محافظ انبار دار کہلاتے تھے۔ اور یہ لفظ ان محافظوں کے نام کا کچھ ایسا

جز دبن گیا کہ لوگ ان کی اصل ذات ہی بھول گئے۔ پرائم منسٹر صاحب جموں و کشمیر کے اسسٹنٹ پولیٹکل سکرٹری پنڈت کشمیر ناتھ اسی انبار دار خاندان کے خوشہ چین ہیں۔

(۳۵) **چکبست** کشمیر میں چک ایک قوم ہے جس نے کئی سال تک کشمیر میں حکومت کی۔ ہے لیکن چک زمین کے ایک طویل و عریض ٹکڑے کو بھی کہتے ہیں چک آباد کرنے کا رواج آج سے دس سال پیشتر تک رہا ہے۔ ان زمینوں پر جو چکوک کے آباد کرنے کے لئے زمینداروں یا اور لوگوں کو دی جاتی تھیں۔ جو افسر تعینات ہوتے تھے۔ ان کو چکبست کہتے تھے۔ بلکہ اس عہدہ کا نام ہی چکبست تھا۔ زمانہ قدیم میں ان کو قانونگو بھی کہتے تھے۔ ایسے افسروں کے پاس عطائے چکوک کی باقاعدہ کتاب ہوا کرتی تھی۔ مسلمانوں میں تو کوئی چکبست نہیں سنا گیا البتہ پنڈتوں میں وہ بھی کشمیر کے مہاجر لکھنوی پنڈتوں میں ایک چکبست خاندان[1] موجود ہے جس کے ایک قابل و ممتاز فرد پنڈت برج نراین چکبست بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ (آنجہانی) نے اپنی پاکیزہ شاعری اور بے عدیل تقریری تحریری قابلیت سے کشمیر کا نام روشن کر رکھا ہے۔ یہ شعر بھی چکبست آنجہانی ہی کا ہے ؎

ذرہ ذرہ ہے مرے کشمیر کا مہمان نواز
راہ میں پتھر کے ٹکڑوں نے دیا پانی مجھے

(۳۶) **پانپوری** جو پنڈت پانپور کے رہنے والے ہیں۔ ان کی ذات جو کچھ بھی ہو سرینگر میں ان کو پانپوری کہتے ہیں۔ پانپور کا اصل نام پدمان پور ہے۔ اس نام کی دو وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہاں کنول کے پھول بکثرت ہوا کرتے تھے۔ کنول کے پھول کو پدم کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس خطہ کا نام پدم پورا در پھر پان پورا اور رفتہ رفتہ پانپور ہوگیا۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ کشمیر کی مشہور عابدہ و زاہدہ خاتون لل الیشوری کا اصلی نام پدمنی تھا۔ اسی کے نام پر یہ قصبہ پادم پورا در پانپور مشہور ہوگیا۔ پدمنی کی نسبت دیوان دلی رام نے بھی اپنے دیوان میں ذیل کا شعر لکھا ہے ؎

[1] لکھنؤ کے علاوہ ایک خاندان کانپور میں بھی ہے۔

آن زنے دانا کہ رسیدہ بگور   پدمنیٔ ساکن پدمان پور

(۳۷) **بھان** سورج کو کہتے ہیں کشمیری پنڈتوں کی بہت قدیم ذات ہے۔ حبہ کدل اور فتح کدل کے درمیان اسی قوم کے نام پر ایک بھان محلہ آباد ہے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں پنڈت جے رام بھان ایک مشہور کاشمیری مقرب سلطانی گذرا ہے۔ بلکہ اس کو دیوان کا عہدہ اور خطاب ملا ہوا تھا۔ مشہور ہے کہ وہ ایک نہایت غریب عورت کا لڑکا تھا۔ تحصیل علوم کے بعد وہ دہلی گیا۔ بادشاہ تک بھی کسی طرح اس کی رسائی ہوگئی۔ اس وقت بادشاہ دیوان خاص میں مراسلہ لکھوا رہے تھے۔ "صاحب قلم" کی گردش قلم سے جے رام بھان کو معلوم ہوا کہ سررشتہ دار کوئی ایسا لفظ لکھ رہا ہے۔ جو بادشاہ کی شان کے خلاف ہے۔ اس نے دور ہی سے عرض کیا۔ حضور یہ الفاظ نہ لکھوایئے۔ وہ الفاظ یہ تھے۔ "چو ہم سیخ بر جا بود ہم کباب" جے رام بھان نے اس فقرہ کی جگہ جو فقرہ بتایا وہ یہ تھا "سیخ را پردائے سوختن نیست حفاظت کباب لازم است"۔ یہیں سے جے رام کے اقبال و عروج کی ابتدا ہوتی ہے۔

ٹکارام بھان۔ سورج بھان۔ کنول بھان۔ نرائن بھان۔ عالی کدل میں بھان خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ سورج بھان افغانوں اور سکھوں کے عہد میں ایک ممتاز رکن سلطنت تھے۔ اور ان کو فیل سواری کی اجازت تھی۔ پریم نرائن اختر۔ چندر بھان جگت نرائن بھان اس خاندان کے نامور شاعر ہیں۔ لاہور کے پنڈت چاند نرائن اسسٹنٹ آڈٹ افسر این۔ ڈبلیو۔ آر بھی بھان ہیں۔

(۳۸) **کھتو**[1] اس لفظ کے معنی اس قسم کی پتلی چیز کے ہیں۔ جو نمی یعنی پانی کی وجہ سے ہر جا بچھ نم دار زمین کو بھی "کے ادن" کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک لفظ سہ ادن بھی بطور کہاوت مستعمل ہے جس کے معنے بلا نمک کے ہیں چنانچہ جب کسی پھیکی اور بے لطف دعوت کا ذکر کرنا مقصود ہو تو کہا جاتا ہے۔ سہ ادن کہ ادن یعنی بے نمک اور پانی کی طرح پتلی۔

قریباً تین سو سال گذرے کہ رینہ داری میں ایک مرتاض بزرگ میاں مانک شاہ یا

[1] ایک قسم کی گھاس کو بھی کہتے ہیں۔

میاں شاہ کے نام سے آئے۔ سب لوگ ان کا ادب کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کول خاندان کا ایک پنڈت آپ کے پاس آیا۔ آپ نے پوچھا۔ کیا کھا کے آئے ہو۔ وہ کسی دعوت سے آرہا تھا اور بے مزہ دعوت سے جلا بھنا تھا۔ اس نے کہا دن اگرہ کھا کے آیا ہوں یعنی پانی سا ادگرہ (دنالودہ) پنڈت کو شاہ صاحب نے کہا تم تو پھر کیئن کول ہو۔ کیئن نام رفتہ رفتہ کنو ہو گیا۔ اس خاندان کی شاخیں رینہ واری سے نکل کر شہر کے مختلف حصوں میں پھیل گئی ہیں۔

سپرو

بڈشاہ بادشاہ کشمیر کے عہد سے پیشتر کشمیر کے ہندو مسلمانوں کو اور ان کی زبان کو اجنبی زبان اور اجنبی حکومت سمجھتے رہے۔ لیکن جب بڈشاہ نے بادشاہ ہو کر ان کو خاص مراعات عطا کیں۔ اور نظم و نسق سلطنت میں شامل کرنے کے لئے فارسی پڑھنے پر جو اس وقت کشمیر کی سرکاری زبان تھی۔ ان کو مجبور کیا۔ تو برہمنوں کے جس گروہ نے سب سے پہلے فارسی علم میں مہارت تامہ حاصل کی۔ وہ سپرو کہلایا۔ کشمیر میں اب بھی پڑھنے کو پرنا کہتے ہیں سپر کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ اس نے سب کچھ پڑھ لیا ہے۔ سپرو کے معنی یہ بھی بتائے جاتے ہیں کہ وہ لڑکا جو چھوٹی عمر میں بڑوں کی سی ذہانت دکھائے۔ کشمیر میں قریباً ہر ذات (nick name) یا آل واؤ پر ختم ہوتی ہے۔ جیسے کچلو۔ منڈو۔ مٹو۔ وانٹو۔ نہرو۔ اسی طرح سپر یا سپرو سے بھی سپرو مشہور ہو گیا۔

میں نے اس لفظ کی مزید تحقیق کے لئے ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لا کو ایک خط لکھا۔ انہوں نے جواب میں جو کچھ ارقام فرمایا۔ اس سے بھی مندرجہ صدر بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کشمیری برہمنوں کی جو گوت سپرو ہے اس کے اصل کے متعلق میں نے جو کچھ اپنے والد مرحوم سے سنا تھا عرض کرتا ہوں۔

"جب مسلمانوں کا کشمیر میں دور دورہ ہوا۔ تو براہمہ کشمیر مسلمانوں کے علوم و زبان کی طرف قدامت پرستی یا کسی اور وجہ کے باعث توجہ نہ کرتے تھے۔ اس لئے جس گروہ نے سب سے پہلے فارسی زبان وغیرہ کی طرف توجہ کی اور اس میں امتیاز حاصل کر کے حکومت اسلامیہ

کا اعتماد حاصل کیا۔ وہ سپرو کہلایا! اس لفظ کے معنی ہیں وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کرے۔ حق تقدم کے لئے کئی زبانوں میں آتا ہے۔ اور سپرو کا روٹ وہی ہے۔ جو ہمارے مصدر "پڑھنا" کا ہے۔ والد مرحوم کہتے تھے۔ کہ یہ نام کشمیر کے برہمنوں نے اپنے ان بھائی بندوں کو ازراہ تعریض وتحقیر دیا تھا جنہوں نے قدیم رسوم وتعصبات قومی ومذہبی کو چھوڑکر سب سے پہلے اسلامی زبان وعلوم کو سیکھنا شروع کیا تھا۔ جو رفتہ رفتہ ایک مستقل گوت ہوکر مشہور ہوگیا"

سپرو گوت کی وجہ کے متعلق ایک نئی بات بھی ڈاکٹر صاحب کے خط سے معلوم ہوئی ہے جس کا غالباً کشمیر میں بھی کسی کو علم نہ ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں" دیوان ٹیک چند ایم اے نے[1] جو پنجاب میں کمشنر تھے۔ اور جن کو زبانوں کی تحقیق کا شوق تھا۔ ایک دفعہ انبالہ میں مجھ سے کہا کہ لفظ سپرو کا تعلق ایران کے قدیم بادشاہ شاپور سے ہے۔ اور سپرو حقیقت میں ایرانی ہیں۔ جو اسلام سے بہت پہلے ایران کو چھوڑکر کشمیر میں آباد ہوئے۔ اور اپنی ذہانت وفطانت کی وجہ سے برہمنوں میں داخل ہوگئے"

کچھ شک نہیں کہ سپرو اور شاہ پور کی باہم تطبیق ہوسکتی ہے لیکن اس کے لئے مزید تحقیقات کی ضرورت ہے۔ دیوان ٹیک چند آج زندہ ہوتے۔ تو اس مشکل کو حل کرسکتے۔

کشمیر کے سپروؤں میں مکند سپرو سری نگر کے ایک نامی رئیس گذرے ہیں۔ مانہال رود کا سب اوورسیئر پنڈت رگھناتھ بھی اسی گوت سے ہے۔ پنجاب میں بھی سپرو گوت کے چند ہندو مسلمان خاندان مشہور ہیں مسلمانوں میں علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا خاندان بہت مشہور ہے۔ ان کے جد اعلےٰ قریباً سوا دو سو سال ہوئے (عالمگیر کے زمانہ میں) مسلمان ہوگئے تھے۔ آپ کا نام صرف کشمیر کیلئے بلکہ تمام ہندوستان کے لئے مایہ ناز ہے۔ آپ اپنی حریت آموز مثنویوں اور اپنے اعلےٰ شاعرانہ تخیلات کی وجہ سے

[1] دیوان ٹیک چند ایم اے انگریزی فارسی عربی سنسکرت کے علاوہ یورپ کی اور بھی کئی زبانیں جانتے تھے [2]

[2] ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے گرامی نامہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۳ء سے معلوم ہوا ہے کہ پنجاب میں کوئی اور گھر مسلمان سپروؤں کا نہیں ہے۔

بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں۔ آپ کے برادر بزرگ شیخ عطا محمد صاحب کا صاحبزادہ شیخ اعجاز احمد بی اے ایل ایل۔ بی پنجاب میں سب جج ہے۔ پنجاب کے پنڈت سپرو خاندانوں میں رائے صاحب پنڈت جیون لعل سپرو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل جھنگ اور پنڈت گوپی ناتھ سپرو ای اے سی گوجرانوالہ کا نام معلوم ہوسکا ہے۔ ان کے علاوہ سنا ہے اور بھی چند خاندان ہیں۔ یوپی میں الہ آباد کے ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو ایم اے ایل ایل ڈی بیرسٹرایٹ لا جن کو ۱۹۳۴ء کے نوروز میں پریوی کونسل کا عہدہ ملا ہے۔ نہایت مقتدر ہستی ہیں۔

(۴۰) **لنگر یا لنگرو** زمانہ قدیم میں اس خاندان کے کوئی بزرگ سرکاری لنگر خانہ کے مہتمم تھے۔ اپنی اصلی قوم کی جگہ لنگر یا لنگرو کے نام ہی سے موسوم ہوگئے۔ رائے بہادر موہن لعل عرف منوجی لنگر جو مہاراجہ سر پرتاپ سنگھ آنجہانی کے آخری ایام میں چھ سال تک کشمیر کے گورنر رہ چکے ہیں۔ اور ان کے بھائی پنڈت نرنجن لال جو ۱۹۳۲ء میں وزارت لداخ سے مستعفی ہوئے ہیں۔ لنگر خاندان ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ پنڈت من موہن لال جی کے دادا جے پور میں وزیر اعظم تھے۔ پنڈت کالکا پرشاد بسمل یو پی کے رہنے والے بھی لنگر ہی ہیں۔

(۴۱) **گرٹو** اصل گوت ان پنڈتوں کی راز دان اور پوتر راز دان ہے۔ گنڈ اہلر میں ایک کوچہ راز داناں ہے وہیں کے رہنے والے ہیں۔ پنڈت مکند رام گرٹو کشمیر کے پہلے شخص تھے جنہوں نے آج سے قریبًا ساٹھ ستر سال پیشتر لاہور آکر اخبار عام کے نام سے ایک اخبار اور متر ولاس پریس کے نام سے ایک چھاپہ خانہ جاری کیا۔ آپ کا نام تاریخ لاہور (سال تصنیف ۱۸۸۲ء) مصنفہ رائے بہادر کنہیا لال میں بھی درج ہے۔ آپ کے قابل فرزندوں پنڈت گوبند سہائے آنجہانی اور پنڈت گوپی ناتھ گرٹو حال پرائیویٹ سکرٹری مہاراجہ دربھنگہ نے اس کو بہت ترقی دی۔ بلکہ قریبًا ۳۰-۴۰ سال تک یہ اخبار روزانہ شائع ہوتا رہا۔ اب بھی پنڈت مکند رام کے سب سے چھوٹے فرزند پنڈت بال کرشن گرٹو اخبار عام کو عام اخبار کی شکل میں ہفتہ وار چلا رہے ہیں۔ پنڈت مہیشر ناتھ نائب تحصیلدار [illegible]

دکشمیر) بھی گُرٹو خاندان ہی سے ہیں۔ آنند کشن انند اس خاندان کا ایک نامی شاعر گذرا ہے۔ گوالیار کے پنڈت سری کشن جن کو ۱۹۳۳ء میں بہ تقریب سالگرہ مہاراجہ بہادر خلعت ملا ہے اور جودھپور کے وکیل پنڈت سمیر ناتھ اور لاہور کے رائے بہادر پنڈت شیونرائن شمیم ایڈووکیٹ جو رینہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور پنڈت راج نرائن سپرنٹنڈنٹ سرجن جودھپور گرٹو خاندان ہی سے ہیں۔

(۴۲) **شنگلو** کشمیری زبان میں چھ (۶) کو شے کہتے ہیں انگل کو انگل بھی کہتے ہیں۔ اور انگیج بھی کسی زمانہ میں ایک پنڈت کی پانچ انگلیوں کی بجائے چھ انگلیاں تھیں۔ چونکہ ۶ انگلیاں کسی انسان کی شاذ و نادر ہوتی ہیں۔ اس لئے لوگوں نے اس کو شنگلو یعنی چھ انگل والا کہنا شروع کیا۔ پھر اس کی اولاد بھی اصل گوت کی بجائے اسی نام سے مشہور ہو گئی۔ لاہور کے شنگلو خاندان میں رائے بہادر پنڈت جوالا پرشاد پبلک پراسیکیوٹر اور ان کے قابل فرزند پنڈت بدری پرشاد ایم اے ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ دہلی میں پنڈت پریم ناتھ ایم اے ایل ایل بی پروفیسر دہلی کالج شنگلو خاندان کے ایک قابل فرد ہیں۔ شنگلو خاندان کے لاہور وغیرہ مقامات پر اور بھی کئی معزز افراد ہیں۔

(۴۳) **کلہ واٹ** موجودہ زمانہ میں نک نیم (NICKNAME) کا بہت کم رواج ہے۔ تاہم کلہ واٹ یا واٹ ال بھی اسی زمانہ کی ایک یادگار ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ پہلگام کی سڑک جب انگریز کے زیر انتظام بنی ہے۔ اس کا نام کرنل واٹ تھا۔ اس کے پاس ایک کشمیری پنڈت کیلاش ناتھ نام نہ صرف ملازم تھا۔ بلکہ اس کا معتمد و معتبر بھی تھا۔ اہل کشمیر نے کیلاش سے کلہ اور واٹ سے واٹ ہی کا نام لیکر اس کو کلہ واٹ پکارنا شروع کر دیا۔ اس کی اولاد اب اصل ذات یا گوت کی بجائے کلہ واٹ ہی کہلاتی ہے۔ یہ واقعہ غالباً مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے ابتدائی ایام کا ہے۔

(۴۴) **فوطہ دار** فوطہ فارسی و عربی زبان کا لفظ ہے۔ لغات فیروزی میں اس کے حسب ذیل تین معنے بتائے گئے ہیں (۱) کمر بند (۲) لنگی (۳) محاصل۔ اس خاندان کا تعلق آخری شق یعنی محاصل سے ہے۔ اس خاندان کے بزرگ مغل بادشاہوں کے زمانہ میں خزانہ شاہی کے افسر ہوتے تھے۔ اور خزانہ کو چونکہ محاصل کے ساتھ تعلق ہے۔ اور محاصل کو فوطہ بھی کہتے ہیں۔ اس لئے زمانہ سابق میں افسر خزانہ فوطہ دار کہلاتے تھے۔ دراصل فوطہ دار طبقہ کا تعلق مٹو خاندان سے ہے۔ اس خاندان میں ہمت رام فوطہ دار، مکند رام فوطہ دار نامی رئیس گذرے ہیں۔ پنڈت سہج رام فوطہ دار مہاراجہ گلاب سنگھ کے زمانہ میں اکونٹنٹ جنرل تھے۔ اس وقت بھی اس خاندان میں کئی افراد معزز عہدوں پر ہیں جن میں پنڈت مکند رام فوطہ دار ڈائرکٹر اگریکلچر اور پنڈت دینا ناتھ بی اے بی ٹی فوطہ دار جموں میں ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ پنڈت شیو نرائن ایم اے فوطہ دار بھی اسی اسی طبقہ سے ہیں۔[1]

(۴۵) **کنزرو** ٹنگ مرگ (کشمیر) کے نزدیک ایک گاؤں کنزر نام ہے۔ وہاں سے جو لوگ سرینگر آئے۔ وہ اپنے وطن کے نام پر کنزرو کہلائے۔ کشمیر سے باہر پنجاب یا دہلی یا دیگر مقامات پر گئے۔ تو وہاں بھی یہ نام برابر قائم رہا اور اب تک قائم ہے۔ آنریبل اجودھیا ناتھ جو الہ آباد ہائی کورٹ کے جج تھے۔ کنزرو ہی تھے۔ پنڈت ہردے ناتھ کنزرو جو اپنی علمی قابلیتوں کی وجہ سے تمام ہندوستان میں مشہور ہیں۔ آپ ہی کے پوتے ہیں پنڈت راج نرائن کنزرو ہریجن سبھا آگرہ کے صدر۔ پنڈت نند لعل کنزرو بی اے بی ٹی جموں میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز ہیں۔

(۴۶) **وانچو** شاید وانچی یا وانٹو کا بگڑا ہوا نام ہو۔ اس کی اصلیت سے لاعلمی ہے پنڈت کیلاش ناتھ ڈسٹرکٹ و سشن جج بریلی۔ پنڈت شیو شنکر پرشاد اسسٹنٹ اکونٹنٹ جنرل کشمیر ان کے صاحبزادہ ڈاکٹر ایس۔ بی وانچو ایم۔ بی ایس جو ولایت سے

[1] ڈھاکہ بنگال میں متھرا موہن اور گوپال فوطہ دار، دنا دار رئیس گذرے ہیں ان کی اولاد اس وقت موجود ہے

کئی ڈگریاں لیکر واپس آئے ہیں۔ اور پنڈت کنور پرشاد سکرٹری کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور دانچو خاندان ہی کے چشم و چراغ ہیں۔

(۴۷) **ہزاری** سردار ہزار خان پٹھانوں کے عہد میں کشمیر کے گورنر تھے ممکن ہے۔ اُنہی کے نام پر ان کے کسی معتمد پنڈت کا یہ نام مشہور ہو گیا ہو۔ ڈپٹی کمشنر لاہور کے پرسنل اسسٹنٹ پنڈت کرتا کشن پی سی ایس جو کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور کے پریذیڈنٹ ہیں۔ اور دہلی کے پنڈت اذنا کشن اور انجمن کشمیری پنڈتان دہلی کے جنرل سیکرٹری پنڈت سری کرشن بھی ہزاری ہی ہیں۔

(۴۸) **موٹا** کوئی بزرگ فربہ ہونگے۔ اُن کا نام موٹا پڑ گیا۔ اولاد بھی موٹا ہی کہلائی۔ راجہ مان سنگھ (اکبر شاہی) بہت موٹے تھے۔ ان کا نام راجہ موٹا مشہور تھا لیکن قسمت اچھی تھی کشمیری ہوتے تو آج تک اولاد بھی موٹا ہی کہلاتی۔ سرینگر میں موٹا اینڈ کمپنی کے نام سے فتح کدل میں ایک فرم بھی ہے۔ اسی شاخ کے ایک ہونہار لڑکے رادھا کشن موٹا نے سنہ ۳۳ء میں ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کیا ہے۔

(۴۹) **حکیم** خاندان کا کوئی بزرگ حکیم گذرا ہے۔ اس کی اولاد اسی نام سے موسوم ہو گئی۔ آج بھی کشمیر اور ہندوستان کے دیگر ممالک میں کئی خاندان حکیم۔ قاضی۔ مولوی کہلاتے ہیں حالانکہ آج ان میں نہ کوئی حکیم ہے نہ قاضی نہ مولوی۔

(۵۰) **واتل** کشمیری پنڈتوں کی ایک مشہور گوت ہے جیسے پنڈت پران کشن (پی کے) واتل سابق منسٹر اکونٹنگ و فنانس منسٹر گورنمنٹ جموں کشمیر اور ان کے بھائی مسٹر ادتا کشن واتل (کارخانہ قالین بافی سرینگر) نند کشور واتل (شاعر) اور ایسے ہی اور کئی صاحب پیدا ہوئے ہیں کشمیری پنڈتوں کی یہ گوت واتل کس طرح مشہور ہو گئی۔ اس کے متعلق دو روائتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا کوئی بزرگ زمانہ سلف میں واتلوں کا افسر تھا۔ اور ان سے محصول وصول کرنے پر ملازم تھا کشمیر میں اصل ذاتیں تو بہت کم ہیں زیادہ ذاتیں اور گوتیں ذاتی محاسن و عیوب یا ذاتی کاروبار کی وجہ سے بن گئی ہیں

اسی طرح جو پنڈت واتلوں کے افسر کہلاتے تھے۔ وہ بھی واتل ہی کہلائے جانے لگے کشمیر میں واتل بھنگیوں کا کام کرتے ہیں بھنگیوں پر آج تک ان کے پیشہ کی حیثیت سے کسی نے ٹیکس نہیں لگایا۔ اس لئے یہ روایت پایہ صداقت سے گری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ البتہ ایک اور روایت واتل لفظ کے متعلق بیان کی جاتی ہے اور وہ قابل قبول معلوم ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ قدیم راجگان ہنود کے زمانہ میں جو پنڈت مندروں کی جاروب کشی کا کام کیا کرتے تھے۔ وہ واتل کہلاتے تھے۔ یہ جاروب کشی کسی معاوضہ پر نہ تھی بلکہ وہ ایک متبرک مذہبی فرض سمجھ کر کی جاتی تھی۔ واتل کشمیر میں بہت قدیم لفظ ہے جب کشمیر میں سرکاری یا غیر سرکاری طور پر صفائی کا رواج ہوا تو صفائی کرنیوالے ہر چند کہ وہ سب کے سب غیر ہندو تھے۔ واتل کہلائے جانے لگے اب بھی کشمیر میں واتلوں کا کام بالعموم غیر ہندو ہی کرتے ہیں مگر واتل بجائے خود ایک علیحدہ طبقہ ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ طبقہ بہت سی اقوام کا ایسا مجموعہ ہے جنکی اصلیت پر زمانہ نے پردہ ڈالدیا ہے کشمیری پنڈتوں کی واتل گوت کشمیر کے علاوہ پنجاب یوپی اور وسط ہند وغیرہ ممالک میں بھی آباد ہے اور نہایت ممتاز ہے

(۵۱) **وانگنو** کشمیری زبان میں بینگن کو کہتے ہیں۔ اس نام پر ایک قوم کی نامزدگی کے دو باعث بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ ممکن ہے۔ اس قوم کا کوئی بزرگ بینگن کا زیادہ استعمال کرتا ہو اس وجہ سے اس کا نام ہی وانگنو پڑ گیا ہو۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ممکن ہے اس کو بینگن کے نام سے چڑھ اور نفرت ہو اور عوام اس کو چڑانے کے لئے وانگنو کہتے ہوں۔ جن پنڈتوں نے افغانوں کے خلاف رنجیت سنگھ کو قبضہ کشمیر کی دعوت دی تھی۔ اور اس غرض کے لئے بہت سی تکلیفیں اٹھا کر خود لاہور پہنچے تھے۔ وہ تین بیربل تھے۔ اور ان میں ایک بیربل وانگنو بھی تھے۔

۵۲ **لنگو** اس قوم کا کوئی بزرگ کسی نہ کسی وجہ سے لنگڑا ہو گیا تھا۔ لنگڑے کو کشمیری میں لنگو کہتے ہیں۔ آج تک اس کی اولاد بھی باوجود جسیم و تنومند اور تندرست اور توانا ہونے کے لنگو ہی کہلا رہی ہے۔

(۵۳) **شالہ** شالہ کدل کے رہنے والوں کو شالہ کہتے ہیں۔ یہ کدل حبہ کدل اور کمین کدل کے درمیان ہے۔

(۵۴) **لال** جن پنڈتوں کا کوئی بزرگ کسی پنجابی لالہ کے پاس کبھی نوکر تھا۔ اب وہ لال کہلاتے ہیں۔ سرینگر میں ان کے چند ہی گھر ہیں۔

(۵۵) **پہلوان** اس قوم کی وجہ تسمیہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے جس طرح پنڈتوں کی شیر اور مسلمانوں کی ستیہہ قوم اپنی غیر معمولی شجاعتوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ اسی طرح پہلوان قوم بھی اپنی پہلوانی وشہ زوری کی بدولت مشہور چلی آتی ہے۔ گو اب پہلوانی کا نام ہی نام ہے۔ لیکن اتنا تو ہے۔ ع گرچہ خردیم نسبتے است بزرگ۔

(۵۶) **مرچ واگن** مرچ مرچ کو کہتے ہیں۔ اس قوم کا کوئی بزرگ تیز مزاج اور تلخ طبع تھا اور ممکن ہے مرچیں بھی فروخت کرتا ہو۔ بہرحال اپنی نسل کے لئے اپنی تیزیٔ طبع یا مرچوں کی تجارت کی وجہ سے مرچ واگن کی یادگار چھوڑ گیا۔

(۵۷) **رگھویارگو** منخی سے آدمی کو کہتے ہیں۔ اس قوم کا کوئی بزرگ دبلا پتلا اور منخی سا تھا جب تک وہ زندہ رہا اسی نام سے مشہور رہا اس کے بعد اس کی اولاد بھی رگھو کے نام ہی سے موسوم ہوگئی۔

(۵۸) **سید** سادھو کو کہتے ہیں۔ اب اس فرقہ میں سادھ سنتوں والی تو کوئی بات نہیں ہے یعنی خالص دنیادار ہیں لیکن اس کی اولاد واحتفاد سید یا سادھو کے نام ہی سے مشہور ہے۔

(۵۹) **شیر** غیر معمولی شجاعت اور جوانمردی کی وجہ سے اس قوم کا نام شیر کے نام پر مشہور ہے۔ ممکن ہے اس قوم کے کسی بزرگ نے شیر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی وجہ سے یہ نام پایا ہو۔

(۶۰) **لابرو** لاب نفع اور فائدہ کو کہتے ہیں۔ لاب سے لابرو بنا۔ اب یہ لفظ سود خوار یا صراف کے معنوں میں مستعمل ہو رہا ہے۔

(۶۱) **وازہ** ہندو لانگری یا باورچی کا نام ہے مسلمانوں میں بھی ایک وازہ قوم ہے بلکہ اس کے نام پر عالی کدل میں ایک محلہ وازہ پورہ بھی آباد ہے۔ ہندوؤں میں بھی جو لوگ باورچی گری کا کام کرتے ہیں۔ وہ وازہ کہلاتے ہیں۔

(۶۲) **کٹھوا** چھوٹے پتیلہ کا نام کٹھوا ہے۔ اب ٹھوا کہتے ہیں۔ یہ قوم بھی وازہ قوم ہی کی ایک شاخ ہے۔ چھوٹے پتیلہ کے زیادہ استعمال کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا۔ اب اس کو کون مٹا سکتا ہے۔

(۶۳) **سلطان** سلاطین بہیہ کے جو گماشتے تھے اور وہ عموماً پنڈت ہی تھے۔ وہ اپنے ملکوں کے نام پر سلطان ہی مشہور ہو گئے۔ ان کی اصل ذات معلوم نہیں کیا تھی لیکن اب وہ سلطان ہی کہلاتے ہیں۔

(۶۴) **بدھو یا بجو** پنجابی میں بڈھے کو کہتے ہیں کشمیری زبان میں بدھو یہ نام بالعموم نیک شگون کے طور پر رکھا جاتا ہے۔ تاکہ وہ طویل العمر ہو جیسے بڈھا خان یا بڈھا سنگھ یا بڈھا مل معلوم ہوتا ہے کشمیر میں بھی اسی خیال سے بچوں کا نام بڈھا یا بدھور کھا جاتا ہے۔ اور جس بچہ کا نام سب سے پہلے بدھو رکھا گیا ہو گا۔ اسی کے نام پر اس کی نسل مشہور ہو گئی۔ اب اس قوم کو بدھو اور بجو دونوں ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ سری نگر کے موجودہ تحصیلدار پنڈت بلبدر اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۶۵) **شاعر** اہل کشمیر نے ذاتوں کے بنانے اور ایجاد کرنے میں کمال کر دیا ہے۔ جس کسی میں کوئی عیب یا نقص یا ہنر دیکھا اسی پر اس کا نام مشہور کر دیا مغلوں کے اخیر اور افغانوں کے ابتدائی عہد میں پنڈت ٹوپے ایک خاندان سے ایک شخص نامی شاعر گذرا ہے شاعری کی وجہ سے اس کی بڑی عزت اور شہرت تھی۔ اور اس شہرت نے یہانتک بقائے

دوام کا خلعت پہنا کر کئی پشتیں گزر جانے کے بعد اس کی اولاد بھی اب تک شاعر کہلا رہی ہے۔ حالانکہ اس کے بعد اس خاندان میں شاید کوئی بھی شاعر نہیں گذرا۔ اس کی اولاد کو مناسب تھا۔ کہ وہ اپنے خاندان کے بزرگ اور بانی شاعر کا کلام جمع کرتی اور اس کو طبع کرا کر اس کا اور اپنا نام روشن کرتی ؎

نام نیک رفتگاں ضائع مکن تا بماند نام نیکت برقرار

پنڈت سروانند شاعر جو سرینگر کے مشہور تاجر ہیں اور پنڈت واسدیو کول شاعر جو اسسٹنٹ اکونٹنٹ جنرل ہیں۔ اس خاندان کے ممتاز افراد میں سے ہیں۔ اسی خاندان کے دو لڑکوں بدری ناتھ اور پرتھوی ناتھ نے پنجاب یونیورسٹی کا امتحان ایف ایس سی ۱۹۳۳ء میں پاس کیا تھا۔

(۶۶) **چکا** ایک شخص کے ہاں دس بارہ لڑکے تھے۔ آخری لڑکا شاید بارہویں نمبر پر تھا۔ کثیر اولاد ہونے کی وجہ سے عوام نے آخری لڑکے کا نام چکا یعنی تلچھٹ رکھ دیا اس کی اولاد اب چکا کے نام سے مشہور ہے۔

(۶۷) **ملا یا ملہ** پنڈتوں کی ایک مشہور ذات ہے۔ بعض کہتے ہیں ملیار سے یہ لفظ نکلا ہے بعض کہتے ہیں جو لوگ ملہ پوری محلہ کے رہنے والے ہیں، وہ ملا کہلاتے ہیں۔ یہ محلہ گنپت یار کے پاس سرینگر میں واقعہ ہے۔ ہندوستان کے صوبہ متحدہ (یو۔ پی) میں اس قوم کے لوگوں نے بڑا نام پایا ہے۔ یو۔ پی کے مشہور مقنن پنڈت جگت نرائن ملا سابق منسٹر صوبہ یو۔ پی و وائس چانسلر لکھنؤ یونیورسٹی جن کو ۱۹۳۳ء میں ڈاکٹر آف لاز کی ڈگری بھی ملی ہے اور ریاست ناگوونترل انڈیا کے سابق دیوان حال اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ اندور اور پنڈت رام نرائن ملہ خاندان ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ملا علم و فضل کی بھی علامت ہے۔

(۶۸) **سپو** سرینگر (کشمیر) میں پردہ ہتائی کا کام کرتے ہیں۔ غالباً پنجاب اور یو۔ پی وغیرہ میں بھی باستثنائے چند یہی کام کرتے ہوں گے۔ ان کی گوت ہوکا پتشل ہے۔ آل انڈیا کشمیری پنڈت سبھا دہلی کے سکرٹری پنڈت رام کشن سپو ہی ہیں۔ پنڈت پی۔ کے

سبو ہائیڈرو الیکٹرک سکیم کے اسسٹنٹ الیکٹریکل انجینئر بھی سبو خاندان سے ہی ہیں۔

(۶۹) **ممبئی یا بمبئی** کشمیر میں اس نام کی کوئی ذات کشمیری پنڈتوں میں نہیں ہے۔ پنڈت تاراچند صاحب ترسل ریٹائرڈ تحصیلدار ورتیس سرینگر سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کے بچپن کے زمانہ میں کشمیری پنڈتوں کا ایک رسالہ شائع ہوا کرتا تھا اس میں چند اہل برادری اپنے نام کے ساتھ اپنا عرف ممبئی لکھا کرتے تھے۔ اس وقت سنا تھا کہ کوئی کشمیری خاندان بمبئی (Bombay) گیا تھا۔ وہاں رہنے کی وجہ سے بمبئی کی بجائے ممبئی کہلایا۔ دوسری روایت اس عرف کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ محمد نام کا کوئی شخص تھا جو ایسا شریف تھا کہ گالی گلوچ پر بھی چوں چرا نہ کیا کرتا تھا۔ اس کا نام مومہ بایو (مومہ یعنی محمد) بھائی مشہور ہو گیا۔ جو شخص اس طبیعت یا مزاج کا ہوتا تھا عوام اس کو مومہ بایو کہا کرتے تھے۔ پنڈتوں میں بھی کوئی ایسا ہی شخص گذرا ہوگا۔ اس کا نام پہلے مومہ بایو اور پھر عرف عام ہو جانے کی وجہ سے بگڑ کر ممبئی ہو گیا ہوگا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ خاندان موضع ببے علاقہ زینہ گیر کا رہنے والا تھا۔ اس لئے ببے یا پورے سے ممبئی یا بمبئی مشہور ہو گیا۔ آخری روایت یہ ہے کہ کسی ببہ راجہ کی نوکری کے باعث یہ لوگ ببے کہلائے رفتہ رفتہ ممبئی یا بمبئی کہلانے لگے۔

پوربی رائے بہادر پنڈت امرناتھ پوربی سابق انسپکٹر جنرل کسٹم گورنمنٹ جموں و کشمیر نے پنڈتوں کے پوربی طبقہ کے متعلق جو کیفیت لکھی ہے۔ وہ مختصر الفاظ میں ذیل میں درج ہے: "میری دادی صاحبہ نے چھوٹی عمر میں بیوہ ہو جانے کی وجہ سے میرے والد بزرگوار پنڈت دلارام کو جو لکھنؤ کے بادشاہی عہد میں ایک اچھے عہدہ پر تھے اپنا متبنےٰ بنا لیا تھا۔ وہ جب لکھنؤ سے دہلی آئے تو دلی والوں نے ان کو پوربی کے عرف سے پکارنا شروع کر دیا۔ اس زمانہ میں لکھنؤ کی ریل لائن کو پورب کی ریل کہتے تھے۔ اس طرح یہ عرف ہمارے خاندان کا جزو لاینفک بن گیا۔ ورنہ ہماری ذات تنگلو ہے اور گوت پات ساہن کوشک"

راۓ بہادر کے والد صاحب ثروت تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں بہت سی جائیداد لٹ گئی اور تباہ ہو گئی۔ اس عرف پوربی کے علاوہ پنڈتوں میں چند اور گھر بھی ہیں۔ جو بھٹے یا پوربی کہلاتے ہیں۔ اس کی وجہ بقول مصنف رپورٹ مردم شماری جموں و کشمیر بابت ۱۸۹۱ء یہ ہے۔ کہ کسی بیوہ کشمیری پنڈتانی نے کسی پوربیئے رئیس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ اس کی اولاد بھٹے دبھیا یا پوربی کہلاتی ہے۔

پوربیوں کے اس دوسرے طبقہ میں بھی بعض نہایت معزز عہدہ دار اس وقت ہندوستان کے چند ایک محکموں میں موجود ہیں۔

(۷۱) **نالہ** سرینگر میں اس ذات کا کوئی پنڈت نہیں کہتے ہیں کہ اس خاندان کے چند افراد کسی نالہ کے محافظ تھے۔ اس نام پر مشہور ہو گئے۔ گوتر ان کا کول دتاتریہ بیان کیا جاتا ہے۔ یوپی میں پنڈت کنور پرشاد کول ڈسٹرکٹ جج نالہ ہی کہلاتے تھے۔

(۷۲) **سکھیا** سرینگر میں اس نام سے کوئی کشمیری پنڈت خاندان موسوم نہیں۔ البتہ سکھ نام سے چند گھر پروہتوں کے ضرور ہیں۔ ممکن ہے۔ پنجاب یا یوپی وغیرہ میں اسی نام کو سکھیا بنا لیا گیا ہو۔ پنڈت تاراچند صاحب ترسل سرینگر سے لکھتے ہیں کہ میرے پروہت جی نے ایک دفعہ مجھ سے ذکر کیا تھا کہ سکھی خاندان کی بود و باش کینہ کدل سرینگر کے قریب تھی عرصہ دراز کا ذکر ہے کہ سیلاب کی وجہ سے ان کا مکان گر پڑا اور وہ پنجاب کی طرف چلے گئے ممکن ہے یہ وہی خاندان ہو۔ ان کی گوت دتاتریہ کول ہے۔ اس خاندان میں پنڈت برجموہن ناتھ سکھیا خلف پنڈت دوارکا پرشاد سکھیا نامی شاعر گذرا ہے پنڈت کنور کشن ایم اے ایل ٹی جو جرمن اور فرینچ زبانوں کے ماہر ہیں۔ اور ٹریننگ کالج الہ آباد میں پروفیسر ہیں۔ سکھیا ہی ہیں۔

سکھیا کی وجہ تسمیہ میں ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے۔ کہ کرشن لیلا کی نقل میں جو لڑکے عورتوں کا پارٹ ادا کیا کرتے ہیں۔ ان کو سکھی کہتے ہیں۔ اس طرح اس خاندان

کا کوئی لڑکا سکھی بنا ہوگا۔ اس کی اولاد اسی کرام سے پکاری جاتی رہی جب ہندوستان میں اس خاندان کے افراد نے رہائش اختیار کی تو سکھی کا سکھیا بن گیا ہوگا۔

(۶۳) **کاچر یا کاچرو** اس کو کاچر بھی کہتے ہیں۔ لیکن وہ غلط ہے۔ اس خاندان میں منشی بھوانی داس ایک نامی مصنف اور شاعر گذرا ہے۔ ان کی اہلیہ کشمیری زبان کی نامی شاعرہ تھیں۔ اور ان کے اشعار لوگ فخر کے ساتھ گاتے اور پڑھتے ہیں۔ پنڈت بیربل کاچرو رینہ داری بھی فارسی زبان میں جن کی تاریخ کشمیر بہت مشہور ہے۔ اسی خاندان کے درخشندہ ستارے ہیں۔

علاوہ ازیں پنڈت دیارام کاچرو تخلص حضوری۔ پنڈت دیارام کاچرو تخلص خوشدل اور پنڈت دامودر کاچرو اس خاندان کے مشہور شاعر و اہل قلم تھے۔ ان کی گوت بیت سوامن کو سمجھی گئی ہے۔

(۶۴) **اوگرہ** دراصل دتاتریہ کول ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں ایک سخت قحط کشمیر میں پڑا تھا۔ اس خاندان کے کسی بزرگ کے ذمہ خیرات کے سلسلہ میں کھانا تقسیم کرنے کا کام تھا۔ فاقہ کشوں اور قحط زدوں کی تعداد زیادہ تھی اور چاول کم تھے انہوں نے اوگرہ (موٹھ بھتہ جو لئی (لیوی) کی قسم کا تھا اور بہت نرم تھا۔ لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کیا تاکہ خیرات سے کوئی محروم نہ رہ جائے۔ اس طریق سے وہ اپنے کام میں کامیاب تو ہو گئے۔ لیکن نام ان کا اوگرہ مشہور ہو گیا۔ پنڈت داسہ کول اوگرہ فارسی زبان کے اچھے شاعر تھے۔ بلبل تخلص تھا دیوان بلبل کے علاوہ فارسی میں چہار درویش۔ گلشن عندلیب۔ گلزار بلبل ہرش چندر نانک ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔ پولیس میں سب انسپکٹر تھے ان کے صاحبزادہ پنڈت نندلال کول بھی پولیس کی سب انسپکٹری سے حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں۔ یو۔ پی میں رائے بہادر چندر بت

کدار ناتھ ڈپٹی کلکٹر الہ آباد بھی اوگرہ خاندان ہی سے ہیں۔

(۶۶) **کرواَیوں** کشمیر میں کروایون گرم پانی کو بھی کہتے ہیں۔ اور مٹر بیچنے والے کو بھی۔ اصل گوت دیوشانڈلے ہے۔ بماسی پنڈت ہیں معلوم نہیں یہ نام اس خاندان کو کس زمانہ میں اور کس بات پر ملا سری نگر میں اس خاندان کے چند ہی گھر حبہ کدل میں آباد ہیں۔ عرصہ ہوا پنڈت شنکر جو کروایوں محکمہ دھرم ارتھ میں نوکر تھے پنجاب بھی آیا کرتے تھے۔ ان کی اولاد میں سے دینا ناتھ کروایوں اور چند اور افراد سری نگر میں موجود ہیں۔

پنجاب میں کروایون عرف کے صرف دو ہی خاندان معلوم ہو سکے ہیں۔ ایک خاندان راولپنڈی میں ہے۔ ایک لاہور میں۔ کروایون خاندان لاہور کے ایک بزرگ پنڈت کنول کروایون نے سکھوں کے زمانہ میں پشمینہ کا کچھ سامان اپنے پروہت کے ہاتھ امرتسر میں فروخت کے لئے بھیجا۔ اس زمانہ میں ڈاک تو تھی نہیں۔ نہ آمد و رفت کے ذرائع آجکل جیسے آسان تھے۔ جب کئی ماہ تک پنڈت کنول کو نہ پروہت کی خبر آئی۔ نہ مال کے فروخت ہونے کی۔ تو ان کے فرزند پنڈت ہمت رام ہمت کر کے خود امرتسر پہنچے۔ لیکن ابھی دم نہ لینے پائے تھے کہ ایک قافلہ کے ذریعہ جو کشمیر سے آیا تھا۔ ان کو اپنے والد کی وفات کی خبر ملی۔ مگر یہاں آ کے تجارتی معاملات میں ایسے پھنسے۔ کہ پھر کشمیر دیکھنا نصیب نہ ہو سکا ؎

کنولؔ اس شہر سے ہم کیا کریں اب قصد جانے کا
نصیبوں میں لکھا ہے خاک امرتسر کی ہو جانا

پنڈت ہمت رام کے تین فرزند تھے۔ منجھلے فرزند پنڈت گنگا رام کروایون نے جو پنڈت پران ناتھ کروایون ایم ایس سی پروفیسر دیال سنگھ کالج کے دادا یعنی پنڈت رام ناتھ کے والد تھے۔ وکالت کا امتحان پاس کیا۔ امرتسر ہی میں وکالت کرتے رہے جب راجہ سورج کول جموں و کشمیر میں ممبر کونسل ہو گئے۔ تو ان کی وساطت سے آپ جموں گئے۔ اور صوبہ

نوٹ اصل شعر اسطرح ہے ؎ رہا کچھ اس شہر سے ہم کیا کریں اب قصد جانے کا نصیبوں میں لکھا ہے خاک گورکھپور ہو جانا۔

جموں کے مختلف اضلاع میں دس بارہ سال تک وزیر وزارت رہے۔ نہایت دیانتدار اور متدین افسر تھے۔ پنڈت ہمت رام کے سب سے بڑے بیٹے پنڈت امرچند داروغہ جیل رہے اور پنشن کے بعد حکمت کرتے رہے۔ آپ کی اولاد میں آپ کے پوتے پنڈت نرنجن ناتھ (سکرٹری ٹیچرز ایسوسی ایشن لاہور) اور ان کا خاندان شیرانوالہ دروازہ کے اندر رہتے ہیں۔ پنڈت ہمت رام کے تیسرے فرزند پنڈت سورج بھان لاولد فوت ہو گئے تھے۔

(۷۷) **دلشن** دلشن نام سے اس وقت جو خاندان کشمیر میں ہے۔ وہ اپنے بزرگ دلشن کے نام ہی پر مشہور ہے۔ ان کی اصل گوت ہے۔ پنڈت گوپی ناتھ دلشن بی اے۔ بی۔ ٹی اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز ضلع لداخ اسی خاندان سے ہیں۔

(۷۸) **پشن** دوپہر کے بعد کے وقت کو پشن کہتے ہیں پیشین مسلمانوں کی نماز ظہر کو بھی کہتے ہیں۔ اور وہ بھی دوپہر کے وقت کے بعد ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے پشن پیشین ہی سے نکلا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے عہد میں کسی پنڈت کے ذمہ جو سرکاری کام تھا۔ وہ پیشین یعنی ظہر کے وقت کے بعد ادا کیا جاتا تھا۔ اسی نام سے پشن اس کا اسم معرفہ ہو گیا۔ اور اب پشن جو درحقیقت اَل ہے۔ ایک ذات سمجھی جاتی ہے۔ پشن خاندان کی اصل گوت بُوت داس اوپمینی لوکاکشیہ ہے۔

(۷۹) **بزاز** کشمیر میں بزاز طبقہ کی کافی تعداد ہے۔ بلکہ یوپی اور پنجاب میں بھی اس برادری کے اکثر افراد پائے جاتے ہیں۔ ان کے کسی بزرگ نے بزازی کا کام شروع کیا تھا۔ اس لئے بزاز ہی مشہور ہو گئے۔ سرینگر کے پنڈت پریم ناتھ بزاز بی اے کے بزرگوں کے تعلقات رشتہ داری بزاز خاندان سے تھے۔ اور اپنے محلہ سے اٹھ کر اس محلہ میں چلے آئے تھے۔ جہاں بزازوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس تعلق کی وجہ سے یہ بھی بزاز مشہور ہو گئے۔ ان کی اصل گوت ہے۔ کشمیر میں سب سے پہلے ۱۹۳۲ء میں پنڈت پریم ناتھ ہی نے وتستہ کے نام سے ایک اردو اخبار جاری کیا تھا۔

گلنیسی کمیشن میں آپ پنڈتوں کی مخالفت کے باوجود اخیر دم تک شامل رہے۔ پرنسپل گوالیار کالج پنڈت پران ناتھ بھی اسی طبقہ سے ہیں۔

مسلمانوں میں جن لوگوں نے ابتدا میں کپڑا بیچنے کا کام اختیار کیا وہ کپرہ کہلائے۔ حالانکہ ان کی بھی مختلف گوتیں ہیں۔ اس وقت سرینگر میں کپتو ذات کے کئی مسلمان خاندان ہیں۔ اور بالعموم اچھی حالت میں ہیں کپوو کے علاوہ بعض بزاز کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

تمینی (۸۰) لاہور کے مشہور علم دوست بزرگ رائے بہادر پنڈت شیو نرائن شمیم کی ایک تحریر کے مطابق تمینی کا اصل تلفظ تائی منی بتایا جاتا ہے۔ ممکن ہے یہ نام ہندو یا بدھ عہد کا ہو منی کے لفظ سے شبہ پڑتا ہے کہ یہ جماعت کسی رشی منی کی نسل سے ہوگی۔ کشمیر میں یہ ذات صرف پنڈتوں ہی میں ہے

یا افغانستان کے صوبجات کابل وہرات اور ملحقات میں افغان مسلمانوں کا جو قبیلہ تمینی کے نام سے آباد ہے۔ اسکی تعداد تین چار لاکھ کے قریب بتائی جاتی ہے۔

جناب شمیم اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ تمینی عرف کا کوئی بزرگ کسی تمینی افغان کے ہاں ملازم رہا ہوگا۔ اور جس طرح درانی اور بارزئی پٹھانوں کے پنڈت ملازم اب درانی اور بارزئی کہلاتے ہیں۔ اسی طرح تمینی افغانوں کے پنڈت ملازم یا ملازموں کا عرف تمینی مشہور ہو گیا ہوگا۔ پنجاب میں بھی بعض عرف اسی طرح مشہور ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ریلی برادرس جو پنجاب وہندوستان کی گندم کے بادشاہ ہیں کے پارسی ملازم ریلی ہی کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ لاہور میں اس وقت ایک پارسی بیرسٹر ریلی بیرسٹر کے نام سے مشہور ہے۔

لیکن کشمیر میں تمینی کی وجہ تسمیہ کے متعلق جو روایت مشہور ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس خاندان کے کسی بزرگ کا رنگ کسی قدر کالا تھا۔ تمن کشمیری زبان میں اس سیاہی کو کہتے ہیں جو برتنوں کو لگ جاتی ہے۔ اس لئے یہ بزرگ بھی تمنی کہلائے۔ اور باوجود گورا رنگ ہونے کے ان کی اولاد بھی تمنی ہی کہلائی۔ کشمیر سے باہر جا کر تمنی کا تمینی بن

گیا۔ اور یہی عرف مشہور ہو گیا۔ ان کی گوت دتاتریہ ہے اور ذات کول ہے۔ یہ سوپوری پنڈت یا شیوپوری پنڈت کہلاتے ہیں۔

پنڈتوں کی اس شاخ میں پنجاب اور یوپی کی آزاد آب و ہوا نے قابل فرزند پیدا کئے ہیں۔ جن میں چند ایک حسب ذیل ہیں۔ پنڈت سروپ کشور بی اے ایل ایل۔ بی اسسٹنٹ ایڈیٹر بہار کشمیر۔ دیوان سری رام وزیر وزارت (کشمیر) جو راجہ سورج کول آنجہانی کے داماد ہیں۔ پنڈت جگت پرشاد تیمنی وائس پریزیڈنٹ کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور۔

(۸۱) زُتشی علم جوتش کے جاننے والے کو کہتے ہیں کشمیر کے جوتشی جو زُتشی کہلاتے تھے علم سنسکرت میں صاحب کمال ہونے کی وجہ سے خاص طور پر مشہور تھے ایسے جوتشیوں کی اولاد زمانہ کی روش کے مطابق نئے علوم و فنون میں صاحب کمال ہو رہی ہے۔ پنڈت منوہر لال زُتشی ایم اے (الہ آباد) اپنی اعلےٰ علمی قابلیتوں کی بدولت ہندوستان کے علم دوست اور سیاست دان حلقوں میں خاص وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ پنڈت کدار ناتھ زُتشی جو ہاکی کے مشہور کھلاڑی ہیں۔ جھانسی میں جی آئی پی انڈین انسٹی ٹیوٹ کے سکرٹری ہیں۔ پنڈت کنور پرشاد صوبہ اجین (گوالیار) کے کے نائب ناظم۔ پنڈت پورن ناتھ بی ایس سی متو میں انجنیر اور پنڈت اونکار ناتھ ایم اے کرنال میں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ڈسٹرکٹ جج ہیں۔ آجکل لاہور میں ہیں

کلم کوئی خاص ذات نہیں ہے۔ کلم ایک گاؤں تحصیل کولگام میں ہے۔ پنڈت جیالال بی اے ایل ایل بی جو گوت سے کول ہیں۔ اور کشمیر کے نامور ایڈووکیٹ بلکہ کشمیری پنڈتوں کے لیڈر اور کشمیری پنڈت پولیٹکل کانفرنس کشمیر کے پریذیڈنٹ ہیں۔ صرف کلم کا باشندہ ہونیکی وجہ سے کلم کہلا رہے ہیں۔ کشمیر میں ہانپور۔ پو پورہ وغیرہ مقامات کے ناموں پر بھی ذاتیں بن گئی ہیں۔ اسیطرح کلم کے نام پر ایک قلم قبیلہ بن گیا ہے۔ ایک کلم پنڈت کشمیر میں نائب تحصیلدار بھی ہیں۔

فصل سوم

کشمیری پنڈتوں کے چند مشہور خاندان

کچلو کچلو کشمیری زبان میں لمبی داڑھی کو کہتے ہیں۔ کسی زمانہ میں کسی شخص کی بہت زیادہ لمبی داڑھی ہوگی۔ اسی وجہ سے اس کا نام کچلو مشہور ہوگیا ہوگا۔ لاہور میں بھی دیوان کشن کور کا خاندان ایسا ہے جس کا داڑھی کے ساتھ تعلق ہے۔ چنانچہ دیوان رتن چند ڈاڑھی والا مہاراجہ رنجیت سنگھ کے معزز درباریوں میں تھا۔ اور لمبی ڈاڑھی کی وجہ سے اس کا نام داڑھی والا ہی مشہور تھا۔

کشمیر کے کچلو خاندان سے جو شاخ مسلمان ہوگئی۔ اس کا نام (وتمیشگ) کنول کچلو سے کمال کچلو ہوگیا۔ لیکن تبدیل مذہب اسم معرفہ یعنی کچلو کے لفظ پر کوئی اثر نہ کر سکا۔ اب کشمیر اور پنجاب اور یو۔ پی وغیرہ کے کشمیری پنڈتوں میں بھی کچلو ہیں۔ اور کشمیری مسلمانوں میں بھی کچلو خاندان موجود ہیں۔ اسی قبیلہ کے نام پر شمالی کشمیر (تحصیل ہندواڑہ) میں ایک گاؤں کچلو آباد ہے۔ اس کی ایک پتی کا نام کچلو قاضی پورہ اور دوسری پتی کا نام صرف کچلو ہے۔ پنجاب کے کشمیری مسلمانوں میں امرتسر کے ڈاکٹر سیف الدین کچلو بی اے بیرسٹرایٹ لا۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کا نام بہت مشہور ہے۔ انہی کا ایک عزیز کچلو کے نام سے امریکہ میں اپنے تجارتی کاروبار کی بدولت اپنا اور ملک کا نام روشن کر رہا ہے۔ مسٹر ذکریا کچلو امرتسر میں میونسپل کمشنر ہیں۔

کشمیری پنڈتوں میں بہت سے کچلو خاندان ملک کی اصلاحی تعلیمی اور تمدنی ترقیوں میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔ پنڈت پردمن کشن کچلو جو عرصہ تک جموں وکشمیر میں چیف منسٹر کے سکرٹری رہ چکے ہیں۔ اور اب لاہور میں مقیم ہیں۔ ان کے بھائی پنڈت منوہر لعل کچلو

ای اے. سی اور پنڈت منوہر لعل کے صاحبزادہ پنڈت کشن لعل کچلو سشن جج جموں پنڈت مہاراج کشن کچلو پی. سی دیوان ریاست کلسیہ

پنجاب کے ترقی یافتہ حلقوں میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ گوالیار میں کچلو خاندان کے افراد نے اور ملکی صیغوں کے علاوہ فوج میں بھی خاصہ نام پیدا کیا ہے۔ اس سلسلہ میں میجر جانکی پرشاد کچلو افسر فوج اور کپتان پنڈت گوری پرشاد کچلو خاص طور پر قابل ذکر ہیں صوبہ متحدہ ریو پی اکے ڈپٹی ڈائرکٹر تعلیم پنڈت کیلاس پرشاد بھی کچلو ہی تھے۔ جو گذشتہ سال بحالی صحت کے لئے یورپ گئے تھے اور جرمن میں وفات پا گئے تھے۔

غمخوار فیملی کشمیری پنڈتوں میں غمخوار فیملی کے نام سے صرف دہلی اور لاہور میں دو چار گھر ہیں۔ اور ان سب کے بزرگ پنڈت سدانند ہیں۔ جن کی گوت کول ہے۔ اکبر کے ہمراہ کشمیر سے آگرہ آئے۔ جہانگیر نے بھی قدر افزائی کی۔ لاہور اور کشمیر میں ہمراہ رکھا۔ شاہجہان نے تو ان کا مرتبہ کمال عروج کو پہنچا دیا منصب پنج ہزاری سوار۔ دہلی میں جاگیر اور مکان عطا کرنے کے علاوہ اعتماد السلطنت۔ مشیر الملک۔ مرزا راجہ۔ اور غمخوار کے خطابات مرحمت کئے۔ یہیں سے ان کا لقب غمخوار شروع ہوتا ہے۔ اور صدہا سال گذر جانے کے باوجود اب تک چلا آتا ہے۔

محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں اس خاندان کا ایک نامور فرد راجہ پنڈت لچھمی نرائن کول متخلص بہ عالم گذرا ہے۔ وہ بادشاہ کی عادات سے تنگ ہو کر بنارس (کاشی جی) چلے آئے۔ نواب سعادت علی خان برہان الملک ان کے مرتبہ اور ان کے اتقا اور ان کی قابلیت سے آگاہ تھے۔ وہ اپنے ہمراہ انہیں اودھ (فیض آباد) لے آئے۔ ان کے فرزند راجہ صاحب رام نواب شجاع الدولہ کے دیوان رہے ہیں۔ راجہ بھولا ناتھ عارف انہی کے فرزند تھے جنہوں نے اس خاندان میں بزمانہ نواب آصف الدولہ سب سے پہلے انگریزوں کی ملازمت قبول کی۔

شاہ عالم بادشاہ دہلی کے عہد میں راجہ پنڈت بدری ناتھ باطن اسی خاندان سے

دہلی آتے ہیں۔ اور ریاست ریواڑی میں نائب الریاست کے عہدہ پر متمکن ہوتے ہیں۔

دہلی کے مشہور صوفی شاعر پنڈت جواہر ناتھ کول غمخوار متخلص بہ ساقی جو چند سال ہوئے فوت ہو چکے ہیں۔ انہی کے پوتے تھے۔ ساقی صاحب نے اور ان کے بھائیوں نے کبھی ملازمت نہیں کی۔ مغل بادشاہوں کے زمانہ میں کئی گاؤں جاگیر میں ملے تھے۔ انہی پر ان کے بزرگ گذارہ کرتے تھے۔ اب صرف ایک ہی گاؤں رہگیا تھا۔ نئی دہلی کی تعمیر کے دوران میں گورنمنٹ ہند نے معاوضہ دیکر وہ گاؤں بھی لے لیا۔ ساقی صاحب نے بہت روپیہ اوقاف کے کاموں میں دیا تھا۔ پانچہزار روپیہ کے سرمایہ سے غمخوار سکالرشپ کا ایک وظیفہ بھی قائم کر گئے تھے۔

لاہور کا غمخوار فیملی بھی دہلی کے غمخوار فیملی ہی کی شاخ ہے۔ اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے عہد میں دیوان گنگا بشن غمخوار اور راجہ نریندر ناتھ رئیس لاہور کے دادا دیوان گنگا رام لاہور آئے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سرکار میں دونوں نے معزز عہدے حاصل کئے۔ دیوان گنگا بشن غمخوار کے بیٹے دیوان رادھا کشن غمخوار مولراج (ملتان) کی لڑائی میں دربار خالصہ کی طرف سے شامل ہوئے۔ اور جب ملتان اور علاقہ ڈیرہ جات فتح ہو گئے اور پنجاب انگریزوں کے قبضہ میں آگیا۔ تو دیوان رادھا کشن کو رائے بہادر کا خطاب ملا اور ڈیرہ اسمٰعیل خان میں جاگیر ملی۔ آپ پنجاب کے سب سے پہلے رائے بہادر تھے۔ بلکہ ڈیرہ ہی میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بھی ہو گئے۔ لاہور کے لارنس ہال میں دیگر رؤسا کے ساتھ آپ کا نام بھی کندہ ہے۔ کرنل ہیسی کی کتاب پنجاب چیفس (رؤسائے پنجاب) میں اس خاندان کا ذکر موجود ہے۔

پنڈت مہاراج کشن غمخوار جو اخبار غمخوار ہند کے مالک وایڈیٹر اور لاہور کے رئیس تھے آپ ہی کے فرزند تھے۔ پنڈت مہاراج کشن آنجہانی سے راقم الحروف کی بھی مخلصانہ دوستانہ ملاقات تھی۔ ایام محرم میں ہر سال وہ اپنی طرف سے ایک سبیل لگایا کرتے تھے۔ ان کے دوستوں میں ہندوؤں سے زیادہ مسلمان اور مسلمانوں سے زیادہ ہندو تھے۔ ۱۹۰۸ء میں آپ وفات پا گئے۔ رائے صاحب پنڈت سری کشن غمخوار ان کے اکلوتے فرزند ہیں۔ جو آجکل گوجرانوالہ

ہیں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے معزز عہدہ پر ہیں۔ رائے صاحب کا بھی ایک ہی واحد لڑکا پنڈت تربھون کشن غمخوار (بی اے۔ایل ایل۔بی) ہے۔ جو لائل پور میں وکالت کرتا ہے۔ یہہ خاندان پشت ہا پشت سے علم دوست۔ سخن فہم اور قدر دان علوم و فنون اور مرتبہ شناس اہل علم رہا ہے۔ اور اب بھی اس میں یہ اوصاف برابر موجود ہیں۔

کول کشمیری پنڈتوں کی یہ بہت قدیم گوت ہے۔ سنسکرت کتب میں اس گوت کے متعلق لکھا ہے کہ کول اسے کہتے ہیں۔ جو دنیاوی خواہشات کو نیست و نابود کرنے والا ہو۔ یہہ گوت دتاتریہ منشیر کی نسل سے ہے۔ یہ منشیر زمانہ سلف میں ایک نہایت متبرک ہستی کی شہرت رکھتا تھا۔ اس بزرگ کے حالات دتاتریہ خاندان میں درج ہیں۔

کول گوت کے کشمیری پنڈتوں میں ان کے نِک ناموں Nick Names کی وجہ سے جو ان کے اجداد کے ناموں کے ساتھ مختلف اوقات میں ملازمت یا ذاتی اوصاف یا کاروبار کی بدولت آج تک چلے آتے ہیں کُل ۲۷ شاخیں ہیں اور ان کے نک نیم یہاں تک رواج پا چکے اور شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ کہ بعض لوگوں کو ان کی اصل گوت ہی کا پتہ نہیں چلتا۔ کول گوت کی ۲۷ شاخوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ اور ہر شاخ کسی نہ کسی وجہ سے مشہور و نامزد ہے۔

۱۔ المیہ۔ ۲۔ بابو۔ ۳۔ بم چونٹ۔

۴۔ بامزئی۔ کول گوت کے جو بزرگ احمد شاہ ابدالی کے سردار نورالدین خان بامزئی اور بلند خان بامزئی (۱۷۶۲ء) ناظمان صوبہ کشمیر کے ملازم اور معتبر رہے۔ وہ اپنے آقاوں کے ناموں پر بامزئی ہی مشہور ہو گئے۔ پنڈت انند کول[1] جنہوں نے زبان انگریزی کے ذریعہ اپنے ملک کی نمایاں تاریخی جغرافیائی اور تمدنی خدمت کی ہے۔ کول گوت کے بامزئی قبیلہ ہی کے ایک سرکردہ ممبر ہیں۔ پنڈت انند کول نے کشمیر کے متعلق کئی انگریزی کتابیں لکھی ہیں جو بہت مقبول اور مشہور ہیں۔

[1] سابق پریذیڈنٹ میونسپلٹی سرینگر کشمیر۔

۵-بجو-۶-چودہری-۷-داندر-۸-ڈانگر-۹-ورابی-۱۰-وونت-۱۱-ہاک-
۱۲-جلالی-۱۳-جنبسی-۱۴-جوتا-۱۵-کاک-۱۶-کیتی-۱۷-کسو-۱۸-کوٹھیدار-۱۹-لداخی-
۲۰-میخزین-۲۱-مندل ۲۲-موزہ-۲۳-مخنث-

۲۴-نگاری-کول گوت کے جس بزرگ نے شاہان مغل کے عہد میں محکمہ شاہی نوبت و نقارہ کی افسری قبول کی-وہ نقاری اور بعد میں نگاری کہلائے۔اسی شاخ کے ایک نامور فرد پنڈت لال کول افغانوں کے عہد میں کشمیر میں گذرے ہیں-جو پنڈت پرکاش لگرو رئیس کشمیر کے داماد تھے اور جو اپنے خسر کی اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی جائیداد کے مالک بنے۔پنڈت لال کول کابل میں بھی رہے ہیں-وہ اپنے خسر کے انتقال کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں لاہور آگئے۔جب رنجیت سنگھ نے کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے مصر دیوان چند کو روانہ کیا ہے۔تو پنڈت لال کول بھی فوج میں شامل تھے-ملتان اور سراؤں کی لڑائیوں میں بھی شامل رہے۔کشمیر میں ان کی جاگیر بھی تھی۔سکھوں کے عہد میں بحال رہی لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ نے پنڈت لال کول کی وفات پر ان کی جاگیر ضبط کر لی۔

راجہ پنڈت سورج کول آپ ہی کے فرزند تھے-جو پنجاب و بلوچستان میں مختلف جلیل القدر عہدے حاصل کرنے کے بعد ۱۸۸۸ء سے ۱۸۹۶ء تک کشمیر کے ممبر مال رہے۔ ۱۹۰۱ء میں انتقال کر گئے۔آپ کے تین صاحبزادے ہیں اور تینوں ہی عظیم الشان شہرت رکھتے ہیں سب سے بڑے رائے بہادر پنڈت ڈاکٹر بال کشن کول ہیں-دوسرے کا نام سر راجہ ہری کشن کول سی آئی ای ہے-جو کمشنری تک پہنچکر بھرت پور اور کشمیر میں چیف منسٹر بھی رہ چکے ہیں۔سب سے چھوٹے سر راجہ دیا کشن کول سی آئی ای ہیں-مہاراجہ پرتاپ سنگھ آنجہانی کے عہد میں ان کے نامور پرائیوٹ سیکرٹری رہ چکے ہیں۔اس خاندان کے پاس ضلع گوجرانوالہ میں ½۱۱ ہزار ایکڑ زمین ہے-علاوہ ازیں ضلع شاہپور-لائل پور اور کشمیر-جموں اور بہاولپور میں کئی مواضعات اور بے شمار اراضی ان کی ملکیت ہے-لاہور-امرتسر وغیرہ میں لاکھوں

روپیہ کی ملکیت کے مکانات ہیں۔

۲۵ پڈر۔ ۲۶ پہلوان ۲۷ رافض یارلفر ۲۸ صاحب۔ ۲۹ خرغا کشمیر پرتاپ کالج کے سب سے پہلے پرنسپل خرغا صاحب ایک کشمیری پنڈت ہی تھے۔ ۳۰ شوگہ۔ ۳۱ سنگارہ ۳۲ سلمان۔ ۳۳ سلطان ۳۴ طوطا۔ ۳۵ وگرہ۔ ۳۶ زمیندار۔ ۳۷ تل وان کول۔

سرینگر کشمیر کے کول خاندان میں پنڈت ہرگوپال کول وکیل و مصنف تاریخ گلدستہ کشمیر اور ان کے بھائی پنڈت سالگ رام کول وکیل مالک سالگرام پریس نہایت نامور گذرے ہیں۔ پنڈت ہرگوپال کول کی شہرت ان کی علمی فضیلت اور ان کی ابتدائی ملازمت کے تعلقات کی وجہ سے کشمیر سے باہر لاہور پٹیالہ اور شملہ میں بھی تھی۔

کول خاندان کی عظمت اس خاندان کے تاریخی حالات ہی سے معلوم ہو گئی ہوگی۔ جہاں کہیں بھی کوئی کول ہے۔ اس نے اپنی قابلیت دکھانے میں اپنے خاندان اور ملک کا نام ہمیشہ روشن کیا ہے۔ ہم چند اصحاب کے نام یہاں درج کرتے ہیں۔ جو کول خاندان سے ہیں۔

رائے بہادر پنڈت من موہن ناتھ کول انجہانی جو کشمیر کے گورنر تھے۔ لاہور کے ڈاکٹر ایس۔ این کول جو آنکھوں کے علاج میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر پی۔ این کول بیرسٹر ایٹ لا جو کشمیر نیشنل بورڈ کے صدر رہ چکے ہیں۔ رائے بہادر پنڈت گنگا رام کول جو پنجاب کے اکونٹنٹ جنرل تھے۔ اور اب دہلی میں ایک معزز عہدہ پر ہیں۔ دیوان رادھے ناتھ کول جو لاہور والہ آباد کے رئیس ہیں اور اپنے ادبی و علمی مشاغل اور ذوق شعر کی بدولت بہت مشہور ہیں۔ پنڈت لچھمی نرائن کول سابق ایڈیٹر رسالہ سفیر کشمیر۔ ڈاکٹر تیج کشن کول ایم۔ بی۔ بی۔ ایس (لاہور) پنڈت رادھے لال کول (دفتر پی۔ ایم۔ جی) راؤ بہادر پنڈت گردھاری لعل کول سابق منسٹر الور لاہور کے علاوہ گوالیار کے پنڈت سورج نرائن کول جن کو ۱۹۳۳ء میں مہاراجہ بہادر گوالیار نے خلعت دیا ہے۔ پنڈت شونا تھ کول شاکر لشکر یوپی کے پنڈت پران ناتھ کول وکیل فیض آباد پنڈت کشن لال کول سشن جج سلطانپور، پنڈت کشن نرائن کول ایڈیشنل انکم ٹیکس آفیسر

(کانپور) وغیرہ ممتاز عہدوں پر ہیں۔ سرینگر کے پنڈت گواشہ لال کول بی اے مصنف و جرنلسٹ بھی کول طبقہ ہی سے ہیں۔ کول برادری میں پنڈت شنکر کول ایم اے پبلسٹی افسر گورنمنٹ جموں و کشمیر بھی ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔

یعنی اُرشگینہ گوتر کی کول ذات میں پنڈت صاحب رام سنسکرت کے نامور فاضل تھے۔ سنسکرت زبان میں انکی تصنیف کشمیر سرتی سنگرہ کا حوالہ اکثر ہندوستانی ودوان مورخوں نے اپنی کتابوں میں دیا ہے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے جو خود بھی اہل علم تھے علمی و مذہبی خدمات کے صلہ میں آپکو چند دیہات بطور جاگیر عطا کئے تھے جن کا مالیہ اب بھی بصورت نقدی آپکی اولاد کو مل رہا ہے۔ آپکے فرزند کلاں پنڈت دیارام کول اور دوسرے فرزند پنڈت امودر کول بھی باپ کی طرح علم سنسکرت کے مشہور فاضل تھے۔ پنڈت امودر جو متبنے ہو کر دوسرے خاندان میں چلے گئے تھے باپ کے بعد سرتریہ سنسکرت کالج جموں میں پنڈت دیارام سنسکرت میں صاحب کمال ہونیکے علاوہ علم جوتش میں بھی دسترس خاص رکھتے تھے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے خاص درباریوں میں تھے۔ انہی کے عہد میں بعمر ۶۵ سال وفات پاگئے۔ پنڈت دیارام کے فرزندوں میں پنڈت مادھو لعل محکمہ خاطر تواضع میں بعہدہ اکونٹنٹ ملازم ہیں اور پنڈت دیوہ کاک جو پنڈت دیارام کے فرزند کلاں تھے فارسی سنسکرت اور علم جوتش میں اپنے آباؤ اجداد کی طرح مہارت رکھتے تھے۔ نہایت مدبر صلح کل اور فیاض تھے کئی خاندانوں کو ان سے مالی امداد ملی ہے۔

پنڈت شمبو ناتھ آپ کے فرزند کلاں ہیں اور کشمیر کے سب سے پہلے گریجوایٹ ہیں۔ بی اے ہونے کے علاوہ لا کالج لاہور میں آپنے قانونی تعلیم بھی حاصل کی ہے ابتدا میں منصف اور ۱۹۲۹ء میں کچھ عرصہ تک ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ رہے۔ اس وقت سرینگر میں سٹی مجسٹریٹ ہیں۔

(۱۴) **چھچھ بلی** چھچھ بل۔ چھتہ بل کو کہتے ہیں۔ جو سرینگر کا ایک مشہور محلہ ہے۔ اس محلہ میں عموماً رازدان پنڈتوں کی آبادی ہے۔ پنڈت کشن داس جنہوں نے ۱۷۵۵ء میں بعہد افاغنہ کشمیر سے ہجرت کی۔ چھتہ بل میں رہنے کی وجہ سے چھچھ بلی کہلائے۔ وہ پہلے لکھنؤ اور بنارس کی طرف گھومتے رہے۔ ان کے فرزند پنڈت گنگارام مرہٹوں کے زمانہ میں دہلی میں رہتے تھے اور فوج میں کسی معزز عہدہ پر تھے۔ ان کی تعمیر شدہ حویلی اب تک دہلی میں موجود ہے۔ جو راجہ نریندر ناتھ صاحب کی ملکیت و ورثہ میں ہے۔ مارچ ۱۸۰۳ء میں پنڈت گنگارام بعہدہ دیوان مہاراجہ رنجیت سنگھ

کے دربار میں چلے آئے۔ اسی زمانہ سے ان کا خاندان لاہور میں آباد ہے۔ راجہ دینا ناتھ مدن چھچھ بلی تو نہیں تھے لیکن راجہ نریندر ناتھ چھچھ بلی کے دادا دیوان اجودھیا پرشاد چھچھ بلی کے خالہ زاد بھائی تھے۔ چھچھ بلی پنڈتوں کا ہندوستان میں غالباً ایک ہی خاندان ہے۔ جو لاہور میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس محلہ کے رہنے والے بہت کم لوگ کشمیر سے باہر آئے تھے۔ چھچھ بلی خاندان کے مفصل حالات تواریخ رئیسان پنجاب میں جو سرلیپل گریفن کی تصنیف ہے۔ درج ہیں۔ ہم بطور اختصار یہاں کچھ ذکر کرتے ہیں۔

پنڈت گنگا رام کے ہمراہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کی ایک قابل جماعت تھی۔ اس لئے اس نے آتے ہی دربار میں رسوخ حاصل کر لیا۔ مہاراجہ کی مہر خاص اور دیوانی کا خطاب لئے تھوڑے ہی دنوں میں مل گیا۔ دیوان گنگا رام نے اولاد نرینہ سے محروم ہونے کی وجہ سے اپنی سالی کے لڑکے اجودھیا ناتھ کو اپنا متبنّے بنا لیا۔ اجودھیا ناتھ ۱۶ سال کا تھا۔ کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس کی ایک ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ مقرر کی۔ اور کشمیر کی فوج میں اس کو ایک عہدہ عطا کر دیا اپنی قابلیت کی بدولت اس نے اپنی خدمات لاہور میں فوج خاص یعنی مہاراجہ کے باڈی گارڈ میں منتقل کرالیں۔ جنرل ونتورا اسی باڈی گارڈ کا افسر تھا۔ گنگا رام کے انتقال کے بعد اجودھیا ناتھ کو باپ کی جاگیر سے ایک گاؤں اور دیوانی کا خطاب ملا۔ ایک وقت جب جنرل ونتورا رخصت پر فرانس گیا۔ ایسا آیا کہ دیوان اجودھیا ناتھ ہی فوج خاص کا کمانڈر بن گیا اور ۱۸۴۳ء میں اس نے مستقل طور پر کمانڈری کا عہدہ حاصل کر لیا۔ اس فوج میں سواروں اور پیادوں کی تعداد ۶۷۹ اور توپوں کی تعداد ۳۴ تھی۔

کچھ عرصہ بعد جاگیر میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور مختار الدولہ کا خطاب بھی ملا۔ الحاق پنجاب کے بعد سرکار انگریزی نے پانچ ہزار سالانہ تنخواہ کے علاوہ ۱۵ ہزار کی جاگیر بھی ضبط کر لی لیکن ۱۸۵۱ء میں ۷ ہزار کی سالانہ پنشن اور کچھ جاگیر مل گئی۔ دیوان بیجناتھ آپ کے اکلوتے فرزند تھے اس وقت اس خاندان کے سرکردہ رکن دیوان بہادر راجہ نریندر ناتھ ایم اے ہیں جو کمشنری کے

جلیل القدر عہدے سے ریٹائر ہوئے ہیں اور پنجاب کے ہندوؤں کے لیڈر ہیں۔ دیوان آنند کمار آپ کے صاحبزادہ کا نام ہے۔ پنڈت پیارے کشن دائل جو سر راجہ ہری کشن کول کی مدار المہامی کے ابتدائی ایام تک ریاست جموں و کشمیر کے فینانس منسٹر تھے۔ آپ کے داماد ہیں۔ پنجاب کے چھچھ بلی خاندان کی ذات رینہ رازدان ہے اور گوت سوامن گوتم۔

ڈاکٹر شب ناتھ چھچھ بلی ریٹائرڈ ڈرزی سرجن لاہور نے کشمیری پنڈت لڑکوں کے تعلیمی وظائف کے لئے نقد پانچہزار اور پانچہزار روپیہ کا مکان دے کر ڈاکٹر شب ناتھ چھچھ بلی سکالرشپ قائم کیا ہے۔

(۵) مدن سری نگر کے ضلع جہ کدل سے ذرا نیچے مدن یار ایک محلہ کا نام ہے۔ یہاں کے رہنے والے جو دراصل رازدان طبقہ سے ہیں۔ اپنے محلہ کے نام سے مدن مشہور ہو گئے ہیں۔ ان کی گوت سوآن مدگے ہے اس فیملی نے کشمیر اور پنجاب میں نامی گرامی فرزند پیدا کئے ہیں۔ سرینگر کی مدن فیملی میں پنڈت لچھن ناتھ اور دیوان بدری ناتھ مدن اور من موہن ناتھ تحصیلدار بہت مشہور ہیں۔ دیوان ارجن ناتھ مدن وزیر وزارت بھی رہے ہیں۔ لاہور کے کشمیری پنڈتوں میں راجہ دینا ناتھ مدن اور ان کے خاندان اور ان کی اولاد نے جو عزت اور شہرت حاصل کی ہے۔ وہ کشمیر کے اندر کشمیر سے باہر کے کشمیری خاندانوں کو بہت کم نصیب ہو سکی ہے۔

راجہ دینا ناتھ کا خاندان محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ (۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۲ھ) میں بخت آزمائی کے لئے اپنے وطن سے باہر نکلا اور سیدھا دہلی آیا۔ راجہ دینا ناتھ[1] کے والد پنڈت بخت مل سکھوں کے عروج کے زمانہ میں لاہور آئے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دفتر خاص کے سر دفتر مقرر ہوئے۔ پنڈت گنگارام کی کوشش سے جو دربار خالصہ میں ایک معزز عہدہ پر تھے۔ راجہ دینا ناتھ

---

[1] راجہ دینا ناتھ اور ان کے خاندان کے مفصل حالات پنجاب چیفس مولفہ سر لیپل گریفن اور مشاہیر کشمیر جلد اول سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

نے عین نوعمری میں ایک اچھا عہدہ حاصل کرلیا۔ گنگا رام کی وفات کے بعد ۱۸۲۶ء میں راجہ دینا ناتھ کو مہاراجہ کی مہر سپرد کی گئی۔ اور ۱۸۳۸ء میں انہیں دیوانی کا خطاب ملا۔ اور قریباً دس ہزار کی جاگیر ملی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد مہاراجہ کھڑک سنگھ اور ان کے بعد مہاراجہ شیر سنگھ اور اخیر میں مہاراجہ دلیپ سنگھ پنجاب کے حکمران بنے۔ اور اس عرصہ میں پنجاب میں کئی انقلاب بھی پیش آئے۔ شہزادے اور وزراء اور خود مہاراجے قتل ہوتے رہے۔ مگر ان بدنظمیوں اور بدامنیوں کے باوجود راجہ دینا ناتھ کا اقتدار بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ جب ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کے عہدنامہ کے مطابق پنجاب سرکار انگریزی کے حوالہ کیا گیا۔ تو اس عہدنامہ پر راجہ دینا ناتھ کے دستخط بھی کرائے گئے۔ پھر دسمبر ۱۸۴۶ء میں جو کونسل حکومت پنجاب کے لئے بنائی گئی۔ اس کے صدر راجہ دینا ناتھ تھے۔ سرکار انگریزی ہی نے آپ کو راجہ کلانور کا خطاب اور اسی علاقہ میں بیس ہزار کی جاگیر عطا کی۔

الحاق پنجاب کے بعد آپ کی کل جاگیر جو واگذار رہی۔ وہ ۴۸ ہزار کے قریب تھی۔ ۱۸۵۷ء میں راجہ دینا ناتھ انتقال کر گئے۔ راجہ دینا ناتھ کے ایک بھائی کا نام دیوان کیدار ناتھ تھا۔ وہ بھی ۸ ہزار کے جاگیردار تھے۔

راجہ دینا ناتھ کے دو فرزند تھے (۱) دیوان امر ناتھ تخلص اکبری (۲) دیوان نرنجن ناتھ

دیوان امر ناتھ فارسی زبان کے اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے۔ ان کے فرزندوں میں دیوان پرم ناتھ کو جو لاہور میں آنریری مجسٹریٹ بھی تھے۔ راقم الحروف نے بھی دیکھا ہے۔ ان کے فرزند دیوان کیلاس ناتھ تھے اور ان کے فرزند دیوان سمیر ناتھ سرگودھا میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہیں۔

دیوان امر ناتھ اکبری کے دوسرے فرزند کا نام دیوان مان ناتھ تھا۔ وہ اصغری تخلص کرتے تھے۔ دیوان سوم ناتھ اور دیوان گیان ناتھ جنہوں نے اپنی قابلیتوں سے اپنے خاندان کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ آپ ہی کے فرزند ہیں۔ افسوس ہے دیوان سوم ناتھ کا جو ڈسٹرکٹ جج تھے ۱۹۴۳ء میں انتقال ہو گیا۔ ان کے فرزند دیوان پریم ناتھ اس وقت ای لے بی سی کے

معزز عہدہ پر ہیں۔ دیوان گیان ناتھ کو دیوان بہادر کا خطاب بھی ملا ہوا ہے۔ اور پنجاب کی ریاستوں اور پنجاب کے پولٹیکل حلقوں میں آپ کی قابلیت و ہر دلعزیزی کی بڑی شہرت ہے۔ آپ نابھہ سٹیٹ کے ایڈمنسٹریٹر ہیں۔ ۱۹۳۳ء کے خطابات سال نو روز میں آپ کو سی۔آئی۔ای کا خطاب ملا ہے۔

راجہ دینا ناتھ کے دو فرزند پنڈت منگا میشر اور پنڈت برج موہن ناتھ ہیں۔ راقم الحروف نے اول الذکر کو دیکھا ہے۔ وہ ایک ماہوار رسالہ کشمیر پرکاش کے نام سے شائع کیا کرتے تھے۔ دہلی میں پنڈت دینا ناتھ مدن سنسکرت و انگریزی کے جید عالم اور اردو کے بہت اچھے شاعر ہیں۔

اس گوت کا یا محلہ کا نام مدن کیوں مشہور ہو گیا۔ اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ مدن دراصل پارسیوں کی ایک ذات ہے۔ کسی پارسی کے تعلق کی وجہ سے یا اس کے کسی ملازم پنڈت کا عرف مدن مشہور ہو گیا۔ اور جب وہ واپس کشمیر آیا۔ تو جس محلہ میں رہا۔ اس کا نام بھی مدن یار ہی قرار پایا۔ اس کے ثبوت میں کہا جاتا ہے۔ کہ مدن تھیٹر ایک پارسی کی ملکیت ہے۔ اور اسی رنگ ذات پر تھیٹر کا نام مدن بھی اتھیٹر ہے لیکن ہمارے خیال میں کوئی ایسا کشمیری پنڈت خاندان نہیں ملتا۔ جو کشمیر سے باہر جا کر اور ترقی یافتہ آب و ہوا میں پرورش پا کر پھر کشمیر ہی میں ہمیشہ کے لئے مسکن گزین ہو گیا ہو۔ اور نہ کشمیر والے اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔

دوسری روایت اس نام کی وجہ تسمیہ کی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ جو یہ ہے کہ مدن کشمیری زبان میں عاشق مزاج اور وارفتہ طبیعت کو کہتے ہیں۔ کوئی شخص اس خاندان کا اسی طبیعت کا ہو گا۔ اس کے نام پر خاندان کا نام مدن مشہور ہو گیا۔ جب انہوں نے سرینگر کے اس محلہ سے جہاں وہ پہلے رہتے تھے نقل مکانی اختیار کر کے جبہ کدل کے متصل مکانات آباد کئے ہوں گے۔ تو اس محلہ کا نام ان کے نام پر مدن یار ہی مشہور ہو گیا۔ ان



پنڈت نرائن کاک صاحب رئیس آنجہانی بمقام سرینگر کشمیر ۔ پیدائش ۱۹۰۱ سمبت وفات ۱۹۶۹ سمبت

کے علاوہ اب اس محلہ میں اور بھی کئی گھر آباد ہیں۔

راج ترنگنی کے ترنگ ۸ میں مدن ایک نام آتا ہے جو راجہ ہرش والئے کشمیر کا کمانڈر انچیف تھا۔ یہ آج سے قریباً سات آٹھ سو سال پیشتر کا ذکر ہے۔ ۵

(۶) **ترسل فیملی** در خاندان کے جس بزرگ نے اپنے خاندان کو کشمیر میں دوبارہ آباد کیا ہے اس کا نام ہیرو پنڈت تھا جس کا مفصل ذکر در فیملی کے حالات میں درج ہے۔ اس کی تیسری پشت میں پرشست پنڈت گذرا ہے جس کے سات فرزندوں میں سے بلاقی پنڈت کی اولاد میں سے اس وقت رائے صاحب پنڈت شیام سندر لال در اور پنڈت لبہ کاک در سرکردہ ممبر ہیں۔ پرشست پنڈت کے تیسرے فرزند نیکو پنڈت (برادر بلاقی پنڈت) کی اس شاخ کا شجرہ جس کا تعلق ترسل فیملی سے ہے حسب ذیل ہے:۔

نیکو پنڈت کے فرزند درگا پنڈت کے دو لڑکے تھے۔ ایک سروانند جو لاولد گذر گیا دوسرا ستارام جس کو مادھو پنڈت اور منہ کنتھو بھی کہتے تھے۔ ستارام دراصل رازدان رینہ تھا جو چندر رینہ ساکن ترسل تحصیل پلوامہ کے خاندان سے نیکو پنڈت نے بطور متبنّیٰ لیا تھا۔ ستارام کی اولاد اس کے وطن ترسل کی وجہ سے جو درگا پنڈت کی جاگیر میں تھا۔ ترسل کہلائی چنانچہ آج تک سات پشتیں گذر چکی ہیں۔ در خاندان کے درگا پنڈت کے متبنّیٰ کی اولاد ترسل ہی کہلا رہی ہے۔

ستارام سے پانچویں پشت میں پنڈت سہج رام ترسل بہت مشہور گذرا ہے۔ یہ اپنے زمانہ کا اچھا فارسی شاعر تھا۔ اس کے سات فرزندوں میں سے ایک لاولد فوت ہوگیا۔ باقی چھ فرزندوں کی اولاد موجود ہے۔ اس کے چوتھے فرزند پنڈت دھن جو کے تین فرزند ہیں۔ ایک پنڈت تاراچند دوسرے انند جو لاولد انتقال کر گئے۔ تیسرے آفتاب جو۔

ملک ہمالیہ میں پنڈت دیناناتھ مدن معجز اپنی شاعرانہ قابلیت کی بدولت خاص شہرت رکھتے ہیں۔

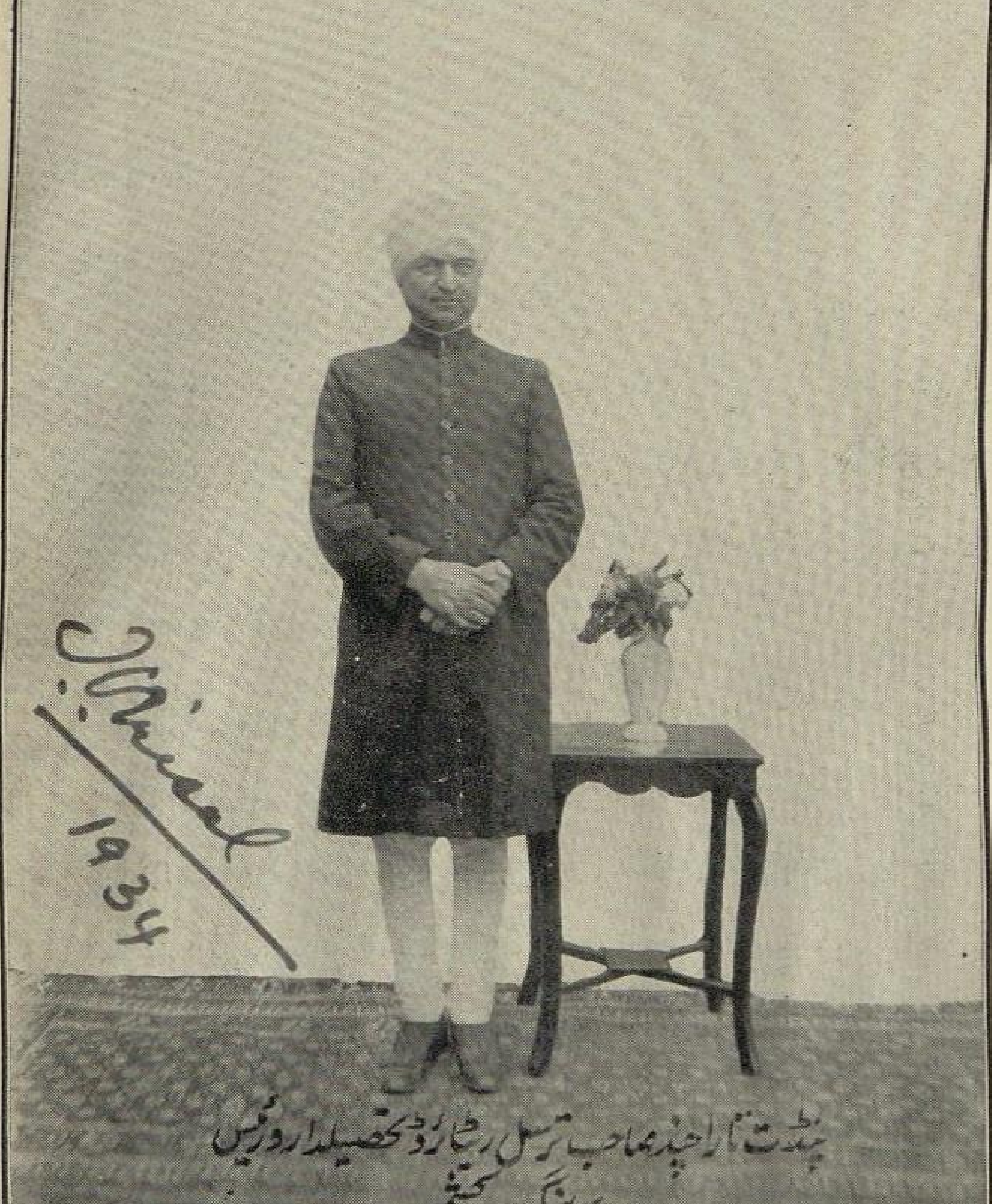
پنڈت تاراچند ترسل تحصیلداری سے ریٹائر ہوکر اب وکالت کررہے ہیں۔ وہ ایک قابل ریونیو ایجنٹ ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں ہر دلعزیز ہیں۔ اور کشمیر اتحاد بورڈ کے آنریری سکرٹری ہیں۔ سنٹرل کواپریٹو بنک کے ڈائرکٹر اور کمیٹی جبریہ تعلیم اور کمیٹی انسداد بردہ فروشی کے ممبر ہیں۔ سخن فہم اور سخن گو ہیں۔ علم دوست اور علم پرور ہیں۔ کشمیری پنڈتوں کی ذاتوں اور گوتوں کی تفصیل اور ان کے متعلق دیگر حالات بتانے میں راقم الحروف کو انہوں نے بڑی مدد دی ہے۔

ایک جوان لڑکی اور تین نوعمر فرزندوں کی وفات سے آپ کو جو صدمات پہنچے ہیں۔ ان کا اندازہ کوئی صاحب اولاد ہی کرسکتا ہے۔ بقول شاعر غ اولاد کا غم صاحب اولاد سے پوچھو۔ ان کے ایک ۱۲ سالہ فرزند کاشی ناتھ کو راقم الحروف نے بھی دیکھا تھا۔ نہایت موزون طبع تھا۔ اب چونی لال ایک فرزند موجود ہے۔ جو اس وقت تعلیم حاصل کررہا ہے۔ توقع ہے کہ یہ ہونہار لڑکا خاندان کا نام روشن کریگا۔

ترسل فیملی میں پنڈت ٹیکارام۔ پنڈت سہج رام۔ پنڈت مہتاب جو روشن۔ اور پنڈت دشن جو بہت مشہور گذرے ہیں۔ سکھوں کے زمانہ میں پنڈت سہج رام اور پنڈت ٹیکارام نے اپنی اعلےٰ دماغی و انتظامی قابلیتوں کی بدولت نمایاں شہرت حاصل کی ہے۔ بعہد مہاراجہ گلاب سنگھ ابتداءً جب کشمیر کو چار حصوں میں تقسیم کرکے چار ڈنڈداروں کے سپرد کیا گیا تھا۔ تو ان میں ایک ڈنڈدار پنڈت سہج رام ترسل بھی تھے۱۔ پنڈت ایشرداس ترسل جو دو سال میں ڈپٹی انسپکٹر کسٹم ہیں۔ ترسل خاندان ہی سے ہیں۔

(۷) **ہاکسر** ضلع بارہ مولا کی تحصیل اوتر مچھی پورہ میں ایک گاؤں ہانچر پورہ کے نام سے آباد ہے۔ اسی موضع کے نام پر کشمیری پنڈتوں کی یہ گوت ہانچریا ہاکسر یا ہکسر

۱ پنڈت سہج رام اور ترسل فیملی کے مفصل حالات مشاہیر کشمیر جلد اول صفحہ ۲۴۳ کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتے ہیں۔



پنڈت تاراچند صاحب ترسل ریٹائرڈ تحصیلدار و رئیس
سرینگر - کشمیر

کہلاتی ہے۔ جو لوگ دیہات سے آکر سرینگر میں آباد ہوتے رہے ہیں۔ شہر والوں نے ان کی اصل ذات یا گوت چھوڑ کر اس گاؤں کے نام پر ہی ان کو مشہور کر دیا ہے۔ اور رفتہ رفتہ وہی گاؤں یا اس گاؤں کی وطنیت کی مناسبت ہی ان کی ذات بن گئی ہے۔ یہی حال کچھ پورہ سے شہر میں آکر آباد ہونے والوں کا ہوا۔ اس nick name کا تعلق کشمیری پنڈتوں کی گوت سے ہے۔

ہاکسر طبقہ نے بڑے بڑے نامور فرزند پیدا کئے ہیں۔ راجہ سر دیا کشن کول کے سمدھی ڈاکٹر روپ نرائن ہاکسر ہی تھے۔ ریاست گوالیار کے پولیٹکل ممبر کرنل سر کیلاش نرائن سی آئی ای ہندوستان اور انگلستان میں اپنے نام کی بجائے کرنل ہکسر ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ ایک ماہر آئین سیاست دان ہیں۔ نہ صرف گوالیار بلکہ ہندوستان کی تمام بڑی بڑی ریاستیں اور ہندوستان و انگلستان کی حکومتیں آپ کی عالی دماغی اور قابلیت کی مداح و معترف ہیں۔ گول میز کانفرنس اور انجمن شاہزادگان ہند میں ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے انہوں نے والیان ریاست ہائے ہند کی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

رام کشن لسبل اور مہتاب رائے تاباں جو ہاکچو کہلاتے تھے ہاکسر خاندان ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ لاہور میں اسی برادری سے پنڈت شام سندر بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ ہیں۔ جو سر راجہ دیا کشن کول کے داماد ہیں۔ انبالہ میں پنڈت ایس۔ این ہاکسر آئی سی۔ ایس اسسٹنٹ کمشنر اور بھوپال میں پنڈت گوبند نرائن ہاکسر رجسٹرار کوآپریٹو سوسائیٹیز کے جلیل القدر عہدوں پر متمکن ہیں۔

(۷) **ٹکو** اس نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق دو روایتیں مشہور ہیں۔ ایک تو ضعیف سی ہے۔ اور وہ اس طرح ہے کہ سرینگر کا کوئی برہمن لاولد تھا۔ اس نے راجپوت خاندان کا ایک لڑکا متبنےٰ بنایا۔ برہمنوں نے اس کی پیشانی پر ٹیکا (تلک) لگا کر کہا کہ یہ پیدائشی برہمن نہیں بلکہ ٹیکا لگنے کی وجہ سے ٹکو برہمن ہے۔ اسی زمانہ سے اس کی اولاد ٹکو یا تیکو کہلاتی ہے۔ دوسری

روایت اس سے زیادہ وزن دار بتائی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ تکو ترک (TIKKU) سے نکلا ہے۔ ترک (TARKKU) تارک سے ! یہ ایک تانترک مت ہے۔ جو شاکتک مت سے نکلا ہے۔ چونکہ یہ شاکتک مت کے مطابق بھگوتی کی اُپاسنا کرتے تھے انہوں نے پہلے ترک اور پھر ترک (TUKKU) سے تکو کہلائے۔ چنانچہ پنڈت مکند رام تکو نے جو ایک مشہور سادھو گذرے ہیں۔ ایک ستوتی (مناجات) تصنیف کی ہے جس کے آخری شلوک میں وہ اپنا نام "ترک مکند" لکھتے ہیں۔

پٹھانوں کے زمانہ میں تکو خاندان نے بڑا عروج حاصل کیا ہے۔ رحمت اللہ خان الکوزیئی پسر جمعہ خان الکوزیئی کے عہد نظامت (۱۷۹۴ء) میں جن دو کشمیریوں نے کابل میں کشمیری ذہانت و لیاقت کا سکہ بٹھایا تھا۔ ان میں ایک خواجہ عیسیٰ دیوانی تھے اور دوسرے اسی تکو خاندان کے پنڈت نند رام تکو۔ خواجہ عیسیٰ تو تھوڑے عرصہ کے بعد واپس کشمیر چلے آئے لیکن نند رام نے وہیں رہ کر زمان شاہ درانی شاہ افغانستان کے وزیر امیر الملک وفادار خان کی سرکار میں دیوانی کا رتبہ حاصل کر لیا۔ نند رام تکو کا اقتدار و اعتماد اس درجہ تک تھا۔ کہ جب عبداللہ الکوزیئی گورنر کشمیر اور نند رام کے بھائی ہیرا داس تکو کے درمیان مخالفت مخاصمت کے درجہ تک پہنچ گئی۔ تو نند رام نے وزیر کو کہہ سن کر عبداللہ خان الکوزیئی کو کشمیر کی گورنری سے واپس بلوا لیا۔ محمد عظیم خان گورنر کے زمانہ میں ہیرا داس تکو صاحب کاری کے عہدہ پر تھا لیکن اسی گورنر کے ہاتھوں سنہ ۱۸۱۴ء میں ہیرا داس کو اس بنا پر قتل کرا دیا گیا۔ کہ وہ چار لاکھ روپیہ بطور تاوان ادا نہ کر سکا تھا یا ادا نہ کرنا چاہتا تھا۔ دیوان نند رام تکو ہی کے متعلق یہ مصرع کابل و کشمیر میں زبان زد عوام ہے ع

سکہ زد در ملک افغاں نند رام۔ اس نامور خاندان نے کشمیر میں بالک جو تکو، مکند تکو، وشنہ تکو، سورج رام تکو اور رلیشہ کاک تکو جیسے رئیس پیدا کئے ہیں۔ اب بھی ڈاکٹر ہیرالال تکو سابقہ چیف میڈیکل افسر کشمیر اور ان کے بھائی پنڈت جیالال تکو سابقہ جج اور پنڈت

مہاراج کشن تکو مہتمم خزانہ اسی خاندان کے نونہال ہیں۔ گورداسپور پنجاب میں پنڈت کرتا کشن تکو تحصیلدار آنجہانی اپنی علم دوستی کی وجہ سے خاص طور پر مشہور تھے۔ وہ تکو خاندان کی تاریخ بھی لکھنا چاہتے تھے۔ اور راقم الحروف سے دیر تک ان کی خط و کتابت بھی رہی۔ لیکن افسوس ان کی عمر نے وفا نہ کی اور یہ حسرت وہ دل ہی میں لے گئے۔ لاہور میں پنڈت ناتھ جی تکو جو ریلوے کے دفتر کنٹرولنگ سٹور میں ہیں۔ قومی کاموں میں خوب دلچسپی لیتے ہیں۔

(۸) **مٹو** کاچرو۔ فوطہ دار اور مٹو خاندان کا گوتر (بپت سامن کوشک) ایک ہی ہے۔ فوطہ دار اور کاچرو شاخ کا ذکر علیحدہ کیا جا چکا ہے۔ لفظ مٹو کی وجہ تسمیہ میں مختلف روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں جو قرین قیاس ہے وہ یہ ہے۔ کہ زمانہ قدیم میں جبکہ کشمیر میں سنسکرت کے دار العلوم تھے۔ علمی درسگاہیں اور مذہبی عمارات مٹ یا مٹھ کہلائی جاتی تھیں، اس طبقہ کے کوئی بزرگ ان ایام میں یا تو کسی بیت العلوم یعنی مٹ کے بانی ہوتے ہوں گے یا مذہبی عمارات کے مہتمم رہے ہوں گے۔

کشمیر کے مٹو خاندان نے ملک میں ہر دلعزیزی اور قبولیت عامہ حاصل کرنے کے علاوہ سرکار دربار میں بھی بڑا اقتدار حاصل کیا ہے۔ پنڈت تاراچند مٹو مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں اکونٹنٹ جنرل۔ دیوان مال اور گورنری کے معزز عہدوں پر رہ چکے ہیں۔ ان کے فرزند کلاں پنڈت رام چند مٹو اور فرزند خورد پنڈت سورج کاک مٹو مختلف وقتوں میں وزیر وزارت اور مہتمم خزانہ تھے۔

پنڈت سورج کاک آنجہانی سے جب وہ مہتمم خزانہ تھے۔ راقم الحروف کی بھی ملاقات رہی ہے۔ ابتدائے زمانہ میں جب وہ گلگت کے تحصیلدار تھے۔ اور شدت قحط سے لوگ بے حال ہو رہے تھے۔ انہوں نے سرکاری اور غیر سرکاری حیثیت سے رعایا کے ساتھ بڑی ہمدردی کا اظہار کیا۔ ایک مرتبہ وہ دورہ کر رہے تھے۔ کہ انہوں نے سڑک پر تین مسلمان لاوارث بچوں کو پڑے ہوئے دیکھا۔ ان میں دو لڑکے تھے اور ایک لڑکی تھی۔ وہ ان

تینوں مسلمان بچوں کو جن کے والدین فاقہ کشی کی وجہ سے اپنے جگر کے ان ٹکڑوں کو سر راہ لاوارث چھوڑ گئے تھے اپنے گھر لائے اور اپنے بچوں کی طرح ان کی پرورش کی۔ ان کے جوان ہونے پر ان سب کی اپنی گرہ سے شادیاں کیں۔ لڑکی تو اپنے خاوند کے ہمراہ چلی گئی۔ اور لڑکوں نے جن کے نام دین محمد اور رحمان تھے۔ پنڈت صاحب سے جدا ہونا گوارا نہ کیا اور آخر انہی کے پاس ملازم ہو گئے۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں پھر سیلاب کی وجہ سے کشمیر میں قحط پڑ گیا۔ آپ نے اپنے محلہ رینہ واری میں غلہ کی دو دکانیں اپنی گرہ سے کھلوائیں۔ ان دکانوں سے عوام بالخصوص غرباء کو ارزاں نرخ پر غلہ ملا کرتا تھا۔ اور جو خسارہ ہوتا تھا۔ وہ خود برداشت کیا کرتے تھے۔

سنہ ۱۹۱۱ء کے دربار دہلی میں کشمیر سے جو چار رئیس سرکاری طور پر شامل دربار ہوئے ان میں سے ایک آپ بھی تھے۔

آپ کے فرزندوں میں پنڈت کنٹھ جو تحصیلداری ہی کی حالت میں عالم شباب میں انتقال کر گئے۔ ان سے چھوٹے پنڈت نند لعل مٹو اس وقت سری نگر میں مجسٹریٹ درجہ اول ہیں۔ سنہ ۱۹۲۵-۲۶ء کے قحط کی خدمات میں مہارانی چارک صاحبہ نے آپ کو ایک گلاس اور سند عطا کی۔ آپ میونسپل کمشنر بھی رہ چکے ہیں۔ کشمیر آل ہائیر ایجوکیشنل بورڈ کے وائس پریذیڈنٹ اور کشمیری پنڈتس سوشل ریفارم کے پریذیڈنٹ ہیں۔ کشمیر کے اعلیٰ زمینداروں اور رؤسا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مردم شماری کی خدمات کے صلہ میں بھی آپ کو سند ملی ہے۔ ہمدردی عوام اور نصفت شعاری کا مادہ آپ کو ورثہ میں ملا ہے۔ آپ کے صاحبزادگان پنڈت پریم ناتھ مٹو اور پنڈت ترلوکی ناتھ مٹو سری نگر کے پرتاپ کالج میں تعلیم پا رہے ہیں۔

آپ کے تیسرے فرزند پنڈت رگناتھ مٹو اپنی خدمات حسنہ کی وجہ سے سرکار میں اور اپنے اخلاق فاضلہ کی بدولت پبلک کے دربار میں نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ آپ گلگت کرناہ۔ بڈگام۔ گلمرگ۔ ہندواڑہ۔ اننت ناگ سری نگر میں تحصیلداری کے فرائض ادا کر کے



پنڈت شوجی کاک صاحب آنجہانی رئیس اعظم سرینگر

اٰجکل صوبہ جموں کی تحصیل اکھنور* میں قبولیت عامہ حاصل کر رہے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۳ء کے موسم سرما میں انجمن اسلامیہ اکھنور نے اپنے ایک عظیم الشان جلسہ میں آپ کی رعایا نوازی کا شکریہ بصورت قرارداد پاس کیا تھا۔

رعایا کے مختلف مشیر مال صاحبان کے علاوہ کمشنر بندوبست مسٹر ڈلٹن اور مسٹر سٹو نے بھی آپ کے کام کی تعریف کی ہے۔ لارڈ رالنس کمانڈر انچیف نے ایک گھڑی اور ایک سند آپ کو عطا کی۔ سر پیٹر کلٹربک انسپکٹر جنرل جنگلات ہند (حال چیف کمشنر دہیر جموں و کشمیر) نے کرناہ کے دورہ میں ایک سند عطا فرمائی۔ تحصیلداری گلمرگ کے ایام میں ریذیڈنسی نے ایک چٹھی کے ذریعہ آپ کی خدمات کا اعتراف کیا۔ اور سکرٹری کلب نے مشیر مال کو لکھا کہ میں نے اپنے تیس سالہ قیام کشمیر کے دوران میں گلمرگ میں ایسا مستعد تحصیلدار نہیں دیکھا۔ جب آپ پہلی مرتبہ اننت ناگ گئے۔ تو مسلمانان قصبہ نے حنفیہ ہائی سکول کی وسیع عمارت کا بنیادی پتھر آپ ہی کے ہاتھوں سے رکھوایا۔ کرناہ کے زمانہ میں آپ نے بکروالوں کو کراس محصول کی ادائیگی سے ہمیشہ کے لئے نجات دلوادی۔ جو ان سے بکوں پر اپنا مال لیجانے کی وجہ سے لیا جاتا تھا۔ مسٹر ڈلٹن کے زمانہ میں سب سے پہلے آپ ہی نے اس محصول کے اٹھائے جانے کی تحریری اور زبانی رپورٹ کی تھی۔

پنجاب اور یوپی میں بھی اس خاندان کے اکثر افراد معزز عہدوں پر رہ چکے ہیں۔ اور اس وقت بھی ہیں۔

سنہ ۱۲۵۳ھ میں اودھ کے بادشاہ محمد علی شاہ تھے۔ سنہ ۱۲۵۳ھ میں ان کا جمعدار اہمام تھا۔ وہ ایک کشمیری مسلمان تھا۔ اور اس کا نام معہ خطاب "مصلح الملک ظہیر الدولہ نواب غلام یحییٰ خان مقیم جنگ بہادر" تھا۔ ان کے باپ کا نام پہلے کمال ملو اور پھر کمال الدین ملو تھا۔ اسی سال دبائے عام میں نواب ظہیر الدولہ انتقال کر گئے۔ بادشاہ نے ان سب کے فرزندوں کا ایک ایک ہزار روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔

* اپریل سنہ ۱۹۳۴ء میں آپ پہلگام کشمیر میں تبدیل ہو گئے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے۔ نواب ظہیر الدولہ کے بزرگ ابتداً انہیں کشمیری پنڈتوں کے مٹو خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد مذہب تو تبدیل ہو گیا لیکن قومیت نہ بدل سکی۔ سچ ہے ؎

خون آبائی رگ تن سے نکل سکتا نہیں
رنگ قومیت تو مذہب سے بدل سکتا نہیں

یوپی اور پنجاب میں بھی کئی مٹو خاندان ہیں اور ان کے افراد اعلےٰ عہدوں پر ہیں۔ جن میں پنڈت امر ناتھ مٹو بی اے (ریٹائرڈ) ای اے سی (راول ٹاؤن لاہور) اور ان کے فرزندان لفٹنٹ پنڈت راجندر ناتھ مٹو بی ایس سی۔ ایل ایل۔ بی اور پنڈت کنورکشن مٹو ایم اے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل جہلم کے علاوہ پنڈت منوہر لعل مٹو ای اے سی فارسٹ اور یوپی۔ کے پنڈت رامیشور ناتھ مٹو انسپکٹر انکم ٹیکس دگورکھپور) اور پنڈت ارجن ناتھ صاحب مٹو پرنسپل خالصہ کالج امرتسر ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ پنڈت جیون لال جن کو پنجاب کے علاوہ پٹیالہ اور کشمیر میں بھی شہرت خاص حاصل رہی ہے اور راجہ سر ہری کشن کول کے زمانہ مدارالمہامی (جموں و کشمیر) میں جن کا ایسا طوطی بولتا رہا ہے۔ کہ بڑے بڑے منہ زور زبان بند نظر آتے تھے۔ مٹو خاندان ہی کی ایک شاخ سے تھے۔

(۵) **رازدان فیملی** رپورٹ مردم شماری جموں و کشمیر بابت ۱۸۹۱ء میں صفحہ ۱۳۷ پر رازدان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ لفظ دراصل راجانک ہے بگڑتے بگڑتے رازدان ہو گیا۔ پنڈت آنند کول بامزئی کی یادداشت مندرجہ دلی آف کشمیر اور دیگر محقق اصحاب سے بھی یہ معلوم ہوا کہ رازدان کی اصل راجانک ہی سے نکلی ہے۔ چنانچہ ہند و عہد قدیم میں پنڈت رتن کنٹھ جو سنسکرت کا نامور عالم اور مصنف گذرا ہے۔ اور جس کا ذکر سٹین صاحب نے کشمیر کے جغرافیہ قدیم میں کئی جگہ کیا ہے "راجانک رتن کنٹھ" ہی کے نام سے مشہور تھا کہا جاتا ہے کہ راجانک کے بزرگ قدیم ہندو راجگان کشمیر کے زمانہ میں وزارت عظمےٰ کے عہدہ پر

پر ممتاز رہا کرتے تھے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ راجانک کا لفظ ہندو عہد قدیم تک قائم تھا جب کشمیر کا تخت و تاج مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اور کشمیر کی حکومت کے ساتھ ہی کشمیر کا مذہب بھی تبدیل ہو گیا۔ تو راجانک رفتہ رفتہ رازدان بن گیا یا بنا لیا گیا۔ جیسے آجکل بھی کئی ہندوستانی محض فیشن کی تقلید اور انگریزیت کے شوق میں اپنے اصل نام بگاڑ بگاڑ کر لکھا کرتے ہیں۔ مثلاً ایک صاحب کا نام زین العابدین ہے۔ وہ ٹھیکہ داری کے زمانہ میں زیڈ۔ اے ڈین کہلاتے اور مسٹر ڈین کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ یا جس طرح بعض کول۔ کول صاحب اور واتل ڈاٹل صاحب کہلاتے ہیں۔

رازدان ہر چند راجانک کا بگڑا ہوا نام ہے۔ تاہم ایک معزز اور پیارا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اب تو اکثر اصحاب رازدان کو بھی انگریزی لباس پہنا کر راز ڈن بنا رہے ہیں۔

رازدانوں کے کئی قبیلے اور گروہ اپنے صفاتی ناموں یعنی NICKNAME کی بدولت اب اپنی علیحدہ ہستی رکھتے ہیں۔ مگر ان سب کی اصل رازدان ہی ہے۔ رازدان جن کے نام سے بولا جاتا ہے۔ وہ کشمیر میں ہوں یا پنجاب اور یوپی وغیرہ ممالک میں سب پنڈت ہی ہیں۔ ان میں مسلمان کوئی نہیں ہے۔ رازدانوں میں اصحاب ذیل خاص طور پر مشہور ہیں۔ پنڈت رام چندر رازدان تحصیلدار بڈگام۔ پنڈت گوبند جو رازدان ہیڈ کلرک گورنر صاحب کشمیر۔ رائے صاحب پنڈت بشیشر ناتھ ہیڈ اکونٹنٹ اور انکے صاحبزادہ پنڈت من موہن ناتھ رازدان ای اے سی رہتک۔ رائے صاحب پنڈت منوہر ناتھ رازدان۔ پنڈت کنہیا لال رازدان انسپکٹر جنرل سررشتہ تعلیم الور۔ پنڈت کنہیا لال رازدان ایم اے سکرٹری کشمیری سبھا گوالیار۔ پنڈت بشیشر ناتھ جی رازدان گدی نشین دھونی صاحب قلعہ دار دگجرات)

(۱۱) **ریند** اس لفظ کے متعلق دو روائتیں مشہور ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ لفظ بھی رازدان کی طرح راجانک ہی سے نکلا ہے۔ اور چونکہ کشمیری پنڈتوں میں جو رَینہ ہیں وہ رازدان بھی کہلاتے ہیں۔ اس لئے پنڈتوں کے نزدیک رازدان اور رینہ کا منبع ایک

لہ رَینہ کی تفصیلی بحث صفحہ ۲۴۷ پر ملاحظہ طلب ہے۔

ہی ہے۔ دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جو لوگ رینہ داری سے نکلکر شہر دسری نگر کے مختلف حصوں میں گئے یا کشمیر سے باہر جنہوں نے سکونت اختیار کر لی۔ وہ رینہ داری کی مناسبت سے رینہ کہلائے۔

کشمیر میں ۳۳۶ء اور ۳۹۶ء کے درمیان ایک راجہ رانادت کے نام سے گزرا ہے جس نے ۶۰ سال سے بھی کچھ زیادہ عرصہ تک نہایت جلال و جبروت اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی ہے۔ اس کا دارالحکومت اسی جگہ تھا۔ جہاں آج سرینگر کا یہ بارونق اور تعلیم یافتہ محلہ ایک محلہ نہیں بلکہ ایک قصبہ کی حیثیت رکھتا ہے بعض اصحاب کے خیال میں یہاں اس نامور راجہ کا عظیم الشان باغ تھا جو اسی کے نام پر رینہ داری یا رانا داری کہلاتا تھا۔ واری کشمیر میں باغ کو کہتے ہیں جیسا کہ رازدان طبقہ کے حالات میں لکھا گیا ہے کوئی رازدان مسلمان نہیں ہے۔ البتہ رینہ قوم میں پنڈتوں کے نام بھی ملتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے بھی مثلاً رائے بہادر پنڈت شیونرائن شمیم (لاہور) جن کی اصل ذات گرٹو ہے لیکن جن کے بزرگ لال رینہ اور ان کے فرزند ایت رینہ صرف رینہ داری سے ترک وطن کرنے کی وجہ ہی سے رینہ کہلائے۔ اور کئی پشتیں گذر جانے کے بعد پنڈت شیونراین صاحب اور ان کی اولاد رینہ کہلا رہی ہے۔

؎ کلہن نے راج ترنگنی میں بھی بار بار راجہ نونگا کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے جھیل ڈل کی طرف سے اس علاقہ میں بہت سی نہریں آتی ہیں۔ آج بھی اس علاقہ میں پانی کی کمی نہیں ہے بلکہ آبی نہروں کے ساتھ علمی نہریں بھی اس علاقہ میں جاری ہیں ؎

اک محلہ ہے سری نگر میں رینہ داری

ہیں ہر اک سمت جہاں علم کی نہریں جاری

زمانہ قدیم ہی سے یہاں دیگر اقوام کی نسبت برہمنوں کی آبادی زیادہ چلی آتی ہے کشمیر کا مشہور منٹو خاندان بھی رینہ داری ہی میں آباد ہے۔

آپ کے صاحبزادہ کلاں پنڈت کنور نرائن بیرسٹرایٹ لا ریاست منڈی میں ریونیو منسٹر ہیں اور چھوٹے صاحبزادہ پنڈت کشن نراین ایم۔ بی اے بیرسٹرایٹ لا ہائی کورٹ لاہور میں وکالت کرتے ہیں مسلمانوں میں بابا علی رینہ کا نام مشہور ہے۔ جو بقول مصنفین کشمیر حضرت مخدوم شیخ حمزہ کاشمیری کے بھائی تھے۔ مولوی محمد عبداللہ وکیل کے صاحبزادہ مولوی عبدالرحیم ایم اے اور مسٹر محمد ایوب سابق مدیر صداقت توں اور رینہ بھی مشہور ہیں۔

پنڈتوں میں مشہور رینہ جو راقم الحروف کو معلوم ہیں حسبذیل ہیں۔ پنڈت جگموہن رینہ شوق جنہوں نے تذکرہ بہار گلشن کشمیر لکھ کر کشمیری پنڈتوں ہی سے نہیں بلکہ تمام علم دوست حلقوں سے بقائے دوام کا خلعت حاصل کرلیا ہے۔ پنڈت چاند نرائن رینہ جو انبالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہیں۔ راجہ نراندر ناتھ رینہ ایم اے جو لاہور میں پچھلی خاندان کے بزرگ ہیں۔ پنڈت پرتھی ناتھ رینہ انسپکٹر مدارس ہوشنگ آباد۔ پنڈت جیالال رینہ اسسٹنٹ انسپکٹر کواپریٹو سوسائٹیز میرپور (جموں)

(۱۱) **دتاتریہ**[۱] کسی زمانہ میں جس کو جنگ مہابھارت سے بھی زیادہ قدامت حاصل ہے۔ بارہ مولا کے متصل کسی موضع میں سنسکرت کا ایک نامور عالم اور مصنف اور شاعر اتری نام گذرا ہے۔ اتریہ دھرم شاستران کی ایک بیش قیمت تصنیف اب بھی ملک میں موجود ہے۔ ان کی بیوی ان سویا بھی اپنے خاوند کی طرح سنسکرت کی عالمہ تھیں۔

ان کے تین فرزند تھے۔ دتاتریہ۔ درداسا اور سوما۔ دتاتریہ کا نام دو الفاظ سے مشتق ہے۔ دت اور اتریہ۔ دت ان کے برہمن اور اتریہ فرزند اتری ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ باپ کی طرح دتاتریہ اور درداسا نے بھی علم وفضل کے لحاظ سے بڑی شہرت حاصل کی۔ خود اتری

---

[۱] خلاصہ مضمون پنڈت دینا ناتھ مدن بی اے مجز دہلوی مندرجہ بہار کشمیر جولائی ۱۹۳۳ء

ہرشی ہوگذرے ہیں۔ سیلانی طبیعت تھے بیوی سمیت چترکوٹ (وسط ہند) کے نزدیک ایک پُر فضا مقام پر پہنچے۔ یہ زمانہ رامچندر جی کے بن باس کا ابتدائی زمانہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ہرشی اتری نے اسی زمانہ میں رامچندر جی کی میزبانی کا فخر حاصل کیا۔ اور ان کی بیوی ستویا نے سیتا جی کی جو سری رامچندر جی کے ہمراہ تھیں۔ ایک باعصمت اور وفادار بیوی ہونے کی حیثیت سے تعریف کی اور ان کو وفاداری پر ثابت قدم رہنے کے اور زیادہ فرائض بتائے۔

دتاتریہ نے تعلیم و تربیت کشمیر ہی میں پائی۔ لیکن جوان ہو کر باپ کی طرح خود بھی سیر و سیاحت کے شوق میں کشمیر سے نکلکر اور شمالی ہند کے مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے وسط ہند جا پہنچے۔ صرف برسات کے چند ایام کسی جگہ قیام کرتے تھے۔ باقی سارا سال بادیہ پیمائی ہی میں گذار دیتے تھے۔ ناسک سے کچھ دور گوداوری کے کنارے پر ایک قیام گاہ ان کے نام سے منسوب ہے۔ جوناگڈھ سے تین میل کے فاصلہ پر گرنار پربت پر بھی ان کا ایک مقام بتایا جاتا ہے کشمیر میں بھی ہری پربت پر وہ کچھ عرصہ ٹھہرے ہیں وشنو پران کا مصنف پراشر جی لکھتا ہے۔ کہ میری اور وام دیو کی ملاقات ان سے کوہ ہمالیہ میں بدرک آشرم کے مقام پر ہوئی۔ ایک مرتبہ وہ پرہلادپوری (ملتان) میں بھی جا پہنچے تھے۔ جہاں اس زمانہ میں اپنے باپ ہرناکش کے بعد راجہ پرہلاد حکمران تھا۔ اس کو حکمرانی کے فرائض۔ رعایا پروری کے گر اور عدل و انصاف کی تلقین کر کے واپس آ گئے۔

زمانہ نے ان کو اودھوت دتاتریہ کا خطاب دیا۔ اودھوت سنسکرت میں "مجذوب کامل" کو کہتے ہیں راجہ پرہلاد کے علاوہ ایک اور راجہ بنام راجہ یدوان کے ارشادات سے مستفیض ہوا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر طالبان حق کا کوئی شمار ہی نہیں ہے۔ ان کی تصنیف اودھوت گیتا آج بھی صفائے باطن حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے دتاتریہ جسم میں قوی ہیکل اور طاقتور تھے۔ انھوں نے عمر طبعی پائی۔ وہ کثیر اولاد ہوئے۔

اس وقت کشمیری برہمنوں کی قوم میں گول دتاتریہ بکثرت گوتر موجود ہیں۔ یہ امر ثابت کرتا ہے کہ وہ ان سب خاندانوں کے مورث اعلیٰ تھے۔

کہتے ہیں کہ وسط ہند یا دکن میں ان کے نام کا کوئی مندر ہے۔ وہاں ان کی پوجا ہوتی ہے۔ ان کی جو اولاد کشمیر رہی اور پھر کشمیر سے باہر مختلف ممالک میں پھیلی وہ انہی کے نام پر دتاتریہ کہلاتی ہے دتاتریہ برہمن بہار اضلاع اور دکن میں بھی ہیں۔ وہ بھی انہی کی اولاد سے ہیں۔ وہ کہلاتے تو مرہٹہ برہمن ہیں لیکن ان کے نام کے پہلے دتاتریہ کا لفظ لکھا جاتا ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں کشمیر کے دتاتریہ برہمن اپنے نام کے بعد یہ لفظ لکھتے ہیں۔ جیسے پنڈت برجموہن دتاتریہ۔

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلی کے مشہور کشمیری خاندان کے نام لیوا ہیں۔ ان کی شاعری اور ان کے اخلاق کی وجہ سے ہندوستان میں ان کو نمایاں شہرت حاصل ہے۔ اردو اور فارسی کے بدیہہ گو شاعر ہیں۔ اور ان کے شاگردوں میں ہندو مسلمان شامل ہیں کشمیر و جموں گورنمنٹ میں کچھ عرصہ تک اسسٹنٹ فارن سکرٹری اور جاگیر چنینی (جموں) میں وزیر بھی رہے ہیں۔ آپ کی شاعری اور زبان ہندوستان میں مستند سمجھی جاتی ہے۔ آپ آجکل "خم خانہ جاوید" کی پانچویں جلد مرتب کر رہے ہیں کشمیری پنڈتوں کے ماہوار رسالہ بہار کشمیر کے آنریری ایڈیٹر تھے۔ آپ کے قابل اور ہونہار فرزند پنڈت پیارے موہن دتاتریہ لاہور کے روزانہ انگریزی اخبار ٹریبیون کے اسسٹنٹ ایڈیٹر ہیں۔

(۱۲) **کاک** کشمیری زبان میں بڑے بھائی اور کسی بزرگ کو احتراماً کاک کہتے ہیں چنانچہ بڑے بھائی کے لئے لفظ کاک اور یہی وجہ کہاں سے کے لئے لفظ کاکن استعمال ہوتا ہے۔

عرصہ دراز کا ذکر ہے کہ ایک عابد اور زاہد پنڈت جو اپنی عبادت اور نیک نفسی کی وجہ سے خاص شہرت رکھتا تھا جب سادھو ہو گیا۔ تو ملک کے تمام لوگ اس کو احتراماً کاک جی کہنے لگے۔ یہانتک کہ ان کا عرف عام ہی کاک جی مشہور ہو گیا۔ بلکہ ان کے پیرو اور چیلے

بھی کاک ہی کہلائے جانے لگے۔ رینہ۔ کول۔ رازدان وغیرہ کئی ذاتوں اور گوتوں کے لوگ جن کے بزرگ کاک جی کے عقیدتمندوں میں تھے۔ اب کاک ہی کہلاتے ہیں۔ بہت سی ذاتوں کا مجموعہ ہونے کے باوجود کاک اب ایک علیحدہ گوت شمار ہوتی ہے۔

کاک نام کب سے چلا آتا ہے۔ اور وہ مرتاض بزرگ جن کے اسم معرفہ پر کاک قبیلہ مشہور ہے کس زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اس کے متعلق کشمیر اور پنجاب میں کسی نے کوئی صحیح پتہ نہیں بتایا۔ البتہ راج ترنگنی مصنفہ پنڈت کلہن کے آٹھویں ترنگ میں دسویں اور گیارھویں صدی کے درمیان کاک خاندان کا کئی جگہ ذکر آتا ہے۔

ہم اس کا کچھ خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہو سکیگا۔ کہ آج سے ایک ہزار سال پیشتر یہ خاندان کس عروج پر تھا اور یہ کہ اس خاندان کے کئی افراد اعلےٰ فوجی عہدوں پر ممتاز تھے۔ راجہ سسل (حکومت ۱۱۱۲ء تا ۱۱۲۰ء) نے جب وزرائے دربار سے بگاڑ پیدا کر لیا۔ یہاں تک کہ گرگ چندر جیسے ڈامر کو جو اس کا خسر بھی تھا۔ اور بھسر منگل کو جس کا ملک میں بڑا اقتدار تھا۔ اس سے ناراض ہو کر دارالحکومت سے نکل جانا پڑا۔ تو اس نے کاک خاندان کے ایک درباری افسر شیوراج کو بھی جلاوطن کر کے سری نگر سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔

شیوراج کاک بھسر منگل سے جا ملا۔ اور دونوں راجہ کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی افواج کو درست کرنے لگے۔ بھسر منگل کا بیٹا پراش اس وقت کھدرواہ میں تھا۔ وہ بھی باپ کی مدد کے لئے کھدرواہ سے باہر نکلا۔ اس دوران میں شیوراج شاہی افواج کے کسی سپاہی یا افسر کے تیر سے زخمی ہو چکا تھا۔ جب یہ خبر پراش نے سنی۔ تو وہ رستے ہی سے واپس چلا گیا۔

راجہ سسل کو اپنے اہل دربار سے کچھ ایسی بدگمانیاں ہو گئیں کہ اس نے ایک ایک کر کے سب وزیر و مشیر بدل دیئے۔ لیکن جب دیکھا کہ اس طریق سے ملک میں بدامنی اور

بدنظمی کا دور دورہ ہو گیا ہے۔ تو خاندان کاک کو مرہون منت اور زیر اثر رکھنے کے لئے ٹھکک کاک کو جو شجاعت و دلیری میں شہرت رکھتا تھا، اپنی فوج کی خاص کمان سپرد کر دی۔ کلہن لکھتا ہے۔ سٹرنگ کے نام سے دشمن اس طرح تھر تھر کانپتے تھے۔ جیسے درخت آندھی سے۔

بقول کلہن کاک خاندان کا اقتدار اس دربار میں اس قدر تھا۔ کہ اس خاندان کا ایک نوکر انمیلک نام راجہ تک رسائی حاصل کر کے رفتہ رفتہ قلمدان وزارت کا مالک بن گیا تھا۔

راجہ سسل نے اپنی بدگمانیوں اور بدزبانیوں کی وجہ سے امرائے دربار کو ناراض کر رکھا تھا آخر وہ معزول کر دیا گیا۔ اور اسی کے خاندان سے بھکشاچر نام ایک شہزادہ جو راجہ ہرش کا پوتا اور راجکمار بھوج کا بیٹا تھا راجہ بنا۔ لیکن سسل نے دوبارہ طاقت حاصل کر کے بھکشاچر کو نکال کر کشمیر کی حکومت پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اسی زمانہ میں اس نے پھر خاندان کاک کے ایک نوجوان سریک کاک کو جو لیشوراج کا خسرپورہ تھا۔ کھیری کا چارج دیا (کھیری یا تو کسی فوجی عہدہ کا نام ہے۔ یا کسی علاقہ کا)

سسل نے ڈامروں اور لونیوں سے بھی بگاڑ پیدا کر رکھا تھا لیکن سریک کاک نے ان کو اپنی حکمت عملیوں سے رام کر لیا۔ سسل کے بیٹے راجہ جے سنگھ کے زمانہ میں جب پدم پور دھال پام پور میں شاہی افواج اور ڈامروں میں جنگ ہوئی۔ اور جب ڈامروں نے سریک کی گردن پر تیر مار کر اس کو گرا دیا تو ہر چند کہ انہوں نے اس کی فوج کا مال اسباب لوٹ لیا۔ لیکن اس کی سابقہ عنایتوں کی وجہ سے اس کی ذات کو کوئی گزند نہ پہنچایا۔

راجہ سسل نے اپنے دوبارہ عہد حکومت میں لیشوراج کاک کو بھی فراموش نہ کیا۔ اس کو سری نگر کا منڈلیشن یعنی گورنر بنا دیا۔ راجہ نے اس کو زعفران۔ چتر۔ گھوڑے کا اعزاز دیا۔

اور اس کی ایسی عزت کی کہ گویا یہ راج ہی کشمیر کا راجہ ہے۔

لیکن حکومت سے معزول ہوئے اور جان پر کھیل کر دوبارہ تخت حاصل کرنے سے بھی راجہ نے کوئی سبق حاصل نہ کیا۔ وہ گالیاں نکالنے اور ناشائستہ الفاظ بولنے کے وقت کسی کے مرتبہ

و اعزاز کا خیال نہ رکھتا تھا۔ لیشو راج کاک اپنی عالی نسبی اور علوئے مرتبت اور شرافت خاندانی کے لحاظ سے نہ ایسی باتیں کہنے کا عادی تھا نہ سننے کا۔ اس نے راجہ کی بدکلامیوں سے تنگ آکر معزول راجہ بھکشو یعنی بھکشاچر کو پھر تخت پر بٹھانے کے لئے اس سے ساز باز شروع کر دی اور آخر ڈامروں کے ساتھ مل کر اس نے ۱۱۲۳ء میں سری نگر کا محاصرہ کر لیا۔ مگر تقدیر کو کچھ اور منظور تھا۔ لڑائی زور شور سے جاری تھی کہ رات کے وقت کسی مغالطہ کی وجہ سے وہ اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔

اسارڈھ ۱۱۲۳ء کے بعد جبکہ راجہ سسل اپنے بیٹے راجہ جے سنگھ کو اپنے ہاتھوں سے تخت نشین کرتا ہے۔ تو پھر ایک بار تاریخ میں کاک خاندان کا نام آتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سسل اور جے سنگھ میں دراندازوں نے بدگمانیاں پیدا کر کے ملک میں پھر فتنہ و فساد برپا کر دیا تھا۔ ملک کو اس بدنظمی سے بچانے کے لئے جن ارکان دربار نے پھر بھکشاچر کو تخت نشین کرانے کی ضرورت محسوس کی۔ ان میں بقول مصنف راج ترنگنی خاندان کاک کا ایک مشہور رکن شو ھبک بھی تھا۔

راجہ سسل بھکشاچر اور جے سنگھ رب لوہر خاندان کے راجے تھے کشمیر میں اس خاندان کا عہد حکومت ۱۰۰۰ء سے ۱۱۷۰ء تک یا کم و بیش رہا ہے۔ اسی خاندان کے طویل عہد میں کاک خاندان کی اقبال مندی کے آثار بھی آخری چند راجاؤں کے عہد میں نظر آتے ہیں۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ کاک خاندان کی بنا آج سے ایک ہزار سال پہلے پڑ چکی تھی۔ اور وہ مرتاض بزرگ جن کے نام پر یہ طبقہ کاک کے نام سے نامزد ہے۔ اس خاندان کے عروج سے کچھ عرصہ پہلے گذرے ہوں گے

کاک خاندان کا اصل وطن کشمیر میں کہاں تھا۔ اس کے متعلق کشمیر سے ایک دوست لکھتے ہیں: "روایت یہ ہے کہ وہ تحصیل پلوامہ کے مشہور موضع کاکاپور کے رہنے والے ہیں اس کی ایک وجہ تو یہ بتاتے ہیں۔ کہ اس موضع کا نام شاید ان کے نام پر دراصل کاک پور ہی ہو۔ اور بگڑ کر

کاکاپورہ ہو گیا ہو۔ دوسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ کاک خاندان کا گوتر بھی سوامن گوتم اور کاکاپوری پنڈتوں کی گوت بھی سوامن گوتم ہے۔

کاک خاندان کا اصل وطن دریافت کرنے کیلئے ہمیں پھر تاریخ[1] راج ترنگنی کیطرف رجوع کرنا پڑا ہے اس تاریخ میں جو ۱۱۴۸ء - ۱۱۴۹ء کی تصنیف ہے اور سنسکرت زبان میں ہے۔ دو جگہ کاک خاندان کے وطن کا ذکر ہے۔

ایک جگہ اس موقعہ پر جب راجہ اُچل راجہ ہرش (عہد حکومت ۱۰۸۹ء تا ۱۱۰۱ء) پر حملہ کرنے کیلئے بارہ مولا کے رستے روانہ ہوتا ہے۔ اور ہشکٹ پورہ[2] میں اس خیال سے کہ وہ کاک خاندان کا مسکن ہے ان سے کوئی مٹ بھیڑ نہ ہو جائے۔ یا وہ راستہ نہ روک دیں۔ ہشک پور کو چھوڑ کر سیدھا کامراج چلا جاتا ہے۔

دوسری جگہ ترجمہ راج ترنگنی کی آٹھویں ترنگ جلد دوم کے نوٹ ۱۲۶۰ میں لکھا ہے کہ کاک خاندان کا وطن ہشک پور تھا۔

راج ترنگنی کی تاریخ کو آج ۱۹۳۲ء میں ۷۸۴ سال گذر چکے ہیں۔ اُس زمانہ میں بھی کاک خاندان کا وطن ہشک پور ہی تھا۔ آج ہشک پور اُشکرہ کے نام سے ایک معمولی سا گاؤں ہے۔ اس طویل عرصہ میں کشمیر میں جو انقلاب آئے ہیں۔ وہ کس سے پوشیدہ ہیں۔ کلہن نے اپنی تاریخ میں جن بڑے بڑے شہروں کا ذکر کیا ہے۔ آج ان کا کہیں نشان بھی نظر نہیں آتا۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں۔ اگر کاک خاندان اپنے اصل وطن سے نقل مکانی کر کے اسی سرزمین پر چلے گئے ہوں جس کا نام آج انہیں کے نام پر کاکاپور[3] مشہور ہے۔

کاک خاندان نے راجہ اُچل کے زمانہ میں بھی بڑے بڑے عہدے حاصل کئے ہیں۔ یہ تو بہت پرانے زمانہ کی باتیں ہیں۔ موجودہ صدی میں بھی اس خاندان میں بڑے بڑے شاعر۔ عالم مصنف

۱؎ اس کا ترجمہ انگریزی اور اردو میں ہو چکا ہے ۲؎ ہشک پورہ کا موجودہ نام اُشکرہ ہے۔ جو بارہ مولا سے متصل ہے ۳؎ پنڈت راجانک رتن کنٹھ نے اپنی کتاب کشمیر نال پرہتی میں لکھا ہے۔ کہ کاک پور کا پرانا نام اُت پل پور تھا۔ یہ گاؤں سرینگر سے شوپیاں کی طرف جاتے ہوئے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸ دیکھیے)

اور یہ پیدا ہوئے ہیں۔ پنڈت برج ناتھ کاک جو پنڈت شو پرشاد کاک کے صاحبزادہ تھے۔ راجپوتانہ کے نواب ایجنٹ گورنر جنرل کے میر منشی تھے۔ اور شاعری میں دیوانہ تخلص کیا کرتے تھے۔

راجپوتانہ کے مشہور مدبر راؤ بہادر پنڈت سر سکھدیو پرشاد سی آئی ای رتنیہ ہونے کے باوجود کاک کہلاتے ہیں۔ جودھ پور اودے پور اور ایدر کی راجپوت ریاستوں میں برسوں تک وزیر اعظم رہ چکے ہیں۔ اودے پور کے موجودہ وزیر اعظم پنڈت دھرم نرائن بی اے بیرسٹر ایٹ لا آپ ہی کے صاحبزادہ ہیں۔ سرینگر کے پنڈت امر ناتھ کاک بی اے، ایل ایل۔ بی ایڈووکیٹ کشمیر بار کے درخشندہ ستارے ہیں۔ رائے صاحب پنڈت رامچند کاک جو ہز ہائینس مہاراجہ بہادر جموں و کشمیر کی طرف سے گول میز کانفرنس کے سلسلہ میں دو مرتبہ ولایت بھی جا چکے ہیں آپ کے برادر خورد ہیں۔ اور برسوں تک محکمہ آثار قدیمہ کے پولیٹیکل سکرٹری رہنے کے بعد اب محکمہ کسٹم و اکسائز کے انسپکٹر جنرل ہیں۔

الہ آباد کے رائے صاحب پنڈت کشن ناتھ کا تعلق بھی کاک خاندان ہی سے ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۷) دریا کے کنارے راستہ ہی پر آتا ہے۔ اُت پل پور کی بنا ۹ ویں صدی میں راجہ چیت جیا پیڈ کے چچا اُت پل نے رکھی تھی۔ یہاں کا مندر بھی دشنو اتپل سوامن کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاک خاندان نے ہشک پور حال اُشکرہ سے دسویں اور گیارہویں صدی کے درمیان ہجرت کر کے اُتپل پور میں اقامت اختیار کی ہو گی اور اسی زمانہ میں انہی کے نام پر اُت پل پور کاک پور اور بعد میں کاکا پور مشہور ہو گیا ہو گا۔

در ٹیلی

در خاندان کے ابتدائی حالات کشمیر سے مہاجرت اور کشمیر میں مراجعت

عہد اورنگ زیب میں مظفر آباد کی سرحد پر جو شاہی فوج رہا کرتی تھی۔ اس کے کمانڈر نے جب اپنے ماتحت عہدہ دار شیونپڈت سے اس کے خاندانی حالات دریافت کئے۔ تو اس نے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے اپنے بڑے بھائی پرشست نپڈت کو جو سرینگر میں تھا۔ خاندانی حالات لکھنے کی طرف توجہ دلائی لیکن خاندانی حالات چونکہ موجود نہ تھے۔ اس لئے بڑے بھائی نے بھی اس فروگذاشت کو محسوس کیا اور بیرو نپڈت تک جو جہانگیر کے زمانہ میں نورجہاں کی فوج کے ساتھ کشمیر آیا تھا۔ اپنے بھائی کو خاندانی حالات لکھ بھیجے۔ اور آیندہ کے لئے اپنے خاندان میں یہ وصیت کر دی کہ ہمارے بعد ہماری اولاد خاندانی حالات کو ضبط تحریر میں لاتی رہا کرے۔ چنانچہ کشمیر میں صرف یہی ایک خاندان ہے جس میں خاندانی حالات نسلاً بعد نسلاً لکھنے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

کشمیر کے ہندو مسلمانوں میں ایسی گوتیں اور ذاتیں بہت تھوڑی تعداد میں ہیں۔ جو کسی آل (NICK NAME) سے خالی ہوں۔ انہی میں کشمیری نپڈتوں کی مشہور گرت ور بھی ہے۔ جو کسی آل کی بجائے اپنے اصلی نام سے مشہور ہے۔

اس خاندان کا مورث اعلےٰ ایک بہت بڑا رشی گذرا ہے جس کا نام دربہار دواج تھا کہتے ہیں۔ اس کی دو عورتیں تھیں۔ جن میں ایک برہمن زادی بھی تھی۔ اس کے بطن سے جو اولاد ہوئی۔ وہ برہمن کہلائی۔

دربہار دواج ہی کے نام پر یہ قوم ور کہلاتی ہے۔ اور دربہار دواج کی اولاد ہی دربہار دواج برہمن کے نام سے مشہور ہے۔

کشمیر کا کوئی نپڈت خاندان اس خاندان سے زیادہ کشمیر بلکہ ہندوستان میں نامور

دستیاب نہیں ہے۔ فیروز شاہ گنگو بہمنی کے زمانہ میں اس خاندان کا ایک بزرگ میرو پنڈت بیجاپور دکن میں قلعہ گولکنڈہ کا ایک جنگی افسر تھا۔

در خاندان کے کاغذات میں درج ہے۔ کہ میرو پنڈت کا کوئی بزرگ کشمیر سے ہجرت کر کے دکن چلا گیا تھا۔ ان کاغذات میں نہ ہجرت کے اسباب پر کوئی بحث ہے اور نہ اس بزرگ کا نام درج ہے۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ میرو پنڈت کے بزرگ سکندر بت شکن بادشاہ کشمیر کے زمانہ میں کشمیر سے باہر گئے ہوں گے۔ اس زمانہ کو میرو پنڈت اور سکندر بت شکن تک قریباً ڈیڑھ سو سال گذرتا ہے۔

جب ایک جنگ میں فیروز شاہ بہمنی نے جہانگیر سے شکست کھائی۔ تو میرو پنڈت نے بھی قلعہ گولکنڈہ بادشاہی افواج کے سپرد کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد میرو پنڈت دہلی چلا آیا۔ اور حکیم ابوالفتح شیرازی کی وساطت سے جس سے جنگ دکن ہی کے زمانہ میں اس کی شناسائی ہو چکی تھی۔ بادشاہ تک پہنچا۔ جہانگیر نے اسے ایک رسالہ کا کمان افسر بنا دیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد جب انقلاب زمانہ نے بمقام جہلم جہانگیر کو اس کے اپنے ایک جنگی افسر مہابت خان کے پاس قید کرا دیا۔ تو نورجہاں کی جس فوج نے مہابت خان کی قید سے بادشاہ کو چھڑا دیا تھا۔ اس کے ایک حصہ کا افسر میرو پنڈت ہی تھا۔ بادشاہ نے اس کی خدمات سے خوش ہو کر اس کو خلعت شاہانہ سے سرفراز کیا۔

بادشاہ جب کشمیر آیا۔ تو میرو پنڈت نے جو نورجہاں کے ہمراہ تھا۔ اپنے وطن مالوف کو دیکھکر یہیں رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ بادشاہ نے اس کی خدمات اس کی حب وطن اور اس کے بڑھاپے کو مدنظر رکھتے ہوئے نہ صرف اسے کشمیر میں رہنے کی اجازت ہی دی۔ بلکہ رامو اور ایمنزل داری دو گاؤں بھی جاگیر میں دیئے۔ میرو پنڈت اس کے بعد فوراً دکن گیا۔ اور اپنے اہل و عیال کو ہمراہ لیکر کشمیر آگیا۔ اور آخر ع

پونچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

میرو پنڈت کی شاخ کلاں
امن پنڈت تا چتر پنڈت

میرو پنڈت کے دو بیٹے تھے۔ ایک امن پنڈت اور دوسرا لمن پنڈت۔ جہانگیر نے امن پنڈت کو جو بڑا تھا علاقہ کامراج کا ناظم مقرر کر دیا۔ تیو پنڈت اور پرشست پنڈت جن کا ابتدائی سطور میں ذکر آچکا ہے۔ امن پنڈت کے پوتے اور درست پنڈت کے بیٹے تھے۔ پرشست پنڈت کے بڑے لڑکے بلاقی پنڈت یا بالک پنڈت نے یاغستانیوں کو جو کرناہ اور ادتر مچھی پورہ کے علاقہ تک لوٹ مار کرتے تھے۔ شمالی کشمیر کی فوج کے ذریعہ کرناہ جا کر ایسی سرزنش کی کہ وہ سالہا سال تک پھر ادھر کا رُخ نہ کر سکے۔ یہ زمانہ غالباً اورنگ زیب کی حکومت کا تھا۔

اسی بلاقی پنڈت کا بیٹا مکند پنڈت محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں کشمیر کے شاہی تعلقات کا منتظم تھا صوبیدار سے کسی بات پر اس کا بگاڑ ہو گیا۔ اور وہ بھاگ کر بہری نگر سے کشتواڑ اور وہاں سے دہلی جا پہنچا۔ بادشاہ تک پہلے ہی صوبیدار کی شکایات پہنچ چکی تھیں۔ اس کی بدنظمی و بدوضعی کی مزید باتیں مکند پنڈت سے سن کر اس نے ایک نیا صوبیدار کشمیر کے لئے نامزد کیا۔ اور مکند پنڈت کو تین ہزار کا خلعت دیکر اس کا وزیر مال مقرر کیا۔

زوال مغلیہ کے بعد احمد شاہ درانی کے زمانہ میں مکند پنڈت کے بیٹے چتر پنڈت اور اس کے یکجدی چچیرے بھائیوں مہانند پنڈت و کیلاس پنڈت کا خاندانی تنازعہ شروع ہو گیا۔ بالآخر میر محمد مقیم کنٹھ نائب صوبیدار کی امداد سے چتر پنڈت بمشکل نصف جاگیر پر قابض ہو سکا۔ ان ایام (سنہ [illegible]) میں کیلاس پنڈت در نور الدین خان بامزئی گورنر کشمیر کا حسابکار تھا۔ خرم خان گورنر کے زمانہ میں بھی وہ اسی رتبہ پر رہا۔ [illegible] میں کابل گیا۔ اور [illegible] میں جب خرم خان دوسری مرتبہ کشمیر پر صوبیداری کے لئے نامزد ہوا۔ تو کیلاس در اس کے ساتھ ہی کشمیر واپس آگیا۔

مہانند پنڈت راجہ سکھ جیون گورنر کشمیر کا مدار المہام تھا اور اختیارات کلی رکھتا تھا۔ محمد جان بیگ سامی نے جو سکھ جیون مل کا درباری شاعر اور سرکاری مشاعرہ میں اقتدار خاص

رکھا تھا۔ راجہ سکھ جیون مل کے ایک قصیدہ میں مہانند کی بھی تعریف کی ہے۔ اور جس خوبی سے اس میں سعدی کے نقطۂ در کو نباہا ہے۔ اس کی بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے۔ ساتی کہتا ہے۔

کارپرداز تو مہانند است · آنکہ ہست ز نبیلۂ درہا

بے نمائی بنام او تنخواہ · نقد جنس و برات و چاکرہا

گفت در باب جستن روزی · سعدی آگاہ از مقدرہا

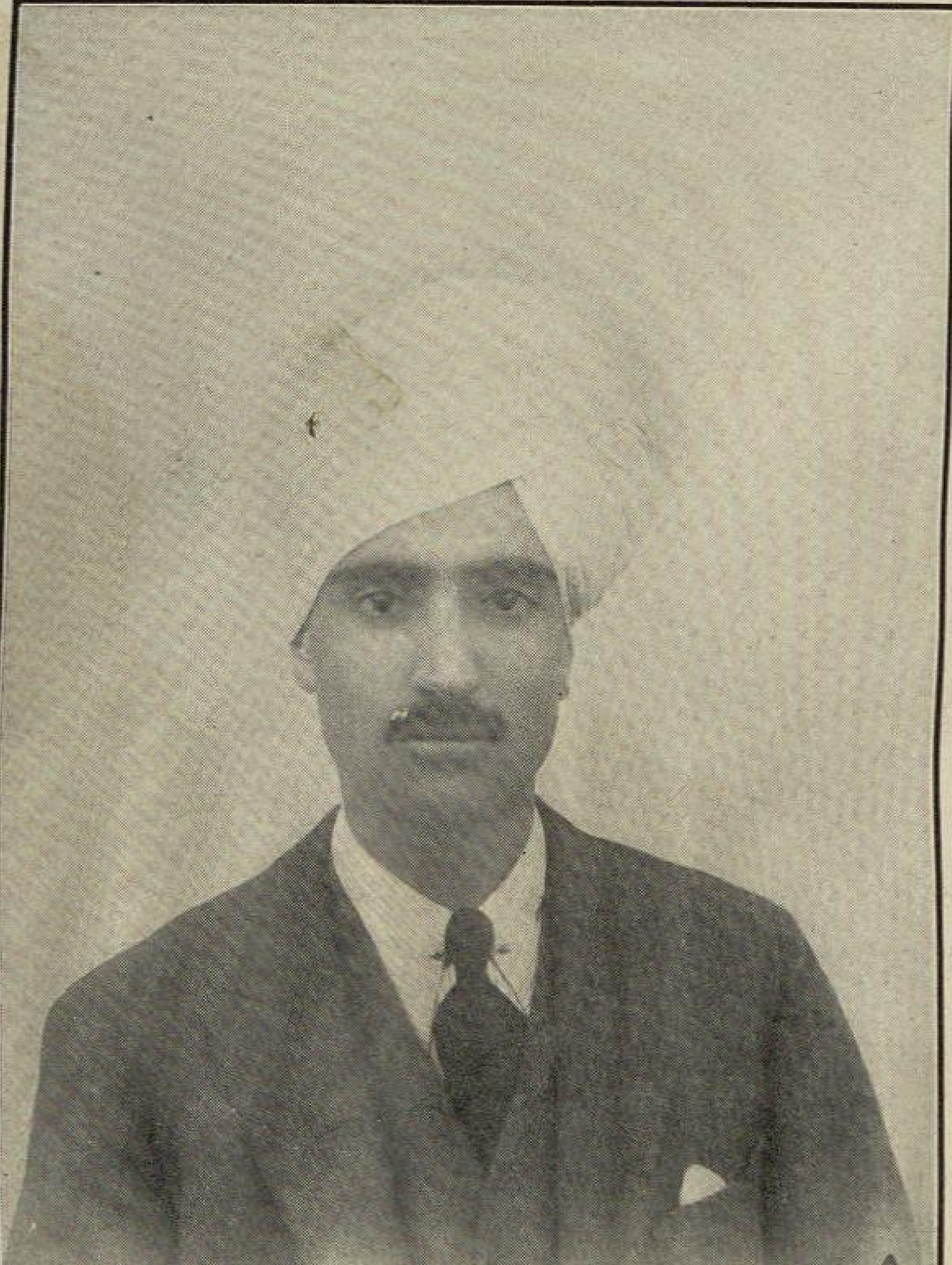
رزق ہرچند بے گماں برسد · شرط عقل است جستن از درہا

چتر پنڈت کے فرزند گلاب جو پنڈت در کی اولاد تار اصحاب پنڈت شام سندر لال در

چتر پنڈت در کے دو بیٹے تھے۔ ایک گلاب جو دوسرا کنول پنڈت۔ ہم پہلے گلاب جو اور اس کی اولاد کا حال لکھتے ہیں۔

عہد افاغنہ کے آخری تین گورنروں کے زمانہ میں در خاندان کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ چونکہ ان کی وجہ سے افغانوں کی سلطنت بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ اس لئے ان مصائب کو ہم ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔

ان مصائب کی ابتدا آزاد خان گورنر کشمیر (از ۱۱۹۷ھ تا ۱۲۰۰ھ) کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔ آزاد خان بڑا جابر وظالم گورنر تھا۔ روپیہ حاصل کرنے میں وہ ہندو مسلمان کی تمیز و تفریق سے بالاتر تھا۔ بمبہ خاندان کے چھوٹے بڑے شہزور جوانوں کے اس نے ہاتھ پاؤں بندھوا کر ڈل میں غرق کرا دیئے۔ اس نے بادشاہ (تیمور شاہ درانی) سے بھی روگردانی اختیار کر لی تھی۔ وہ اپنے آپ کو نادر شاہ ثانی کہا کرتا تھا۔ گلاب جو پنڈت جیسا صاحب اقتدار شخص اس کی نظروں میں کھٹکتا تھا۔ چنانچہ آزاد خان نے کسی نہ کسی بہانے سے اس کو تنگ کرنا شروع کیا۔ گلاب جو پہلے تو آزاد خان کے ظلم برداشت کرتا رہا۔ لیکن جب اس کے ظلم حد سے زیادہ ہو گئے۔ تو کشتوار کی طرف بھاگ گیا۔ آزاد خان نے اس کی جاگیر ضبط کر لی۔ مگر جب نظام حکومت بگڑتے دیکھا۔ تو جان بخشی اور جاگیر کی واگذاری کا وعدہ دیکر اسے واپس بلوا لیا۔



رائے صاحب پنڈت شیام سندر لعل صاحب رئیس اعظم جاگیردار و ڈائرکٹر وزیٹرز بیورو کشمیر

عظیم خان اور جبار خان گورنران کشمیر کے زمانہ میں یوں تو تمام رعایائے کشمیر بدامنی و بدنظمی کے ہاتھوں تباہ ہو رہی تھی لیکن پنڈتوں میں تکو اور در خاندان خاص طور پر مصائب و شدائد کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ پنڈت بیربل در سے جو گلاب جو پنڈت کا بیٹا تھا۔ سردار محمد عظیم خان گورنر نے پہلے تو چھ لاکھ روپے بطور قرض وصول کئے۔ لیکن جب اس پر بھی عظیم خان کا جور عظیم کم نہ ہوا۔[1] تو پنڈت بیربل در اپنے برادران عم زاد پنڈت سہج رام و میرزا پنڈت اور بعض دوسرے معزز پنڈتوں کے مشورہ سے اپنے فرزند راجہ کاک اور دو اور نامور پنڈتوں بیربل کاچرو اور بیربل وانگنو کو ہمراہ لیکر سنز گام کے رستہ جہاں اس کی جاگیر کے حاکم ذوالفقار و ملک کا سگار نے اس کو کشمیر سے پار کرنے میں بڑی مدد دی۔ لاہور پہنچ گیا

مہاراجہ رنجیت سنگھ اس وقت پنجاب کا حکمران تھا لیکن وہ اس سے قبل چونکہ دو تین مرتبہ کشمیر کو فتح کرنے میں ناکام رہ چکا تھا۔ اس لئے اس نے پہلے تو کشمیر پر حملہ کرنا مناسب نہ سمجھا لیکن جب پنڈت بیربل در نے پٹھان حاکموں کے ظلم اور رعایا کے مصائب اور خصوصاً ہندوؤں کی تکالیف کا تفصیل سے ذکر کیا۔ اور اپنے اکلوتے نابالغ بیٹے راجہ کاک کو تا فتح کشمیر بطور یرغمال لاہور میں رکھنا منظور کیا۔ تو مہاراجہ نے رہبری پنڈت بیربل در و بسرداری مصر دیوان چند ظفر جنگ جس کے ساتھ سردار ہری سنگھ نلوہ اور شہزادہ کھڑک سنگھ اور کئی نامی سردار تھے۔ ایک عظیم لشکر پیر پنچال (تھنہ و پوشیانہ) کے رستے کشمیر روانہ کیا۔ سردار محمد عظیم خان اس حملے سے پیشتر ہی اپنے بھائی جبار خان کو کشمیر کی حکومت سپرد کر کے کابل چلا گیا تھا۔ جبار خان نے اپنی فوج لے کر شوپیاں سے کچھ اوپر جا کر مقابلہ کیا لیکن اپنے نامی سردار کٹوا کر اور خود شکست کھا کر پونچھ کی طرف بھاگ گیا۔ جہاں اس نے خودکشی کر لی۔

فتح کشمیر (۱۸۱۹ء) کے بعد پنڈت بیربل در ہی ایک جمعیت کے ساتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس فتح کی خبر سنانے کے لئے بھیجا گیا۔ مہاراجہ نے پنڈت بیربل کو ایک ہاتھی اور ایک مالائے مروارید اور دیگر انعامات سے مالا مال کر دیا۔ اس کے فرزند راجہ

[1] تاریخ کشمیر مصنفہ ہرگوپال کول صفحہ ۲۶۳ پر یہ بھی درج ہے اور در خاندان کے کاغذات میں بھی یہی مذکور ہے۔ کہ گورنر اس کو جبراً مسلمان کرنا چاہتا تھا لیکن بیربل در نے چھ لاکھ روپے دیئے اور جاگیرات ضبط کر لینے کے باوجود مذہب تبدیل نہ کیا۔

کاک در اور اس کو بڑی عزت کے ساتھ کشمیر واپس کیا۔ پنڈت بیربل در جب تک زندہ رہا۔ ناظمان کشمیر کا مشیر خاص رہا۔

سکھ سلطنت کے بعد جب کشمیر میں ڈوگرہ حکومت کا دور آیا۔ تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے جو پنڈت بیربل در اور مصر دیوان چند کے ساتھ ۱۸۱۹ء میں راجہ گلاب سنگھ اور خالصہ فوج کے ایک نامور سردار ہونے کی حیثیت سے حملہ کشمیر میں شامل تھے۔ اور جو خالصہ حکومت کے بعد کشمیر کے سب سے پہلے ڈوگرہ حکمران تھے۔ راجہ کاک در کو پیشکاری کا منصب عطا کیا۔ پھر وہ محکمہ داغ شال کے افسر بنائے گئے۔ اس محکمہ کی آمدنی انہوں نے ۴۲ لاکھ سالانہ تک پہنچا دی جس میں سے نصف رقم بعوض خدمات بطور تنخواہ انہیں ملا کرتی تھی۔

جب ۱۸۴۹ء میں سرکار انگریزی کی طرف سے مسٹر ٹیلر کشمیر میں اس غرض سے آئے کہ وہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے نظام حکومت کے متعلق رعایائے کشمیر کے خیالات معلوم کریں۔ تو راجہ کاک در ہی تھے جنہوں نے تمام پیشہ وردں اور کاریگروں اور دیگر رعایا سے مسٹر ٹیلر کے سامنے یہ کہلوا دیا۔ کہ ہم سب ڈوگرہ حکومت کے انتظام سے مطمئن ہیں۔ یہ خدمت ایسی نہ تھی کہ مہاراجہ گلاب سنگھ اس کو فراموش کر دیتے۔ چنانچہ مہاراجہ نے پنڈت راجہ کاک در کو ۳۵ ہزار کی نقد جاگیر اور بارہ ہزار خروار جنس کے سالانہ عطیہ سے سرفراز فرمایا۔ راجہ کاک در جو ۱۸۰۰ء میں پیدا ہوئے تھے ۱۸۶۶ء میں انتقال کر گئے۔

پنڈت راجہ کاک در فارسی زبان کے مشہور و مقبول شاعر تھے۔ فرخ تخلص تھا اپنے ہمعصر شعرائے کشمیر کے ساتھ ان کی بذلہ سنجیاں اور بدیہہ گوئیاں مشہور ہیں۔ شعرا اور اہل علم اصحاب کی قدر کرتے تھے۔ راقم الحروف نے پنڈت بلہ کاک در کے کتب خانہ میں ان کا غیر مطبوعہ دیوان دیکھا ہے۔

پنڈت رام جو در ان کے فرزند تھے۔ بڑے عالم و فاضل اور مدبر اہل قلم تھے۔ یہ پہلے کشمیری ہیں جنہوں نے انگریزی کے علاوہ لاطینی، فرانسیسی اور یونانی وغیرہ سے بھی واقفیت



پنڈت مهانند جودر



پنڈت زنہ کاک در فرزند اول
پنڈت مہا نند جودر



پنڈت ورہ لال در فرزند
پنڈت زنہ کاک در

پیدا کی۔ محکمہ ابریشم محکمہ جنگلات۔ پرمٹ و آبکاری محکمہ تعلیم اور محکمہ زراعت اور کئی اور محکموں کی باضابطہ بنیاد ڈالی۔ باپ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک افسر داغ شال رہے پھر وزیر وزارت اور آخر میں دیوان مال یعنی مشیر مال مقرر ہو گئے تھے۔ بسنہ ۱۸۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ اور بعمر ۳۵ سال سنہ ۱۸۸۰ء میں وفات پا گئے۔ اس وقت آپ کے فرزند واسہ کاک در بارہ تیرہ سال کی عمر کے تھے۔ وہ بعہدہ گورنر لداخ عالم شباب ہی میں خدمات سرکار انجام دیتے ہوئے لداخ ہی میں انتقال کر گئے

رائیصاحب پنڈت شیام سندر لال در اپنے باپ پنڈت واسہ کاک در کی وفات کے وقت صرف پانچ سال کے تھے۔ بسنہ ۱۸۹۵ء میں جبکہ آپ کی عمر صرف ۲۰ سال کی تھی آپنے اپنی خداداد قابلیت سے بی اے پاس کر لیا۔ بحیثیت معتمد دربار جنگ عظیم میں جو خدمات آپ نے انجام دیں۔ سرکار انگلشیہ نے ان کے صلہ میں رائے صاحب کا خطاب عطا کیا۔ آپ اس وقت بحیثیت معتمد دربار یعنی (DIRICTOR VISITOR BUREAU) گورنمنٹ جموں و کشمیر کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

چیتر پنڈت کے فرزند کنول پنڈت کی اولاد تا پنڈت بلہ کاک در

چیتر پنڈت کے دوسرے بیٹے کا نام کنول پنڈت تھا۔ جو اپنے یک جدی بھائیوں مہانند پنڈت در اور کیلاس پنڈت در کی سازش سے حاجی کریم داد خان بامزئی ناظم کشمیر کے زمانہ میں قتل ہو چکا تھا گلاب جو نے جو کنول پنڈت کا بڑا بھائی تھا کنول پنڈت کے فرزندوں یعنی اپنے بھتیجوں میرزا پنڈت و بہج رام در کی پرورش کی۔

پنڈت گلاب جو کے فرزند پنڈت بیربل در کے متعلق لکھا جا چکا ہے۔ کہ وہ سردار محمد عظیم خان کے مظالم سے تنگ آ کر اور ایک مختصر سی جماعت ہمراہ لیکر پنجاب چلا گیا تھا۔ جب سردار نے بیربل کے بھاگ جانے کی خبر سنی۔ تو فوراً اس کے عمزاد بھائیوں پنڈت

سہج رام در، میرزا پنڈت در کو بلوایا اور ان سے پوچھا: "بیربل کجا رفت" میرزا پنڈت نے کہا: "گریخت" سردار بولا کہا۔ جواب ملا "اگر از دنیا سیر شدہ باشد بگنگ رود۔ ورنہ سنگاں بر تو خواہد آورد۔ صوبیدار نے کہا پس علاج چیست۔ میرزا پنڈت نے کہا کشتن میرزا پنڈت۔

ان سوال وجواب کے بعد بیربل در کا عیال شاہی دربار میں طلب کیا گیا۔ بیربل کی بیوی نے گورنر کا حکم سنتے ہی اپنی انگوٹھی سے الماس چاٹ لیا۔ اور جب دربار میں آئی۔ تو محمد عظیم خان سے کہا۔ ہمارے خاندان کی تباہی اور ہماری بے حرمتی اور ہماری موت حاکم کشمیر کے عیال واطفال اور اس کے مشیر دل اور بالآخر افغان حکومت کی تباہی اور موت کا باعث ہوگی[1]۔ ابھی وہ اتنا کہہ ہی رہی تھی۔ کہ الماس نے اپنا اثر دکھایا۔ اور وہ دھڑام سے نیچے گر پڑی دیکھا۔ تو اس کا روح قفس عنصری سے پرواز کر چکا تھا۔ اس اچانک موت سے جس کے اصل سبب کا کسی کو علم نہ تھا۔ سب درباری حیران رہ گئے۔ راجہ کاک کی بیوی جو ابھی خورد سال تھی مسلمان بنالی گئی۔ اور لاش میرزا پنڈت کے حوالے کر کے در خاندان کے باقی افراد کو نشاط باغ میں بطور شاہی قیدی نظر بند کر دیا گیا۔ افغانوں کا آخری دور جس میں متذکرہ صدر واقعات پیش آئے تھے عجیب ہیبتناک شاہی دور تھا۔ بیربل کی وساطت سے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے حملہ کر کے کشمیر سے اس اسلامی سلطنت کا جو قریباً پانچ سو سال سے وہاں قائم تھی خاتمہ کر دیا چونکہ سکھوں کی سلطنت در خاندان ہی کے ذریعہ قائم ہوئی تھی اسلئے سکھوں کے عہد میں اس خاندان کو بہت بڑا عروج حاصل رہا۔

سہج رام کے بیٹے گنیش پنڈت نے ۱۸۳۱ء میں مظفر آباد اور اوتر مچھی پورہ کے مسلمان فوج میں بھرتی کر کے سکردو کی فتح میں شاہزادہ شیر سنگھ ناظم کشمیر (بعد میں مہاراجہ شیر سنگھ) کو مدد دی۔ اس کے صلہ میں رآمو اور رتبیر جاگیر میں ملے۔

مہانند جو در نے مہاراجہ گلاب سنگھ اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانہ میں کلراج کی حکومت

[1] جو الفاظ ہمیں بتائے گئے ہیں۔ ہم نے بخوف طوالت صرف ان کا خلاصہ لکھ دیا ہے۔



پنڈت شیو کاک در فرزند دوم
پنڈت مہا نند جودر



پنڈت ست رام جودر فرزند سوم
پنڈت مہا نند جودر



پنڈت مادھو لال در فرزند چہارم
پنڈت مہا نند جو در



پنڈت امر ناتھ در فرزند
پنڈت مادھو لال در

محکمۂ ڈول جنس ۔ داغ شال ۔ محاسب اعلےٰ ۔ مہتمم بندوبستی ۔ دیوان مال اور گورنری جموں کے فرائض بڑی قابلیت سے ادا کئے ۔ جب ان کے والد گنیش پنڈت نے وفات پائی ۔ تو شیخ غلام محی الدین سکھوں کی طرف سے کشمیر کے گورنر تھے ۔ چنانچہ خالصہ حکومت نے بعہد مہاراجہ شیر سنگھ گنیش پنڈت کی جاگیر کے انتقال کا جو ارشاد گورنر کے نام لکھا ۔ اُسکی نقل ہم ذیل میں درج کرتے ہیں :۔

بفضل سری اکال پورکھ جی ۔

شیخت و شرافت پناہ خیرخواہ باصفا دیانت وار دولت عالیہ امین الملک شیخ غلام محی الدین مسرور باشند ۔

چوں خیراندیش گنیش پنڈت درسرگباشی شدہ لہذا بنام شما نفاذ حکم است ۔ آنچہ موضع سیر در کامراج و موضع راموہ در بتہ چھراٹ در وجہ پنڈت مسطور بصلۂ خدمات جلیلہ فتوحات سرحدات نسلاً بعد نسلاً از حضور عالی بکینڈ باشی بہ او عطیہ شدہ است ۔ مے باید کہ مواضعات مذکورہ در وجہ پنڈت مہانند فرزند پنڈت مسطور برائے دوام واگذارند ۔ نوعے مداخلت نہ سازد ۔ جانب عمل خالصہ سرکار ۔ تحریر ۔ ۱۸ بہادوں سمت ۱۸۹۸

مہانند کے پانچ بیٹے تھے دولا ولد رہے ۔ باقی تین میں سے پنڈت ست رام کا ایک ہی صاحبزادہ ہے ۔ سری کنٹھ نام ہے ۔ پہلے سب رجسٹرار تھے ۔ اسوقت ہائیکورٹ میں ہیڈ اسسٹنٹ ہیں ۔ پنڈت مادھو لال کے دو فرزند تھے ایک عین عالم شباب میں انتقال کر گئے دوسرے کا نام پنڈت امرناتھ درایم اے ہے ۔ مہانند کے تیسرے فرزند کا نام پنڈت وده لال تھا جو اپنے بڑے بھائی پنڈت زنہ کاک لاولد کے متبنیٰ بھی تھے ۔ پنڈت زنہ کاک چونکہ خاندان کے رکن اعظم تھے ۔ اسلئے انکی وفات کے بعد پنڈت وده لال ہی خاندان کے رکن اعظم اور جاگیردار مقرر ہوئے پنڈت وده لال مختلف عہدوں کے بعد عرصہ دراز تک مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے پرائیویٹ سیکرٹری رہے جب ۱۸۸۵ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو بے اختیار کر دیا گیا ۔ تو ایک

معرکہ کا مقدمہ شروع ہو گیا۔ جس کے مفصل حالات اس زمانہ میں کلکتہ کا مشہور اخبار امرتا بازار پتر کا چھاپتا رہا۔ اس مقدمہ کی پیروی پنڈت ودہ لال ہی کے سپرد تھی جہاراجہ پرتاپ سنگھ کے بے اختیار ہونے کی وجہ سے اس خاندان کو لاہور میں تین سال بحالت جلاوطنی بسر کرنے پڑے جب مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو دوبارہ اختیارات ملے۔ تو یہ خاندان بھی کشمیر میں واپس آگیا۔ پنڈت ودہ لال پھر پرائیویٹ سکرٹری مقرر ہو گئے۔ اور عرصہ دراز تک اسی عہدہ پر رہکر آخر مستعفی ہو گئے۔ اور بقیہ عمر خانگی کاروبار کی انجام دہی اور یاد الہی میں بسر کرتے رہے۔ فارسی زبان کے بہت اچھے شاعر تھے۔ طالع تخلص تھا۔ اور واقعی خوش طالع تھے۔ بہار گلشن کشمیر میں آپ کے اشعار درج ہیں۔

پنڈت بلہ کاک در پنڈت ودہ لال کے فرزند اس وقت جاگیردار ہیں۔ آپ نائب تحصیلدار تحصیلدار اسسٹنٹ مہتمم بندوبست۔ افسر خزانہ سپیشل افسر کے عہدوں کی خدمات ادا کرنے کے بعد اس وقت وزیر وزارت ہیں۔ آپ نے بندوبست مظفر آباد کی رپورٹ بڑی محنت سے لکھی۔ شاملات جس سے اب مالکان دیہہ مستفیض ہو رہے ہیں۔ اس کی ابتدائی رپورٹ آپ ہی نے لکھی تھی۔

پرائیویٹ حیثیت میں آپ سناتن دھرم سبھا اور ایسوسی ایشن علاقہ داران وجاگیرداران جموں و کشمیر کے پریزیڈنٹ ہیں۔ در خاندان کے ایک بزرگ پنڈت مہانند در کے متعلق شیخ سعدی کے ایک شعر کو جس قابلیت کے ساتھ محمد جان بیگ سامی نے تضمین کیا ہے۔ وہ سابقہ سطور میں درج ہو چکا ہے۔ اسی شعر کو سری نگر کے ایک شاعر پیرزادہ غلام احمد مہجور ٹنگی کدل نے آپ کی شان میں بھی تضمین کیا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ بلحاظ شاعری خوب لکھا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

؎ اس مشہور مقدمہ کے حالات مسٹر ڈگبی نے ایک کتاب Condemned un-Heard کی صورت میں چھاپ دیئے تھے۔



پنڈت بلہ کاک صاحب در فرزند
پنڈت ودہ لال در



پنڈت سدل کرشن در فرزند دوم
پنڈت بلہ کاک در



پنڈت وشیشر ناتھ در فرزند اول
پنڈت بلہ کاک در

اے سرِ سروران عالی جاہ ! | یادگار قبیلہ در ہا
آمدی باہزار جاہ و حشم | با نگشتریم در رہت سرہا
از وجود گروہِ راہزناں | بود ایں سرزمیں پر از شرہا
حملہ غارت گران امن شکن | شر پسندان و فتنہ پرورہا
آمدند آں ہمہ گرفتہ بکف | تبر و تیغ و چوب و خنجرہا
سوئے زنداں بحکم تو رفتند | ایں ہمہ سارقان دلیڈرہا
وقت تو خوش کہ وقت ما ہم خوش | کردی اے دشمن ستمگرہا
گفت در باب جستن روزی | سعدی آگاہ از مقدرہا

رزق ہر چند بیگماں برسد
شرط عقل است جستن از درہا

پنڈت بلہ کاک در کے تین صاحبزادہ ہیں۔ وشیشر ناتھ۔ سری کرشن۔ منشی لال

ہیرو پنڈت کی شاخ خورد یعنی من پنڈت کی اولاد تا پنڈت مہاراج کشن در وغیرہ

ہیرو پنڈت کے فرزند کلاں امن پنڈت کی اولاد کا ذکر کیا جا چکا ہے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے دوسرے بھائی من پنڈت کی اولاد نے سیاسی معاملات میں بہت کم حصہ لیا ہے۔ ورنہ ان میں سے بھی چند ایک کا ذکر کشمیر کی تاریخوں میں ضرور ہوتا۔ من پنڈت کی تیسری پشت میں مادھو پنڈت ہوا ہے جس کی پانچویں پشت میں دو بھائی گلاب رائے در اور محبوب رائے در لاہور میں گذرے ہیں گلاب رائے کے دو بیٹے تھے۔ ایک رام نرائن در چیف لاہور چیف کورٹ (حال ہائی کورٹ) کے سب سے پہلے جج تھے۔ اور جن کے نام سے لاہوری دروازہ کے اندر اب بھی گلی رام نرائن مشہور ہے۔

من پنڈت کی تیسری چوتھی پشت میں روپہ بھوانی کے نام سے ایک زاہدہ و عابدہ

عورت کشمیر میں گذری ہے جس کا احترام نہ صرف درخاندان ہی کرتا ہے۔ بلکہ کشمیر اور بالخصوص سرینگر کے تمام پنڈت اس کے استھان اور اس کے نام پر فخر کرتے ہیں۔

مادھو پنڈت سے جو من پنڈت کا پوتا تھا۔ آٹھویں پشت میں وامودر در کشمیر سے ہندوستان گیا۔ اس کے پوتے پنڈت اقبال کشن در نے جو جواہر لال در کا بیٹا تھا۔ ریاست کشمیر میں اکونٹنٹ جنرل کی اسسٹنٹی حاصل کی۔ پنڈت مہاراج کشن در بی اے ایل ایل بی جو آجکل بارہ مولا میں وزیر وزارت ہیں۔ آپ ہی کے صاحبزادہ ہیں۔

درخاندان کے متفرق نامور معزز اصحاب

غرض کشمیر کے قبیلۂ در نے جس کے افراد کی تعداد بھی کشمیر کے دیگر پنڈت قبائل سے زیادہ ہو گی کشمیر میں اور کشمیر سے باہر بڑے بڑے نامور فرزند پیدا کئے ہیں۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار لکھنوی جو اودھ اخبار لکھنؤ کے برسوں تک ایڈیٹر رہے ہیں۔ اور جنہوں نے اپنی متعدد تصانیف بالخصوص فسانۂ آزاد کی بدولت ہندوستان کی علمی دنیا میں اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا رکھا ہے۔ اور پنڈت بشن نرائن در ابر تخلص بیرسٹر ایٹ لا نیشنل کانگریس کے صدر بھی رہ چکے تھے۔ درخاندان ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ اب بھی درخاندان میں پنڈت رگھونندن لعل ڈپٹی کلکٹر بنارس۔ رائے صاحب پنڈت جیون ناتھ اسسٹنٹ پوسٹ ماسٹر جنرل لکھنؤ۔ پنڈت بشن نرائن در سرکل انسپکٹر پولیس جھنڈواڑہ۔ پنڈت پران ناتھ دھنتی در سب ڈی۔ الیف۔ اور کشمیر وغیرہ کئی اصحاب نہایت ذی عزت اور ممتاز عہدوں پر ہیں۔

باب دوم

کشمیر کی غیر برہمن اقوام

فصل اوّل

ڈوگرہ راجپوت

برہمن قوم جس کا مصدر برہم ہے۔ زمانہ قدیم میں صرف مذہبی کاموں کے لئے وقف تھی۔ اس زمانہ میں جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ کوئی راجہ عالمگیر سلطنت نہ رکھتا تھا۔ بلکہ گاؤں گاؤں میں علیحدہ راج تھا۔ اور جو ذرا زیادہ طاقت حاصل کر لیتا تھا۔ وہ اپنے سے چھوٹے اور کم طاقت راجاؤں کو مطیع کر کے بڑا راجہ کہلاتا تھا۔ جو لوگ والیان ملک یا فوج کے افسر ہوتے تھے۔ وہ منہدوؤں کی دوسری قوم کشتری یا چھتری سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی قوم اپنے ملک کو غیر ملک کے حملہ آوروں سے بچانے کی ذمہ دار تھی۔ اسی قوم کے لوگ فوجوں میں بھرتی ہو کر بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے تھے۔ اور ملک کے اندر بھی جنگی طاقت کے یہی مالک تھے۔

تاریخ راجپوت میں لکھا ہے کہ چھتری اصل لفظ شتری ہے جس کے معنے ہتھیار بند ہیں۔ یا حسب لغت چھت بمعنی زخم۔ ہتری بمعنی محافظ یعنی چھتری وہ لوگ ہیں۔ جو رعایا کو زخموں سے بچاتے ہیں۔ چھتری یا کشتری لفظ کا اطلاق عمومیت رکھتا تھا یعنی راجے ہوں یا افسر۔

یا فوج کے سپاہی قومیت کے لحاظ سے سب چھتری کہلاتے تھے۔ ان میں چھوٹے بڑے کا امتیاز اور شاہی اولاد کا افتخار قائم رکھنے کے لئے راجپوت کا لفظ وضع کیا گیا۔

راجپوت ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ اور ہندوؤں میں ہوں یا مسلمانوں میں۔ یہ ایک معزز گروہ سمجھے جاتے ہیں۔ پنجاب میں یہ قوم ہوشیارپور۔ کانگڑہ اور شملہ کے اضلاع اور جموں کے صوبہ میں کثرت پائی جاتی ہے۔ اور ڈوگرہ راجپوت کہلاتی ہے۔ آج سے قریباً چوتھائی صدی پیشتر ان سب کو میاں[1] کہتے تھے۔ مگر اب عام طور پر یہ لوگ ٹھاکر کہلانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

یہ لوگ بالعموم بہادر۔ محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں۔ مہاراجہ بہادر جموں وکشمیر کی افواج میں ڈوگرہ راجپوتوں کی جو سب کے سب ہندو ہیں۔ کثرت ہے۔ موجودہ مہاراجہ بہادر کو ڈوگرہ راجپوتوں کی ترقی وفلاح کا خاص طور پر خیال ہے۔ چنانچہ جموں میں جو ملٹری سکول چند سال سے کھلا ہوا ہے۔ اور جہاں فوجی ٹریننگ حاصل کرنیوالے ہر امیدوار کو معقول وظیفہ ملتا ہے۔ اس میں ہندو راجپوتوں کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہوسکتا علاوہ ازیں جوڈیشل۔ مال۔ فارسٹ پولیس وغیرہ محکمہ جات میں راجپوتوں کی خاص طور پر قدر افزائی ہوتی رہتی ہے۔ اور اس وقت ریاست کا جو فنانس منسٹر ہے۔ وہ بھی ڈوگرہ راجپوت ہی ہے۔

راجپوتوں میں یہ بد رسم عرصہ سے جاری تھی۔ کہ اپنی نوزائیدہ لڑکیوں کو کسی نہ کسی طرح ہلاک کر دیا کرتے تھے۔ یا ان کی تعلیم وتربیت اور علالت میں ان سے لاپروائی کا سلوک روا رکھتے تھے۔ مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر موجودہ فرمانروائے ڈوگرہ راجپوتوں سے یہ بد رسم ترک کرانے کے لئے چند سال سے یہ حکم دے رکھا ہے۔ کہ جب کسی راجپوت کے گھر کوئی لڑکی پیدا ہو۔ تو اس کے نام اسی دن سے ایک ایکڑ زمین بطور عطیہ سرکار لکھدی جائے۔

جموں کے ایک راجپوت لیڈر کے بیان کے مطابق ریاست کے راجپوتوں میں دختر کشی

---

[1] ضلع کانگڑہ میں ابھی تک میاں لفظ کا وجود موجود ہے۔ راجپوت راجاؤں کے متعلقین میاں کے لفظ ہی سے مشہور ہیں۔

کی قبیح رسم ابھی تک موجود ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ صوبہ جموں کے راجپوت حلقوں میں ستر۷۰ فی صدی یا اس سے بھی زیادہ گھروں میں کوئی لڑکی نہیں۔ اور اگر ہوتی ہے تو زندہ دبا دی جاتی ہے

احمد شاہ ابدالی ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۲ء میں جب لاہور آیا تو اس نے اپنے ناظم راجہ سکھ جیون مل کی خودسری و بغاوت اور اس کے مدار المہام پنڈت مہانند دھر کی بے اعتدالیوں کی مفصل کیفیت سنی۔ اسی وقت نورالدین خان بامزئی کو پچاس ہزار فوج دیکر اس کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا۔ اور راجہ رنجیت دیو والئے جموں کو لکھا کہ وہ بھی اس کی اعانت کر کے سکھ جیون مل کے فتنہ کو دور کرے

راجہ رنجیت دیو کی ڈوگرہ فوج اور نورالدین خان کی افغان فوج ۷ ذی الحجہ ۱۱۷۵ھ کو جیرہ اوڈورکے کریوہ پر جا پہنچی۔ سوکھ جیون مل بھی ساٹھ ہزار فوج لیکر مقابلہ کو نکلا۔ لیکن جب اسکی فوج کا افسر بخت مل افغانوں کے ساتھ جا ملا۔ تو راجہ بے حوصلہ ہو کر بھاگ گیا مگر کسی آسیا بان نے گرفتار کرا دیا۔ نورالدین خان نے اس کی آنکھیں نکلوا کر اور اندھا کر کے بادشاہ کے پاس بھجوا دیا۔ بادشاہ نے اس کو ہاتھی کے پاؤں تلے ڈال کر مروا ڈالا۔

راجہ رنجیت دیو نے اس جنگ میں بادشاہ کو جو مدد دی تھی۔ اس کے صلہ میں بادشاہ نے راجہ کو نسلاً بعد نسلاً کشمیر سے ساٹھ ہزار خروار شالی عطا کئے جانے کا فرمان لکھ دیا۔ یہ شالی یا اس کی قیمت سکھوں کے عہد تک جموں کے راجگان کو برابر ملتی رہی۔ چونکہ یہ جنسی جاگیر تھی۔ اس لئے کوئی ڈوگرہ نہ صرف درانیوں کے عہد حکومت، بلکہ سکھوں کے زمانہ تک بھی کشمیر میں آباد نہ ہو سکا۔

جب ۱۸۴۶ء کے عہد نامہ امرتسر کے مطابق کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کے قبضہ میں آگیا۔ تو اس نے جیسا کہ ہر نئی حکومت کا قاعدہ ہوتا ہے۔ سابقہ حکمران قوم یعنی سکھ حکومت کے

۵؎ عہد حکومت کشمیر ۱۹ سال ۱۰ماہ ۲۷یوم از ۱۷۵۳ء تا ۱۷۷۲ء

رعب و دبدبہ کونابود کرنے کے لئے ڈوگرہ راجپوتوں کو کشمیر میں آباد کرنا شروع کیا۔ اور چونکہ کولگام کا علاقہ حدود جموں سے نزدیک تھا۔ اس لئے پرگنہ دیوسر میں ان کو چھوٹی چھوٹی جاگیریں دے کر آباد کیا۔ اس زمانہ میں ڈوگرہ راجپوتوں کو لفظ ٹھاکر سے چنداں اُنس نہ تھا نہ راجپوت ہی اس لفظ کو اپنے لئے باعث عزت سمجھتے تھے۔ اور نہ ڈوگرہ فرمانروا ہی اس کو کوئی اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ ولی عہد ریاست کو سرکاری کاغذات میں میاں لکھا جاتا تھا۔ جیسے مہاراجہ گلاب سنگھ کے ولیعہد میاں رنبیر سنگھ جو بعد میں مہاراجہ رنبیر سنگھ کہلائے اور ڈوگرہ راجپوتوں کو عوام اور سرکاری کاغذات میاں قوم کہتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ میں جو ریاست نے سرکاری طور پر چھاپی ہے۔ ڈوگرہ راجپوتوں کو میاں قوم ہی لکھا گیا ہے۔

غرض میاں قوم جو آج (۱۹۳۲ء میں) سب کی سب ٹھاکر کہلا رہی ہے۔ عطائے جاگیرات کی بدولت کشمیر میں آباد ہے۔ اور اس کی اکثریت کولگام کی تحصیل اور اننت ناگ کے علاقہ میں ہے۔ حال ہی میں مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر موجودہ فرمانروائے جموں وکشمیر نے چند اور ڈوگرہ راجپوتوں کو کشمیر میں جاگیریں دے کر ان کی طاقت میں اضافہ کر دیا ہے ان میں ایک جاگیردار تو جونیر مہارانی صاحبہ کے والد ٹھاکر ہیلی چند ہیں۔ اور ایک جاگیردار رائے بہادر ٹھاکر کرتار سنگھ فینانس منسٹر ہیں۔ جن کو سوپور کے متصل موضع دارہ پورہ وو دو آبگاہ میں قریباً چار ہزار روپے سالانہ کی جاگیر عطا ہوئی ہے۔ اور غالباً شمالی کشمیر میں ٹھاکر کرتار سنگھ سب سے پہلے ڈوگرہ راجپوت جاگیردار ہیں۔

ٹھاکر کرتار سنگھ جموال خاندان سوہل والہ سے ہیں۔ سوہل کسی گاؤں کا نام نہیں ہے بلکہ یہ نام سولہ گاؤں اور سولہ ہزار کی جاگیر کی وجہ سے پڑ گیا ہے۔ ٹھاکر کرتار سنگھ جموال خاندان کے مشہور راجہ چندن دیو (مہاراجہ رنجیت دیو کے سپہ سالار) کی چھٹی پشت میں ہیں۔ آپ کے والد جرنیل پنجاب سنگھ نے مہاراجہ پرتاپ سنگھ سے پرانا قلعہ گڑھی لیکر

وہاں جدید مکانات تعمیر کرائے اور جاگیر کو وسعت دی۔ ٹھاکر کرتار سنگھ پہلے پہل ایک سب جسٹرار کی حیثیت سے سرکاری ملازمت میں آئے۔ آجکل ریاست کے وزیر خزانہ ہیں۔ گورنمنٹ ہند نے آپ کو راؤ بہادر کا خطاب دیا ہے۔ مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر نے بصلہ حسن خدمات جاگیر ہی نہیں دی۔ بلکہ تعظیمی سردار بھی بنایا ہے۔ قومی حیثیت سے آپ عرصہ تک راجپوت امر سبھا جموں کے سکرٹری پھر پریذیڈنٹ رہے ہیں۔

خاندان جموال سوہل والہ کے ایک اور معزز رکن ٹھاکر پورن سنگھ کشمیر میں چار ہزار کے جاگیر دار ہیں۔ جو ٹھاکر کرتار سنگھ کے والد جرنیل پنجاب سنگھ کے بھائی ٹھاکر اوتم سنگھ کے پوتے اور جرنیل جگت سنگھ کے متبنےٰ ہیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ بہادر کے راج "تلک کی رسم ٹھاکر پورن سنگھ کے ہاتھ سے ہی ادا ہوئی تھی۔ مہاراجہ نے ان کو نسلاً بعد نسلاً تعظیمی سردار کا اعزاز اور چار ہزار روپیہ کے دو گاؤں کشمیر میں عطا کئے ہیں۔

علاوہ ازیں جنرل بھجور سنگھ اور کرنل ہوشیار سنگھ بھی کشمیر کے نامور ڈوگرہ راجپوت جاگیرداروں میں ہیں۔

ڈوگرہ راجپوتوں کی سب سے بڑی دو شاخیں ہیں۔ ایک شاخ جیکاریہ راجپوت کہلاتی ہے جیکاریہ راجپوت ہل نہیں چلاتے"۔ وہ بوقت ملاقات آپس میں سلام دعا کے لئے جے دیوا بولتے ہیں۔ لیکن اگر سلامیہ راجپوتوں سے ان کی ملاقات ہو جائے تو ان کو جے دیو کے جواب میں رام رام بولتے ہیں۔

سلامیہ راجپوت وہ ہے جو ہل چلاتا ہے۔ اور اپنے ہاتھ سے زراعت کا کام کرتا ہے ڈوگرہ راجپوت ہل چلانے کو نحس کام تصور کرتے ہیں لیکن اب زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق یہ خیال مٹتا جا رہا ہے۔ سلامیہ راجپوت آپس میں ملاقات کے وقت جے دیو نہیں کہتے بلکہ سلام بولتے ہیں۔ گو جیکاریہ اور سلامیہ راجپوتوں کا حسب نسب ایک ہی ہے۔ لیکن جیکاریہ جو اپنے آپ کو دوسرے راجپوتوں سے بلند مرتبت سمجھتے ہیں۔ سلامیہ راجپوتوں کی لڑکیاں

لے لیتے ہیں۔ مگر ان کو دیتے نہیں ہیں۔ اسی بنا پر سلامیہ راجپوتوں کو اکہرہ یعنی یکطرفہ راجپوت بھی کہتے ہیں۔

ڈوگرہ راجپوتوں میں فرقہ جموال سب سے زیادہ مشہور اور مقتدر رہے۔ یہ خاندان سورج بنسی ہے۔ اور سری رام چندر جی کے بیٹے کش سے بتایا جاتا ہے۔ تاریخ راجپوتان پنجاب جلد اول مصنفہ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ میں لکھا ہے کہ راجہ اگنی برن جو راجہ اجودھیا کا چھوٹا بھائی تھا فقیر بن کر اور اگنی گر نام رکھکر کانگڑہ سے ہوتا ہوا کھٹوعہ کے نواح میں آیا۔ وہاں اس وقت طوائف الملوکی دیکھکر شاہی ولولہ نے پھر حرارت پیدا کی۔ اور چند دیہات پر قبضہ کر کے اس نے اپنی ایک علیحدہ ریاست بنالی۔ اس کی چھٹی پشت میں اگن گرب دوم پیدا ہوا جس کے ۱۸ بیٹوں میں جن میں سے ہر ایک کے نام کے آخر لوچن کا لفظ آتا تھا۔ باہو لوچن بڑا ہونے کی وجہ سے وارث بنا۔ اور اس نے توی کے کنارے قلعہ اور شہر آباد کر کے اس کا نام باہو رکھا۔ راجہ پنجاب کے ساتھ جب وہ ایک لڑائی میں لاولد مارا گیا۔ تو اس کا چھوٹا بھائی جامبو لوچن گدی پر بیٹھا شہر جموں اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ جموں و کشمیر کا شاہی خاندان جو جموں میں رہنے کی وجہ سے جموال کہلاتا ہے۔ اسی کی نسل سے ہے۔ اس خاندان کی تین قسمیں ہیں۔ اور وہ درجہ اول کی راجپوت کہلاتی ہیں۔

راجپوت درجہ اول جموال خاندان جموں و کشمیر کی حدود میں درجہ اول کا خاندان ہے۔ اس کی تین شاخیں ہیں۔ جسروٹیہ۔ منکوٹیہ اور جموال ان تینوں فرقوں کی پھر اور کئی شاخیں ہیں۔ جن کی تفصیل ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ کی تاریخ راجپوتان پنجاب سے معلوم ہوسکتی ہے۔ یہاں ان کی توضیح بے محل ہے۔

راجپوت درجہ دوم منہاس[۱]۔ انبارڈی۔ چیب[۲]۔ جرال۔ بہاڈ[۳]۔ اور جنید اور راجپوت درجہ دوم میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور یہ سب آپس ہی میں شادی

---

[۱] راجہ جوگ راج والئے ملک جموں کے دو بیٹے تھے۔ بڑا اللن ہنس یا من پرکاش (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۷ پر)

بیاہ کرتے ہیں۔

چب راجپوتوں کی تعداد ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہندوؤں میں ۴۸۶۵ اور مسلمانوں میں ۶۸۹۱ اور کل ۱۱۷۵۶ تھی۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں ان کی تعداد حسب ذیل ہے

	مرد	عورت	
ہندو	۴۳۰۴	۳۲۰۱	۷۵۰۵
مسلمان	۴۵۶۵	۴۴۶۸	۹۰۳۳
			۱۶۵۳۸

بہ الفاظ دیگر چالیس سال کے عرصہ میں ہندو چب راجپوتوں میں ۲۶۴۰ اور مسلمان چب راجپوتوں میں ۲۱۴۲ اور کل تعداد میں ۴۷۸۲ نفوس کا اضافہ ہوا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶) دوسرا سورج بنس بلن ہنس کے متعلق ایک روایت یہ ہے۔ کہ اس کی اولاد نے راج کرنے سے انکار کر دیا اور ہل پکڑ لیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ خاندان جموال میں ہل چلانا منع ہے۔ اسلئے بلن ہنس اور اس کی اولاد سے جس جس نے ہل چلایا۔ وہ منہاس مشہور ہو گیا۔ مہاراجہ سر ہری سنگھ والئے جموں و کشمیر جوگ راج سے ۳۷ ویں پشت میں ہیں۔

۲؎ یہ قوم چندربنسی پنوار یا پرمار قوم کی ایک شاخ ہے۔ مہاراجہ بھوج اسی خاندان سے تھے۔ خاندان انبارایان کا مورث اعلیٰ دھارانگری سے آکر اکھنور میں آباد ہوا۔ راجہ رنجیت دیو والئے جموں کے عہد میں اس خاندان کا آخری راجہ بجے پال تھا۔ یہ خاندان اکھنوریہ بھی مشہور ہے۔ انبہ ران گاؤں میں اس کی رہائش ہے۔ از تاریخ راجپوتان پنجاب صفحہ ۵۰۸۔

۳؎ راجہ میگ چند والئے کانگڑہ کے چار فرزندوں میں ایک کا نام پرتاپ چند تھا۔ یہ اپنے وطن سے باہر نکلکر جہلم کے قریب آیا۔ اور یہاں اس نے چند گاؤں اپنے قبضہ میں کر لئے۔ اس کے دو بیٹے چب چند اور کھڑک چند تھے۔ چب چند نے جو بڑا تھا بمقام بھمبر اپنی راجدھانی قائم کی۔ اسی کے نام پر علاقہ کا نام چبال اور اس کی اولاد کا نام چب مشہور ہو گیا۔ کھڑک چند نے کھڑی آباد کیا۔ جو کھڑی کڑیالی کے نام سے موسوم ہے اکبر اور اس کے بعد مغل بادشاہوں کے زمانہ میں ان کی اولاد کا کثیر حصہ مسلمان ہو گیا۔ از تاریخ راجپوتاں صفحہ ۳۹۴ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸ پر)

جرال راجپوتوں کی کل تعداد ۱۲۴۸۵ ہے جن کی تفصیل فرقہ وار حسب ذیل ہے

	مرد	عورت	
ہندو	۴۵۹	۳۹۹	۱۲۴۸۵
مسلمان	۶۱۴۱	۵۴۸۶	

منہاس راجپوتوں کی کل تعداد ۱۸۷۴۲ ہے تفصیل حسب ذیل ہے۔

	مرد	عورت	
ہندو	۵۹۰۰	۴۱۶۰	۱۸۷۴۲
مسلمان	۴۴۱۵	۴۲۶۷	

راجپوت درجہ سوم

یہ لوگ اپنی لڑکیاں راجپوتان درجہ اول و دوم کو دیتے ہیں لیکن ان سے لے نہیں سکتے۔ البتہ درجہ چہارم کی لڑکیاں ان کے گھروں میں آباد ہو سکتی ہیں۔ ان کی شاخیں حسب ذیل ہیں۔

رکوال۔ بسلہریہ۔ چاہڑک۔ باگل۔ بجیال۔ چوہدریاں کھٹوعہ۔ بپرول جاج یا نج۔

چاہڑک قوم کے متعلق رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء میں لکھا ہے کہ اس فرقہ کا مورث

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۷) لے رانا بھیٹ بانئے خاندان ہٹھانیہ اٹھارہ بھائی تھے، ہر بھائی علیحدہ علیحدہ قوم کا بانی ہوا۔ جرا سترھواں بھائی تھا۔ جرال راجپوت اسی کے نام سے مشہور ہیں، راجوری میں کئی سو سال تک ان کی حکومت رہی۔ اب بھی تحصیل راجوری اور ریاسی و وزیر آباد میں ان کی آبادی کافی تعداد میں موجود ہے۔

ھ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ مصنف تاریخ راجپوتان پنجاب نے راجہ بہادر دیو کو راجہ دیا کرن جموال والئے کشمیر کی اولاد سے ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے محل رنیہ داری میں تھے لیکن کشمیر کی کوئی قدیم و جدید تاریخ دیا کرن کی اولاد بہادر دیو کے نام کی تصدیق نہیں کرتی۔ اسی راجہ کے نام پر بہادر راجپوت مشہور ہیں ان کی کثیر تعداد ہل چلانے کی وجہ سے اکہرہ راجپوت سمجھی جاتی ہے لیکن جو برادری ان میں ہل نہیں چلاتی۔ وہ جبکاریہ ہی سمجھی جاتی ہے۔

اعلےٰ چابک سواری کا کام کرتا تھا۔ اس سے اس کا اور اس کی اولاد کا نام چاڑک مشہور ہو گیا۔ لیکن ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ کو جنہوں نے راجپوت اقوام کے تفصیلی حالات لکھنے میں راجپوت قوم کی بڑی خدمت کی ہے۔ اس کی وجہ یہ لکھی ہے۔ کہ راجہ سورج بنس جموال (۲۶ سکہ ب) نے منت مانی تھی۔ کہ اگر اس کے دو بیٹے ہوئے۔ تو ایک مندر میں چڑھایا جائے گا۔ چنانچہ خدا نے اس کو وہی بیٹے دیئے۔ بڑا بیٹا گنگا دھر ولی عہد بنا۔ اور چھوٹا بیٹا سوجلا دھر قلعہ باہو میں بھگوتی کالکا کے مندر میں بطور منت چڑھا دیا گیا۔ اس لڑکے کو عوام چاہڑک یعنی چڑھایا ہوا کہتے تھے۔ اس کی اولاد بھی چاہڑک کے نام ہی سے موسوم ہے۔

اس فرقہ کی تعداد ۱۹۳۱ء میں ۲۱۶۳ تھی۔ ۱۹۳۳ء میں حسب ذیل ہے:۔

۱۹۷۵ مرد۔ ۱۳۹۹ عورت۔ کل ۳۳۷۴۔ یہ لوگ سورج بنسی راجپوت ہیں اور عمدہ کاشتکار ہیں۔ مہاراجہ سر پرتاپ سنگھ کی مہارانی جو اس وقت بقید حیات ہے۔ چاہڑک خاندان کی وجہ سے مہارانی چاہڑک کہلاتی ہے۔ چوہدری چتر سنگھ سابق گورنر جموں مہارانی چاہڑک کے بھائی ہیں مسلمان کوئی چاہڑک نہیں ہے۔

سلہریہ راجپوتوں میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی ۱۹۳۳ء کی مردم شماری کے مطابق انکی تعداد بہ تفصیل ذیل ۹۹۹۶ ہے۔

	مرد	عورت	
ہندو	۱۰۹۳	۷۶۲	۹۹۹۶
مسلمان	۴۷۰۹	۳۴۵۲	

یہ خاندان چندر بنسی پٹھانیہ راجپوتوں کی ایک شاخ ہے۔ راجہ جیپال (۳۷ سکہ ب) کے پانچویں بیٹے کا نام سیسو تھا۔ اس کی اولاد سلاہر ضلع گورداسپور میں رہنے کی وجہ سے سلاریہ یا سلہریہ مشہور ہو گئی۔ جو سلہریہ تحصیل نورپور کے موضع نواں شہر میں رہتے ہیں۔ وہ نوشہریہ اور جو اسی تحصیل کے موضع بٹی میں رہتے ہیں۔ وہ بٹیال کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی کثیر تعداد

ملہ تاریخ راجپوتاں پنجاب مصنفہ ٹھاکر کاہن سنگھ ۱۲

مسلمان ہوگئی ہے۔ ضلع جموں میں بھی ان کی کافی آبادی ہے۔

بج راجپوتوں کا خاندان راجگان چنینی کی ایک شاخ ہے۔ یہ قوم اپنے بزرگ بج چند کے نام پر بج کہلائی۔ اس کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ اور جس قدر ہے تحصیل ادہمپور میں ہے۔ باگل یا باغل راجپوت جو مسلمان بھی ہیں اور ہندو بھی۔ جنگل میں رہنے کی وجہ سے باگل مشہور ہو گئے۔

راجپوت درجہ چہارم

یہ لوگ اپنی لڑکیاں راجپوتان درجہ سوم کو دیتے ہیں۔ اور سوائے ٹھکروں کے جو درجہ پنجم کے نیم راجپوت کہلاتے ہیں کسی اور راجپوت سے لڑکیاں نہیں لے سکتے۔ آپس میں بھی بیاہ شادی کر لیتے ہیں۔ ان کی ذاتیں حسب ذیل ہیں۔

مانڈل۔ رسپال۔ کرتار کھتری۔ سمبال۔ جگی۔ ملوترے۔ کٹھال۔ بھلوال۔ ہنس۔ بجو۔ بلوال۔ گورے۔ بسترو۔ چ۔

رسپال اور بلوال خاندان بھی راجہ اگنی برن دوم کی اولاد ہی سے ہیں۔ ان میں سے دیو (بانئے بجالتہ گاؤں) کے تین بیٹوں سمس پال۔ ڈیپال اور رسپال کے نام پر علیحدہ علیحدہ قبیلے ہوئے ہیں۔ سمپال سے بوجہ رہائش بجالتہ بجیال اور رسپال (بانئے ریاسی) سے رسپال اور ڈیپال کے پوتے ملو (بانئے ملوالتہ عرف ادہمپور) سے ملوالتہ کے نام پر بلوال خاندان نے شہرت پائی۔

راجپوت درجہ پنجم

جن کو ٹھکر کہتے ہیں۔ راجپوتان درجہ چہارم کو لڑکیاں دیتے ہیں۔ اور باہم گر بھی شادی کر لیتے ہیں۔ ان میں چادر ڈالنے کی رسم یعنی طریقہ بیوگان رائج ہے۔ یہ لوگ زنار بندی کرتے ہیں اور اس لحاظ سے کہ بعض اور اقوام بھی ان میں خلط ملط ہو گئی ہیں۔ اور کوئی ادنٰے سے ادنٰے راجپوت بھی ان کو لڑکی نہیں دیتا۔ ان کو راجپوت کہنا مشکل ہے۔ بلکہ یہ ایک علیحدہ قوم شمار ہوتی ہے۔ جو راجپوتوں سے بہت کمتر اور جاٹوں اور گجروں سے افضل سمجھی جاتی ہے۔"

مندرجہ بالا خیالات جو ۱۸۹۱ء کی رپورٹ مردم شماری کے صفحات ۱۵۷ و ۱۵۸ پر ظاہر کیے گئے ہیں۔ آج سے ۴۲ سال اور اس سے قبل کے ہیں۔ لیکن اب بعض سیاسی مصلحتوں نے ہندوؤں کی سوشل اصلاحات میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ شادی بیوگان جس کا صرف مسلمانوں میں رواج تھا۔ اب کشمیر میں ناپسندیدہ نہیں سمجھی جاتی۔ اور گو ابھی اس پر زیادہ عمل نہیں نہیں ہوتا۔ تاہم مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح ٹھکر جو اعلیٰ درجہ کے راجپوتوں کے نزدیک ایک قسم کے ادنیٰ خدمتگار سمجھے جاتے تھے۔ بلکہ جس کو ادنیٰ درجہ کے راجپوت بھی لڑکیاں دینا کسر شان سمجھتے تھے۔ اب (۱۹۳۲ء) کے ایک شاہی اعلان کے بموجب ٹھاکروں یعنی راجپوتوں میں شمار کر لیے گئے ہیں۔ ۱۸۹۱ء میں ہندو ٹھکروں کی تعداد ۱۰۹۹۱۲ تھی۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں ان کی تعداد سوا لاکھ کے قریب بتائی جاتی ہے۔ اب ٹھکروں سمیت ڈوگرہ راجپوتوں کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہو گئی ہے۔ ٹھکروں کی مشہور ذاتیں حسب ذیل ہیں:-

ڈانگری۔ بجتی۔ گنگی۔ سلہوترے (سلہوڑ کے کراڑ کھتری) جریال۔ کول۔ لا۔ چولن پال۔ گمیوترے۔ آگری۔ گلاس۔ بھگو۔ ناڑ۔ لد ٹھکر۔ جاگیر چنینی میں زیادہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کے مورث اعلیٰ نے چنینی میں ایک نالہ کی گذرگاہ میں زراعت کے لئے کوئی زمین ڈھونڈھ نکالی تھی۔ پانا یا حاصل کرنا لد کے معنوں میں اس طرف مستعمل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے نام پر اس کی اولاد کا نام ہی لد مشہور ہو گیا۔

چولن پال ٹھکروں کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ ایک بیکس حاملہ عورت نے جو باہر سے جموں میں آئی تھی کسی جگہ ایک چولہا بنایا۔ اس کے فوراً بعد اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا چولہا یعنی دیگدان کے نام پر چولن پال رکھا گیا۔

ناڑ فرقہ کا مورث اعلیٰ ایک جاہل سا شخص تھا۔ اس کو ناڑی کہتے تھے۔ اس سے اس کا نام ہی ناڑ ہو گیا۔ اور اس کی اولاد بھی اسی نام سے موسوم ہو گئی۔ ٹھکر بالعموم کاشتکا

اور زراعت پیشہ ہی مسلمان ٹھکروں کی تعداد ۱۸۹۱ء میں ۱۳۹۰۸ تھی۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں ۴۰ سال کی مدت نے اس تعداد میں یقیناً بہت سا اضافہ کر دیا ہوگا۔

راجپوتوں کی زیادہ تعداد صوبہ جموں ہی میں ہے۔ کشمیر میں ان کی تعداد سرحدی اضلاع سمیت ۱۹۱۱ء میں صرف ۱۰۸۹ تھی۔ ۱۹۱۱ء کے بعد دو اور مردم شماریاں ہو چکی ہیں۔ ممکن ہے۔ اب ہندو راجپوتوں کی تعداد صوبہ کشمیر میں ڈیڑھ ہزار تک ہو گئی ہے۔ افسوس ہے صحیح اعداد و شمار نہیں مل سکے۔

سر والٹر لارنس نے راجپوتان کشمیر کے متعلق جو کچھ اپنی کتاب ویلی آف کشمیر میں لکھا ہے سالہا سال گذر جانے کے بعد ابھی تک اس میں تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی چنانچہ وہ لکھتے ہیں: کچھ عرصہ سے یہ لوگ سست سے ہو رہے ہیں۔ اور اس کاہلی نے ان کے اخلاق اور ان کی صورت و سیرت پر بھی نمایاں اثر ڈالا ہے۔ صوبہ جموں کے ڈوگرے اور علاقہ دیوسہ کشمیر کے راجپوت ایک ہی نسل سے ہونے کے باوجود بہت بڑا فرق رکھتے ہیں۔ یہ کشمیری راجپوت جن کو کشمیر میں رہتے ہوئے قریباً ستر (اب ۱۹۳۷ء میں ۷۶) سال ہو چکے ہیں۔ کشمیر کی سردی کو ایسا ہی محسوس کرتے ہیں۔ جیسا کہ خود اہل کشمیر۔ کانگڑی ان کو ویسی ہی عزیز ہے جیسی کشمیریوں کو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کو اب انہوں نے مستقل وطن بنا لیا ہے۔ ان کے مکانات بھی کشمیری مکانات کے نمونہ پر ہوتے ہیں۔ پردہ کا رواج ان میں سختی سے ہے۔ تعلیم کی ان میں بہت کمی ہے اور چونکہ تعلیم نہیں ہے یا کم ہے۔ اس لئے ان میں اور بھی بہت سی سوشل برائیاں ہیں۔

کشمیر کے ڈوگرے راجپوت گھروں میں پنجابی اور ڈوگری زبان بولتے ہیں۔ اور کشمیریوں سے گفتگو کے وقت کشمیری زبان استعمال کرتے ہیں۔ لباس ان کا ڈوگرہ (چست پاجامہ) ہے۔

فصل دوم

سکھ

عام طور پر یہ مشہور ہے۔ کہ ۱۸۱۹ء یعنی سکھوں کے حملہ کشمیر سے پیشتر کشمیر میں کوئی سکھ نہ تھا لیکن تاریخ اور واقعات اس کی تردید کرتے ہیں جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

احمد شاہ ابدالی کے زمانہ میں ۱۷۵۴ء و ۱۷۶۲ء کے مابین راجہ سکھ جیون کشمیر کا گورنر تھا پہلے تو وہ افغان بادشاہوں کی متابعت کرتا رہا لیکن جب ۱۷۵۶ء میں پنڈت مہانند جو اس کا مدار المہام بنا تو گورنر نے خود سری بلکہ خود مختاری اختیار کرنے کے لئے پنجاب کے علاقہ پوٹھوہار اور کوہستان ملحقہ سے پنجابی برہمنوں کو کشمیر میں بلوا کر فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا۔ ان برہمنوں میں کئی سکھ اور کئی غیر سکھ تھے مسلمان ان ایام میں سخت اذیت و مصیبت کی زندگی بسر کرتے تھے ایک بلخی شہزادہ راجہ سکھ جیون کے زیر سایہ سرینگر میں اپنی جماعت کے ہمراہ زندگی بسر کر رہا تھا اس کو بھی راجہ سے شکایات ہونے لگیں۔ چنانچہ ایک دفعہ شاہزادہ اپنے چند ہمراہیوں سمیت راجہ کے پاس خلوت میں تھا کہ اس نے چھری کے وار سے راجہ کو زخمی کر دیا۔ اسی اثنا میں اتفاق سے راجہ کے چند سکھ سپاہی آ گئے۔ انہوں نے یہ کیفیت دیکھ کر شاہزادہ اور اس کے ہمراہیوں کو وہیں قتل کر دیا مادر زادہ گر (نواب بازار) سے پاندان تک تمام بچارکی

سن ۱۸۱۷ء میں حاجی کریم داد خان کشمیر کا گورنر تھا۔ اس کی فوج کے ایک افسر کا نام سردار دیوان سنگھ تھا۔ بہادر خان ککھڑ کے مقابلہ میں حاجی کریم داد خان نے جو فوج بھیجی تھی۔ اس کا افسر دیوان سنگھ ہی تھا۔ جو اس جنگ میں مارا گیا تھا۔

افغانی عہد میں کشمیری پنڈتوں کی طرح سکھوں کو بھی بڑا عروج رہا ہے۔ نوجوان سکھ

علاوہ ملک کے نظم ونسق میں بھی ان کا بڑا دخل تھا جب نورالدین خان بامزئی گورنر کشمیر کو ۱۷۶۲ء میں بادشاہ نے کابل میں بلوا بھیجا۔ تو اس نے انتظام حکومت کے لئے دو آدمیوں کی ایک کونسل بنائی جن میں ایک اس کا بھانجا جان محمد خان تھا۔ اور دوسرا سردار گورکھ سنگھ تھا جس کی قابلیت پر گورنر کو بڑا اعتماد تھا۔

اس کے بعد سکھوں کا نام تاریخ کشمیر میں ۱۸۱۹ء میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پنجاب پر حملہ کیا اور افغانوں کو شکست دی ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں پنجابی برہمنوں اور پنجابی سکھوں کو جو فوج یا دوسرے محکموں میں ملازم تھے نقدی کی بجائے تنخواہ جنس میں ملا کرتی تھی جب سکھوں کے زمانہ میں پنجابی برہمنوں نے جو عموماً موہیال اور دت۔ بالی قوم سے تھے۔ سکھ مذہب قبول کر لیا۔ تو جنس میں تنخواہ لینے کی رعایت سے یہ سب جنسی سکھ کہلانے لگے۔ ان کا اصل وطن راولپنڈی اور جہلم کے اضلاع میں ہے۔ ان کی آبادی کشمیر میں زیادہ تر پرگنہ ترال۔ جل۔ کردھن۔ مٹن اور بڈگام میں پائی جاتی ہے۔

جنسی سکھوں کے متعلق لارنس صاحب نے خوب تحقیقات کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ پنجاب کے یہ سکھ براہمن جن کو کشمیر میں رہتے ہوئے ایک صدی سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ اپنے بالوں کی آراستگی کے باعث کشمیر کے برہمنوں سے بہت جلد پہچان لئے جاتے ہیں۔ نیز ان کا کشمیری لہجہ بھی ایسا صاف اور عام نہیں ہے جیسا کشمیری پنڈتوں کا ہے۔

کشمیر کا سکھ جنسی ہے یا غیر جنسی وہ بالعموم زمیندار رہے لیکن لارنس صاحب لکھتے ہیں۔ وہ اور فصلیں تو اچھی پیدا کر لیتے ہیں۔ مگر عمدہ چاولوں کے پیدا کرنے میں کشمیری زمینداروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

کشمیر کا سکھ سکھوں کی حکومت کے زمانہ اور اس سے قبل افغانی عہد میں ایک معتبر قوم کا ایک فرد تھا۔ افغان حاکموں اور سکھ حکومت کے ناظموں کے زمانہ میں وہ فوج کا ایک ضروری

جزو سمجھا جاتا تھا لیکن ڈوگرہ عہد حکومت میں اس کی حیثیت ایک مزدور یا چپڑاسی سے زیادہ نہیں دیکھی گئی۔ راقم الحروف نے خود دیہاتی سکھوں کو سرخ پگڑیاں باندھے سڑکوں پر روڑی کوٹتے اور پنڈتوں اور پنجابی ہندوؤں کے ہاں برتن صاف کرتے دیکھا ہے۔ اور اب بھی جہلم ویلی روڈ پر اس کی مثالیں مل سکتی ہیں۔ مگر اب کچھ عرصہ سے تعلیم کی بدولت سکھوں نے دفتروں میں بھی جگہ حاصل کر لی ہے۔ بارہ مولا اور سری نگر میں ان کے بہت بڑے دیوان ہیں۔ سنگھ سبھائیں موجود ہیں۔ کشمیر کے دوسرے فرقوں کی طرح یہ فرقہ بھی اب بیدار ہو چکا ہے۔ ان میں زمیندار بھی ہیں نمبردار بھی ہیں۔ ان کا جسم اگرچہ پنجابی سکھوں کی طرح مضبوط نہیں رہا۔ تاہم وہ بدنما نہیں ہے۔ اور اس کے خدوخال اور اس کی رنگت سے اس کی کشمیریت جھلکتی ہوئی صاف معلوم ہو رہی ہے۔ جنسی سکھوں کے متعلق لارنس صاحب لکھتے ہیں کشمیری مسلمانوں سے یہ اکثر جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور چونکہ عموماً جاہل ہوتے ہیں۔ اس لئے کاشتکار جنسی سکھ اپنے مالک کو بہت تکلیف دیتا ہے۔ بلکہ یہ لوگ آپس میں بھی ایک دوسرے کا قافیہ تنگ کرتے رہتے ہیں۔

زمینداری سکھ ان سکھوں کو کہتے ہیں۔ جو مہاراجہ رنجیت سنگھ اور ان کے جانشینوں کے عہد میں کشمیر میں آئے۔ ان کی آبادی زیادہ تر مٹن (جنوبی کشمیر) اور چوگل (شمالی کشمیر) کے علاقوں میں ہے۔ جنسی سکھوں اور زمینداری سکھوں کی سوشل رسومات میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ بلکہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ میں رشتہ ناطہ بھی نہیں کرتا۔ بعض زمینداری سکھ اپنے لڑکے لڑکیوں کی شادیاں اب تک پنجاب میں ہی کرتے ہیں۔

زمینداری سکھوں نے پنجابی لباس اور پنجابی زبان کو برابر قائم اور زندہ رکھا ہے۔ اور ہر چند کہ ان کی کاروباری زبان کشمیری ہے لیکن گھروں میں وہ پنجابی زبان ہی استعمال کرتے ہیں۔ ان کا لباس بھی پنجابی ہی ہے۔ البتہ جنسی سکھوں کی عورتوں نے پنجابی کرتے کی بجائے پھرن (کشمیری لمبا کرتہ) اختیار کر لیا ہے۔ اور سکھ عورتیں بالعموم کشمیری مسلمان عورتوں سے اپنی علیحدہ امتیازی شان کی بدولت صاف پہچان لی جاتی ہے

سکھوں کی تعداد ۱۸۹۱ء میں حسب ذیل تھی۔ صوبہ جموں میں ۵۹۵۶۔ صوبہ کشمیر میں ۵۴۷۳ ان میں سکھ ڈوم ۱۲۰ اور سکھ چمار ۱۴۱ تھے۔ کل تعداد ۱۱۴۹۵ تھی۔ لداخ۔ سکردو اور گلگت میں کوئی سکھ نہ تھا۔ ۱۹۱۱ء میں سکھوں کی تعداد فرقہ وار حسب ذیل تھی۔

نام فرقہ	کشمیر	اضلاع سرحد	نام فرقہ	کشمیر	اضلاع سرحد
اروڑہ	۱۲	۰	مذہبی سکھ	۸۸	۰
موسیال	۳۶۹	۰	راجپوت	۳۸	۲
دت بالی وغیرہ	۲۰۱۹	۰	مہاشی	۳۸	۰
جٹ	۴	۳	ترکھان	۰	۲
جھیور	۹	۰	زرگر	۶	۰
کھتری سکھ	۵۷	۴۲	متفرق سکھ	۱۱۹۸۰	۶۲

میزان ——— ——— ۱۴۷۶۲ ۲۲- ۴۸۹۴

سکھوں کی ۱۸۹۱ء اور ۱۹۱۱ء کی مردم شماری ظاہر کرتی ہے۔ کہ بیس سال کے عرصہ میں سکھوں کی تعداد میں ۳۴۹۵ نفوس کا اضافہ ہو چکا تھا۔

تازہ مردم شماری ۱۹۳۱ء نے ریاست جموں و کشمیر کے سکھوں کی تعداد حسب ذیل بتائی ہے

نام فرقہ	مرد	عورت	کل تعداد
سکھ راجپوت	۳۳۷	۲۹۸	۶۳۵
سکھ کاشتکار	۱۱۴۷	۹۲۲	۲۰۶۹
لبانہ سکھ	۲۷۱۵	۲۵۱۷	۵۲۳۲
کمہار سکھ	۱۶	۲۶	۴۲
مذہبی سکھ	۱	×	۱
میگھ سکھ	۶۹	۷۳	۱۴۲

لوہار سکھ	١١٠	١١١	٢٢١
مہاجن سکھ	٦٣	٤١	١٠٤
برہمن سکھ	٥٩٥٦	٥٧٦٧	١١٧٢٣
بسنتھ سکھ	١٦٢	١٥٩	٣٢١
بٹوال	٢	١	٣
کل تعداد	١١٥٧٨	٩٩١٥	٢١٤٥٣[1]

١٩١١ئہ کی مردم شماری ۴۹۸۴۱ کے بعد ١٩٣١ئہ میں یعنی بیس سال کی مدت نے سکھوں میں ٥٥٩٤ نفوس کا اضافہ کر کے ان کی تعداد ٢٠½ ہزار کے قریب کردی ہے

فصل سوم

بوہرہ

کشمیر اور وزارت مظفر آباد کے اکثر قصبات اور خاص پونچھ میں ہندوؤں کی ایک قوم آباد ہے۔ جو بوہرہ کے نام سے موسوم ہے۔ سری نگر خاص میں بوہری کدل اسی قوم کے نام پر ہے۔ اس قوم کی اصلیت کے متعلق بہت سی روایات مشہور ہیں۔ یہانتک کہ خود بوہروں میں بھی اختلاف ہے۔ کشمیر کے متعلق انگریزی۔ فارسی اور اردو میں کئی درجن تواریخیں موجود ہیں۔ لیکن اس قوم کا ذکر دو کتابوں کے سوا اور کہیں نہیں ملتا۔ ایک گلدستہ کشمیر میں جو پنڈت ہرگوپال کول خستہ نے ١٨٨٣ء میں چھپوائی۔ اور دوسری رپورٹ مردم شماری ریاست جموں

[1] واقف کار سکھوں کے بیان کے مطابق انکی تعداد ریاست جموں و کشمیر و پونچھ میں ۴۰۰۰۵ سے ۱۱ [illegible] ہے۔

کشمیر بابت ۱۸۹۱ء میں جو گلدستہ کشمیر کے عنوان سے طبع ہوئی ہے۔

خود بوہروں میں اور دوسری جماعتوں میں ان کی اصلیت کے متعلق جو اختلافات ہیں ان کا مختصر سا ذکر ہم بیان کرتے ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ "بڈشاہ پادشاہ کشمیر کے زمانہ میں اس کے باپ سلطان سکندر بت شکن کے عہد کے بہت سے جلاوطن کشمیری پنڈت جب اپنے وطن میں واپس آئے۔ تو بڈشاہ کے عدل و انصاف اور حسن سلوک کا چرچا سن کر جہاں پنجاب کی اور بہت سی قومیں کشمیر میں آ کر آباد ہو گئیں۔ وہاں پنجاب کے کھتریوں کی ایک تجارت پیشہ جماعت بھیرہ اور اس کے گرد و نواح سے کشمیر میں وارد ہوئی۔ اور بھیرہ کے نام پر ہی بوہرہ مشہور ہو گئی۔"

مصنف گلدستہ کشمیر نے بھی جو ایک کشمیری پنڈت ہے۔ اسی روایت کے ایک حصہ کی تصدیق کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ "بوہرے ایک قسم کی ہندو ذات ہے۔ جو قدیمی چھتریوں میں سے یہاں باقی ہیں۔ اور اکثر دوکانداری کا کام کرتے ہیں"۔[۵] مصنف گلدستہ کشمیر اور مندرجہ صدر روایت میں جو فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ صاحب گلدستہ نے ان کو قدیم چھتری تو ظاہر کیا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا۔ کہ وہ یہیں کے رہنے والے تھے یا باہر سے آئے تھے۔

ریاست جموں و کشمیر کی سرکاری رپورٹ مردم شماری بابت ۱۸۹۱ء میں بوہروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ان کی رسومات و عادات سے پایا جاتا ہے کہ وہ کشمیر میں مسلمانوں کے عہد سے بھی پیشتر سے آباد ہیں"۔ یہ تحریر بتاتی ہے۔ کہ بوہرہ قوم نہ سکندر بت شکن کے زمانہ میں کشمیر سے باہر گئی۔ اور نہ اس کے بیٹے بڈشاہ کے عہد میں واپس آئی۔ بلکہ اس کا وجود کشمیر میں ہندوؤں ہی کے زمانہ سے پایا جاتا ہے۔

میں نے بوہرہ قوم کی اصلیت دریافت کرنے کے لئے ۱۹۲۳ء کے قیام سرینگر کے زمانہ میں بہت کوشش کی۔ لیکن جو جوابات مجھے دیئے گئے۔ ان سے میری تسلی نہ ہو سکی

۵۔ صفحہ ۱۲۔ ۲۔ صفحہ ۱۵۱

کشمیر سے واپس آکر میں نے سرینگر۔ سوپور۔ بارہ مولا اور پونچھ کی بوہرہ سدھار سبھاؤں کے سکرٹری صاحبان کو بوہرہ قوم کے متعلق کچھ واقفیت بہم پہنچانے کے لئے خطوط لکھے۔ افسوس ہے بوہرہ سدھار سبھا سرینگر کے سوا کسی نے جواب نہیں دیا۔

سرینگر اور کشمیر کے دیگر مقامات کے پنڈت صاحبان بوہرہ قوم کو پنجاب کی کھتری قوم تصوّر کرتے ہیں۔ اور بوہروں کی اکثریت کا یہ خیال ہے کہ ہم کشمیری پنڈت ہیں۔ ادبلاسی فرقہ ہے ہیں۔ اس کا فیصلہ جب تک پرانی تاریخیں اور قدیم روایات کوئی مدد نہ دیں بہت مشکل ہے۔ تاہم بعض اوقات قیاسات سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھی وہ قیاسات کسی صحیح نتیجہ تک بھی پہنچا دیتے ہیں۔

سکرٹری صاحب بوہرہ سدھار سبھا سرینگر نے بوہرہ قوم کی جو ذاتیں اور گوتیں لکھی ہیں وہ گوتیں حسب ذیل ہیں:۔ بھاردواج۔ وشسٹ۔ کپل۔ کشپ۔ دیو۔ شانڈلی وغیرہ وغیرہ۔ ذاتیں حسب ذیل بتائی گئی ہیں۔ کاچرو۔ ہاکسر۔ مشو۔ سکلہ۔ ٹاکٹ۔ مام۔ باچھ۔ ڈرانی۔ کاؤ۔ لکرو۔ راکھ۔ گرتسو۔ گنجو۔ رعینی۔ لنگر۔ بزاز۔ بقایا۔

ان کے علاوہ بوہرہ قوم کی مندرجہ ذیل ذاتیں بھی ہیں۔ منیدرو۔ نذروہ۔ ناقو۔ منٹو۔ جیوری جو۔ متھو۔ خاہ۔ بھنڈاری۔ سوری۔ ٹنڈن۔ کپور۔ پوری۔

مندرجہ صدر ذاتیں اور گوتیں وہی ہیں۔ جو کشمیری پنڈتوں میں بھی موجود ہیں لیکن آخری پانچ ذاتوں میں بھنڈاری ایک ایسی ذات ہے۔ جو برہمنوں میں بھی ہے۔ اور کھتریوں میں بھی۔ اور آخرالذکر چار ذاتیں سوری ٹنڈن پوری اور کپور تو خالص کھتری ذاتیں ہیں۔ برہمنوں میں اس نام کی کوئی ذات نہیں ہے۔

پنڈت انہی ذاتوں اور ان کے بعض رسم ورواج کی وجہ ہی سے ان کو کھتری یا چھتری تصور کرتے ہیں۔ اور بوہرے اپنی ان ذاتوں کی وجہ سے جو پنڈتوں کی ذاتوں اور گوتوں سے ملتی ہیں۔ اپنے آپ کو پنڈت بتاتے ہیں۔ اس الجھن کو دور کرنے کے لئے ہمیں یہاں

تین تحریروں سے مدد لینی پڑے گی۔

اول البیرونی کی کتاب الہند سے جس میں لکھا ہے۔ کہ "ہمارے حملہ پنجاب کے وقت بہت سے ہندو دور دراز کے مقامات پر چلے جایا کرتے تھے۔ اور ان مقامات میں کشمیر کا نام اس نے خاص طور پر لکھا ہے"۔ دوسری تحریر راج ترنگنی کے انگریزی مترجم سٹین صاحب کی ہے جنہوں نے کشمیر کے جغرافیہ قدیم کا ذکر کرتے ہوئے (صفحہ ۱۳۰ پر) لکھا ہے۔ "ہندوؤں کے زمانہ میں بھی ملک کشمیر اکثر غیر ملکی حکومتوں کے ماتحت رہ چکا ہے۔ غیر ملکی نسلوں کی حکومتوں کے ایام میں ان کی قوموں کے لوگ یقیناً ترک وطن کر کے کشمیر میں آباد ہو گئے ہوں گے۔ جن کا اب جداگانہ ہستی میں سراغ ملنا مشکل ہے"۔ سٹین صاحب اس نظریہ کی مثال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اس کی زندہ مثال ان مغلوں پٹھانوں، سیدوں، پنجابیوں اور افغانوں کی ہے۔ جنہوں نے باہر سے آکر اس ملک کی اقامت اختیار کر لی تھی لیکن اب وہ سب رشتہ داریوں اور دیگر ذرائع سے ایک ہی ہوتے جا رہے ہیں"۔

مندرجہ صدر دو تحریروں سے ثابت ہوتا ہے۔ اور راج ترنگنی اور کشمیر کی دیگر تاریخیں بھی اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ کشمیر غیر ملکی حکومتوں کے ماتحت بھی رہا ہے۔ اور غیر ملکی قومیں یہاں وقتاً فوقتاً آباد بھی ہوتی رہی ہیں۔

ان سطور کے ساتھ جب ہم سکرٹری بوہرہ سدھار سبھا سرینگر کے فرستادہ "قوم بوہرہ کے تاریخی حالات" کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندو عہد قدیم میں کشمیری پنڈتوں کی ایک جماعت تجارت کی غرض سے کشمیر سے باہر جایا کرتی تھی۔ اور ضرورتاً انہیں باہر کے ہندوؤں کے ساتھ کھان پان رکھنا پڑتا تھا۔ نیز باہر کے غیر کشمیری ہندو بھی خصوصاً جن سے ان پنڈتوں کے تجارتی تعلقات تھے کشمیر آیا کرتے تھے۔ اور اپنے واقف کار اور ہم پیشہ پنڈتوں ہی کے ہاں قیام کیا کرتے تھے۔ کشمیر کے پنڈت "کھان پان" کے ان تعلقات کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس وقت کے راجہ مہاراج

بھوج کے پاس ان کے خلاف شکایت کی۔ مہاراجہ نے ان کو بلایا اور جو روش انہوں نے اختیار کر رکھی تھی۔ اس سے ان کو منع کیا۔ انہوں نے جواب میں کہا۔ کہ ہم کو تجارت کی غرض سے کشمیر سے باہر جانا پڑتا ہے۔ اور وہاں کے ہندوؤں کے ہاں کھانے پینے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ راجہ بھوج نے کچھ دنوں کے غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا۔ کہ ان پنڈتوں کے لئے جو بعض تجارت کی وجہ سے بیرون کشمیر کے ہندوؤں کے ساتھ کھان پان کا سلسلہ رکھتے ہیں علیحدہ جگہ کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ بیرونی ممالک سے تعلق رکھنے والے پنڈتوں کے لئے علیحدہ جگہ مقرر کی گئی۔ اور ان کے لئے لفظ بھکشر وضع کیا گیا جس کے معنے سنسکرت میں کھانے والے کے بیان کئے جاتے ہیں۔ اور جس طرح مرور ایام سے بعض اشخاص اور بعض مقامات اور بعض اقوام کے ناموں میں تغیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بھکشر سے بُشر اور بُشر سے بوہر ہو گیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی نئی بستی کا نام بھکشرواری تھا جس کو اب بچھوارہ کہتے ہیں جو درگجن میں واقعہ ہے۔

بھکشروں میں صرف پنڈت ہی تھے یا کوئی اور قوم بھی تھی۔ خیال یہ ہے کہ اس جماعت میں پنڈتوں کے علاوہ سری نگر کی کوئی اور تاجر قوم بھی تھی۔ یہ ثابت ہے کہ کشمیر میں صرف پنڈت ہی آباد نہیں تھے بلکہ دوسری ہندو اقوام بھی تھیں۔ ممکن ہے جو لوگ بیرون کشمیر کے ساتھ تجارت کیا کرتے تھے۔ ان میں پنڈتوں کے علاوہ کشمیر کی کوئی اور ہندو قوم بھی شامل

۱ے کشمیر میں بھوج کے نام سے کوئی مستقل راجہ نہیں گذرا۔ البتہ بھوج نام ایک شہزادہ تھا۔ جو راجہ ہرش (وفات ۱۱۰۱ء) کا بیٹا تھا۔ اور راجہ کلش کے بعد کبھی کبھی لڑ بھڑ کر راجہ بھی بن جایا کرتا تھا۔ البتہ اس کے دو بھائیوں راجہ اتکرش و راجہ ہرش نے کچھ عرصہ تک مسلسل راج کیا ہے۔ یوراج بھوج آخر میں قتل کر دیا گیا تھا۔ ممکن ہے اسی بھوج کے پاس پنڈتوں نے تاجر پنڈتوں کے خلاف باہر کے ہندوؤں سے کھان پان کرنے کی شکایت پیش کی ہو۔

ہو۔ یا ممکن ہے۔ بیرون کشمیر سے جو ہندو تجارتی تعلقات کے باعث اپنے ہم پیشہ پنڈتوں کے پاس آمد و رفت رکھتے ہوں۔ ان میں سے بعض نے کشمیر ہی کو وطن بنا لیا ہو اور وہ بھی ان کے ساتھ بھکشروں میں شامل ہو کر رفتہ رفتہ بعد میں بوہرہ کے نام سے منسوب ہو گئے ہوں۔ اس کا ثبوت بوہروں کی ان ذاتوں سے ملتا ہے۔ جو پنڈتوں میں بھی پائی جاتی ہیں اور کھشتریوں میں بھی اور جن کا قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

بڈشاہ کے عہد سے قبل اسلامی حکومت کے ابتدا میں ہندوؤں پر ایک ایسا دور بھی آیا ہے جسے وہ "دورِ ظلم و تشدد" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سکرٹری بوہرہ سدھار سبھا سرینگر کی تحریر کے مطابق اسی زمانے میں بہت سے کشمیری ہندو کشمیر سے باہر چلے گئے۔ بہت سے مسلمان ہو گئے۔ نو مسلموں میں کچھ ایسے ہندو بھی تھے، جو محض جان بچانے کے لئے مسلمان ہو گئے تھے انہی نقلی مسلمانوں نے کشمیری پنڈتوں اور بھکشروں کے ان گیارہ گھروں کو پناہ دی جن کے متعلق یہ ضرب المثل زبان زد عوام ہے کہ "کشیر کاہ گرہ" یعنی کشمیر میں پنڈتوں کے صرف گیارہ گھر رہ گئے۔ چونکہ بقول سکرٹری بوہرہ سدھار سبھا سرینگر ان گیارہ گھروں میں بھکشر بھی شامل تھے۔ غالباً اسی بنا پر بوہرہ قوم اپنے آپ کو ملماسی پنڈت تصور کرتی ہے۔ گو پنڈتوں کو اس سے اختلاف ہے۔

بڈشاہ نے اپنے عہد میں ان کشمیری نو مسلموں کے لئے جو اپنے آپ کو جبریہ مسلمان سمجھتے تھے۔ اپنے مذہب میں واپس آنے کا اعلان عام کر دیا تھا۔ اور ہر چند کہ کئی ہندوؤں نے جن میں بھکشر یا بوہرے بھی تھے۔ پھر ہندو مذہب اختیار کر لیا۔ لیکن پنڈتوں نے بوہروں کو پھر بھی اپنے ساتھ نہ ملایا۔ اور ان سے ویسی ہی بیگانگی روا رکھی جیسی کہ وہ عرصہ دراز سے رکھ رہے تھے۔ چنانچہ اب بوہرہ ایک علیحدہ قوم شمار ہو رہی ہے۔[1]

"بوہرہ قوم کے تاریخی حالات" کے رو سے ان کا وطن قدیم کھوارہ ہے لیکن اب وہاں زیادہ تر مسلمان آباد ہیں جیسا کہ بٹ پورہ میں جو حضرت بل کے پاس ہے۔ زمانہ

[1] بوہرہ قوم کی عورتیں پنڈتانیوں کی طرح کمر بند میں باندھتیں۔ بلکہ نتھ ناک میں پہنتی ہیں۔

قدیم میں پنڈت آباد تھے۔ مگر اب وہاں بھی مسلمانوں ہی کی آبادی ہے۔ بوہرے آجکل سرینگر کی گنجان آبادی میں رہتے ہیں۔ انہی کے محلہ میں ایک پل بوہری کدل کے نام سے مشہور ہے جو بہت پرانا ہے۔ ان کی معاشری۔ تمدنی اور مذہبی زندگی ایسی ہی ہے جیسی پنڈتوں کی

کشمیر میں ان کی آبادی سرینگر کے علاوہ اننت ناگ۔ ڈورو۔ چھتہ بل۔ ہاگام۔ سوپور۔ لنگیٹ۔ ہندواڑہ۔ وچار ناگ۔ بارہ مولا۔ ٹیان۔ ڈوڈہ۔ مظفر آباد اور پونچھ میں ہے اس قوم کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب ہے۔ ان کے کچھ افراد زمانہ قدیم ہی سے نیپال۔ لداخ وغیرہ ممالک میں بوجہ تجارت آباد ہیں چنانچہ رپورٹ مردم شماری ریاست جموں و کشمیر بابت ۱۸۹۱ء کے باب ششم میں صفحہ ۱۳۲ پر اس قوم کا ذکر لداخ کی تجارت پیشہ قوموں میں بھی ہے۔ اسی رپورٹ کے صفحہ ۱۴۲ پر لکھا ہے کہ بوہرہ قوم کے افراد نیپال میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور جو قوم تجارت پیشہ ہو۔ اس قدر دور دراز مقامات تک پہنچنا اس کے لئے کوئی مشکل امر نہیں سہ

اولالعزمان دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں ؛ سمندر چیرتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

پنڈتوں سے ان کے رشتے ناطے نہیں ہوتے۔ بلکہ شادی بیاہ کے معاملات یہ آپس میں ہی طے کرتے ہیں

اس قوم نے ابتدا ہی سے ملکی کاموں میں کبھی حصہ نہیں لیا۔ یہ سیاسیات اور ملکی انقلابات کی سازشوں سے ہمیشہ الگ رہی۔ تجارتی کاروبار میں یہ اس سرگرمی سے منہمک رہی ہے۔ اور اب تک ہے۔ کہ سرکار دربار اور پبلک کاموں سے اس نے کبھی کوئی تعلق ہی نہیں رکھا یہی وجہ

لے کشمیری پنڈت سوشل و پولٹیکل کانفرنس سرینگر ہر چند یہ قرار داد پاس کر چکی ہے کہ بوہروں اور لچہ بٹ پنڈتوں اور پوربیوں اور ضلع کانگڑہ کے کشمیری پنڈتوں کو بھی ساتھ ملا لینا چاہئے لیکن کشمیر میں ابھی ایسے پنڈت موجود ہیں۔ جو اس قرارداد کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ چنانچہ تناخ سبھا بڈگام کشمیر انے شوپیاں کے ان کشمیری پنڈتوں کے خلاف جنہوں نے کانفرنس کے اس ریزولیوشن کی خلاف ورزی کی ہے۔ پر زور مذمت کا ایک ریزولیوشن پاس کیا ہے دا از روزانہ مارتنڈ سرینگر کشمیر مورخہ ۲۷ ماگھ سمت ۱۹۹۰ ب)

ہے کہ یہ قوم صدیوں کی رہائش کے باوجود اب تک کشمیر یا پونچھ میں اپنی سیاسی اہمیت تسلیم نہیں کرا سکی۔ لیکن اب اس قوم کے بعض افراد بھی اپنی غفلت و کس مپرسی کا احساس کر کے زمانہ کا ساتھ دینے کی تیاریوں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ چنانچہ پونچھ، سری نگر، سوپور، بارہ مولا وغیرہ مقامات میں ان کی سبھائیں قائم ہو چکی ہیں۔ جو اپنی تمدنی معاشری اور تعلیمی ترقی کے وسایل کے ساتھ اپنے ملکی حقوق حاصل کرنے کی تدابیر پر بھی غور کرتی رہتی ہیں۔

سری نگر میں اس قوم نے جنار دھن عطار، لچھمن عطار، راگھو عطار، زمانہ قدیم میں نامی حکیم اور عطار اور متمول فرزند پیدا کئے ہیں۔ آج سے قریباً بیس بائیس سال پیشتر شنکر حکیم و عطار اس قوم میں ایک نامور رئیس گزرا ہے۔

مظفر آباد کے ضلع میں اس قوم نے تعلیم کی طرف توجہ کر کے چند ایک ایسے نوجوان پیدا کئے ہیں جن پر یہ قوم بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ لالہ بودھراج ٹنڈن بی اے، ایل ایل بی لالہ لچھمن داس سوری ایم اے جنہوں نے انگلستان میں ماسٹر آف ایجوکیشن کی اعلےٰ ڈگری حاصل کی ہے۔ اور جو اس وقت نارمل سکول سرینگر کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ اسی قوم کے نونہال ہیں۔ ہٹیاں اور دوپٹہ میں بھی بوہرہ قوم تعلیم کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ مظفر آبادی بلکہ پونچھی بوہروں کا تمدن ان کا لباس ان کی زبان کشمیری بوہروں سے اب بالکل ہی مختلف ہے۔ پونچھ اور مظفر آباد کے بوہرے کشمیری زبان کی بجائے پہاڑی اور پنجابی زبان بولتے ہیں۔

پونچھ کے بوہروں میں زیادہ تر عطاری پیشہ اور تاجر ہی ہیں۔ ملازموں کی تعداد قلیل ہے جن میں لالہ لال چند ہیڈ کلرک پبلک ورکس۔ بابو شام لال ہیڈ کلرک وزارت۔ ماسٹر دینا ناتھ سند یافتہ ٹیچر ہائی سکول خاص کر قابل ذکر ہیں۔

چودھری فقیر چند عطار ایک اچھے تجربہ کار حکیم ہیں۔ چودھری کیلاش ایم

بازار کے چودھری ہیں۔

لالہ دیانند کپور جو پونچھ کے مشہور تاجر اور اردو کے ادیب فاضل ہیں۔ اپنے علمی مذاق کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ پونچھ کے دیہات میں کوئی بوہرہ آباد نہیں ہے۔

للہ دیانند کپور نے مئی ۱۹۲۳ء سے پونچھ سے ایک اخبار بنام پربھات اور ایک پریس بھی جاری کیا ہے

باب سوم

مسلمان اقوام

کشمیر میں مسلمانوں کی آمد اور کشمیر کا سب سے پہلا نومسلم

ہندوستان میں مسلمان ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ ایران اور افریقہ بلکہ یورپ تک میں بھی اپنی عالمگیر فتوحات کا سکہ بٹھاتے گئے۔ چین میں اسلام عربی تاجروں اور سیاحوں کے ذریعہ اس خاموشی کے ساتھ پھیلا کہ آج وہاں مسلمانوں کی تعداد چار پانچ کروڑ تک بیان کی جاتی ہے۔

لیکن کشمیر میں جو مسلمان سب سے پہلے داخل ہوا اس کی شان اور اس کی آمد بالکل نرالی تھی۔ وہ نہ تاجر تھا نہ سیاح۔ نہ سپاہی نہ سپاہی زادہ۔ بلکہ وہ ایک صوفی منش بزرگ تھا اس بزرگ کا نام سید عبدالرحمٰن عرف بلبل شاہ یا شاہ بلاول تھا جس نے کشمیر میں قدم رکھتے ہی سب سے پہلے کسی معمولی ایرے غیرے کو نہیں، بلکہ بادشاہ وقت یعنی رنچن شاہ والئے کشمیر کو اسلام کے حلقہ بگوشوں میں داخل کر لیا۔ چنانچہ

ل؎ سرینگر میں آپ کے نام پر محلہ بلبل لنگر اور مسجد بلبل شاہ اب تک موجود ہیں۔ مسجد سکھوں نے ضبط کر رکھی تھی۔ ڈوگرہ حکمرانوں نے بھی ضبط کی ہوئی تھی۔ مگر ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے بعد کشمیر میں جو مسلم ایجی ٹیشن شروع ہوا اس کی بدولت ۱۹۳۱ء کے اواخر میں بعض دیگر مساجد کے ساتھ اس مسجد کو بھی موجودہ حکومت نے واگذار کر دیا۔

نظم ذیل سے اس واقعہ کی کچھ کیفیت معلوم ہوگی۔

بات میں دم لے ٹھہر اے موجۂ آب رواں
تھا لب ساحل وہ جب محو عبادت یاد ہے
اے ہری پربت کی چوٹی اے ڈل اے ڈل کی موج
کی جو غاروں مرغزاروں میں ریاضت یاد ہے
اے وتستہ اے ندی لورت کی اے آب حیات
وہ قیام شاہ بلبل خضر صورت یاد ہے
بلبل اسلام جب آیا ترے گلزار میں
اے گل کشمیر کیا وہ دن وہ ساعت یاد ہے
دیکھنا شاہی محل سے راجۂ ذی جاہ کا
گھر بلا کر پھر تجھے دینا وہ دعوت یاد ہے
مسلم بیکس سے ملنا وہ شہ کشمیر کا
کفر کی اسلام سے صاحب سلامت یاد ہے
صفحۂ دل سے مٹا دینا وہ نقش کفر و شرک
سیکھنا اسلام کی طرز عبادت یاد ہے
اک بدیسی سے کیا تھا جس محبت کا سلوک
اے رینچن شاہ وہ اب تک محبت یاد ہے
کلمۂ توحید پڑھ لینا وہ دل کے شوق سے
اور دست شاہ بلبل پر وہ بیعت یاد ہے
جنت الدنیا میں اول تو ہی نو مسلم ہوا
رفتہ رفتہ ہو گئی تیری رعیت یاد ہے

آگیا اسلام کے قبضہ میں آخر تخت بھی
اکثریت پر ہے وحدت کی حکومت یاد ہے

سید عبدالرحمن صاحب کے بعد حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی عرف شاہ ہمدان اُن کے صاحبزادے میر محمد ہمدانی اور بہت سے سادات عالی درجات کشمیر میں آئے۔ شیخ نورالدین ولی اور ان کے خلفائے عظام۔ حضرت مخدوم شیخ حمزہ اور ان کے برگزیدہ نام لیوا اور شیخ بہاؤالدین گنج بخش اور کئی اور بزرگ خاکِ کشمیر نے پیدا کئے۔ جن کی با برکت صحبتوں جن کے علم و عمل جن کے اخلاق فاضلہ جن کے اتقاؤ زہد اور جن کے موعظہ حسنہ نے اس ملک میں جہاں کسی ایک مسلمان کی شکل بھی نظر نہ آتی تھی۔ لاکھوں کی تعداد پیدا کردی بلکہ پانچسو سال تک مسلمان وہاں حکمران بھی رہے۔

کشمیر میں مردم شماری کے رُو سے بیس سال میں قریبًا پونے تین لاکھ کا اضافہ

اسلام کو کشمیر میں داخل ہوئے (آج ۱۹۵۲ء میں) سوا چھ سو سال ہو چکے ہیں۔ اس عرصہ میں قریبًا پانچسو سال تک کشمیر میں اسلام ایک حکمران کی حیثیت سے رہا ہے۔

رپورٹ مردم شماری جموں و کشمیر ۱۹۱۱ء کے مطابق تمام ریاست کی آبادی جو ۸۴ ہزار مربع میل رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ ۳۱۵۸۱۲۶ نفوس کی تھی۔ جن میں مسلمان ۲۳۹۸۳۱۹ تھے۔ ان میں جو مسلمان کشمیر کی وادی میں آباد ہیں۔ انکی تعداد ۱۲۱۷۷۹۷۔ اور سرحدی اضلاع لداخ و گلگت میں ۲۲۷۲۵۹ تھی۔

سلطان سکندر بت شکن کے زمانہ میں ان کے نومسلم مدار المہام کی وجہ سے بعض بے اعتدالیاں بھی جن کی اسلام نے "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" کہکر اجازت نہیں دی۔ ہوئیں۔ لیکن ان کی کسر سلطان بت شکن کے بیٹے زین العابدین بڈشاہ نے جو ہندوؤں پر حد سے زیادہ مہربان تھا۔ اپنی شاہانہ عنایات سے پوری کردی۔

۱۹۲۱ء میں یعنی دس سال کے بعد تمام ریاست اور صوبہ کشمیر اور سرحدی اضلاع میں مردم شماری کے محکمہ نے جو تعداد بتائی وہ حسب ذیل تھی۔ ریاست کے دونوں صوبوں کی کل آبادی ۳۲۲۰۵۱۸ صوبہ کشمیر کی آبادی ۱۴۰۷۰۶۸۔ سرحدی اضلاع ۲۷۳۱۷۳۔

۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں یعنی مزید دس سال کے بعد اس آبادی میں جو زیادتی یا کمی ہوئی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

کل آبادی دونوں صوبوں کی ۳۶۴۵۲۳۹ جن میں مرد ۱۹۳۸۰۱۰۔ اور عورتیں ۱۷۰۷۳۲۹ ہیں صوبہ کشمیر کی آبادی ۱۵۶۹۳۹۴ اور سرحدی اضلاع کی آبادی ۳۰۷۵۵۲ نفوس کی ہے۔

گویا سرحدی اضلاع کے علاوہ جن میں صرف بدھ مذہب کے لوگ ہی جن کی تعداد ۴۰ ہزار کے قریب ہے۔ غیر مسلم ہیں۔ صوبہ کشمیر کے مسلمانوں کی تعداد ۱۹۱۱ء میں ۱۲۱۷۷۶۷ تھی۔ ۱۹۲۱ء میں کشمیر کی آبادی ۱۴۰۷۰۶۸ بتائی گئی ہے۔ ان میں ۷۵ ہزار کے قریب پنڈت۔ سکھ اور متفرق ہندو تھے۔ ان کو وضع کرنے کے بعد خاص مسلمانوں کی آبادی ۱۹۲۱ء میں ۱۳۳۲۰۶۸ رہجاتی ہے۔ ۱۹۳۱ء میں کشمیر کی آبادی ۱۵۶۹۳۹۴ میں سے مسلمانوں کی تعداد ۱۴۸۴۳۹۴ ہے۔

بہ الفاظ دیگر بیس سال کے عرصہ میں جبکہ کشمیر ایک غیر اسلامی حکومت کے ماتحت ہے اور جہاں کسی کو اسلام قبول کر لینے کے بعد اپنی جائیداد سے بھی محروم ہونا پڑتا ہے۔ بغیر کسی تشدد و جبر بلکہ بہت سی مجبوریوں اور رکاوٹوں کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں ۲۶۶۶۲۷ نفوس کا اضافہ ہو گیا ہے۔

کشمیر کے ہندو جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ خواہ ان کی کوئی ذات اور گوت تھی۔ یعنی وہ چھتری تھے یا برہمن۔ ویش تھے یا کچھ اور۔ سب شیخ کہلائے۔

چنانچہ ہم اگلی فصلوں میں سلسلہ وار کشمیر کی تمام اقوام کی ذاتوں اور گوتوں اور

ان کی وجوہات اور ان کے کاروبار اور پیشہ وغیرہ کا بیان کرتے ہیں۔ سب سے پہلے ان اقوام کا ذکر کریں گے۔ جو بیرونجات سے کشمیر میں آئی ہیں۔ یعنی سادات مغل اور پٹھان ان کے بعد کشمیر کے شیوخ کی شاخوں اور گوتوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔

فصل اول

مسلمانوں کی مفقود الکیفیت ذاتیں

کشمیر کے مسلمانوں کی کچھ ذاتیں جن کی تعداد ۲۴۲ ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ ذاتوں میں درج ہیں۔ ان کے علاوہ جن ذاتوں کی فہرست نیچے درج کی جاتی ہے۔ ایسی ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ وہ ہندوؤں میں نہیں ہیں۔ ریاست کی ۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں مسلمانوں کی ذاتوں کی جو فہرست چھپی تھی۔ اس میں ڈیڑھ ہزار ذات سے بھی زیادہ تھی۔ اور کم سے کم اس فہرست میں ایک ہزار ذات ایسی تھی جس کا تعلق وادیٔ کشمیر ہی سے تھا۔ اس قدر بحر ذخار میں غوطہ لگانا جان جوکھوں کا کام اور اتنی چھان بین کے لئے عمر نوح درکار ہے۔ تاہم ایک نامکمل سی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ اس میں وہ ذاتیں ہیں۔ جن کی وجہ تسمیہ اور کیفیت معلوم نہیں ہو سکی۔ پھر بھی اس طویل فہرست میں بعض ذاتیں ایسی ہیں جو اپنے ناموں ہی سے بقول مشہور مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید اپنے خصائل و عادات اور اپنی وجہ تسمیہ کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہیں۔ مثلاً مکار۔ زنگی۔ حبشی۔ جدہ بردار۔ گستا با۔ کچہ۔ تماکو۔ پیزار۔ بدرد۔ خوشرد۔ کچا چھا وانڈر وغیرہ۔

یہ فہرست رائے بہادر پنڈت شیو نرائن صاحب رینہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ پنجاب نے کسی انگریزی کتاب سے نقل کرکے ارسال کی ہے۔ اس میں سے بعض ذاتیں

جن کی تعداد صرف ۱۴۱ ہے۔ اور جن کی وجہ تسمیہ ان کی ذاتوں کے آگے اقوام شیخ میں درج ہے۔ خارج کردی گئی ہیں۔

شالی	تور	ہنرو	ماپالہ	مہر	پکش وال
جدال	وار	لچھ	بدہ	گرنائی	کس کر
زوار	سنگلی	بتاس	شونٹھ	مارفن	املا
گل	مہتر	ہبے	بسو	ہیبر	کشو
بیپ	ڈیوٹو	بٹھ	چین	لیبر	آنچ
واندر	برزہ	مشیر	نول	گابر	کمیار
پچلو	غزنی	اٹہل	بکرو	ہیپ	بٹ کن
بنگی	رک	ببرکو	دو	ہیبی	کٹھان
چرخ	منڈ	مزنانن	زز	قیاس	بازان
چرس	شگر	ہار	بدر	حجاج	خلق
پکھہ	جوار	شہل	کوال	جاگیر	نافل
زنگی	کلوال	جبہ	مکار	چکرد	شکرہ
شورا	نیچہ بند	داج	دانن	لیلو	سن
کانچلو	وٹ	ہاج	کوچھے	فترد	اولاد
کہابجی	گرٹا	عارف	کنسر	کش کاٹھ	گوہل
کمر	بدرو	سراج	داز	شرف	ہترے
کریا	گلال	کرب	کہس	خربہ	رہبہ
مغازن	خوشرو	آمے	پینگ	عرمم یا اعظم	جوکا
یالد	یخ توند	سلاج	ٹنگا	سسر	گرکل

کوکل	کنیر	نگر	پرہ	ڈگے	مصری
بتس	عابد	ایلیا	اثار	مونڈہ	نانتھ یا نانٹ
غنی	مہر	ہائی	ہانز	وگے	کلال وودی
ہاوس	قربان	ہوا	کانز	بکروال	تنبولی
بازر	سفتن	تنبولی	ددسیہ	خوبہ	زنگیری
ملدہ	ببیر	ننگ	جگرد	تمل	کاشغری
عالی کدل	لن	پگا	شامی	پلو	خندہ برنی
باقر	سلات	الوان	داگرد	بکھلی	پالا
دوسن	آری	درویش	قادر	نگو	کادر
داج	کلاسق	مساف	کمال	ترہنو	کوتاش
ہری	لالی		جوربردار	بہائی	چوکا
مشک	رامان	غازی	حمال	چھچھوبلی	کرنائی
سک	دلوباہو	کلچہ	منڈہ	لنگر	کنڈاجی
ڈگر	گنتا با	تمن	ملک خاش	بایو	کوٹ یاکوٹ
ٹنڈا	روحم	تماکو	نور	حقانی	بتکو
شمشیر	حسن	شبیر	لمبا	گندسو	پنیرار
چھان	ددو	ہنسپہ	چاکند	طلائی	پلوا
ششیشہ	ببید	بادن	ٹھول	کانگرہ	رنگا
سوٹا	مرچ	رو	رباب گر	رادہو	تیرا
اٹان	یادی	حبشی	کاگ	گنگال	لیوا
یرن	شامر	گرہ	گنبے	نیشلو	منگری

پرا	بامبری	دیوا	صمدانی	رس	خان قاشی
کنوا	سُدھ	ہیرا	گنت	امیر	ددگیا
دونو	رکا	تیتو	مگو	گھکرد	فیرا
چاپری	دارل	آتو	نلتو	کراز	ششکر
زری گودو	جیبہ اُو	بوہرہ	نواب	کاشر	درھا
پیٹلو	ہزار	شاہ تیر	سونکا	لٹھ	ناگو ڈبایری

فصل دوم

سادات

کشمیر میں اسلام کی بنا سادات ہی نے ڈالی ہے۔ رسب سے پہلے حضرت بابا بلبل شاہ کہ بعض تاریخوں میں شاہ بلبل اور شاہ بلاول بھی ان کو لکھا گیا ہے۔ کشمیر میں اشاعت اسلام کی غرض سے آئے۔ تاریخ خواجہ اعظمی میں (صفحہ ۳۱ پر) ان کے متعلق لکھا ہے۔

"میگویند سید شرف الدین نام عالی الشان است اکمل عرفائے وقت بودند در تجرید وتفرید وتوکل نادرۂ روزگار مشہور است" رینچن شاہ یا رنچن شاہ کو جو کشمیر کا راجہ تھا۔ آپ ہی نے مسلمان کیا اور سلطان صدرالدین نام رکھا۔ یہی شخص کشمیر کا سب سے پہلا نومسلم تھا۔ تاریخ خواجہ اعظمی میں لکھا ہے۔

"درونہ دیگر راون چند ودیگر سرداران سلطنت وعامۂ خلائق فوج فوج بر دست

حق پرست آن قدوہ کرام بہ شرف اسلام تشریف کرامت یافتند"

یہ واقعہ ۷۲۵ھ کا ہے۔ ۷۲۷ھ میں آپ سری نگر ہی میں وفات پا گئے۔ کشمیر میں سب سے پہلی مسجد آپ ہی نے تعمیر کرائی۔ جو عرصہ تک ضبط سرکار رہنے کے بعد ۱۹۳۱ء میں واگذار ہوئی ہے۔ محلہ بلبل لنگر میں آپ کا مزار ہے۔

آپ کے بعد دوسرے بزرگ سید جو کشمیر میں وارد ہوئے۔ وہ سید حسین سمنانی تھے جن کا مزار کولگام میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے متعلق تاریخ خواجہ اعظمی میں لکھا ہے کہ " سید حسین سمنانی با بزرگواران دیگر از سادات کرام کہ قرابت تام بہ آنجناب داشتند بہ امر حضرت علی ثانی بہ جہت تحقیق راہ واحوال سیرت وملت بادشاہ بہ کشمیر تشریف آوردند"

یہ زمانہ سلطان شہاب الدین والئے کشمیر کا تھا۔

گو تاریخ خواجہ اعظمی کی عبارت صدر سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کے ساتھ آپ کے قرابت دار سادات کی ایک معقول جماعت تھی لیکن سب سے بڑی تعداد سادات کرام کی حضرت امیر کبیر سید علی ثانی عرف حضرت شاہ ہمدان کے ساتھ بعہد سلطان قطب الدین ۷۸۱ھ میں وارد کشمیر ہوئی۔ چنانچہ خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ میں لکھتا ہے: "بتحقیق پیوست کہ از رفقاء سادات وخدمہ قریب ہفت صد کس ہمراہ آنجناب بودند خاص وعام این ولایت را بہ ارشاد وہدایت رہنمائی نمودند"

ہمدان وسمنان کے علاوہ کشمیر میں ممالک ذیل کے سادات بھی تشریف لائے اور آخر وہ کشمیر ہی کی خاک میں مل گئے۔

سیستان۔ خراسان۔ خوارزم۔ مدینہ۔ کرمان۔ ختلان۔ مکہ۔ کاسان (نزد ماوراءالنہر) شیرازہ سرخاب (متصل تبریز) بغداد۔ روم۔ شام۔ اندراب۔ ترکستان۔ بخارا۔ بلخ۔ قم (ایران) بیہق۔ ہرات۔ پشاور۔ بصرہ وغیرہ وغیرہ۔

سادات قادریہ گیلانیہ حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی۔ سادات نقشبندیہ

خواجہ سید عبدالرحیم نقشبندی و حضرت خواجہ علاؤالدین عطاری ۔ سادات اندرابیہ ۔ بیہر سرک اندرابی اور منطقی و بیہقی سید حسین بن تاج الدین بیہقی کی اولاد سے ہیں ۔

سادات دواری ۔ سید داؤد دواری اور سادات ہمدانیہ جو پیرزادہ بھی کہلاتے ہیں ۔ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کے برادر زادہ سید تاج الدین اور ان کے قرابتداروں کی اولاد و احفاد سے ہیں ۔ یہ سب بزرگ اور دیگر سادات جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے ۔ بیرونی ممالک سے کشمیر میں آئے ہیں ۔

سادات جو ابتدا میں صرف صوفی منش تھے اور عبادت و ریاضت اور درس و تدریس کے سوا سیاسی امور میں کوئی حصہ نہ لیتے تھے ۔ رفتہ رفتہ حکومت کے معاملات میں دخل دینے لگے ۔

موجودہ زمانہ میں اکثر پیری مریدی کا کام کرتے ہیں کئی ایک جاگیردار اور درباری ہیں سرکاری ملازمتوں میں بھی اسسٹنٹ گورنری ۔ ڈپٹی کمشنری ۔ ہائی کورٹ کی ججی اور منسٹری وغیرہ تک پہنچے ہیں ۔ جو دیہات میں ہیں ۔ وہ زراعتی زندگی بسر کرتے ہیں ۔

اب سادات کے چند طبقوں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے ۔

سادات ہمدانیہ

دیباچہ سادات میں ذکر کیا جا چکا ہے ۔ کہ ۷۸۱ھ میں بزمانہ سلطان قطب الدین حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی ایک جماعت کثیر کے ساتھ کشمیر تشریف لائے ۔ ۷۸۶ھ میں آپ واپس ہمدان جاتے ہوئے نواح ہزارہ میں کہ اس کو پکھلی بھی کہتے ہیں ۔ ۶ ذی الحجہ کو انتقال فرما گئے ۔ آپ کی تاریخ وفات آپ کے آخری کلمہ بوقت انقطاع نفس بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نکلتی ہے ۔

آپ کی وفات پر ایک عظیم فتنہ پیدا ہو گیا کشمیر کے لوگ چاہتے تھے ۔ کہ نعش

ہمارے سپرد ہو۔ جو جماعت آپ کے ہمراہ تھی۔ وہ نعش کو اپنے ساتھ ہمدان لیجانے پر مصر تھی۔ سلطان محمد والی پھکلی کی تمنا تھی۔ کہ نعش پھکلی میں دفن ہو۔ آخر شیخ قوام الدین بدخشی نے جو بقول صاحب تاریخ اعظمی "از محرمان خاص وملازمان باختصاص بود" یہ فیصلہ کیا کہ جو فریق تابوت مبارک کو اٹھائے وہ ان کا مزار جہاں چاہے بنا سکتا ہے۔ لیکن نعش کا تابوت کسی سے نہ اُٹھ سکا۔ اور آخر شیخ قوام الدین بدخشی ہی نے تنہا اٹھایا۔ چنانچہ تابوت یہی جماعت اپنے ہمراہ لیگئی۔ اسی سال ۵ جمادی الآخر کو آپ کی نعش مبارک ختلان میں دفن کی گئی۔

علم مبارک جو کئی بار سفر حرمین میں بھی حضرت امیر کبیر کے ہمراہ رہا ہے۔ لدے ماگرے کی عرضداشت پر اہل کشمیر کو عنایت کیا گیا۔ سلطان قطب الدین اور اکثر اعیان سلطنت اس صفہ پر کہ فی الحال وہ حجرہ خاص کے نام سے موسوم ہے۔ اور جو آپ کا عبادت گاہ خمس الاذفات تھا۔ آپ کی زیارت کے لئے آتے رہے ہیں۔

آپ ۷۸۱ھ میں تشریف لائے۔ اور ۷۸۶ھ میں مراجعت فرمائے وطن ہو کر رستہ ہی میں وفات پا گئے۔ لیکن سری نگر میں جس جگہ آپ کا قیام تھا۔ اور جو اس وقت خانقاہ معلیٰ کے نام سے کشمیر کی ایک بے نظیر عمارت ہے صرف آپ کی عبادت گاہ اور نشست گاہ ہونے کی وجہ سے زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ بقول خواجہ حافظ شیرازی ؎

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

سلطان سکندر بت شکن کے زمانہ میں حضرت امیر کبیر کے خلف حضرت میر محمد ہمدانی کشمیر میں تشریف لائے۔ ملک سیہہ بٹ جس کا اسلامی نام ملک سیف الدین تھا۔ اور جو سلطان کا وزیر و سپہ سالار تھا۔ بادشاہ کے حکم سے ایک جمعیت کے ساتھ آپ کے

استقبال کو گیا۔ میر محمد ہمدانی کی عمر اس وقت ۲۲ سال کی تھی آپ کے ہمراہیوں کی تعداد جن میں سادات کی بھی ایک معقول تعداد تھی۔ تین سو بیان کی جاتی ہے۔ ملک سیف الدین وزیر و سپہ سالار نے اپنی لڑکی کا جو بیدی باجی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے ساتھ عقد کر دیا۔

غرض ہمدانی سادات جو سرینگر اور اس کی مضافات میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ اسی زمانہ کے کشمیر میں آباد ہیں۔ انہیں پیری مریدی کا سلسلہ بھی ہے اور دیہات میں اکثر لوگ زمینداری بھی کرتے ہیں۔ کچھ ہمدانی پیرزادے کشمیر سے پنجاب میں بھی چلے آئے تھے۔ انہیں امرتسر کے پیر عبد السلام ہمدانی اپنی قومی و اسلامی خدمات کی وجہ سے خاص طور پر مشہور ہیں۔

سادات منطقی و بیہقی

اس سلسلہ کو بزرگ حق شناس سید حسین منطقی سے نسبت پیوست ہے۔ آپ شہر بیہق علاقہ خراسان سے سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ کے عہد میں اپنے وطن قدیم سے کشمیر میں رونق بخش ہوئے۔ چونکہ علم منطق میں آپ کو درجہ کمال حاصل تھا۔ اس لئے نہ صرف آپ بلکہ آپ کی اولاد و احفاد بھی منطقی ہی کہلائی جانے لگی۔ کشمیر میں جس علم پر کسی کو عبور ہو۔ اسی نام سے وہ مشہور ہو جاتا ہے۔ جیسے شیخ یعقوب گنائی جو شیخ یعقوب صرفی کے نام سے مشہور ہیں بلکہ انہوں نے اپنا تخلص بھی صرفی ہی رکھ لیا تھا۔ اسی طرح سرینگر میں ایک طبقہ نحوی بھی کہلاتا ہے۔ شیخ یعقوب صرفی کے خلیفہ میر محمد بھی میر محمد صرفی ہی کے نام سے مشہور تھے۔

آپ کے دو فرزند تھے۔ فرزند کلاں کا نام جن سے سلسلہ اولاد کو ترقی ہوئی سید حسن منطقی تھا۔ آپ صاحب علم و عمل بلکہ ولی اکمل تھے۔ ان کی شاعری تصوف کے جذبات کا آئینہ تھی۔ اونتی پورہ میں دریا کے کنارے سلطان بڈشاہ کا ایک وسیع اور سرسبز و شاداب باغ تھا۔ وہاں عموماً رہا کرتے تھے۔ مزار مبارک بھی اسی جگہ ہے۔

جو سڑک سرینگر سے اسلام آباد جاتی ہے۔ اسی کے کنارے وانتی پورہ کے متصل جہاں پرانے زمانہ کے برتن اور مندر کھنڈروں سے نکلے ہیں۔ ایک بلند ٹیلہ پر دایئں ہاتھ یہ مزار آتا ہے۔ لاریاں۔ موٹریں تانگے۔ اور کئی پیدل و سوار مزار کی دیوار کے پاس سے گذر جاتے ہیں۔ کسی کو کیا خبر؟ کہ یہاں خاک گور کی آغوش میں علم و فضل اور زہد و اتقا کا ایک مجسمہ لیٹا ہوا ہے۔

تاریخ خواجہ اعظمی میں (صفحہ ۱۲۵ پر) آپ کے متعلق لکھا ہے۔

"سید حسن منطقی فرزند کلاں حضرت سید حسین منطقی ست بمظہر فیوض الہی و مصدر کمالات نامتناہی بود۔ در عہد او کسے بر او فوقیت نداشت علم ارشاد را در موضع ونتی پورہ کہ در آں وقت ولایتے معمور بود افراشت و ہماں جا مدفون شد"۔

دوسرے فرزند کا نام سید محمد امین منطقی بیہقی عرف حضرت میر بابا دلسی ہے۔ برگزیدہ سادات روزگار اور معروف الکرامات و مشہور الجذبات تھے۔ قدمانے ان کی شان میں بے شمار نظمیں لکھی ہیں۔ تاریخوں میں ان کے صاحب علم ظاہری و باطنی ہونے کا تفصیل سے ذکر ہے خود بھی شعر کہتے تھے۔ چنانچہ بزرگی و ولایت کے باوجود اپنی انکساری و نیاز مندی کے اظہار میں فرماتے ہیں۔

گناہ ما ز عدم گر نیامدے بہ وجود وجود عفو تو در عالم عدم مے بود

بچپن ہی میں ان کے اطوار ایسے محمودہ اور اوضاع ایسے مقبولہ اور اخلاق ایسے حسنہ تھے۔ کہ بڈشاہ بادشاہ کشمیر نے ان کے والد حضرت سید حسین منطقی بیہقی سے مانگ کر ان کو اپنی فرزندی میں لیلیا اور تمام لوازمات شاہی کی تعلیم دلائی۔ لیکن آپ نے تمام شاہانہ کر و فر کو خیر باد کہکر ہری پربت کے پیچھے اپنے باغ میں کہ اس کا نام میرواری یعنی باغ میر تھا۔ اقامت اختیار کرلی تھی۔ بادشاہ نے جب بہت زور دیا۔ تو لکھ بھیجا۔

زما سوائے تو آنانکہ فارغ البال اند بعالمے نفروشند ذوق تنہائی

چونکہ اس زمانہ میں سادات بیہقی بادشاہ کے مقربان خاص میں تھے۔ اور بادشاہ ان کے

اثر میں تھا۔ بلکہ بقول تاریخ خواجہ اعظمی (صفحہ ۵۸) سید میرک میرسی سید حسین کہ از سادات بیہقی وزارت سلطان میکرد۔ امرائے کشمیر تاب حکومت او نیاوردہ باچہاردہ کس از فرزندان واقربا درخانہ بادشاہ بر سر دیوان از دست این مرحوم شہادت یافت"۔

اسی رات کو حضرت محمد امین جو حضرت میر بابا اویسی کے نام سے مشہور تھے۔ اور بادشاہ کا ایک فرزند ہونے کے باوجود امورات سلطنت سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ ظالموں کے ہاتھوں سے صرف بیہقی سادات ہونے کی وجہ سے زخمی ہوکر شہادت پاگئے۔ اسی حالت میں آپ نے یہ اشعار فرمائے۔

من فارغم ز مصلحت اہل روزگار ۔۔۔ بے واں یقین کہ کشتن من ہست بیگناہ
اکنوں بیا و شعر بخواں بر مزار من ۔۔۔ تا روئے ظالمان ستمگر شود سیاہ

شہید کشمیر (۸۸۸ھ) تاریخ وفات ہے۔

اسی خاندان میں ایک سید محمد منطقی گذرے ہیں۔ جو حضرت بابا میر ویسی منطقی کے اقربا سے تھے۔ تاریخ خواجہ اعظمی میں (صفحہ ۶۲ پر) لکھا ہے کہ ان کی قبر کا پتہ لوگوں کو نسیاً منسیاً ہوچکا تھا۔ ایک دفعہ چھہ بل (چھتہ بل) میں پانی کے زور سے کنار دریا منہدم ہوگیا۔ آپ کسی بزرگ کے خواب میں آئے اور فرمایا کہ "نشان گور من آنست کہ وقت باراں تر نخواہد شد۔ از انجا جسد من بیروں آر" صاحب تاریخ اگلی سطور میں لکھتے ہیں۔ جب بدن مبارک قبر سے نکالا گیا۔ تو جسم اور کفن پر "گرد گھنگی" کا کوئی نشان نہ تھا اور ریش مبارک بھی اسی طرح منور تھی۔

امانت کی طرح رکھا زمین نے روز محشر تک
نہ اک مو پیرہن بگڑا نہ اک تار کفن بگڑا

اب آپ کا مزار چھتہ بل ہی میں ایک مسجد کے صحن میں ہے۔

انہی سادات میں سید تاج الدین بیہقی اور ان کے فرزند سید محمد بیہقی در زمانہ سلطان

قطب الدین (والد سکندر بت شکن) اور سید مبارک خان بیہقی نامور گذرے ہیں۔ سید محمد بیہقی کی صبیہ سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ کے نکاح میں تھی۔ سید مبارک خان بیہقی نے بزمانہ شاہان چک کشمیر کی سیاسی تاریخ میں بڑا نام پیدا کیا ہے۔ بلکہ کہنا چاہیے۔ کہ کچھ عرصہ تک کشمیر کی بادشاہی کے وہی مالک تھے۔ آپ شیخ بہاؤالدین گنج بخشؒ کے احاطہ مزار میں مدفون ہیں۔ سید مبارک خان کے بعد ان کی اولاد کا گو ویسا زور نہ رہا۔ تاہم سپہ سالاری اور فوج کی ہراولی تک ان کا عمل دخل برابر قائم رہا۔ اس خاندان میں میر عبدالرشید بیہقی سید محمد بیہقی ثانی خلف سید حسن بیہقی اور میر عبداللہ بیہقی بہت نامور گذرے ہیں۔ میر عبداللہ بیہقی شاعر اور مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد ساٹھ تک بیان کی جاتی ہے۔ سید محمد بیہقی ثانی سلطان محمد شاہ کے مدارالمہام بھی رہے ہیں۔ سلطان فتح شاہ کے ہاتھ سے شہید ہو گئے تھے۔ سید ابراہیم خان بیہقی ابن میر محمد بیہقی بھی چند سال تک سلطان محمد شاہ کے وزیر رہے ہیں۔ تاریخ کبیر کشمیر میں لکھا ہے "وثلث کشمیر در اقطاع وے داشت صاحب جاہ وحشم بود"۔ ۹۷۳ھ سال وفات ہے۔ مزار السلاطین میں دفن ہیں۔

سادات اندرابیہ

حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام جگر گوشہ رسول مقبول صلعم کی چودھویں پشت میں سید مسلم[1] نام ایک بزرگ گذرے ہیں جنہوں نے بعض وجوہات سے سرزمین حجاز کو خیرباد کہکر اندراب کا رخ کیا۔ جو کابل اور بلخ کے درمیان ایک مشہور قصبہ ہے۔

[1] حضرت امام حسین۔ امام زین العابدین[1]۔ امام محمد باقر[2]۔ امام جعفر صادق[3]۔ امام موسیٰ کاظم[4]۔ سید حسین اصغر[5]۔ سید عبید اللہ[6]۔ سید ابوالحسن علی[7]۔ سید عبداللہ ثانی[8]۔ سید علی اکبر[9]۔ سید عبداللہ ثالث[10]۔ سید اکبر ثانی[11]۔ سید محمد[12]۔ سید ابوعلی[13]۔ سید مسلم اندرابی[14]۔

سید مسلم کی اولاد نو پشت تک اندراب میں رہی۔ دسویں پشت سے سید احمد[1] اندرابی جو سیادت پناہ امیر کبیر حضرت میر سید علی ہمدانی کے خواہر زادے تھے، حضرت کے ساتھ اپنے آبائی وطن سے کشمیر میں تشریف لائے۔ اس زمانہ میں سلطان قطب الدین کی کشمیر میں حکومت تھی حضرت امیر کبیر تو واپس تشریف لے گئے لیکن ان کے بہت سے ہمراہی جن میں سادات کے علاوہ مشائخ بھی تھے، کشمیر میں ہی رہ گئے۔ سلطان قطب الدین کی وفات کے بعد جب سلطان سکندر بت شکن نے ان کو مشیخت و علم کا اہل پایا۔ تو محلہ ملارٹہ میں ایک خانقاہ ان کیلئے تعمیر کرادی اور اس خاندان نیز خانقاہ اندرابیہ کے متعلقین کی خورد و نوش اور ان کے اخراجات کے لئے چند دیہات بطور جاگیر نامزد کر دیئے۔

حضرت بابا داؤد خاکی اور بابا داؤد مشکواتی وغیرہ صاحب نے اپنی تصنیفات اور ملا عبدالوہاب شائق نے اپنی مشہور تاریخ کشمیر میں بالتشریح آپ کا ذکر کیا ہے۔ اس تاریخ سے چند ابیات ذیل میں درج ہیں ؎

حسینی لقب سید احمد بنام — کہ بود است از اولیائے کرام
ز یاران میر کبیر است او — بزہد و ورع بے نظیر است او
حسینی نسب بود آں پاک فن — حسب داشتش چوں امام حسن

چونکہ سید احمد اندراب سے کشمیر آئے تھے۔ اس لئے اندرابی کے نام ہی سے مشہور رہے۔ اور آپ کی اولاد ہر چند کہ اب وہ کشمیر اور کشمیر سے باہر مختلف مقامات پر ہے۔ سادات اندرابیہ ہی کہلا رہی ہے۔

آپ کی چوتھی پشت میں سید محمد میر میرک اندرابی منبع السادات سید السادات اور

---

[1] سید مسلم اندرابی۔ سید حسن[1]۔ سید ابوالقاسم[2]۔ سید ابوالحارث[3]۔ سید ابراہیم[4]۔ سید جلال الدین[5]۔ سید عبدالمطلب[6]۔ سید جلال الدین ثانی[7]۔ سید شرف الدین محمود[8]۔ سید شمس الدین[9] بن سید احمد[10] اندرابی۔

جامع علوم ظاہری و باطنی بزرگ گذرے ہیں۔ ان کے حالات و مقالات سے کشمیر کی کتب سیر و تواریخ مالا مال ہیں۔ آپ کے حسب ذیل تین فرزند تھے۔

سب سے بڑے سید محمد دوسرے سید احمد قاسم تیسرے سید یوسف۔ اب تینوں کی اولادوں کا ذکر کیا جاتا ہے

سید محمد میرک کے فرزند اول سید محمد کی اولاد بہت پھلی پھولی ہے اور مقامات ذیل میں پائی جاتی ہے۔

کشمیر۔ سرینگر میں۔ لولاب کے موضع کانٹھ پورہ میں۔ علاقہ پلوامہ کے موضع پوچھل دیار یگام میں۔ تکیہ بہرام صاحب متصل آباد میں نار اندر۔ آری گام۔ سیل علاقہ ترال میں۔ سید پورہ پہچی علاقہ لار میں۔ کرزہ ویلی علاقہ ناگام میں۔ بارہ مولا اور علاقہ پونچھ میں۔

پنجاب۔ لاہور۔ وہونکل۔ وزیر آباد۔ امرتسر۔ سیال کوٹ۔ کھرال علاقہ جہلم۔ سوجان پور (پٹھانکوٹ) موضع مینہ مانگنی متصل امین آباد۔

بہار و بنگال۔ کلکتہ و پٹنہ میں۔

یارقند میں نیپال میں

سید محمد میرک کے فرزند اول سید محمد کی شاخ سرینگر میں جو سب سے سرکردہ اور مشہور دیار دامصار بزرگ ہیں۔ وہ جوان صالح جوان ہمت اور ہمدرد ملت اسلامیہ مولانا سید میرک شاہ مولوی فاضل ہیں۔ جن کا دار العلوم دیوبند کے بہترین بلکہ قابل فخر فرزندوں میں شمار ہوتا ہے شیخ الحدیث مولانا محمد انور شاہ اندرابی کشمیری (مرحوم) سابق صدر مدرس دار العلوم دیوبند سے

سلہ صاحب "واقعات کشمیر" یعنی خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کاشمیری نے اپنی تاریخ میں میر شاہ بابا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ وہ خلف حضرت میر سید میرک شاہ اندرابی تھے۔ غالباً یہ عرف عام آپ کے فرزند کلاں سید محمد کا ان کے احترام و ادب اور ان کے علم و فضل کی وجہ سے ہو گا۔ اسلئے کہ اندرابی خاندان آپ کے متذکرہ صدر تین ہی فرزند تسلیم کرتے ہیں۔

سے آپ کو شرف تلمذ ہے۔ آپ سری نگر میں خانقاہ اندرابیہ کے بالکل متصل ملارٹہ میں رہتے ہیں۔ آپ عرصہ تک تبلیغ کالج کرنال کے پروفیسر رہے۔ اب ایک سال سے مراد آباد میں قیام فرما ہیں[۱]۔ سرینگر خاص۔ علاقہ گریز اور سوپور میں آپ کی تعلیمی و مذہبی خدمات نے ہمیشہ مسلمانوں کو مرہون منت رکھا ہے۔ اس خاندان کا مرکزی مقام سری نگر کے محلہ ملارٹہ میں ہے۔ جہاں خانقاہ اندرابیہ کے پاس حضرت سید محمد میرک اندرابی کا مزار شریف بھی ہے۔ خانقاہ مذکور کے سجادہ نشین اس وقت مولوی عنایت اللہ مولوی فاضل کے والد محترم مولانا سید احمد سعید اندرابی ہیں۔

سید محمد میر میرک اندرابی کے دوسرے فرزند سید احمد قاسم[۲] کی اولاد کشمیر کے مندرجہ ذیل مواضعات میں پائی جاتی ہے۔ پوچھل۔ کرز دیر۔ وندہامہ۔

وندہامہ میں جو شاخ ہے۔ وہ کرز دیر ہی سے گئی ہے۔ سید قاسم کی ساتویں پشت سے سید میر حسن سب سے پہلے وندہامہ گئے۔ میر سید سیف الدین اندرابی جن کو اپنے مریدوں کا جائزہ لینے کے لئے کشمیر سے باہر تقریباً ہر سال لاہور اور ملتان تک جانا پڑتا ہے۔ آپ ہی کے فرزند بیان کئے جاتے ہیں۔

میر سید احمد قاسم کی اولاد کا کثیر حصہ پوچھل ہی میں ہے۔ بلکہ یہ سالم گاؤں سادات اندرابیہ کی ملکیت ہے۔ سید میر ثناء اللہ اندرابی جو راقم الحروف کے ملنے والوں میں تھے۔ ذیلدار بھی تھے۔ چند سال ہوئے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ سید میر محمد حفیظ اللہ اندرابی ان کے جانشین ہیں۔

پوچھل کے سید میر محمد صاحب عرف پیر شاہ جو سید میر غلام رسول عرف نسہ پیر کے والد تھے۔ اپنے علاقہ میں بہت مشہور تھے۔

سید احمد قاسم سے ان کی چند پشتوں کے بعد سید میر محمد اکبر شاہ پوچھل کی سکونت ترک

---

[۱] مراد آباد میں مدرسہ امدادیہ عالیہ عربیہ کے صدر مدرس ہیں
[۲] آپ کا مزار بھی پوچھل ہی میں ہے۔

کر کے نامب علاقہ چھراٹ میں چلے گئے۔ جو پوچھل اور رتنی پورہ سے چند میل کے فاصلہ پر راجپور (بوہ) کے متصل واقع ہے۔ ان کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے سید میر علیشاہ جن کا چند سال ہوئے انتقال ہو چکا ہے۔ ان کی بزرگی کا آج تک لوگ احترام کرتے ہیں۔ دوسرے سید میر محی الدین جو پنجاب میں سید غلام رسول کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اپن کلاں متصل امرتسر میں بسر ہوا ہے۔ چند سال ہوئے کشمیر میں آپ کا انتقال ہو چکا ہے

سید عبداللہ شاہ اندرابی ایل اے۔ جی جو ایگریکلچرل کالج لایل پور پنجاب میں اسسٹنٹ ریسرچ کے عہدہ پر ہیں۔ آپ ہی کے فرزند ارجمند ہیں۔ سید عبداللہ شاہ اندرابی خاندان بلکہ تمام سنی سادات کشمیر سے پہلے نوجوان ہیں۔ جنہوں نے بھاری مخالفت کے باوجود سٹیٹ ہائی سکول میں انگریزی تعلیم پائی اور انٹرنیس کا امتحان پاس کیا۔

سید عبداللہ شاہ کشمیر میں سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ جن کو دربار کشمیر نے ۴۰ روپیہ ماہوار وظیفہ دیکر لایل پور کے زراعتی کالج میں حصول تعلیم کے روانہ کیا۔

جن دنوں آپ لایل پور سے زراعتی گریجوایٹ L.A.G ہو کر واپس کشمیر آئے۔ ان ایام میں کشمیر میں زمینداره بنکوں کے اجرا کی ابتدا تھی۔ اور زمینداران کشمیر اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ان کے قبول کرنے میں پس و پیش کر رہے تھے۔ خان بہادر چودھری خوشی محمد اس زمانہ میں گورنر اور رجسٹرار تھے۔ وہ خود زمیندار تھے۔ اور زمینداره بنکوں کے فوائد سے آگاہ تھے۔ انہوں نے سید عبداللہ شاہ کی واپسی کو غنیمت سمجھا۔ اور ان کو آتے ہی زمینداره بنکوں کے کام پر لگا دیا۔ چنانچہ آپ نے ایک ہی سال کے اندر فضا ایسی صاف کر دی۔ کہ ہندواڑہ۔ بارہ مولا۔ اور اسلام آباد کی تحصیلوں میں بہت سے بنک جاری ہو گئے۔ اور آپ کی ان خدمات کا اعتراف گورنر رجسٹرار اور ڈائرکٹر محکمہ زراعت کے علاوہ مسٹر ٹالبٹ کمشنر بندوبست نے بھی کیا۔ اس کے بعد آپ چھ سال تک ریاست میں مختلف عہدوں پر رہے لیکن آپ کی قابلیت چونکہ پر لگا کر اڑ رہی اور کسی ایسے قدر دان کی تلاش کر رہی تھی۔



سید محمد عبد اللہ شاہ اندرابی ریسرچ اسسٹنٹ اگریکلچرل کالج لائل پور

جو قولاً ہی نہیں بلکہ عملاً و فعلاً بھی آپ کی حوصلہ افزائی کرے۔ اس لیے آپ ریاست کی ملازمت سے مستعفی ہو کر لایل پور چلے آئے۔ جہاں اس وقت آپ ایک معقول مشاہرہ لے رہے ہیں۔

لایل پور میں آپ فصلوں اور میوہ دار درختوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑوں کی روک تھام وغیرہ کی تحقیقات کے فرائض بجا لا رہے ہیں۔ آپ نے اس بارہ میں جو امورات تحقیق کئے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے سائنس دانوں نے ان کی تعریف کی ہے۔ اور سائنس کے مقتدر رسالوں نے آپ کی تحقیقات کے اقتباس شائع کئے ہیں۔

غلام محمد خان اسسٹنٹ انسپکٹر زراعتی مدارس شمال مغربی پنجاب نے جو کتاب سبزی ترکاری پر لکھی ہے۔ اس کے تیسرے ایڈیشن میں لال بھونڈی کا جو تذکرہ ہے۔ وہ آپ ہی کی تصنیف سے لیا گیا ہے۔

پوچھل اور کنزدیر کے اندرابیوں کی ایک شاخ لاہور میں ہے جس کے ایک بزرگ سید عبدالقادر اندرابی سب سے پہلے کشمیر سے لاہور تشریف لائے۔ جو ۱۳۵۱ھ میں لاہور ہی میں وفات پا گئے۔ ان کے خلف اکبر میر سید عبدالغنی نے لاہور میں سلسلہ قادریہ کو بہت رونق دی۔ ۲۷-۲۸۔ سال کا عرصہ گذرتا ہے۔ کہ آپ بھی داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں۔ آپ کے ایک صاحبزادہ سید غلام علی شاہ اندرابی کا انتقال ہو چکا ہے۔ دوسرے صاحبزادہ مولانا سید محمد امین اندرابی کا لاہور کے نامور اور ممتاز وکلاء میں شمار ہوتا ہے۔ کئی سال تک لاہور کے میونسپل کمشنر رہ چکے ہیں۔ ہر سال آپ کے ہاں "عرس شاہ جیلانی" نہایت دھوم دھام سے ہوتا ہے۔

سید محمد میرک کے تیسرے فرزند سید میر یوسف جو تخت سلیمان کے دامن میں مدفون ہیں۔ کی اولاد کشمیر کے مختلف دیہات مثل حبہ نارہ واگو اور سیل ترال کے علاقہ میں پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنی دوسری برادری کی طرح زراعت کا کام بھی کرتے ہیں۔ اور پیری مریدی کا سلسلہ بھی رکھتے ہیں۔ کشمیر کے سادات اندرابیہ کا ایک اور گھر لاہور میں ہے۔ میر سید اسحاق اندرابی اس کے بیٹے ہیں۔ اور سید نسیم علی لاہور میں ملازم ہیں۔

سادات نقشبندیہ

نقشبندیہ خاندان کشمیر میں دو ہیں۔ اور دونوں جلیل القدر ہیں۔ ایک خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت خواجہ خاوند محمود نقشبندی عطاری ہیں۔ جو جہانگیر کے عہد میں ہندوستان اور کشمیر میں تشریف لائے۔ دوسرے خاندان کے بانی حضرت خواجہ عبدالرحیم نقشبندی احراری المعروف بہ شیخ کمان ہیں۔ جو محمد شاہ بادشاہ غازی کے زمانہ میں کشمیر میں تشریف لائے تھے۔ یہاں دونو خاندانوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) اولاد حضرت خواجہ خاوند محمود نقشبندی

حضرت خواجہ خاوند محمود کے حالات تاریخ خواجہ اعظمی نظام الوقائع۔ تاریخ حسن۔ اسرار الابرار۔ تاریخ کبیر۔ تحقیقات امیری تحفہ نقشبندیہ۔ ذکر الصادقین اور لاہور و پنجاب کی تاریخوں میں تفصیل سے درج ہیں۔

آپ اکابر سادات بخارا سے تھے۔ والد بزرگوار کا نام میر سید شریف تھا جن کا سلسلہ نسب پنج واسطوں سے حضرت قطب الاحرار خواجہ سید علاءالدین عطار خوارزمی سے ملتا ہے۔ جو قطب الاقطاب خواجہ محمد بہاؤالدین نقشبند بخاری کے داماد تھے۔ حضرت خواجہ خاوند محمود کا تاریخوں میں ان کا نام بالعموم حضرت ایشاں درج ہے اور لاہور میں ان کا مزار بھی روضہ حضرت ایشاں ہی کے نام سے موسوم ہے۔ جہانگیر کے زمانہ میں بخارا سے کشمیر میں وارد ہوئے۔ اس حساب سے آپ کی اولاد و احفاد کو کشمیر میں سکونت پذیر ہوئے تین سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔

آپ پہلی مرتبہ کشمیر آئے۔ تو تھوڑا عرصہ رہکر بہ سمہ گجرات ہندوستان واپس چلے

گئے۔ لیکن وہاں طبیعت نہ جمی پھر کشمیر آگئے۔ اور محلہ سکندر پورہ میں جہاں حسین شاہ بادشاہ کشمیر کے مکانات و باغات تھے۔ قیام کیا۔ یہیں آپ نے ۱۰۴۱ھ میں ایک خانقاہ اور مسجد تعمیر کرائی۔ خانقاہ کا نام خانقاہ فیض پناہ نقشبندیہ ہے۔ آپ ہی کی وجہ سے محلہ سکندر پورہ کا نام بازار خواجگان پڑا۔ جو رفتہ رفتہ خواجہ بازار کے نام سے تبدیل ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں خانقاہ کی تعمیر پر ۴۵ ہزار روپیہ لاگت آئی تھی۔ ع خانقاہے عجب لطیف آمد۔ تاریخ ہے۔ کشمیر میں سب سے پہلے جناب ہی کی بدولت طریقہ نقشبندیہ کا رواج ہوا۔

شاہجہان بادشاہ کے زمانہ میں جبکہ ظفر خان گورنر کشمیر تھا۔ سرینگر کے مشہور جنگی محلہ مائی سومہ میں سنیوں و شیعوں کے درمیان فساد عظیم ہوا۔ حضرت خواجہ خاوند محمود نے حاکم شرع اور ناظم صوبہ کو مفسدوں کی تنبیہ کی طرف توجہ دلائی جب ناظم کو حضرت نے اس معاملہ میں لیت و لعل کرتے ہوئے پایا۔ تو بطور اظہار ناراضگی شہر سے نکل کر مقام ہفت چنار میں آگئے۔ ہزارہا لوگ آپ کے ہمراہ تھے۔ ظفر خان مفسدوں کو سزا دے کر بہ منت آپ کو واپس لایا۔ لیکن شاہجہان کو اطلاع دیدی کہ ان کا اثر و رسوخ کشمیر میں اس قدر ہے کہ حکومت کو ان کے سامنے مجبوراً سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ بادشاہ نے اس اطلاع پر مصلحتاً آپ کو لاہور بلوا لیا۔ جہاں آپ شعبان ۱۰۵۶ھ میں انتقال فرما گئے۔ آپ کا مزار سعید خان نے کہ امرائے شاہجہانی میں ممتاز درجہ رکھتا تھا۔ اعلیٰ پیمانہ پر تعمیر کرایا۔ جو اب تک شالامار باغ لاہور کی سڑک پر بیگم پورہ کے متصل موجود ہے۔

وفات سے پیشتر بہ اجازت بادشاہ شاہجہان آپ اپنے فرزند ارجمند خواجہ سید معین الدین کو کشمیر میں روانہ کر چکے تھے۔ چنانچہ صاحب "واقعات کشمیر" صفحہ ۱۳۹ پر لکھتے ہیں " بہ امر سلطان در لاہور توطن فرمودند و مرشد السالکین خواجہ معین الدین را بہ جہت ترویج طریقہ و خانقاہ بہ اجازت پادشاہ بہ کشمیر فرستادہ"۔

خواجہ معین الدین ہادی نقشبندی اپنے والد کے ہمراہ بخارا سے ہندوستان آئے تھے۔ آپ اعلیٰ پایہ کے بزرگ اور عالم دین اور مصنف گذرے ہیں۔ ان کے مصنفات میں سے کنز السعادت۔ مراۃ القلوب۔ سیر محمدی۔ مراۃ الطیبہ بہت مشہور ہیں۔ فضایل پناہ ملا محمد طاہر رخلف مولانا حیدر علامہ) ملا ابو الفتح کلو۔ ملا یوسف مدرس۔ ملا محمد طاہر مفتی۔ ملا عبد النبی اور ملا شیخ احمد مفتی جیسے فضلا و علمائے دہر آپ کے ہم نشینوں میں تھے۔ ایسے ہی جید علماء کے مشورہ اور ان کی مدد سے آپ نے فقہ کی کتاب فتاوے نقشبندیہ تالیف کی۔ آپ ستر سال سے زیادہ عمر پا کر ۲۹ محرم ۱۰۸۵ھ کو رحلت فرما گئے۔ آپ کے فرزند خواجہ شرف الدین نقشبندی کی اولاد سرینگر کے علاوہ مضافات کشمیر میں بھی معقول تعداد میں پھیلی ہوئی ہے۔ خانقاہ نقشبندیہ کے صحن میں درگاہ حضرت نقشبند کے نام سے آپ کا روضہ موجود ہے۔ بیرون روضہ آپ کی اولاد و احفاد کی قبریں ہیں۔

لاہور اور کشمیر میں نواب میر عبد الصمد خان دلیر جنگ جو ایک نامور گورنر محمد شاہ بادشاہ غازی کے عہد میں گذرا ہے حضرت خواجہ خاوند محمود وہی کی ذریات میں تھا۔ اس نے بھی حضرت کے روضہ کو بہت رونق دی ہے۔ کشمیر اور لاہور میں اس خاندان نے کئی اہل دل بزرگ پیدا کئے ہیں۔ چنانچہ صاحب تاریخ اعظمی (کہ اس تاریخ کا دوسرا نام واقعات کشمیر ہے) صفحہ ۱۶۸ پر لکھتے ہیں: "وہم یاران صاحب معنے دریں صوبہ و در صوبہ لاہور از خواجہ کلاں مرحوم بودند۔ از انجملہ در لاہور حافظ خادم مردے مشہور بود صاحب ظاہر و باطن"

شاہان مغلیہ نے اس خاندان کو بغرض مدد معاش جاگیرات عطا کر رکھی تھیں۔ وہ خالصہ حکومت کے عہد میں ضبط ہو گئیں۔ یہ خاندان مغلیہ عہد سے لیکر افغانوں کے عہد تک کیا روحانی اقتدار سے اور کیا دنیوی اقتدار سے ہر رنگ پر سر عروج تھا۔ آج سے قریباً پچاس سال پیشتر اس خاندان کے ایک رکن خواجہ عزیز شاہ نقشبندی خانقاہ نقشبندیہ کے سجادہ نشین تھے۔ انہوں نے نواب سر احسن اللہ نواب ڈھاکہ سے خواجہ ثناء اللہ شالی

رئیس کشمیر کی معرفت رقم کثیر حاصل کر کے ۱۳۰۳ھ میں خانقاہ نقشبندیہ کی تجدید تعمیر کی۔ ان کی وفات (۲۳ رمضان ۱۳۲۰ھ) کے بعد ان کے فرزند خواجہ حبیب شاہ نقشبندی (سال وفات ۱۳۲۵ھ) کے ہاں صرف ایک ہی لڑکی تھی۔ جو خواجہ نور شاہ نقشبندی خلف خواجہ حسن شاہ نقشبندی کے نکاح میں آئی۔ خواجہ نور شاہ اس طریق سے درگاہ نقشبندیہ کے متولی و منتظم قرار پائے۔ ان کا نسبی تعلق حضرت خواجہ عبدالرحیم نقشبندی کے خاندان سے ہے۔ موجودہ وقت میں اولاد حضرت خواجہ خاوند محمود نقشبندی کو کشمیر میں کوئی خاص دنیوی اقتدار نہیں ہے۔ خواجہ سید غلام محی الدین نقشبندی جو خواجہ محمد یوسف نقشبندی کے فرزند اور حضرت خواجہ خاوند محمود کی ذریات سے ہیں۔ علمی مذاق سے آشنا ہیں۔ اور مولانا شریف الدین مفتی اعظم کشمیر کے خواہر زادے ہیں۔

(۲) اولاد حضرت خواجہ سیّد عبدالرحیم نقشبندی

حضرت خواجہ سید علاء الدین عطار جو حضرت خواجہ سید بہاء الدین محمد نقشبند بخاری کے داماد و خلیفہ تھے کے دو فرزندوں خواجہ حسن عطار و خواجہ حسین عطار میں سے اول الذکر کی نانویں پشت کلاہ فقیرانہ کی جگہ تاج شاہی زیب سر کرتی ہے

تاشقند جو آج سویٹ روس (بالشویکوں) کے ماتحت ہے۔ اس خاندان کی نانویں پشت میں خواجہ محمد فاضل کا دارالحکومت تھا۔ اور آپ بادشاہ تاشکند کے نام سے موسوم تھے۔ آپ کی تیسری پشت میں ایک نامور فرزند پیدا ہوا جس نے تاشقند کی بادشاہی پر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی گدائی کو ترجیح دی۔ آپ کا نام خواجہ سید عبدالرحیم نقشبندی معروف بہ خواجہ شیخ کمان بادشاہ تاشقند اور والد کا نام خواجہ محمد شریف تھا خواجہ عبدالرحیم ۱۰۹۹ھ مطابق ۱۶۸۷ء میں بعہد عالمگیر تاشقند میں پیدا ہوئے۔ اور

۱۱۲۳ھ میں بعمر ۴ سال حج کا ارادہ کیا اور باجازت والد بخارا۔ کابل۔ پشاور۔ لاہور۔ دہلی۔ عرب و عجم اور ٹرکی کی سیاحت کی۔ ہندوستان میں بہ اوقات مختلفہ شاہ عالم بہادر شاہ سے لیکر محمد شاہ اور احمد شاہ تک کا زمانہ دیکھا۔

محمد شاہ نے جو خط آپ کو ۲۵ ہزار روپیہ کے ماہوار نذرانہ اور جاگیر وغیرہ کے متعلق لکھا اس کے چند الفاظ ذیل میں درج ہیں۔

" ایں ہمہ جاہ و جلال پادشاہی از بدو راعلیٰ حضرت فردوس منزلت آنجہانی حضرت امیر تیمور گورگانی بہ برکت خاک نعلین جد امجد آنحضرت مسلم است پس ایں سلطنت را از خود تصور فرمانید۔ آنکہ بکمال عقیدت جگر گوشہ ہائے خود را دریغ نداشتیم۔ بایں واسطہ بہ تعلق شاہی ہم حقدار ید۔ اگر از اخذ عنان حکومت متفرند اما در عدم تحمل آنحضرت اگر اختیار ہم باشد۔ ما نیازمندان را تحمل آں نیست .... بابت اخراجات خانمان درماہ بیست و پنجہزار از خزانۂ عامرہ مقرر شد۔ و نیز اگر در لاہور و یا در کشمیر بہ نظر آب و ہوائے رد توقف فرمائید ہر شہر و ہر قدر کہ مواضعات آں شہر بطور جاگیر مستمرہ مقرر شوند۔ امید قبولی است "

آپ سرہند میں جاکر شیخ محمد عابدؒ سے جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد سے تھے۔ بیعت ہوئے سنہ ۱۱۵۰ھ میں شادی کی۔ امین آباد آپ کو جاگیر میں ملا[1]۔ یہ زمانہ پنجاب میں

---

[1] مسٹر ولیم مورکرافٹ اور مسٹر جارج ٹریبک نے ۱۸۱۹ء سے ۱۸۲۵ء تک پنجاب لداخ کشمیر پشاور کابل۔ قندھار اور بخارا کا جو سفر کیا تھا اس کو ایچ ایچ ولسن نے سفرنامہ مورکرافٹ کے نام سے چھاپ دیا ہے۔ اس کی جلد اول کے صفحہ ۲۳۱ پر لکھا ہے۔ جب آپ لاہور آئے تو نواب قمر الدین خان وزیر محمد شاہ بادشاہ دہلی اور لاہور کے گورنر میرام نے (صحیح نام میر مومن اور وہ گورنر نہیں بلکہ نائب گورنر تھا۔ مولف) نے خلوص استقبال کیا۔ اور اس کی گذر اوقات کے لئے آباد آباد (صحیح نام امین آباد۔ مولف) کا قصبہ اس کی جاگیر میں کر دیا۔

سکھا شاہی دور کا تھا۔ اور احمد شاہ ابدالی ان کے استیصال کے لئے بار بار پنجاب میں آیا کرتا تھا۔ آخر ایک لڑائی میں حضرت خواجہ صاحب کے بھائی خواجہ سید شاہ نیاز جب شہید ہو گئے۔ تو آپ امین آباد کی جاگیر کو ترک کر کے جموں کے راستے کشمیر اور کشمیر سے اپنے وطن ترکستان چلے گئے۔ وہاں سے پھر تبت اور تبت سے پھر کشمیر آئے۔ سب سے پہلے بابا محمود نبیرہ میاں محمد ہاشم چشتی خانیاری اور بعد ازاں میاں محمد ولی دار کے گھر قیام کیا۔ اس زمانہ میں کشمیر میں خواجہ سید کمال الدین نقشبندی کا بڑا چرچا تھا۔ میاں محمد ولی دار اور خواجہ شہید جو حضرت خواجہ خاوند محمود نقشبندی کی اولاد سے اور درگاہ نقشبندیہ کے سجادہ نشین تھے۔ اہل وعیال بلکہ موخر الذکر مریدوں سمیت حلقہ بیعت وارادت میں داخل ہو گئے۔

سرینگر میں آپ نے دولت چک جو شاہان چک کی یادگار تھا کی بہت سے اراضیات خریدیں۔ جو خانیار کے متصل اور برارہ نمبل کی جھیل کے پاس تھیں۔ آپ ہی کی سیادت کی وجہ سے اس محلہ کا نام بھی سید داری محلہ مشہور ہو گیا۔ ۱۱۵۵ھ میں بعہد نورالدین خان صوبہ کشمیر آپ پھر تاشقند چلے گئے۔ وہاں سے چند تبرکات اپنے ہمراہ لائے[۱] جو اب تک آپ کے خاندان میں موجود ہیں۔ آپ نے کشمیر میں خرم خان۔ جوان شیر امیر خان۔ حاجی کریم داد خان اور آزاد خان کی نظامتوں کے زمانے دیکھے ہیں۔ آپ کے موعظہ حسنہ، تزکیہ نفس۔ تصفیہ قلب۔ اکل حلال اور صدق مقال کی تاکید پر ہوتے تھے۔ آخر آپ ایک سو ایک سال کی عمر پاکر ۱۲۔ جمادی الاول سنہ ۱۲۰۲ھ کو اعلیٰ علیین میں چلے گئے۔ رضی اللہ عنہ تاریخ وفات

---

[۱] کشمیر کی قدیم تاریخوں اور سفرنامہ مورکرافٹ میں لکھا ہے جب آپ تاشقند واپس گئے تو آپ کے والد وفات پا چکے تھے اور ان کے بھانجے خواجہ محمد یوسف ملک پر قابض تھے جب خواجہ عبدالرحیم نے ملک کی تباہی کے خوف سے کوئی جماعت کھڑی کرنی مناسب نہ سمجھی۔ تو تاشقند کی رہائش پر دائمی ہجرت کو ترجیح دی اور کشمیر چلے آئے۔

ہے۔ مولانا صدرالدین مصنف ذکرالصادقین اور شیخ الاسلام مولانا قوام الدین آپکے نامور خلفاء میں سے تھے۔

آپ کے دو فرزند تھے۔ اول خواجہ شاہ نواز جو عین شباب ہی میں لاولد انتقال کر گئے تھے۔ دوم خواجہ شاہ نیاز جنہوں نے اپنا، اپنے خاندان کا اور کشمیر کا نام دنیا میں روشن کیا ہے خانقاہ نقشبندیہ کی بنیاد ۱۲۱۱ھ میں آپ ہی نے ڈالی تھی۔ آپ نے کئی مساجد جہاں کے سرائے درگاہیں۔ حمام اور پل تعمیر کرائے۔ آپ نے بھی اپنے والد محترم کی طرح سیروا فی الارض پر خوب عمل کیا ہے۔ آپ نے خانقاہ اور مسجد تک مسلمانوں کے تطہیر اور وضو وغسل کیلئے نالہ مار سے ایک نہر نکالی۔ جو آپ کے صحن اور مکانات سے ہو کر پھر نالہ مار کے ساتھ جا ملتی تھی۔ چونکہ اس پر دولت کثیر خرچ ہوئی تھی۔ اس لیے اس کا نام دولت کل رکھا۔ آپ نے افغان گورنروں کے زمانہ میں بہت وسیع اور قیمتی اراضیات حاصل کیں۔ جن کی آمدنی خیرات اور سخاوت میں صرف کردی جاتی تھی۔ انہی ایام میں ترکستان سے ایک وفد آپ کو لینے کے لیے آیا۔ عرضداست پر بڑے بڑے رؤسائے ترکستان کی مواہیر ثبت تھیں۔ آپ نے اہل وفد کی دلشکنی نہ کرنی چاہی اور کچھ حب وطن کا بھی تقاضا تھا۔ چنانچہ آپ تاشقند کی طرف روانہ ہو گئے۔

آپ کی غیر حاضری میں افاغنہ کی حکومت کشمیر کا تختہ الٹ گیا۔ سکھوں نے کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ ہر ایک مسلمان خاندان پر وبال ونزول آیا۔ چونکہ آپ کا سلسلہ ارادت بہت وسیع تھا۔ اور مکانات واراضیات کی بھی کافی تعداد تھی۔ اسلئے آپ کا خاندان خاص طور پر سکھوں کے زیر عتاب آیا۔ وہ جاگیریں جو شاہان مغلیہ وافاغنہ نے دی ہوئی تھیں۔ ضبط کر لی گئیں۔ بلکہ ایک لاکھ روپیہ تاوان ڈالا گیا۔ جو آپ کی عدم موجودگی میں اس بے دردی و بے رحمی سے وصول کیا گیا کہ اس کی کیفیت لکھتے ہوئے قلم لرزتا ہے۔

حضرت خواجہ شاہ نیازؒ نے جب ترکستان سے واپس آ کر جائداد واملاک کی کیفیت دیکھی۔ تو اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ کہکر خاموش ہو گئے۔

اسی اثنا میں کرنیل ولیم مورکرافٹ گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے چند پولٹیکل وجوہات کے باعث ترکستان جانے کے لئے کشمیر آئے۔ حکومت خالصہ نے ان کی ہر طرح خاطر تواضع کی صاحب بہادر کے میر منشی کا نام سلیم اللہ خان تھا اور وہ خواجہ شاہ نیاز کے والد بزرگوار حضرت خواجہ عبدالرحیم کے مریدان خاص میں تھے۔ اس لئے صاحب بہادر ان سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ اور انہیں بطور سفیر اپنے ہمراہ لے گئے۔[1]

صاحب بہادر نے جب کشمیر میں اور کشمیر سے باہر ترکستان تک حضرت خواجہ کی وجاہت و قبولیت کا عالم دیکھا اور سکھوں کی چیرہ دستیوں کی بدولت ان کی جاگیرات کی ضبطی سنی۔ تو واپس آکر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام ایک طویل مراسلہ لکھا جس میں انکی شہزادگی کی کیفیت لکھی۔ اور ان کی جاگیرات کی واگذاری کی سفارش کی۔ ہم اس مراسلہ کا کچھ خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں۔

اگر این چنیں شخص از مسلمانان در ممالک محروسہ سرکار انگریزی مے بود۔ در اکرام و تعظیم او از ہر وجہ امداد و معاش زیادہ بہتر میکردند لیکن دریں وقت این دولت خداداد یعنی بودن اشخاص خوب مثل خواجہ صاحب موصوف در ملک آن مشفق نعمت غیر مترقبہ است۔ قدر این نعمت دانستن بہتر از فتح ہزار ملک است۔۔۔۔۔ و نیز میدانم کہ

---

[1] مورکرافٹ کے سفرنامہ میں لکھا ہے۔ کہ سکھوں نے خواجہ شاہ نیاز کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ تو وہ اپنی جان بچا کر ہمسایہ علاقہ میں چلا گیا چنانچہ وہ اس وقت لداخ میں با رسوخ زندگی بسر کر رہا ہے مسلمانان یارقند کے دعوتی پیغام بھی اس کو آرہے ہیں اور والئ کابل نے بھی اس کو جاگیر کا وعدہ دے کر بلایا ہے"
مورکرافٹ لکھتا ہے۔" ہم نے ندی کی دو شاخیں عبور کر کے خواجہ کیلئے ایک خیمہ نصب کرایا۔ اور وہیں ان سے ملاقات کی۔ وہ شصت سالہ پست قد مضبوط جسم اور خوش شکل اور بارعب تھے۔ سر پر بھاری عمامہ تھا۔ خط و خال اوزبکوں سے ملتے تھے۔ جونہی کہ ہم بیٹھ گئے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۴ کے نیچے)

خواجہ شاہ نیاز صاحب بہ استغنائے ذاتی کہ لازمۂ فقر است بآں شغل تکلیف دہ یادآوری نخواہد شد۔ لہٰذا بوجوہات مرقوم الصدر اطلاع کردن ہمچو امر در عالم دوستی واجب دانستم۔ دعائے درویشاں موجب حشمت وجاہ سیبا شد خواہد شد...... بہ صمیم مودت قلبی آنچہ شنیدم و مصلحت دیدم بے مبالغہ و اغراق بہ سمع شریف رسانیدم...... بنام ناظم کشمیر حکم صادر شود کہ اعزاز و اکرام مرعی داشتہ وجہے کہ مقرر شود۔ بموجب امر عالی برساند و سندے کہ دریں باب لازم باشد۔ بخواجہ صاحب موصوف ارسال فرمائید۔

صاحب بہادر کی سفارش سے صرف پانچ دیہات واگذار ہوئے اور باقی جاگیرات کے لئے کہا گیا کہ بتدریج تمام دیہات واگذار کر دیئے جائیں گے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جس معذرت نامہ کی رو سے یہ دیہات واگذار کئے، وہ گو طویل ہے۔ لیکن اس کی تاریخی عظمت و اہمیت سے اس کو بجنسہٖ درج کیا جاتا ہے۔

"زبدۃ الواصلین قدوۃ العارفین نقاوۂ دودمان عظمیٰ۔ سلالہ خاندان کبریٰ۔ سیادت پناہ شاہزادہ خواجہ نیاز نقشبندی سلامت۔ دریافت شد کہ کیفیت کہ بانقصان بنا بر ناواقفیت و ناآشنائی اہلکاران بوقت تسخیر کشمیر بوقوع آمدہ است۔ موجب سخت تاسف است۔ مردمان فوجی بوقت تسخیر بعدم واقفیت معذور سیبا شد۔ ما بدولت ہر وجہ خواہان جبر نقصان تکلیف آں خاندان است۔ دہات منضبط کل رفتہ رفتہ واگذار خواہند شد۔ سردست پنج موضع دہات بطور جاگیرات دوامی تعیین حدود واگذار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۳) نمکین چا، گندمی کلچے، بیارقندی بسکٹ۔ لداخ کے سیب اور اخروٹ اور کشمیر کا انجیر چنا گیا۔ مورکرافٹ کے سفرنامہ میں صفحہ ۲۵۶ پر پھر خواجہ شاہ نیاز کا ذکر ہے۔ وہاں لکھا ہے "یہاں بھی ہمارے دیرینہ دوست خواجہ نے میری مدد کی اور بتدریج لاما کو ہماری مخالفت سے باز رکھا۔"

شدند۔ ہمہ عطائے کل حقوق از خالصہ جی باں دیہات کدام مداخلت نخواہد شد۔ واز ہمہ پرگنات دہات مذکور منہا خواہند بود۔ مابعد ـــــ دیگر دہات جاگیر بمرور ایام وگذار خواہند شد معہ کل حقوق وتعین حدود واگذار خواہند بود وقدر ومنزلت آن در قلمرو مابدولت از ہمہ مافوق ملحوظ خواہد بود والقاب وآداب در سلسلہ خط وکتابت بلحاظ خاندان شاہی و بزرگی خاندان سیادت قرار ذیل مقرر شد "نقاوہ دودمان عظمیٰ۔ سلالۂ خاندان کبریٰ" ہمیں الفاظ از سرکار خط وکتابت جاری میشود۔ وجائے نشست آنصاحب ومتعلقان آن خاندان از ہمہ بالا بوجہ بودن آنصاحب از خاندان شاہی در سرکار مابدولت خواہد ماند و در ضروریات امور آنصاحب دیا خالصہ جی وکیل دربار آنصاحب در سرکار حاضر خواہد ماند عزت وتوقیر او ملحوظ خواہد بود۔ واز علاقہ آنصاحب یعنی از دہات جاگیر دیا از علاقہ یارقند وغیرہ ہرچہ کہ در شہر آنصاحب از مال سرسولی مثل جنس وغلات و چوب وچگل جنگلات وغیرہ چائے تبتی ومامیران وغیرہ خواہد رسید۔ نصف محصول گرفتہ خواہد شد ونصف دیگر در معافی است واز چوپان وشاخ شماری وغیرہ آمدنی جنگلات ہمہ در مد معافی جاگیر حق آنصاحب است۔ کسے وجہ مداخلت نخواہد شد۔ اگر برائے سیر وطن بطرف ترکستان احیاناً خواہند رفت۔ یا دہات جاگیر وزمینات دیا نمات ومکانات مداخلت بوجہے نخواہد شد۔ سردست آنکہ دیہات واگذار شدہ اند۔ ہیچ موضع بقدر نسبت وپنجہزار کہ واگذار شدند۔ در تصرف خود آوردہ باشند۔ ہمیشہ رابطۂ خط وکتابت مربوط دارند وآمد ورفت در حضور مابدولت جاری دارند وپروانگی حضور بنام ناظم خطہ کشمیر جرنیل میاں سنگھ جی علیحدہ درین خصوص بطور مفصل ارشاد جاری شد۔

تحریر ۱۵۔ اسوج سمت ۱۸۹۸ - ڈیرہ دار السلطنت لاہور"

اس زمانہ میں امیر دوست محمد خان افغانستان کا بادشاہ تھا۔ اس نے آپ کی دلجوئی کے لئے آپ کو کابل بلوایا۔ ارباب حکومت افاغنہ نے ایک میل تک پیشوائی کی۔

امیر دوست محمد خان بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آیا آپ اٹھارہ سال تک کابل ہی میں رہے۔ اور آخر اسی جگہ ۸ جمیدالثانی ۱۲۴۵ھ کو وصال فرمایا۔ خیر الابرار تاریخ وفات ہے۔ امیر دوست محمد خان تمام مراسم تعزیت بجالایا اور آپ کے فرزندان عالی منزلت خواجہ محمد شاہ و احمد شاہ کو تعزیت نامہ لکھا جس میں حضرت خواجہ شاہ نیاز کی وفات پر بے انتہا رنج و الم کا اظہار کرتے ہوئے ارقام فرمایا۔

"واقعۂ وفات حضرت خواجہ شاہ نیاز اگرچہ بالیشان سخت آمدہ اما بر ما نیازمندان سخت تر۔۔۔۔۔ نیازمندان را از خود جدا ندانستہ زیارت حضرت مرحوم را خالی نگذارند۔ خواہ مخواہ این نواحے را بقدوم مبارک خود مشرف ساختہ ما مریدان و مخلصان و محبان را سرافراز دارند کہ از انتقال آنحضرت بنہایت محزون شدہ ایم۔"

خواجہ شاہ نیاز صاحب دیوان و مصنف کتب کثیرہ تھے۔ دیوان اور چہار نامہ جو تصوف کے رنگ میں لکھا گیا ہے چھپ چکا ہے۔ باقی کتب آپ کے مختلف ورثا کے قبضہ میں ہیں۔ فارسی و عربی علم ادب میں صاحب کمال تھے۔ آپ نے خانقاہ کے متصل محلہ سیدداری خانیار میں ایک خانقاہ بصرف زرکثیر تعمیر کرائی جس کی تاریخ بنا تاریخ حسن میں ع عقل زیبا مسجد پُرفیض گفت۔ درج ہے۔ یہ خانقاہ کشمیر میں خواجہ شاہ نیاز صاحب کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے۔ بانی خانقاہ نے خانقاہ کے اخراجات ضروریہ کیلئے چھ سو روپیہ سالانہ مقرر کر رکھا ہے۔ جو اب تک بدستور چلا آتا ہے۔ یہ رقم زیر تولیت خواجہ سلام شاہ نقشبندی باقاعدہ ہر مہینے بطور تنخواہ امام۔ موذن۔ جاروب کش وغیرہ سب کو تقسیم ہوتی ہے۔

آپ کے فرزند اول خواجہ محمد شاہ جو علوم معقول و منقول میں پایہ بلند رکھتے تھے۔ ۱۹ جمیدالثانی ۱۲۵۶ھ کو لاہور میں انتقال فرما گئے۔ آپ حضرت شاہ محمد غوث رح کی درگاہ میں مدفون ہیں۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے۔ خواجہ عبدالصمد شاہ (لاولد)



خواجہ سید سلام شاہ صاحب نقشبندی اسسٹنٹ گورنر کشمیر

خواجہ عبدالشکور (لاولد) خواجہ عبدالرحمن جن کے فرزند خواجہ غلام شاہ نقشبندی مرحوم مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے زمانہ میں تحصیل دار رہے ہیں۔ خواجہ سلام شاہ جو اس وقت کشمیر کے اسسٹنٹ گورنر ہیں۔ خواجہ غلام شاہ مرحوم ہی کے فرزند ہیں۔ خواجہ سلام شاہ کے فرزند کا نام حسام شاہ ہے۔ جو نہایت ہونہار نظر آتا ہے۔ خواجہ محمد شاہ مرحوم کے چوتھے فرزند کا نام خواجہ عبدالاحد تھا اور وہ ترکستانی بیگم کے بطن سے تھے۔ خواجہ عبدالغفور جو آپ کے برادر زادہ تھے آپ کے خانہ داماد تھے۔

خواجہ شاہ نیاز مرحوم کے دوسرے فرزند کا نام احمد شاہ تھا۔ ان کے دو فرزند تھے۔

(۱) خواجہ عبدالرسول (۲) خواجہ عبدالغفور۔

خواجہ عبدالرسول کے فرزند خواجہ حسن شاہ جاگیردار و متولی و سجادہ نشین خانقاہ نقشبندیہ نے کشمیر میں بہت عزت و شہرت حاصل کی ہے۔ وہ کشمیر کے ان نمائندوں میں بھی شامل تھے جنہوں نے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے آخری ایام میں مسلمانوں کے مطالبات لارڈ منٹو وائسرائے کے پاس پیش کئے تھے۔ ان کے دو فرزند خواجہ نور شاہ اور خواجہ غلام محمد شاہ بقید حیات ہیں۔ خواجہ نور شاہ صوبہ جموں میں وزیر وزارت ہیں۔ آپ کے صاحبزادہ کا نام خواجہ غلام احمد ہے۔

خواجہ عبدالغفور کے تین فرزند تھے۔ خواجہ محمد شاہ۔ خواجہ احمد شاہ۔ خواجہ محمود شاہ۔ خواجہ محمد شاہ شاعر بھی تھے۔ ذوق تاریخ سے بھی آشنا تھے۔ چند سال ہوئے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کے تین فرزند ہیں۔ خواجہ غلام حسین۔ خواجہ غلام نبی۔ خواجہ احمد شاہ تحصیلدار آبپاشی۔ یہ تینوں صاحب اولاد ہیں۔

خواجہ احمد شاہ کے دو فرزند ہیں۔ خواجہ غلام نبی خواجہ مبارک شاہ بی اے ایل ایل بی خواجہ مبارک شاہ پبلسٹی گورنمنٹ جموں و کشمیر کے افسر اعلیٰ ہیں۔ خواجہ محمود شاہ کے دو فرزند ہیں۔ خواجہ سعدالدین و خواجہ غلام رسول۔

سادات قادریہ گیلانیہ خانیاریہ

تاریخ خواجہ اعظمی اور تاریخ کبیر کشمیر وغیرہ تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ شاہ ابوالحسن و شاہ محمد فاضل قادری جو دونوں سگے بھائی تھے۔ چھ واسطوں سے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔ بقول خواجہ اعظم بدیں صورت شاہ ابوالحسن و شاہ محمد فاضل ابن سید شرف الدین یحیٰی بن سید شہاب الدین احمد بن قاضی القضاۃ سید عماد الدین ابن سید ابی صالح النصر ابن سید تاج الدین عبدالرزاق ابن حضرت غوث الاعظم۔

مندرجہ صدر شجرہ سطحی نظر سے بھی نہایت مختصر بلکہ نا مکمل معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے میں نے سرگرمی سید محمد مبارک شاہ گیلانی فطرت کو اس شجرہ کی تکمیل کے لئے تکلیف دی۔

چنانچہ انہوں نے شاہ ابوالحسن و شاہ محمد فاضل سے لیکر حضرت غوث الاعظم تک جو نسبی اسمار ارقام کئے ہیں حسب ذیل ہیں:۔

سید شاہ ابوالحسن پشاوری و سید شاہ محمد فاضل کاشمیری بن سید عبداللہ بن سید محمود الحموی بن سید عبدالقادر ثانی بن عبدالباسط بن شاہ حسین بن شہاب الدین احمد ثانی بن شرف الدین یحییٰ قاسم بن محی الدین یحییٰ ثالث ابن بدرالدین حسین ابن علاء الدین علی ابن شمس الدین ابوعبداللہ محمد ابن سیف الدین ابوذکریا یحییٰ ثانی بن السید ابی حما ابن ظہیر الدین ابومسعود احمد بن محی الدین میر ابونصر محمد ابن عماد الدین میر ابوصالح نصر ابن سید عبدالرزاق الجیلی ابن قطب الکونین نورالقمر بن الشیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی۔

یہی سلسلہ نسب سید محبوب شاہ توی ہزاروی نے بھی اپنی کتاب بحرالجمان میں درج کیا ہے۔

سنہ ۱۰۹۰ھ یا اس کے ایک دو سال بعد عالمگیر کے زمانہ میں دونوں بھائی پشاور سے ایک کثیر جماعت کے ساتھ کشمیر میں آئے۔ چنانچہ خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ کے صفحہ ۲۰۱ پر لکھتے ہیں۔

"درہزار و نود و چند بہ کشمیر رسیدند۔ قریب صد کس از اہل عیال و خادمان و مسافران در سایہ عاطفتش مے گذرانیدند۔"

دونوں بھائی ایک نووارد اور غریب الوطن کی حیثیت سے کشمیر میں آئے تھے۔ لیکن بقول صاحب تاریخ اعظمی "باوجود ازیں قلیل البضاعت احتیاج استکشاف نبود۔"

شاہ ابوالحسن نے حضرت خواجہ بابا کے فرزند بابا عثمان قادری کی طرف رجوع کیا چنانچہ اعظمی وکبیر میں لکھا ہے کہ "چوں حضرت شاہ ابوالحسن برادر کلاں شاہ محمد فاضل قادری دریں شہر نزول فرمودند بخدمت بابا عثمان قادری رجوع بہ صحبتش نمودند بلکہ رابطہ معنوی ہم حاصل کرد۔"

اس زمانہ میں سری نگر میں ایک نامور اہل اللہ خواجہ محمد ہاشم بلو نام جو شہر سرینگر کے نامدار تاجر ہونے کے باوجود صاحب ذوق وسماع تھے گذرے ہیں، وہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے شاہ محمد فاضل اور خواجہ محمد اعظم مصنف تاریخ اعظمی کے مرشد ان کی ملاقات کو اس وقت گئے جب وہ آخری سانس لے رہے تھے۔ اور ہم کلام ہونے سے معذور تھے۔ اسی رات (شب قدر ۱۱۰۵ھ) کو ان کا انتقال ہو گیا۔

دونوں بھائیوں کا اقتدار واحترام عوام کے دلوں پر جادو کا اثر کر رہا تھا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد نہ صرف شاہ محمد فاضل کی اپنی شادی ہی کشمیر کے ایک اعلےٰ خاندان میں ہو گئی بلکہ میر خداداد پسر میر شمس الدین نوشہری نے جو کشمیر کے سادات عالی درجات سے تھے اپنی لڑکی شاہ محمد فاضل کے لڑکے سے بیاہ دی۔ میر خداداد ۱۱۰۹ھ میں وفات پا گئے۔

شاہ ابوالحسن بعمر ۷۵ سال ۱۱۱۵ھ میں انتقال کر گئے۔ مصنف اشجار المخلد لکھتے ہیں۔ کہ "شاہ ابوالحسن دریں جا وفات یافتہ است و برادرش شاہ محمد فاضل قادری جسم مبارکش را امانت سپردہ پس از شش ماہ در شہر پشاور بردند۔" بعض کا خیال ہے کہ ان کا انتقال پشاور ہی میں ہوا تھا بہر حال ان کا مزار پشاور میں ہے۔

شاہ ابوالحسن کے فرزند حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ کی اولاد کشمیر میں بھی ہے اور پشاور

میں تھی۔ آپ بھی کشمیر بارہا آتے رہے ہیں لیکن قیام زیادہ تر لاہور ہی میں رہا ہے۔ اور وہیں مدفون ہیں۔ مزار آپ کا مرجع خاص و عام ہے کئی افغانی شہزادے آپ کے روضہ انور کے ایک گوشہ میں لیٹے ہوئے ہیں۔ رنجیت سنگھ کے بعد سکھوں نے اس مزار کی بنیادیں کھودنی شروع کر دی تھیں۔ لیکن ابھی کام شروع ہی کیا تھا کہ مہاراجہ کھڑک سنگھ اور اس کا فرزند کنور نونہال سنگھ جس کے حکم سے یہ کام ہو رہا تھا ایک ہی دن یکے بعد دیگرے مر گئے۔ اس لئے حضرت کا مزار مبارک صدمۂ انہدام سے بچ گیا۔

حضرت شاہ محمد غوث رح کے فرزند میر سید عابد بڑے نامور گذرے ہیں۔ ان کا مزار کوہ ماران (ہری پربت) کے دامن میں شیخ عبدالرشید حکیمی کے غار کے متصل موجود ہے۔ ۱۱۸۵ھ میں آپ انتقال فرما گئے۔ آپ کی ذریات کشمیر اور پنجاب میں کثرت سے ہے۔ آپ کے نام بلکہ حضرت شاہ محمد غوث کے نام شاہان مغل کی طرف سے جاگیر و عطایات کی سندات راقم الحروف نے بھی سرینگر میں دیکھی ہیں میر سید عابد ہی کی اولاد سے میر سید عبدالرسول کے نام افغان گورنروں اور سکھ ناظمان کشمیر اور سید محمود شاہ قادری اور سید اصغر شاہ قادری کے نام مہاراجہ گلاب سنگھ کے احکام جاگیروں کے متعلق دیکھے ہیں۔

خانیار کے متصل بہرہ باغ ایک محلہ ہے وہاں بھی سادات گیلانیہ کے کئی گھر آباد ہیں ان کے مورث اعلیٰ سید شاہ محمد غوث رح ہی ہیں لیکن افسوس ہے۔ ایسے جلیل القدر سلف کے خلف زمانہ انقلاب سے بالکل بے حس ہیں۔ بلکہ سنا ہے کہ انہوں نے اپنی مفلوک الحالی کی وجہ سے اپنے خاندانی کاغذات (شجرے۔ جاگیروں کے پٹے۔ شاہی احکامات وغیرہ) اور کئی قلمی کتابیں کہیں فروخت کر دی ہیں۔

لاہور میں حضرت شاہ محمد غوث رح کے مزار کی آمدنی اور ان کا عرس اور دیگر انتظامات میر سید عبدالرسول کے فرزند کلاں مقبول شاہ کی اولاد کے سپرد ہیں۔ جن کی سکونت عرصہ دراز سے پشاور میں رہی ہے۔ ان میں پیر سید اکبر شاہ اور سید سکندر شاہ نہایت نامور گذرے ہیں۔

درگاہ حضرت شاہ محمد غوث رح کے سجادہ نشین یا منتظم ہر سال ایک دو مرتبہ لاہور آتے ہیں اور عرس کی رسومات دھوم دھام سے ادا کرتے ہیں۔ شاہ محمد فاضل قادری ۱۰ رجب ۱۱۱۷ھ کو سرینگر میں وفات پا گئے۔ زیارت گاہ موئے مبارک حضرت غوث الاعظم رح کے اندر آپ کا مزار ہے۔ تاریخ وفات سے:

زدہ سر ز آسماں اف گفتا بگو ستید محمد فاضل ما

آپ سرینگر کے محلہ خانیار ہی میں متاہل ہوئے تھے۔ آپ سے حسب ذیل چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں:۔

(۱) سید عبدالقادر عرف سید بادشاہ یا میر بادشاہ (۲) سید عبداللہ عرف سید وزیر (لاولد) (۳) شاہ لطف اللہ (لاولد) (۴) سید فضل اللہ (لاولد)۔ ان چاروں بھائیوں کا مدفن خانیار میں ہے۔ سید عبدالقادر عرف سید بادشاہ حضرت شاہ محمد غوث کے داماد تھے۔ آپ کے فرزند کا نام سید محمود شاہ اور ان کے فرزند کا نام سید غلام شاہ آزاد تھا۔ آزاد کشمیر کے شعراء و علماء میں درجہ امتیاز رکھتے تھے ۱۱۳۶ھ میں پیدا ہوئے۔ جد مادری حضرت شاہ محمد غوث سے بھی صغر سنی میں فیض حاصل کیا۔ افراسیاب خاں گورنر کشمیر کے زمانہ میں کشمیر آئے۔ اور ۱۲۰۳ھ میں یہیں پیوند خاک ہو گئے۔

سید غلام شاہ آزاد کے فرزند سید بزرگ شاہ قادری نے بہت عزت و دولت حاصل کی۔ سردار عبداللہ خاں الکوزئی گورنر ان کا مرید و معتقد تھا۔ اور کمال اخلاص و شعاعں سے ہدیہ و نذران کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔ انہی ایام میں قندھار سے اور بقول بعض بغداد سے ایک بزرگ حضرت غوث الاعظم رح کا موئے مبارک کشمیر میں لائے۔ اور سردار عبداللہ خاں گورنر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ بزرگ سیئۃ الحال تھے۔

نوٹ: ان کے مندرجہ ذیل اور چار بھائی بھی تھے (۱) میر بہادر (۲) میر حسین شاہ (۳) میر حمد شاہ (۴) میر محسن شاہ۔

اُن کی پریشانیاں دیکھ کر سردار عبداللہ خاں نے مُوئے مبارک اُن سے لے لیا۔ اور ان کو گیارہ ہزار روپیہ دے کر خوش کر دیا۔ چونکہ خوش عقیدہ تھا۔ اور سید بزرگ شاہ قادری سے ارادت قلبی رکھتا تھا۔ اس لئے وہ مُوئے مبارک اس نے سید بزرگ شاہ کو دے دیا۔ تاریخ کبیر کشمیر میں صفحہ ۵۰۷ پر موئے مبارک کے متعلق لکھا ہے۔ کہ "سید صاحب موئے مبارک را در پالکی بہ کمال اعزاز و اکرام بر زمیں نہاد و بہمراہی سردار در خانۂ خود رسانید و ہزارہا روپیہ در راہ نثار کردند"۔

اپنے مکانات کے قرب میں مُوئے مبارک اور خانقاہ کے لئے زیارت گاہ کی بِنا رکھی۔ چنانچہ ۱۲۲۱ھ میں سب سے پہلی مرتبہ یہ موئے مبارک عوام کو دکھایا گیا۔ اور اب سال میں دو مرتبہ دکھایا جاتا ہے۔ ان تقریبوں پر خانیار میں ایک میلہ سالگ جاتا ہے۔ جو کئی کئی دن رہتا ہے۔ اور اتنا جم غفیر ہوتا ہے۔ کہ رستہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے۔

سید بزرگ شاہ کے زمانہ ہی میں اس موئے مبارک کی بدولت زیارت خانہ دستگیر بنا۔ خانقاہ، مسجد اور حمام بھی اسی زمانہ میں تعمیر ہوئے۔ تین دیہات کی آمدنی جو بقدر گیارہ سو خروار تھی۔ زیارت خانقاہ قادریہ گیلانیہ کے ضروری مصارف کے لئے بطور جاگیر ملی۔

زوال افاغنہ کے بعد جب کشمیر میں سکھوں کا عمل درآمد ہوا۔ تو کئی جاگیریں اور معافیاں اور سرکاری وظائف خصوصاً مسلمانوں کے مسدود کر دیئے گئے۔ لیکن سید بزرگ شاہ نے اپنے ذاتی رسُوخ اور ذاتی کوششوں سے پھر بھی بہت کچھ بچا لیا۔

سید بزرگ شاہ ۱۲۳۲ھ میں فوت ہو گئے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ سید حسن و سید علی۔ صاحب تاریخ کبیر کشمیر صفحہ ۵۰۷ پر سید حسن شاہ قادری کے متعلق لکھتے ہیں: "خلف ارشد سید بزرگ شاہ قادری دختر راجہ تیغ سنگھ کہ والیٔ کشتوار بُود مسلمان شدہ در عقد آورد اشت و بمدت یازدہ سال سجادہ نشینی نمودہ ۱۴ شعبان المعظم در ۱۲۴۱ھ برحمت حق پیوستہ"

پھر لکھتا ہے۔ کہ بارہ بنبل سے متصل جو سقوبہ ہے۔ وہ انہی کا تعمیر کردہ ہے۔ یہ دونوں

بھائی لاولد تھے۔ اس لئے ان کی وفات کے بعد ان کے بہنوئی میر سید محمود قادری جو شاہ ابوالحسن قادری یعنی سادات قادریہ گیلانیہ کی شاخ کلاں کی اولاد سے تھے۔ سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ اور شاہ محمد فاضل کی اولاد کا سلسلہ یہیں ختم ہو گیا۔ میر سید محمود کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔

میر سید محمود ابن میر ولی احمد ابن میر فقیر اللہ ابن میر زین العابدین ابن شاہ ابوالحسن قادری برادر شاہ محمد فاضل قادری میر سید محمود سیح کوٹ یا ساجیکوٹ علاقہ پکھلی ہزارہ میں سکونت پذیر تھے۔ میر یاسین شاہ انہی کے فرزند تھے۔ چنانچہ صاحب تاریخ کبیر کشمیر (صفحہ ۴۸۰ پر) لکھتے ہیں "میر یاسین قادری فرزند میر محمود کہ از احفاد شاہ ابوالحسن قادری است۔ نواسۂ سید بزرگ شاہ قادری خانیاری بود" سید محمود ۱۳ رجمادی الاول ۱۳۰۵ھ کو انتقال کر گئے نماز جنازہ پر دس ہزار سے زیادہ مخلوق تھی۔ تاریخ وفات حسب ذیل ہے ؎

ہاتفے گفتہ از سر حسن خلق خاستہ یاسین و نشستہ حسن

میر یاسین شاہ کے فرزند کا نام میر احمد شاہ تھا۔ لیکن قطعہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ میر یاسین شاہ کے بعد سجادہ نشینی کی مسند پر سید حسن شاہ کو جگہ دی گئی ہے۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ میر احمد شاہ اپنے باپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ اور انکی فوتیدگی کے وقت ان کے فرزند سید حسن شاہ بالکل خوردسال تھے۔ آپ نہایت مردم شناس علم دوست اور علم نواز بزرگ تھے۔ راقم مؤلف کو ان سے شرف ملاقات حاصل تھا۔ حسب ذیل تین فرزند آپ کی یادگار ہیں۔

۱۔ میر سید مقبول شاہ گیلانی جو سب سے بڑے ہیں۔ اور زیارت کے متولی اور جاگیر دار ہیں۔ اور قومی و اسلامی معاملات میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

۲۔ میر غلام حسین گیلانی جنرل سیکرٹری ینگ مینز ایسوسی ایشن سرینگر کشمیر۔

۳- میر غلام محی الدین گیلانی۔

۱۹۳۰ء کی گرمیوں میں ایک مرتبہ راقم مؤلف کو میر سید مقبول شاہ اور ان کے ہمراہیوں پیر سید حسام الدین شاہ آف پونچھ و خان زبردست خان آف راجوری جاگیر کے ساتھ سرینگر سے ویری ناگ تک موٹر میں جانے کا اتفاق ہوا۔ جونہی ہم چشمہ ویرناگ کے باغ میں پہنچے میر مقبول شاہ کو دیکھتے ہی ارادت مندوں کا ایک جم غفیر اظہار عقیدت کے لئے ٹوٹ پڑا کوئی ان کے ہاتھ چومتا تھا۔ کوئی ان کے ہاتھوں کو آنکھوں پر لگاتا اور بوسے دیتا تھا عوام کا یہ اخلاص دیکھ کر راقم مؤلف کو خیال آیا۔ کہ ہمارے سجادہ نشین اور پیر صاحبان اور علمائے کرام اگر خدا ان کو ہمت اور توفیق دے۔ اور ملت مصطفوی کا تھوڑا سا درد عطا کرے۔ تو وہ مسلمانوں کو چشم زدن میں قعر مذلت سے نکال کر بام عروج پر پہنچا سکتے ہیں۔

سادات قادریہ گیلانیہ رٹینگ

شاہ محمد فاضل قادری کے سلسلہ میں ان کی چار صاحبزادیوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان میں سے دو تو شادی سے قبل ہی انتقال کر گئی تھیں۔ دوسری دو صاحبزادیوں کی شادیوں کے لئے آپ نے دو حقیقی بھائیوں سید محمد تقی و سید محمود کو جو حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے اور آپ کے اعزہ میں تھے۔ ٹھٹھہ علاقہ سندھ سے کشمیر بلوایا۔ اور دونوں لڑکیاں ان دونوں بھائیوں کے نکاحوں میں دیدیں۔ چنانچہ دونوں بھائیوں کے مقبرے محلہ رٹینگ میں موجود ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:۔

سید عبدالقادر ثانی جو شیخ عبدالقادر جیلانی رح سے پندرھویں پشت میں تھے۔ کے تین حسب ذیل فرزند تھے :-

(۱) سید محمود الحموی۔ ان کے تین فرزند۔ سید عبداللہ۔ سید محمد حسن۔ سید احمد۔ یہ تینوں بھائی حما سے سکھر ٹھٹھہ سندھ میں آئے۔

سید عبداللہ۔ عبداللہ الحموی کے نام سے بھی موسوم تھے۔ اور شاہ ابوالحسن پشاوری و شاہ محمد فاضل کاشمیری انہی کے فرزند تھے۔

سید عبدالقادر ثانی کے دوسرے فرزند سید نورالدین الحموی و سید عبدالکریم تھے۔ سید عبدالکریم کی اولاد کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔ سید نورالدین کے فرزند سید احمد الحموی ان کے فرزند سید یوسف ان کے سید عبدالمجید اور ان کے فرزند سید ابوالبرکات تھے۔ ان کے مقبرے ٹھٹھہ اور سکھر وغیرہ میں موجود بتائے جاتے ہیں۔

سید ابوتراب۔ سید محمد محمود اور سید محمد تقی۔ سید ابوالبرکات کے فرزند اور شاہ محمد فاضل کے ہمشیرہ زادے تھے۔ اس لئے کفائت نسبی کے لحاظ سے حضرت شاہ محمد فاضل نے اپنے ہمشیرہ زادگان کو سندھ سے کشمیر بلوایا۔ اور سید محمد محمود اور سید محمد تقی سے اپنی دونوں صاحبزادیوں کی شادیاں کر دیں۔ سید ابوتراب بھائیوں کی شادیوں سے فارغ ہو کر پھر سکھر واپس چلے گئے۔

سید محمد محمود خانیار اور سید محمد تقی محلہ ڈنگ میں جو خانیار کے متصل ہی ہے مدفون ہیں۔ سید محمد محمود کے تین فرزند تھے۔ سید صفدر اور سید شیر علی کی اولاد توسو پور میں ہے۔ بڑے فرزند سید محمد ملوک کے دو فرزند تھے۔ سید نورالدین و سید جمال الدین سید جمال الدین کے فرزند سید جلال الدین اپنے وقت کے نامور محدث اور شاعر تھے۔ تخلص ان کا مشتاق تھا۔

سید نورالدین کے فرزند سید نظام الدین ولی تھے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ سید حافظ حسین۔ سید وزیرالدین۔ سید حافظ حسین کی اولاد خانیار میں موجود ہے۔ سید وزیرالدین

کے تین فرزند تھے۔ سید غلام الدین۔ سید حسن۔ سید میرک۔ سید میرک کے فرزند سید حاجی غلام محمد ہیں۔ جو یارقند میں جاگیردار ہیں۔

سید وزیرالدین اپنے بچوں کو عالم طفولیت ہی میں چھوڑ کر راہیٔ ملک بقا ہو گئے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد سید غلام الدین تو میر میرک کبروی (خانقاہ معلی) کے ہاں بیاہے گئے۔ اور ۱۲۸۹ھ میں خانیار سے خانقاہ معلی میں منتقل ہو گئے۔ ۱۳۳۶ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ آپ کا مزار بھی خانقاہ معلی کے احاطہ ہی میں ہے۔ تمام عمر ریاضات شاقہ میں گذار دی۔ مثنوی مولانا رومؒ کے ایک دو دفتر ان کو زبانی یاد تھے۔ ان کے دو بیٹے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ بڑے لڑکے کا نام سید محمد یاسین اور دوسرے کا سید محمد مبارک ہے۔ آپ نے اپنی ایک صبیہ کا نکاح یارقند میں اپنے برادرزادہ سید حاجی غلام محمد کے ساتھ کیا۔

سید محمد مبارک فطرت اپنے عمزاد بھائی کی دعوت پر ۱۹۸۳ب میں یارقند گئے۔ اور وہیں ان کی شادی سید حاجی غلام محمد جاگیردار یارقند کی صاحبزادی سے ہو گئی۔ جس سے ایک لڑکا بھی محمد غوث نام موجود ہے۔ سید محمد مبارک تین سال تک یارقند رہے۔ اور اس عرصہ میں چینی ترکستان کے مشہور شہروں ختن۔ کاشغر۔ یارقند اور اقسو کی خوب سیاحت کی۔ فارسی شعر خوب کہتے ہیں۔ ایک غزل میں اسی سیر و سیاحت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

صحبت پاک نژادان ختن روزے چند   شد نصیب من مہجور وطن روزے چند
بہ مزارات شہیدان ہمہ شب تا بہ سحر   شمع ساں سوختہ بودم بہ لگن روزے چند
سنگ مویان خطا غالیۂ سامان ختن   تازہ کردند مرا زخم کہن روزے چند
چہ مبارک نفسے ہست و چہ فطرت منشے   کہ بترکان ختن کرد وطن روزے چند

سید محمد محمود کی اولاد ہیہ وارہ علاقہ شاہ آباد۔ خانیار۔ گگجہ پتھری حیدرپورہ میں آباد ہے

سید محمد محمود کے دوسرے بھائی سید محمد تقی کی اولاد سرینگر کے محلہ خانیار ریہ ٹنگ علاقہ شاہ آباد کے موضع ہاگام - علاقہ کرناہ اور پونچھ میں آباد ہے - میرجی صاحب جاگیردار مرحوم انہی کی اولاد سے تھے - میر سید یوسف شاہ مرحوم جو برسوں تک گلگت کی مسجد جامعہ جنگی کے امام رہے ہیں - آپ ہی کی ذریات سے تھے - سید صدرالدین گیلانی مفتی مرحوم جنہوں نے اپنے خاندان کا منظوم تاریخی شجرہ لکھا ہے - آپ ہی کی اولاد سے تھے - میر قدرت اللہ اور ان کے چھوٹے بھائی میر لطف اللہ کا مزار امرتسر میں ہے - ان کے متعلق تاریخ کبیر کشمیر میں لکھا ہے - کہ "بتوجہ ایشاں بسیار کساں از قوم ہنود خلعت اسلام در بر نمود" - ان کی عمر کا آخری حصہ ہندوستان بالخصوص امرتسر ہی میں گذرا ہے ۱۲۷۰ھ ان کا سال وفات ہے - ان کے برادر کلاں میر قدرت اللہ کا مزار سرینگر کے محلہ رینگ میں ہے - جہاں ان کا آبائی مزار ہے - حافظ میر مقبول شاہ قادری ریہ ٹنگی جن سے راقم الحروف کو بھی شرف ملاقات حاصل تھا - اور جو حضور نظام دکن کے وظیفہ خواروں میں تھے - سید محمد تقی ہی کی ذریات سے تھے - کشمیر کے علاوہ جموں - پنجاب اور حیدر آباد دکن میں ان کے بہت تعلقات تھے - سنا ہے - اُن کا وظیفہ اُن کے فرزندوں کے نام منتقل ہو چکا ہے کاش مرحوم کی خوبیاں ان کے اخلاق حسنہ اور ان کے مردم شناسانہ اوصاف اور ان کی علمی قدر دانیاں بھی ان کے فرزندوں کے نام منتقل ہو سکتیں - لیکن ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خواجہ سلام الدین نقشبندی کے بہنوئی سید رسول شاہ بھی اسی شاخ گیلانیہ میں سے ہیں -

---

ل سید علی شاہ قادری آپ کے حقیقی بھائی تھے - جن کے دو صاحبزادے میر رسول شاہ و میر احمد شاہ موجود ہیں ۱۲

ساداتِ قادریہ گیلانیہ نوگام شاہ آباد

شاہ محمد فاضل قادری کے چار فرزندوں میں جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ دوسرے فرزند سید عبداللہ عرف سید وزیر تھے۔ سادات قادریہ گیلانیہ کی جو شاخ نوگام شاہ آباد میں ہے۔ وہ سید عبداللہ عرف سید وزیر کے فرزند سید غلام حسین کی ذریات سے ہے۔

سید غلام حسین رؤسائے شاہ آباد (علاقہ ویرناگ) کے اصرار پر سرینگر سے شاہ آباد گئے۔ اور وہاں کی خاک کچھ ایسی دامنگیر ہوئی۔ کہ ان کو اپنا پیوند بنا کے ہی رہی۔ ان کے فرزند سید مظفر حسین کو حکومت وقت نے جاگیر و منصب کے علاوہ میرزا کا خطاب دیا۔ اس علاقہ میں جس قدر سادات قادریہ ہیں۔ ان میں زیادہ حصہ سید میرزا مظفر حسین عرف سید میرزا شاہ ہی کی اولاد کا ہے۔ اس وقت نوگام شاہ آباد کے سادات قادریہ میں سید نجم الدین حسن جو تاریخ کشتوار کے مصنف ہیں۔ اور علم تاریخ سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور ان کے بھائی سید لطف اللہ شاہ و سید شاہ اپنے اخلاق اور اپنے علمی و عملی کارناموں سے نہ صرف اپنے باپ سید محمد شاہ قادری کا بلکہ اپنے آبا و اجداد کا نام روشن کر رہے ہیں۔ یہ تینوں بھائی سید عبداللہ عرف سید وزیر بن حضرت شاہ محمد فاضل سے چھٹی پشت میں ہیں۔

میر سید مظفر حسین میرزا کے فرزند کلاں سید سکندر شاہ کی اولاد سے سید نجم الدین مصنف تاریخ کشتوار وغیرہ ہیں۔ اور فرزند خوردہ سید محمد وزیر شاہ قادری کی اولاد کشتوار و یارقند میں ہے۔ چنانچہ کشتوار میں سید حسن شاہ زیارت حضرت سید فرید الدینؒ کے متوتی ہیں۔ اور یارقند چینی ترکستان میں سید احمد شاہ قادری اسی خاندان کے جواہر ریزہ ہیں۔

نوگام شاہ آباد میں حضرت سید محمد غوث کے ہمشیرہ زادوں کی اولاد بھی آباد ہے مولانا سید نجم الدین قادری مصنف تاریخ کشتوار اپنی ایک تحریرؔ میں راقم مؤلف کو ان کے

ؔ مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۳۱ء از مقام ڈلہوزی ۱۲

وارد کشمیر ہونے کا قصہ الفاظ ذیل میں لکھتے ہیں۔ جب حضرت سید غلام شاہ آزاد لاہور سے کشمیر روانہ ہوئے۔ تو ان کے ہمراہ حضرت شاہ محمد غوث کے دو ہمشیرہ زادے میر سید کلیم اللہ و میر سید عطار اللہ بھی تھے۔ آپ لاہور سے سیدھے نوگام شاہ آباد پہنچے۔ وہاں اس وقت سید غلام حسین خلف سید عبداللہ عرف سید وزیر فرزند شاہ محمد فاضل قادری موجود تھے۔ وہ اپنے عزیز رشتہ داروں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

اس وقت نوگام شاہ آباد میں سید عطار اللہ و سید کلیم اللہ کی اولاد سے دس بارہ گھر موجود ہیں۔ جن میں سر برآوردہ سید میر جی میر واعظ۔ مفتی میر مقبول اور سید مبارک صاحبان وغیرہ ذی عزت اصحاب ہیں۔

سادات رضوی

سلطان زین العابدین بڈشاہ بادشاہ کشمیر کے عہد میں شہر قم ملک ایران سے ایک بزرگ سید حسین رضوی کشمیر تشریف لائے۔ بادشاہ مردم شناس تھا۔ اس نے اس جوہر گرانمایہ کو سر آنکھوں پر جگہ دی۔ اور اپنے آباد کردہ علاقہ زینہ گیر (زیل سوپور) میں جو عالیشان باغ بنایا تھا۔ ان کے رہنے کو عطا کیا۔ آپ حضرت امام علی الرضا کی ذریات میں ہونے کی وجہ سے رضوی کہلاتے تھے۔ بڈشاہ کی زندگی ہی میں ۷ رشعبان ۸۷۱ھ کو آپ زینہ گیر میں جہاں آپ ہی کے نام پر ایک موضع سید پورہ آباد ہو گیا تھا۔ انتقال فرما گئے۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ مزار آپ کا موجود ہے۔ موضع سید پورہ میں نصف شیعہ اور نصف سنی آباد ہیں۔ اور سب زمینداری کرتے ہیں۔

آپ کے دو فرزند تھے۔ فرزند کلاں کا نام حاجی محمد سعید تھا۔ جن کا روضہ احمد پورہ (بابرہ مولا) میں مرجع خلایق ہے۔ روضہ کے ساتھ ایک مسجد اور امام بارہ بھی ہے

آپ کی اولاد زیادہ تر اسی موضع میں آباد ہے۔ اور یہ سب لوگ سادات احمد پورہ کہلاتے ہیں۔

شاخ کلاں کے ایک درخشندہ گوہر حاجی سید حسن چند سال ہوئے (۱۹۲۷ء یا ۱۹۲۸ء میں) انتقال فرما گئے ہیں۔ حجاز کے علاوہ عراق۔ ایران۔ شام وغیرہ ممالک کے بھی سیاح تھے۔

قریباً ساٹھ سال کا عرصہ گذرا ہے۔ کہ سادات احمد پورہ سے ایک بزرگ اپنے جد امجد سید حسین رضوی کے ہمنام جو زمینداری کے علاوہ تجارت پشمینہ کا کام بھی کرتے تھے۔ لکھنؤ وغیرہ کا سفر کرنے کے بعد نواب علی رضا خاں قزلباش کے زمانہ میں اپنے فرزندان (سید قاسم۔ سید احمد۔ سید محمد) سمیت لاہور آ گئے۔

سید قاسم اپنی علمی فضیلتوں کی وجہ سے نو عمری کے باوجود اس وقت "فاضل ابو القاسم" کے لقب سے ملقب ہو چکے تھے۔ شیعیان لاہور ہی نے نہیں بلکہ شیعان پنجاب نے آپ کے علم و فضل سے آگاہ ہو کر آپ کی بے انتہا توقیر کی ۱۳۲۴ھ میں بعمر ۵۷ سال آپ انتقال فرما گئے۔ آپ کے صاحبزادہ کلاں شمس العلما مولانا سید علی الحائری مجتہد العصر پنجاب اور آپ کے چھوٹے صاحبزادہ سید ابو الفضل رضوی قمی ہیں۔

شمس العلما مولانا موصوف کو اپنے وطن قدیم کشمیر سے ابھی تک تعلق ہے۔ ان کی برادری کے بیشتر افراد وہاں موجود ہیں۔ اہل کشمیر کی فلاح و بہبود میں برابر دلچسپی لیتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۲۹ء کے اجلاس کشمیری کانفرنس (گوجرانوالہ) کی دعوت کے جواب میں آپ نے جو گرامی نامہ ارقام فرمایا۔ اس میں لکھا "میں جلسہ کی شرکت کے لئے بالکل تیار تھا۔ لیکن ایک اشد ضرورت کی وجہ سے ارادہ فسخ کرنا پڑا۔ باوجود اس کے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کشمیری کانفرنس کے ساتھ قومی حیثیت سے مجھے خاص اُنس اور دلی ہمدردی ہے۔ میں اس کی ہر ممکن خدمت کے لئے حاضر ہوں میرا

یہ مخلصانہ پیغام میری معزز قوم کو سُنایا جائے۔ دعا کرتا ہوں کہ خدا اس جلسہ کو کامیاب کرے۔"

علامہ سید حسین قمی رضوی کے فرزند ثانی کا نام آغا سید احمد تھا۔ ان کی اولاد کشمیر کے علاوہ مرشدآباد۔ پٹنہ۔ پشاور وغیرہ بلکہ عراق تک کے علاقوں میں موجود ہے۔ عراق میں آغا سید حسن کاشمیری آج سے کچھ عرصہ پیشتر مجتہد عراق کے نام سے مشہور تھے۔ وہ اسی شاخ سے تھے۔

کشمیر میں سید حسین قمی رضوی بڈشاہی کے فرزند دوم کی ذریات سے اپنے جدّ اعلیٰ کے ہمنام سید حسین رضوی قمی نے جو اعزاز و مرتبہ ڈوگرہ حکومت کے عہد میں حاصل کیا ہے۔ وہ آج تک کسی کشمیری کو کشمیر میں نصیب نہیں ہو سکا۔ آپ ۱۹۳۳ء بب میں پیدا ہوئے۔ آپ سب سے پہلے کشمیری مسلمان ہیں۔ جنہوں نے علوم عربی و فارسی کے بعد کشمیر میں انگریزی علم حاصل کیا۔ ۲۵ سال کی عمر ہی میں آپ نائب مہتمم بندوبست ہو گئے۔ لداخ کا سب سے پہلا بندوبست آپ ہی کے ہاتھوں انجام کو پہنچا ہے۔ تحصیلداری۔ ڈپٹی کمشنری۔ اسسٹنٹ گورنری۔ گورنری۔ مہتمم بندوبستی۔ ہائیکورٹ کی ججی کے منازل و مراحل طے کر کے آخر گورنمنٹ جموں و کشمیر کے ہوم منسٹر و لا ممبر[1] مقرر ہوئے۔ اب دو سال سے پنشن پر ہیں۔ مہاراجہ سر ہری سنگھ نے آپ کو تین ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر بھی دی ہے۔

خاندان رضویہ کی ایک شاخ بارہویں صدی ہجری کے وسط میں کشمیر سے پشاور پہنچی۔ جسکے رکن اعظم بلکہ بانی آغا سید تقی شاہ رضوی القمی الکاشمیری تھے۔ آپکے فرزند آغا سید فضل علیشاہ کو صوبہ سرحد میں بڑی عظمت و اہمیت حاصل تھی۔ آپنے جب بعمر ۵۶ سال ۱۹۱۰ء میں انتقال فرمایا۔ تو سرحد بلکہ دیگر مقامات کی شیعہ پبلک نے آپکے فرزند کلاں سید اعجاز حسین رضوی کو مرحوم کا جانشین مقرر کیا۔

---

[1] اس عہدہ کی تنخواہ تیس ہزار روپیہ سالانہ تھی ۱۲

سادات رفاعی

سید محمد نام ایک بزرگ جو سید محمد رفاعی کے نام سے مشہور تھے۔ اور بعضوں نے ان کو سید محمد اصفہانی بھی لکھا ہے۔ بڈشاہ کے عہد میں اصفہان سے کشمیر میں تشریف لائے اوائل میں سرینگر ہی میں قیام کیا۔ لیکن جب کثرت ہجوم نے آپ کے مشاغل علمیہ و دینیہ میں مخل ہونا شروع کیا۔ تو آپ بارہ مولا چلے آئے۔ بادشاہ نے چند قریہ (بقول صاحب اسرار الابرار و تاریخ کبیر کشمیر وغیرہ تین قریہ) آپ کے اور آپ کے خدام کے لئے نذر کئے۔ اور آپ کے گھوڑوں کے لئے وہ صحرا جہاں آج آپ کے نام پر موضع جانباز پورہ لب دریا واقع ہے۔ بطور چراگاہ عطا کیا۔ خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ کہ "صاحب ارشاد بود و بہ تجرید گذران مے نمود" لیکن پھر ارشاد ہوتا ہے "و توجہ بہ بارہ مولا فرمود و در آں جا بہ اہل و عیال متوطن و متمکن شد" تاریخ کبیر کشمیر میں بھی لکھا ہے کہ "عمر در تجرید گذرانید" لیکن کشمیر میں پھر سادات رفاعیہ کہاں سے آگئے؟ صاحب تاریخ اعظمی ایک ہی صفحہ میں ان کے تجدد اور ان کے اہل و عیال اور بارہ مولا میں "با توابع و لواحق" ان کے دفن ہونے کا ذکر کر کے ان کے تجرد کو ایک عقدہ لاینحل بنا دیتے ہیں۔ کثرت عبادت و ریاضت سے سید جانباز مشہور ہو گئے۔

بارہ مولا میں جہاں آپ کی قیام گاہ تھی۔ اب موضع خانپورہ آباد ہے۔ اور یہیں آپ کا مزار بھی ہے۔ خواجہ امیر شاہ ذیلدار مرحوم اس مزار کے متولی تھے۔

سادات دوارکی

بغداد شریف کے نواح میں ایک قصبہ دوارک کے نام سے ہے۔ علامہ میر سید داؤد اس قصبہ کو خیرباد کہہ کر چندے ہرات میں رہے۔ اور پھر وہاں سے سلطان زین العابدین کے زمانہ میں وارد کشمیر ہوئے۔ تاریخ خواجہ اعظمی تاریخ کبیر کشمیر تحقیقات امیری اور ذکر السادات میں علامہ مذکور کے حالات درج ہیں۔ مقبرہ آپ کا مزار السلاطین میں ہے۔

آپ کی اولاد میں میر لطف اللہ دوارکی۔ میر شمس الدین دوارکی۔ میر مصطفےٰ شاہ اور محمد شاہ دوارکی وغیرہ محلہ قلاشپورہ میں بہت مشہور گذرے ہیں۔ میر لطف اللہ نے جو حضرت میر عبدالرشید سہروردی کے مرید تھے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد محض مخالفت ہوائے نفس امارہ کی غرض سے تمام عمر میں صرف ایک مرتبہ گوشت استعمال کیا ہے ابوالبرکات خاں گورنر کشمیر ان کا بڑا معتقد تھا۔ ۱۱۷۳ھ میں انتقال کر گئے۔ میر شمس الدین آپ کے بھائی تھے۔ علامہ سید داؤد دوارکی نے ایک مدرسہ بھی درس تدریس کے لئے تعمیر کرایا۔ اور خانقاہ بھی بنوائی۔ جو خانقاہ دوارکیہ کے نام سے مشہور ہے۔ میر مصطفےٰ شاہ۔ سید حسین شاہ۔ میر محمد شاہ اور لطف اللہ شاہ وغیرہ دوارکی کوچہ میں متصل خانقاہ معلیٰ اسی دوار کی خاندان کی یادگار ہیں۔

سادات دہ بیدی

سادات دہ بیدی کا سلسلہ مخدوم اعظم سید احمد کاشانی الاصل خراسانی المدفن تک پہنچتا ہے۔ ایک سو سال سے زیادہ عرصہ گذرا ہے کہ اس خاندان کو بہت عروج حاصل تھا۔ خواجہ محمد ہاشم۔ خواجہ صالح۔ خواجہ سید وفا۔ خواجہ محمد طاہر اسی خاندان میں سے تھے۔ آجکل اس طبقہ کے اکثر سادات صنعت و حرفت رفوگری۔ جلد سازی وغیرہ کے کاروبار میں مصروف ہیں۔ اور یہی ان کا ذریعہ معاش ہے۔ دہ بیدی سادات کا ایک قبیلہ لعل بازار میں متصل نوشہرہ موجود ہے۔ جہاں سید جہاں شاہ لعل بازاری کی اولاد ہے۔

سادات بخاری

مخدوم جہانیاں جہانگیر سید جلال الدین بخاری کی سیادت اور علوِ ولایت کی شہرت ور فوت ہندوستان۔ پنجاب اور کشمیر کے علاوہ بخارا اور اطراف ترکستان وعرب میں روز روشن کی طرح تاباں ہے۔ سادات بخاری کا نسبی تعلق آپ ہی سے ہے۔

تاریخ خواجہ اعظمی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بخاری سادات میں سب سے پہلے مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری کی اولاد سے سید علاء الدین بخاری سلطان سکندر کے زمانہ میں اہل بیت سمیت کشمیر آئے۔ ان کے چار فرزند تھے۔ چاروں کثیر الاولاد تھے۔ بادشاہ نے عطایات جاگیر کی بدولت ہر چند فکر معاش سے بے نیاز کر رکھا تھا۔ تاہم آپ زراعت اور کاشتکاری کے ذریعہ اہل وعیال کا پیٹ پالتے تھے۔

سید حاجی مراد کبریٰ - سید قاسم بخاری - سید محمد برخوردار بخاری - سید بزرگ شاہ زینے کدلی - سید محمد بخاری - سید احمد شاہ قدیری اور کئی اور بزرگ سادات بخاری میں نامور گذرے ہیں - سید عطاء اللہ شاہ و سید عنایت اللہ شاہ مفتی سکنائے کر اس وقت بھی سادات بخاریہ میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں -

میر اسمٰعیل بخاری کے متعلق تاریخ کبیر کشمیر میں لکھا ہے - کہ وہ میر سید علی ہمدانی کی اولاد سے تھے ۱۱۱۴ھ میں کشمیر آئے یہیں بیاہ کیا - یہیں اولاد ہوئی - اور یہیں سفر آخرت اختیار کر گئے -

سید جمال الدین بخاری جو سلاطین کشمیر کے آخری ایام میں کشمیر آئے - ایسے بزرگ عالی جاہ تھے - کہ محبوب العالم حضرت شیخ حمزہ کاشمیری سہروردی ۶ ماہ تک آپ سے تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے - سید جمال الدین آخر عمر میں دہلی چلے گئے - اور ۹۹۸ھ میں وہیں انتقال کر گئے -

سادات بخاری سرینگر کے علاوہ کشمیر کے دیہات جدکیل - کمانگر پورہ اور چیوہ ڈارہ میں بھی پائے جاتے ہیں - جس زمانہ میں دیگر اہل کشامرہ اپنے وطن سے قسمت آزمائی کے لئے باہر نکلے ہیں - اُس زمانہ میں سادات بخاری کے چند گھر بھی پنجاب چلے آئے تھے - جو اب تک موجود ہیں -

۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست جموں و کشمیر میں بخاری سیدوں کی تعداد ۷۲۳۹ ہے - اب ۱۹۳۱ء میں اُمید ہے اور بھی زیادہ ہو گئی ہوگی -

تحصیل بڈگام (کشمیر) کے موضع چیوڈارہ میں سب بخاری سید رہتے ہیں - مؤلف کتاب ہذا کے خاندانی پیر سید عبدالغنی شاہ بخاری سُہروردی بھی چیوڈارہ ہی کے رہنے والے ہیں - جو دوسرے تیسرے سال پنجاب اور صوبہ سرحد میں نذر نیاز کے لئے آتے رہتے ہیں -

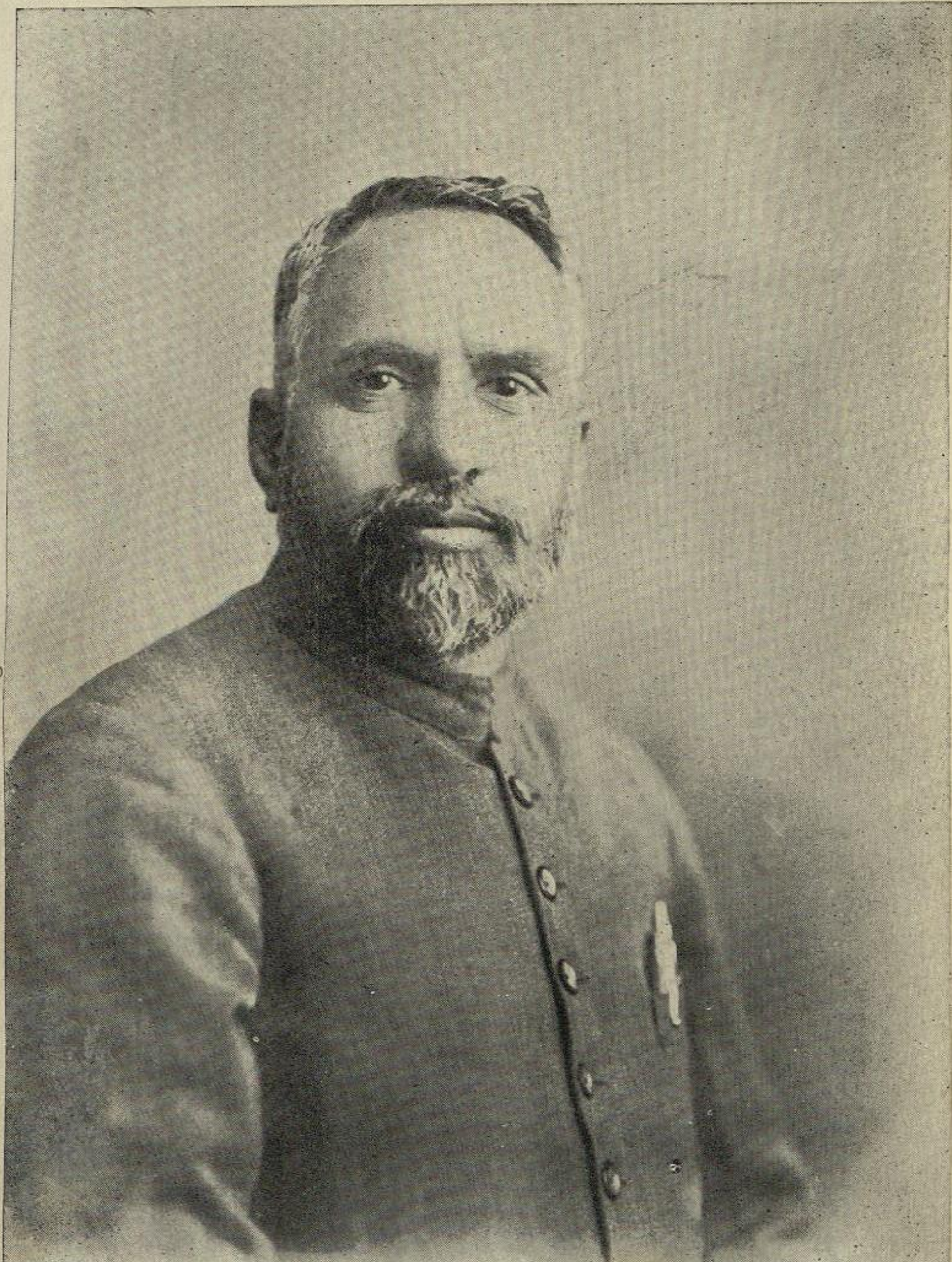
کشمیر کے جن بخاری سیدوں نے ترک کشمیر کے بعد پنجاب میں سکونت اختیار کر لی ہے۔ ان میں واعظ سحر البیان کے لحاظ سے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری جن کا وطن ضلع گجرات میں ہے۔ نہایت نامور اور مشہور ہیں۔ آپ پنجاب کے امیر الشریعت بھی ہیں۔ آپ کے وعظ میں مبداء فیاض نے کچھ ایسی تاثیر بخشی ہے کہ جہاں ایک مرتبہ وعظ کہہ آتے ہیں۔ وہاں سے بار بار دعوتیں آتی رہتی ہیں۔

لٹریری دنیا میں جس شخص نے پطرس کے نام سے پنجاب و ہند میں دھوم مچا رکھی ہے۔ اُس کا نام سید احمد شاہ بخاری ہے۔ وہ ایم۔ اے ہیں۔ گورنمنٹ کالج کے پروفیسر اور ٹیکسٹ بک کمیٹی کے سیکرٹری ہیں۔ ان کے مضامین بالخصوص مزاحیہ ہندوستان کے علمی طبقوں میں نہایت مقبول ہیں۔

لاہور کے مشہور روزانہ اخبار "سیاست" کے مالک سید سعد اللہ شاہ اور اُن کے فرزندان مولانا سید حبیب شاہ مدیر اور سید عنایت شاہ منیجر "سیاست" کے آباؤ اجداد علاقہ مظفرآباد کشمیر کے سادات بخاری سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا سید حبیب کے پردادا عطا محمد شاہ بخاری تک عوام الناس کے رشد و ہدایت یعنی پیری مریدی کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ کے خاندان کے افراد بنوں اور علاقہ مظفرآباد میں اس وقت بھی موجود ہیں۔ بنوں میں سید سعد اللہ شاہ کے حقیقی بھائی سید رحمت اللہ شاہ[1] خاندان کے سرکردہ ہیں۔ مولانا سید حبیب نے سب سے پہلے اخبار کشمیری لاہور میں اسسٹنٹ و انچارج ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر کلکتہ میں اخبارات جاری کئے۔ اب ۱۹۱۹ء سے اخبار "سیاست" کی وجہ سے مستقل طور پر لاہور ہی میں مقیم ہیں۔ آپ صرف اخبار نویس ہی نہیں ہیں۔ بلکہ بہت اچھے لکچرار ہیں۔ اور ہندوستان اور اسلام کی تاریخ سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔

---

[1] افسوس ہے مولانا سید رحمت اللہ شاہ بخاری دو لڑکیاں اور ایک لڑکا اپنی یادگار چھوڑ کر ۷ فروری ۱۹۳۴ء کو اسی برس کی عمر میں چند ماہ علیل رہ کر بنوں ہی میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ط ۱۲



فدائے ملت مولینا سید حبیب صاحب آف سیاست لاہور

سادات جلالی

جلالی سادات کے جدّ اعلیٰ سید حسین سبزواری ابن سید علی ہیں۔ جن کا سلسلہ کئی واسطوں سے امام زین العابدین تک پہنچتا ہے۔ سید حسین سبزواری کا مزار گپکار میں گگری بل کے کنارہ واقع ہے۔

سید حسین شاہ جلالی ذیلدار جڈی بل۔ سید رسول شاہ میونسپل کمشنر۔ سید عبداللہ شاہ۔ سید مرتضیٰ شاہ جلالی اسوقت سرینگر میں انہی بزرگوں کی یادگار ہیں۔

یہ سادات قریباً سب اہل تشیع ہیں۔ اہل سنت بہت کم ہیں۔ اور جو ہیں۔ وہ قادریہ سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں سنہ ۱۲۲۱ھ میں ایک نامور اہل سنت جلالی سید جلال الدین خانیاری قادری کے نام سے گذرے ہیں۔ وہ شاعر تھے۔ فارسی شعر بہت اچھا کہتے تھے۔ مشتاق تخلص تھا۔

سادات متفرقہ

اس ذیل میں وہ سادات شامل ہیں۔ جن کے اجداد دورِ سلاطین کشمیر یا مابعد کے زمانہ میں کرمان۔ خوارزم۔ تبریز۔ بدخشاں۔ گردیز وغیرہ دور دراز ممالک و مقامات سے کشمیر آئے۔ اور یہیں رہ گئے۔ اب یہ قبائل و خاندان سادات کرمانی۔ خوارزمی۔ شیرازی۔ بدخشانی۔ اور سمنانی وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔ زمانۂ ماسبق میں ان قبائل کے سادات دینی و دنیوی دونوں لحاظ سے ممتاز رہے ہیں۔ لیکن اسوقت ان کی اولاد و احفاد کا بیشتر حصہ زمینداری اور دستکاری اور ملازمت کے ذریعہ

اپنی بسر اوقات کر رہا ہے ۱۹۱۱ء کی رپورٹ مردم شماری میں ریاست جموں و کشمیر کے سادات متفرقہ کی تعداد ۳۲۶۲۹ بتائی گئی ہے۔ اور اب (۱۹۳۴ء میں) تو اِلّا ماشاء اللہ اس میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا ہوگا۔

یسوی علوی

سرینگر کے محلہ ملارٹہ میں اس خاندان کے نامور افراد گذر چکے ہیں۔ علوی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے۔ کہ ان کے جد اعلیٰ حضرت سلطان خواجہ احمد یسوی کا نسب نامہ بوساطت امام محمد بن الحنفیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ چنانچہ اشجار الخلد و ثمراۃ الاشجار وغیرہ کے حوالہ سے نسب نامہ ذیل میں درج ہے:۔

خواجہ احمد بن ابراہیم شیخ بن محمد شیخ ابن محمود شیخ بن افتخار شیخ بن عمر شیخ بن عثمان شیخ بن قس شیخ بن اسماعیل شیخ بن موسےٰ شیخ بن یونس شیخ ابن ہارون شیخ ابن اسحاق ابن عبدالرحمان ابن عبدالجبار ابن عبدالفتاح ابن امام محمد بن الحنفیہ ابن سید بادشاہ ولایت علی المرتضےٰ۔

یسوی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یس یا یسو ترکستان میں کوئی شہر یا قصبہ ہے وہاں ان کا اصل وطن تھا۔ یسوی خاندان سے سب سے پہلے حضرت خواجہ احمد یسوی نقشبندی اپنے وطن ترکستان سے کشمیر میں تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ میں (صفحہ ۲۰۰ پر) لکھتے ہیں "خواجہ احمد یسوی نقشبندی از اولاد حضرت سلطان خواجہ احمد یسوی ترکستانی قدس سرہٗ۔ خوش اوقات و کار بینش بود۔ چوں بحسب تقدیر از وطن جدا شدہ اطراف و اکناف عرب و بیت المقدس و شام و بغداد وغیرہ سیر نمودہ ازاں طرف بہ ہندوستان رجوع نمودہ رفتہ رفتہ بہ کشمیر دلپذیر آمدہ" خواجہ

محمد اعظم لکھتے ہیں ۔ میں اپنی صغر سنی کی وجہ سے خواجہ احمد کی صحبت سے تو مشرف نہ ہو سکا ۔ البتہ سرِ راہ ایک دو مرتبہ جبکہ وہ سوار جا رہے تھے ۔ اور ان کی اردل میں کئی خواجگان تھے ۔ ان کے دیدار نور بار سے آنکھوں کو طراوت بخشی ہے ۔ حضرت خواجہ احمد ۱۱۴۰ھ میں ۲۳ ذی الحجہ کو جمعہ کے دن فوت ہو گئے ۔

خواجہ نورالدین محمد آفتاب نقشبندی ۔ شغل باطنیہ ۔ وظائف معنویہ اور اجازت ارشاد میں حضرت خواجہ احمد یسوی کے مرید تھے ۔ (وفات خواجہ نورالدین محمد آفتاب بعمر ۷۰ سال ۱۱۵۶ھ)

شیخ اکمل الدین محمد کامل المشہور مرزا کامل بیگ بدخشی بھی حضرت سلطان خواجہ احمد یسوی کی اولاد سے تھے ۔ تاریخ اعظمی میں ان کے متعلق لکھا ہے " جد ایشاں از تاشقند آمدہ در بدخشاں متوطن شدہ ازاں جہت بدخشی گفتند " شیخ اکمل الدین اکبر کے زمانہ میں کشمیر آئے ۔ کچھ عرصہ ناظم کشمیر بھی رہے ۔ تک محمد خاں خطاب تھا ۔ ۱۱۳۱ھ میں انتقال کر گئے ۔

تحائف الابرار ۔ تاریخ خواجہ اعظمی ۔ تاریخ کبیر کشمیر وغیرہ تواریخوں میں شیخ محمد مقیم یسوی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " وے از احفاد حضرت سلطان خواجہ احمد یسوی ترکستانی بود " شیخ محمد مقیم یسوی کو بعض تاریخوں میں بابا محمد مقیم سلطانی اور خواجہ محمد مقیم سلطانی بھی لکھا گیا ہے ۔ شیخ اور بابا اور خواجہ کے ہر سہ الفاظ ان کے تقدس و احترام اور ان کی بزرگی کی زندہ علامت ہیں ۔ تکملۃ التواریخ میں جو ملا ہدایت اللہ مفتی کی غیر مطبوعہ فارسی تاریخ ہے ۔ شیخ محمد مقیم یسوی سے متعلق جو کچھ لکھا ہے ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ " علم و عمل اور ورع و تقویٰ میں یکتائے روزگار تھے ۔ مولانا الحاج عبدالحق تونائی ترکستانی کے تربیت یافتوں میں تھے " ۱۱۸۴ھ میں فوت ہو گئے اور اپنے مسکن کے سامنے محلہ سازہ پورہ میں دفن ہوئے ۔

انھی ایام میں شیخ محمد قائم نیسوی کے فرزند بابا عبداللہ نیسوی جو ملا محمد ٹوپیگر کے شاگرد تھے۔ اس خاندان کے ممتاز علماء میں تھے۔ وہ سنہ ۱۱۸۰ھ میں انتقال کر گئے۔

شیخ محمد قائم نیسوی سید قاضی دولت شاہ حسینی بخاری نیسوی کے مرید تھے۔ قاضی دولت شاہ بہ ارادۂ حج ترکستان سے براہ کاشغر سنہ ۱۱۲۳ھ میں کشمیر آئے۔ تین سال تک یہیں رہے۔ اور سلسلۂ نیسویہ کو ترقی دیتے رہے۔ سنہ ۱۱۲۶ھ میں بمقام دہلی فوت ہو گئے۔

بابا محمد مقیم سلطانی کے فرزند بابا محمد ولی نیسوی (سن وفات سنہ ۱۱۵۶ھ) اور ان کے فرزند بابا علی نیسوی نے بھی اپنے علم و فضل سے سرزمین کشمیر کو بہت کچھ فیض پہنچایا ہے۔ بابا علی نیسوی کا سال وفات سنہ ۱۲۵ھ ہے۔

شیخ احمد نیسوی ملارٹی (سال پیدائش سنہ ۱۲۲۱ھ) جو بابا محمد مقیم سلطانی کے پڑپوتے اور شیخ علی نیسوی کے فرزند تھے۔ صاحب علم و عمل ہونے کی وجہ سے کشمیر میں ایک متبرک ہستی سمجھے جاتے تھے۔ آپ پہلے میر مرتضیٰ اندرابی رعنی پوری کے داماد تھے۔ پھر آپ نے میر احمد شاہ قدیری کی لڑکی سے شادی کی۔ سنہ ۱۲۸۴ھ میں رہگرائے عالم جاودانی ہو گئے۔

موجودہ زمانہ میں اس نامور خاندان کے چشم و چراغ سید احمد شاہ خاکی نیسوی جو مولانا محمد عنایت اللہ[1] نیسوی بن شیخ احمد نیسوی کے فرزند ارجمند ہیں اپنی تبلیغی و اسلامی خدمات کی وجہ سے کشمیر سے باہر بھی مشہور ہیں۔ بنڈپورہ سے اوپر گریز اور تیلیل کے افلاس زدہ پہاڑی علاقہ میں سری نگر کے پادریوں کی مالی فیاضیوں کی بدولت مسیحی جال بہت سے فرزندانِ توحید کو اسلامی برکات سے محروم کر چکا تھا۔ مگر پیر احمد شاہ خاکی کے رشد و ہدایت نے جن کا اس علاقہ

[1] سال پیدائش ۱۲۷۹ھ سال وفات ۱۳۰۹ھ بعمر ۳۱ سال آپکے برادر خورد پیر عبدالغنی نیسوی ہنوز بقید حیات ہیں۔

میں کافی مذہبی اثر تھا۔ اپنی متواتر و مسلسل کوششوں سے اسلام کو وہاں از سر نو زندہ کیا۔

۲۶ جنوری ۱۹۴۳ء کے اخبار صداقت سری نگر کشمیر کی اشاعت میں اس کے ایک نامہ نگار نے خاندان خاکیہ کے متعلق چند سطریں لکھی تھیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ باشندگان آلوسہ بنڈپورہ صدہا سال سے خاندان حضرات خاکیہ کے مرید ہیں۔ پیر غلام مصطفےٰ خاکی ابن پیر محمد شاہ خاکی پچاس سال تک فرائض خلافت انجام دینے کے بعد ۱۳۴۹ھ میں فوت ہو گئے وفات سے تین سال قبل انہوں نے پیر غلام احمد شاہ خاکی یسوی کو ارشاد و خلافت بخش کر اپنا جانشین بنایا ہے۔ اس وقت گریز۔ تلیل سا سنور اور کھوئی ہامہ کا علاقہ ان کا ارادتمند ہے۔

ترتیب کتاب ہذا کے دوران میں ایک کتاب بنام حیات طودی عرف شوکت افغانی میری نظر سے گزری اس کے حصۂ سوم صفحہ ۵۴ پر مولف کتاب ہذا نواب سر امیر الدین خاں نواب لوہارو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"نواب سر امیر الدین خاں نواب لوہارو مغل بخارائی ہیں اور خواجہ احمد یسوی کی اولاد سے ہیں"۔ پھر لکھا ہے۔ بخارا میں خواجہ عبدالرحمن نام ایک عالی خاندان رئیس تھے۔ ان کے تین فرزند قاسم جان۔ عالم جان اور عارف جان[1] اوزبک سواروں کی ایک جمعیت لے کر بخارا سے ہندوستان آئے لاہور میں نواب میر معین الملک ناظم کی زندگی تک ان کے پاس رہے پھر شاہ عالم ثانی کے پاس گئے۔ قاسم جان نے بادشاہ کو اپنی خدمات سے خوش کر کے اشرف الدولہ سہراب جنگ کا خطاب اور ہفت ہزاری منصب پایا۔ دہلی میں قاسم جان

---

[1] مؤلف شوکت افغانی نے قاسم جان اور عالم جان کی اولاد کا ذکر نہیں کیا۔ شاید وہ اولاد نرینہ سے محروم ہوں یا کوئی اور وجہ ہو۔ البتہ عارف جان کے فرزند نواب احمد بخش خاں اور ان کے فرزند نواب امین الدین خاں اور ان کے فرزند نواب علاء الدین خاں اور ان کے فرزند نواب سر امیر الدین خاں والئے لوہارو کا ذکر کیا ہے لوہارو کا رقبہ ۲۸ میل آبادی ۲۰ ہزار اور آمدنی ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ ہے

کی گلی انہی کے نام پر مشہور ہے۔

مؤلف شوکت افغانی نے خواجہ احمد یسوی کو بخارا کا مغل لکھا ہے۔ اور نوابان لوہارو اور اُن کے خاندان کو انہی کی ذُریّات بتا کر مغل قرار دیا ہے۔ لیکن یسوی خاندان جس کے کثیر افراد کشمیر میں موجود ہیں وہ اپنے آپ کو علوی بتاتے ہیں۔ ان حالات میں راقم مؤلف نے لوہارو میں بھی خطوط لکھے اور کشمیر میں بھی۔ لوہارو سے تو سوائے خاموشی کے کوئی جواب نہیں آیا۔ البتہ کشمیر کے ایک بزرگ محترم اپنے گرامی نامہ میں لکھتے ہیں "میری معلومات اور ہمارے خاندان اور یسوی حضرات کی خاندانی روایات جو مجھے معلوم ہیں۔ یہی ہیں کہ یسوی خاندان نسبتاً علوی ہے۔ اور علوی سے یہ مراد ہے کہ وہ سیدنا علی بن ابی طالب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ لیکن سیدۃ النسا فاطمۂ زہرا علیہ السلام کے شکم مبارک سے نہیں ہیں۔ سید اور علوی میں عرفاً صرف خاتون جنت سیدۃ النسا علیہ السلام کے واسطہ کا فرق ہے۔ ورنہ سیدنا علی علیہ السلام کی اولاد ہونے میں دونوں یکساں ہیں"۔

غالباً اسی بنا پر علوی بھی اپنے آپ کو سید لکھتے ہیں۔ جیسے صوبہ متحدہ لکھنؤ کے راجہ سید احمد علی علوی جو اپنے صوبہ کی کونسل کے ممبر بھی ہیں۔ اپنے آپ کو سید لکھا کرتے ہیں۔ اور اسی لئے بعض سادات اپنے آپ کو علوی سادات اور بعض فاطمی سادات لکھتے ہیں۔

یسوی اور خاکی خاندان کا کیا تعلق ہے۔ اس پر بھی کچھ روشنی ڈالنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یسوی خاندان کا تو ذکر کیا جا چکا ہے۔ خاکی خاندان کی ابتدا شیخ المشائخ بابا داؤد خاکی گنائی خلیفۂ اعظم حضرت سلطان العارفین شیخ مخدوم حمزہ کاشمیری سے شروع ہوئی ہے۔ جن کا تفصیلی ذکر گنائی طبقہ کے سلسلہ میں درج ہوگا۔ بابا داؤد خاکی کی تمام اولاد خاکی کہلاتی ہے۔ اور وہ سری نگر کے علاوہ اسلام آباد۔ کھوئی ہامہ لولاب وغیرہ میں آباد ہے۔ اسی خاندان میں پیر مصطفےٰ شاہ خاکی جو پیر محمد شاہ خاکی کے فرزند تھے۔ پیری مریدی کے سلسلہ میں نہائت وسیع تعلقات رکھتے تھے۔ پیر احمد شاہ یسوی علوی ان کے نواسے تھے انہوں

نے اپنی زندگی ہی میں پیر احمد شاہ لیسوی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد پیر احمد شاہ لیسوی علوی ہونے کے علاوہ اپنے نانا کی طفیل اب خاکی بھی کہلا رہے ہیں۔ اور لکھوئی ہامہ اور علاقہ گوریز وغیرہ میں اپنی مذہبی خدمات کی وجہ سے بہت مقبول ہیں۔ لیسوی خاندان کے متعلق ایک نکتہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کشمیر میں دو قسم کے لیسوی خاندان ہیں۔ ایک وہ جن کا نسب نامہ حضرت سلطان خواجہ احمد لیسوی تک پہنچتا ہے جیسے بابا محمد مغنیم لیسوی علوی و شیخ احمد لیسوی اور ان کی موجودہ ذریات پیر احمد شاہ علوی لیسوی خاکی۔ دوسرے وہ بزرگ لیسوی کہلاتے ہیں جو سلطان خواجہ احمد لیسوی سے تعلق بیعت و ارادت رکھتے تھے۔ مثلاً بابا قائم اللیل لیسوی بابا عبد اللہ لیسوی۔ بابا اسد اللہ لیسوی وغیرہ۔ گویا کشمیر میں ایک خاندان نسبی لحاظ سے لیسوی ہے۔ ایک پیری مریدی کے لحاظ سے۔

فصل ۳ سوم

قریشی

صاحب غیاث اللغات نے لفظ قرش کو قریش کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ نام عرب کے ایک قبیلہ کا ہے۔ جس کی جد نضر بن کنانہ تھا۔ اسی قبیلہ نے حضرت ابراہیم۔ حضرت اسمٰعیل۔ حضرت یعقوب۔ حضرت یوسف۔ حتیٰ کہ فخر عالم و عالمیان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کیئے۔

قرش یا قریش ایک بحری جانور کا ہے۔ جو تمام دریائی جانوروں پر غالب اور زیر آب دنیا کا بادشاہ ہے۔ نضر بن کنانہ کے بیٹے بھی چونکہ اپنی تمام قوم پر غالب تھے۔ اور اس قبیلہ کو چونکہ عرب کے تمام قبائل پر فضیلت و برتری حاصل تھی۔ اس لئے یہ قبیلہ بھی اپنی غیر معمولی شجاعت کی وجہ سے اسی بحری جانور کے نام پر قریشی مشہور ہو گیا۔

اس قوم کو اپنی فضیلت بلکہ خود پسندی پر ابتدا ہی سے بڑا ناز رہا ہے۔ چنانچہ معرکہ بدر کا ذکر ہے۔ کہ دشمنوں کے امیر العسکر عتبہ بن ربیع نے جب لشکر اسلام کو للکارا کہ کوئی مرد میدان باہر نکلے۔ تو انصار کہ جان نثاران رسول عربی تھے۔ دست بدست لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن عتبہ بن ربیع نے یہ کہ کر لڑنے سے انکار کر دیا۔ کہ ہم قریش کے سوا کسی اور قبیلہ سے جنگی مقابلہ کرنا باعث ننگ و عار سمجھتے ہیں۔ اس پر حضرت حمزہ اور حضرت علی کہ قریشی و ہاشمی تھے۔ مقابلہ کے لئے میدان میں آئے ؎

اُن سے عتبہ نے جو پوچھا نسب و نام و نشان ۔۔۔ بولے یہ لوگ کہ ہاشم کے ہیں ہم لخت جگر

بولا یہ عتبہ نہیں جنگ سے اب ہم کو گریز ۔۔۔ آؤ اب تیغ قریشی کے دکھائیں جوہر

آخر قبیلۂ قریش دو گروہوں میں منقسم ہو گیا۔ ایک قریشی ہاشمی کہلائے۔ جن سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ حضرت عباس حضرت حمزہ اور حضرت علی وغیرہ قریشی ہاشمی ہی تھے۔

دوسرا فریق قریشی بنی امیہ کہلایا۔

سادات اور قریش میں درحقیقت نسلاً کوئی امتیاز نہیں ہے۔

خاندان مولوی شریف الدین مفتی جس طرح سادات اور بعض دوسری اقوام بیرونی ممالک سے آکر کشمیر میں آباد ہوئی ہیں۔ اسی طرح قریش بھی باہر ہی سے آئے ہیں۔ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ کشمیر میں سب سے پہلے جو قریشی آیا اس کا نام سید محمد قریشی تھا۔ اور وہ رفقائے

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی سے تھا۔ چنانچہ صاحب تاریخ اعظمی صفحہ ۹۰ پر قطب الاحد سید محمدؒ قریشی کے حالات میں لکھتے ہیں "از رفقائے حضرت امیر بود۔ بسیار بزرگ وصاحب حالات۔ بہ امر حضرت امیر بت خانہ زیج بہارہ را کہ بسیار مزین و مکلف بود و مبلغ خطیر صرف آں شدہ ویران کردند۔ و سہ صد و شصت بُت کلاں و خورد آں را بہ شکست و در آنجا مسجد جامع کلاں ساختند و متصل مسجد مقبرۂ ایشاں است"۔

سید محمدؒ کے ہمراہ ان کا ایک بزرگ برادر زادہ سید احمد نام بھی تھا۔ اس کے متعلق لکھا ہے "برادر زادۂ محمد قریشی بسیار عالی ہمت و مظہر قدرت و قوت بود"۔

"تذکرۂ خاندان شیخ الاسلام کشمیر" کے عنوان سے مفتی محمد قوام الدین میونسپل کمشنر و اسیسر عدالت نے اپنے خاندان کے جو حالات بھیجے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے جد اعلیٰ خواجہ بہاؤالدین خوارزمی فاروقی تھے۔ جو ندمائے اکبری میں منسلک ہونے کے باوجود دین کو دنیا پر ترجیح دیتے تھے۔ اسی تذکرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اکبر اعظم نے سادات بیہقی کے مکانات وغیرہ جو نروپل میں تھے بطور عطیہ خواجہ بہاءالدین کو دے دیئے تھے۔ مولوی خیر الدین جو عہد خالصہ میں اسی خاندان کے چشم و چراغ گزرے ہیں۔ اور مفتی صدر الدین وفائی نے تذکرۃ الصادقین میں ان کے فاروقی ہونے اور نسباً حضرت عمر فاروق تک پہنچنے کی تصدیق کی ہے۔

خواجہ بہاءالدین خوارزمی ۹۹۲ھ میں کشمیر آئے۔ اور ۱۰۲۰ھ میں دہلی جا کر فوت ہو گئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند خواجہ عبدالبدیع ان کے خواجہ محمد یوسف ان کے خواجہ حبیب اور ان کے فرزند خواجہ موسیٰ اپنے اپنے زمانوں میں فضائل و مناقب عملیہ و علمیہ سے آراستہ رہے ہیں۔ مولوی خیر الدین ابوالخیر جو فتاوے عالمگیری مرتب کرنے والے علماؤں میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ خواجہ موسیٰ ہی کے فرزند تھے۔

مولانا ابوالخیر ۶ شوال ۱۱۲۲ھ کو دہلی میں فوت ہو گئے۔ آستانہ حضرت نظام الدین

اولیاء میں مدفون ہیں۔ مولانا معز الدین امان اللہ شہید آپ کے فرزند کلاں تھے۔ آپ نے باپ سے بھی زیادہ عزت و شہرت حاصل کی۔ اپنے زمانہ کے شیخ الاسلام تھے۔ صوبۂ بنگال میں عرصہ تک قاضی القضاۃ رہے۔ ملا محب اللہ مصنف سلم العلوم آپ کے حلقۂ درس میں شامل رہتا تھا۔ نادری و محمد شاہی جنگ میں شامل تھے ۱۵ ذیقعد ۱۱۵۲ھ کو اسی جنگ میں شہید ہو گئے۔ آپ کے ایک قطعۂ تاریخ وفات کے چند اشعار سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ ؎

معز الدین امان اللہ کہ او بود | ببرج علم و زہد و ورع چوں بدر
چو اندر حرب نادر تشنہ لب شد | کشودہ لب بہ آب خنجر و غدر
بگفتم بے سر اندیشہ تاریخ | شہید پاک شد علامۂ عصر

مولانا امان اللہ شہید کے دو اور بھائی تھے۔ ملا اکبر یار خاں۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی انہی کے فرزند تھے۔ دوسرے مولوی حسام الدین دونوں بھائیوں کی اولاد دہلی میں موجود ہے۔ شیخ الاسلام مولوی قوام الدین آپ کے پوتے یعنی مولانا سعد الدین صادق کے فرزند تھے۔ آپ حضرت خواجہ سید عبد الرحیم شیخ کمان کے جو خواجگان نقشبندیہ احراریہ کے جد اعلیٰ ہیں، مرید تھے۔ ان کے فرزند اول[1] شیخ الاسلام مولوی نظام الدین مصنف تاریخ نظام الوقائع (وفات ۱۲۱۹ھ بعمر ۶۶ سال) تھے ان کے فرزند دوم قاضی ناصر دین تھے جو بزمانۂ گورنری شیخ غلام محی الدین منصب قضا پر فائز تھے تین فرزند تھے۔ مولوی نور الدین و مولوی عزیز الدین۔ مولوی صدر الدین مہاراجہ رنبیر سنگھ نے مولوی نور الدین کو ممبر داغ شال اور مولوی عزیز الدین کو نائب عدالت شہر کا عہدہ دیا۔ شہر کے تمام قاضی و مفتی اسی عہدہ کے ماتحت ہوتے تھے ۲۰ ماہ صفر ۱۲۹۳ھ

[1] فرزند اول مولوی عماد الدین تھے۔ ان کے فرزند مولوی نجم الدین کی اولاد لکھنؤ میں ہے۔

کو آپ انتقال فرما گئے۔ مولوی عزیز الدین نے باپ کے نقش قدم پر چل کر درس و تدریس کا سلسلہ قائم رکھا۔ دیوان اننت رام۔ پنڈت رام جو در۔ پنڈت پرکاش جو در اور خان بہادر آغا جسٹس سید حسین رضوی وغیرہ اصحاب آپ ہی سے مستفید ہوتے رہے ہیں۔ ۱۰ ار شوال ۱۳۱۴ھ کو فوت ہو گئے۔ قاضی مولوی شریف الدین جو اس وقت کشمیر کے مفتی اعظم کہلاتے ہیں۔ آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔ جو مذہبی و تاریخی علوم کا بحر ذخار ہیں۔ اور عربی و فارسی میں بے تکان اور بے تکلف گفتگو کرتے ہیں۔ مولوی عزیز الدین کی وفات اور مولوی شریف الدین کی جانشینی ذیل کے شعر سے معلوم ہو سکتی ہے۔ ؎

بہ مسند گاہ حکم شرع بنشست شریف الدین۔ عزیز الدین چو برخاست

سری نگر۔ ترال۔ سوپور۔ اسلام آباد وغیرہ کشمیر کے کئی مقامات میں آپ کے کثیر تلامذہ موجود ہیں۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ بڑے مولوی قوام الدین مفتی جو میونسپل کمشنر اور اسیسر عدالت ہیں۔ منجھلے مولوی رشید الدین مولوی فاضل۔ تیسرے مولوی غلام محمدؐ۔

شیخ الاسلام مولوی نظام الدین مصنف نظام الوقائع کے دوسرے بھائی کا نام مولوی غلام نور الدین تھا۔ ان کے فرزند مولوی خیر الدین ان کے مولوی جلال الدین اور ان کے فرزند مولوی علاء الدین تھے۔ مولوی خیر الدین اولاد نرینہ سے محروم تھے مولوی جلال الدین کے دو لڑکے تھے۔ مولوی شمس الدین۔ مولوی اکبر شاہ۔ مولوی شمس الدین کا مولوی محی الدین اور مولوی اکبر شاہ کے چار فرزند ہیں۔ بدر الدین۔ سلام الدین۔ بنہ شاہ۔ غلام رسول۔ بدر الدین کے لڑکے کا نام نور الدین ہے مولوی علاء الدین کا ایک فرزند ہے میاں احمد الدین قریشی نام ہے۔ اور وہ لاہور میں ہتا ہے۔

مولوی نور الدین برادر مولوی عزیز الدین مفتی اعظم کے چار فرزند تھے۔ قاضی مولوی سعد الدین۔ مولوی امان اللہ۔ مولوی حسام الدین اور مولوی سیف الدین۔ چاروں کا انتقال ہو چکا ہے ۔ سعد الدین کے دو فرزند ہیں۔ ڈاکٹر غلام محی الدین اسسٹنٹ

سرجن اور مولوی رفیع الدین۔ مولوی امان اللہ کے دو فرزند ہیں۔ مولوی محمد امین و مولوی محمد حسین مولوی حسام الدین بھی دو فرزندوں کے باپ تھے۔ ایک کا نام مولوی نظام الدین دوسرے کا نام مولوی محمد شفیع ہے۔ مولوی سیف الدین کی صرف ایک ہی لڑکی ہے جو مولوی نظام الدین فرزند مولوی حسام الدین کے عقد میں ہے۔

مولوی صدر الدین برادرِ حقیقی مفتی عزیز الدین ولد مولوی ناصر الدین کے فرزند مولوی ضیاء الدین مفتی کے حسب ذیل صاحبزادے ہیں۔ مفتی جلال الدین بی۔ اے پروفیسر پرتاپ کالج۔ مولوی محمد سعید اور مولوی سیف الدین۔

خاندانِ حکیم محمد امین و آزاد قریشی

کشمیر میں یوں تو کئی قریشی خاندان ہیں۔ لیکن جو مشہور ہیں۔ وہ تھوڑے ہی ہیں حکیم محمد امین قریشی اور مولانا آزاد قریشی کا خاندان بھی اپنی قدامت کے لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے ایک بزرگ چک بادشاہوں کے زمانہ میں مخدوم حاجی احمد قاری نام جو حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی کے نبیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ حضرتِ مخدوم شیخ حمزہ کاشمیری کی خواہش کے مطابق علم تجوید و قرأت کی اشاعت کے لیئے ملتان سے کشمیر تشریف لائے۔ اور جہاں آج پتھر مسجد واقع ہے۔ اس کے متصل دریائے جہلم کے کنارے آپ نے درس قرأت کے لئے ایک درسگاہ جاری فرمائی۔ جہاں ہزارہا مسلمانوں نے علم قرأت و تجوید حاصل کیا۔

آپ کی وفات (۸ رمضان ۹۶۹ھ) کے بعد آپ کے سب سے بڑے فرزند مخدوم حاجی موسےٰ قاری نے اپنے نامور باپ کی شہرت کو اور بھی جلا دی۔ تیرھویں صدی میں اس خاندان کے ایک اور بزرگ علامہ مخدوم غلام مصطفےٰ نے کشتواڑ کے علاوہ لداخ یارقند، ختن تک اسلام کا نام روشن کیا۔ آپ ۱۲۸۵ھ میں بمقام نورپور ضلع کانگڑہ وفات پا گئے۔ مولانا محمد یحیٰی رفیقی نورپوری نے آپ کی وفا[illegible] ہے۔ مرثیہ لکھا۔ اس میں

سے چند ابیات ذیل میں درج ہیں۔ ؎

بزرگ زماں عالم باعمل   میان شریعت بسے مستقیم
شۂ عارفاں مولوی مصطفےٰ   قریشی لقب ہاشمی بس حلیم
رفیقیؔ بتاریخۂ سال او   اجلّ ذکیٌ بفقہِ عظیم
۱۲۸۵ھ

ان کے علاوہ اسی خاندان سے کشمیر میں مخدوم نصیر الدین قریشی مخدوم احمد قریشی مخدوم عبداللہ قریشی وغیرہ کئی نامور اصحاب گزرے ہیں۔ دور حاضرہ میں حکیم مولوی محمد امین قریشی ہاشمی حاذق الملک حکیم محمد اجمل خاں دہلوی مرحوم کے ارشد تلامذہ میں ہیں آپ کا مطب بربرشاہ کے پل کے پاس اعلیٰ پیمانہ پر جاری ہے۔

مولانا آزاد قریشی بھی اسی خاندان سے ہیں۔ جو ۱۹۳۳ء میں سرکاری طور پر میونسپلٹی سری نگر کے میونسپل کمشنر مقرر کئے گئے ہیں۔ کشمیر کے کئی قریشی خاندان کشمیر کی دوسری اقوام کی طرح مختلف وقتوں میں کشمیر سے ہجرت کر کے پنجاب میں آکر مقیم ہو گئے ہیں جن میں گوجرانوالہ۔ راولپنڈی۔ جہلم وغیرہ کے چند خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں کیا جائے گا +

فصل چہارم

افغان

دیباچہ

افغان شاہان کشمیر کے زمانہ میں کشمیر کے اکثر پنڈت اور مسلمان کابل جاتے رہے ہیں۔ ان میں کئی کشمیری مسلمان ایسے تھے۔ جو کابل سے پھر اپنے وطن میں واپس نہیں آئے۔ افغانستان میں یہ لوگ اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے بڑے بڑے عہدوں پر پہنچے ہیں۔ امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم والیٔ افغانستان نے بھی اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں ایک دو جگہ ان کا ذکر کیا ہے۔ اور اب بھی شاہ امان اللہ خاں سابق فرمانروائے افغانستان اور غازی نادر خاں شہید اور ان کے فرزند موجودہ بادشاہ افغانستان اعلیحضرت محمد ظاہر شاہ کے عہد میں ہمارے لاہور کے ایک نامور اور ذی عزت کشمیری خاندان کے چشم و چراغ میر رحمت اللہ ہمایوں (خلف حاجی میر شمس الدین صاحب مرحوم) کو سابق دو بادشاہوں کے حضور میں اعزاز خاص حاصل رہا ہے۔ اور اس وقت بھی وہ موجودہ بادشاہ غازی کے معتمدین میں ہیں۔

غازی عبدالرحمٰن بے کا نام ابھی مسلمانان ہند و پنجاب کو یاد ہوگا۔ آپ پشاور

کے ایک معزز کاشمیری خاندان (حاجی غلام صمدانی مرحوم ساکن بارہ مولا (کشمیر) رئیس پشاور) کے فرزند ارجمند اور مسٹر عبدالعزیز بیرسٹرایٹ لا پشاور کے برادر خورد تھے آپ نے ٹرکی کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ اور حکومت ٹرکی کی طرف سے کابل میں سفیر بن کر آئے تھے۔

افغانستان کے علاوہ صوبہ سرحد[1] کے اکثر مقامات میں کشمیری مسلمانوں کی معقول تعداد ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے۔ کہ خاص پشاور کی آبادی میں ایسے مسلمانوں کی تعداد جن کے آباؤ اجداد کشمیر سے آئے تھے۔ نصف سے کچھ ہی کم ہوگی۔ اسی طرح نیپال۔ بنگال۔ آسام۔ بہار۔ ٹرکی۔ اور امریکہ میں بھی کشمیری مسلمانوں کا وجود پایا جاتا ہے۔ لیکن جس طرح ایک ملک کا باشندہ دوسرے ملک کو اپنا وطن بنا کر اپنے ملکی و قومی عادات و خصائل فراموش کر دیتا ہے۔ اسی طرح نو وارد کشمیریوں کی آئندہ نسلوں نے جس ماحول میں پرورش پائی۔ اسی کی عادات، اُسی کی تربیت اور اُسی کی زبان اختیار کر لی۔ چنانچہ افغانستان یا سرحد یا دوسرے ممالک کے کشمیری آج اچھے خاصے پٹھان نظر آرہے ہیں۔ بلکہ دو تین پشتوں کی اقامت نے ان کو فی الحقیقت پٹھان بنا دیا۔ اسی طرح جو افغان افغانستان یا سرحد سے کشمیر میں آئے اور پھر یہیں کے ہو گئے۔ وہ بھی اپنی زبان اپنے لباس اور اپنے تمام افغانی عادات و خصائل کو تھوڑے عرصہ کے بعد فراموش کر بیٹھے۔ افغانوں کا تعلق کشمیر کے ساتھ مستقل طور پر اور ایک حکمران کی حیثیت سے

---

[1] چارسدہ۔ مردان۔ ایبٹ آباد۔ گڑھی حبیب اللہ خاں۔ ہری پور وغیرہ۔ چارسدہ کی تحصیل میں راقم سطور کے خاندانی پیر سید عبدالغنی صاحب کاشمیری کئی سال تک متواتر اپنے کاشمیری مریدوں (قبیلہ ڈار) کے ہاں جاتے رہے ہیں۔ وہ فرماتے تھے۔ وہاں انکے مریدوں کے بارہ چودہ گھر آباد ہیں۔ انکا لباس انکی زبان انکی معاشرت سب افغانی طریق پر ہے۔ نیپال میں کشمیریوں کا ایک محلہ کشمیری محلہ کے نام سے آباد ہے۔ ۱۲

۱۷۵۳ء سے شروع ہوتا ہے ۔ جبکہ احمد شاہ ابدالی نے زوال مغلیہ سے فائدہ اُٹھا کر کشمیر پر قبضہ کر لیا تھا ۔ تقریباً چھیاسٹھ سال یعنی ابتدائے ۱۸۱۹ء تک کشمیر پر افغانوں کو غلبہ حاصل رہا ۔

کشمیر میں افغان ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے ۔ لیکن جب ان کی اکثریت نے کشمیر ہی میں طرح اقامت ڈال لی ۔ اور اسی کو اپنا وطن بنا لیا ۔ تو ان کے تمام قومی و ملکی خصائل ان سے جاتے رہے ۔ چنانچہ آج کشمیر کے قدیم مسلمانوں اور افغان مسلمانوں میں بظاہر کوئی فرق نظر نہیں آتا ۔ البتہ تحصیل اوڑ چھی پورہ کے خیبری اور خٹکی اپنے قد و قامت اور اپنے لباس سے کچھ نہ کچھ افغانی جھلک اپنے اندر رکھتے ہیں ۔

اس وقت تک کشمیر میں پٹھانوں کی مندرجہ ذیل قومیں پائی گئی ہیں ۔ اور ان میں سے اکثر عہد افاغنہ کی یادگار ہیں :۔

لکی خیل (جس کو کشمیر میں کاکا خیل کہتے ہیں) آفریدی ۔ کرنٹ یا کانٹھ ۔ سدوزئی ۔ یوسف زئی ۔ سواتی ۔ بنیری ۔ خٹکی ۔ بلوچ ۔ بارک زئی ۔ درانی ۔ حسن زئی ۔ خیبری ۔ ہزارہ ۔ کابلی ۔ نیازی گگے زئی ۔ خان ۔

پٹھانوں کی کل آبادی تمام ریاست میں ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۵۲۲۶۳ ہے ۔ جن میں ذتہ خان (جس میں مصنوعی خانوں کی کثرت ہے) سب سے زیادہ ہے ۔ اس ذتہ کی تعداد ۳۰۳۳۸ ہے ۔

میرپور (قلمرو جموں) کے بعض مسلمان راجپوتوں کو بھی پٹھان بننے کا شوق چرایا ہے (دیکھو رپورٹ مردم شماری جموں و کشمیر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۲۲ حصہ اول) ۔

کشمیر کے متذکرہ صدر افغان قبائل میں سے چند ایک کا ذکر علیحدہ علیحدہ اگلی سطور میں کیا جاتا ہے ۔ انہیں چند ایک قبائل پنجاب میں آگئے ہیں ۔ ان کا ذکر پنجاب کی تفصیلات میں آئیگا ۔

نیازی

افغانوں کے ایک جلیل القدر قبیلہ کا نام ہے۔ شیخ بیٹن کے بڑے نواسہ کا نام ابراہیم تھا۔ ابراہیم کے دو اور بھائی تھے۔ غلزئی اور شروانی نام۔ نانا نے نواسوں کو اقبال مند دیکھنے کے لئے ایک دفعہ جو شگون لیا۔ تو ابراہیم کامیاب ہوا۔ اس پر نانا نے بے ساختہ کہا۔ ابراہیم لودی یعنی ابراہیم بڑا ہے۔ اس پر ابراہیم کا نام لودی مشہور ہو گیا۔ اس کے باپ کا نام شاہ حسین تھا۔ لودی کے تین بیٹے تھے۔ سیانی۔ نیازی۔ اور دوتانی۔ سوری خاندان جس میں شیر شاہ سوری پیدا ہوا ہے۔ اسمٰعیل بن سیانی کے فرزند سُور کے نام پر سُوری کہلاتا ہے۔ اسمٰعیل کے بڑے بھائی کا نام پُرنگی تھا۔ اُس کی اولاد لودی کے نام ہی سے مشہور ہے۔ سلطان بہلول لودی۔ سکندر لودی اور سلطان ابراہیم لودی جس کو بابر نے شکست دے کر ہندوستان سے افغان حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اپنے جدامجد ابراہیم عرف لودی بن شاہ حسین کے نام پر ہی لودی مشہور ہے۔

نیازی کی تین عورتیں تھیں۔ ان سے کئی اولادیں ہوئیں۔ اس کے ایک فرزند جمال کی چوتھی پشت میں اسمٰعیل کے نام پر اسمٰعیل زئی ایک قبیلہ موسوم ہے۔ اس قوم کے دو ہزار آدمیوں کو ایک مرتبہ ہیبت خاں نیازی نے صرف شیر شاہ سُوری کی بدگمانی دُور کرنے کے لئے ناحق قتل کرا دیا تھا۔ نیازی کی اولاد سے ایک بڑا قبیلہ نیازی ہی کے نام سے موسوم ہے۔ اس قبیلہ نے شیر شاہ سُوری اور اس کے فرزند سلیم شاہ سُوری کے زمانہ میں بڑا عروج پایا ہے۔ ہیبت خاں نیازی کو مسند عالی کا خطاب تھا۔ اور پنجاب اس کی حکومت میں تھا۔ اعظم ہمایوں نیازی اور اس کے بھائی سعید خاں و شہباز خاں نیازی نے ہیبت خاں نیازی کے ساتھ

مل کر جب سلیم شاہ سے بغاوت اختیار کر لی - تو سلیم شاہ کو حکومت ہی کے نہیں بلکہ جان کے لالے پڑ گئے تھے - آخر نیازی شکست کھا کر کشمیر کی طرف چلے گئے - اس زمانہ میں ہمایوں کے خالہ زاد بھائی میرزا حیدر کا کشمیر میں بڑا زور تھا - بلکہ کمزور چک بادشاہ کشمیر کے نام پر درحقیقت وہی کشمیر کا بادشاہ تھا - اسلئے اسنے سلیم شاہ کو خوش کرنے کے لئے نیازیوں کو حدود کشمیر میں داخل نہ ہونے دیا - نیازی حاکم راجوری کے ساتھ مل گئے - آخر متفق ہو کر انہوں نے کشمیر پر حملہ کرنا چاہا - مرزا حیدر کو بھی خبر ہوئی - اُس نے اپنے امراء میں سے حسین ماگرے اور بہرام چک کو کشمیریوں کا لشکر دے کر نیازیوں کے مقابلہ پر بھیجا - طرفین میں خوب جنگ ہوئی - اعظم ہمایوں کی بیوی رابعہ بی بی بھی اس جنگ میں شامل تھی - اس نے ایک کشمیری سردار لائی چک کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا لیکن بقول مصنف حیات لودی شوکت افغانیہ (حصہ سوم صفحہ ۳۰۵) اس لڑائی میں کوئی نیازی زندہ نہ بچا - قریباً دو ہزار نیازی موت کے گھاٹ اُتر گئے - ہیبت خاں نیازی اعظم سعید خاں - شہباز خاں سب کا خاتمہ ہو گیا - مرزا حیدر نے ان سب نیازی سرداروں کے سر سلیم شاہ کے پاس بھجوا دیے -

نیازیوں کا وطن قدیم شلگر نواح غزنی ہے - سلطان بہلول لودی کے زمانہ میں یہ قوم ہندوستان میں آئی - اور افغان بادشاہ شیر شاہ و سلیم شاہ کے عہد میں بڑے بڑے عہدوں پر پہنچی - عیسیٰ خیل - موشیانی - سرہنگ اس قوم کی بڑی بڑی شاخیں ہیں - ان کی زیادہ آبادی عیسیٰ خیل ضلع بنوں میں ہے -

اکبر کے زمانہ میں میاں عبداللہ نیازی جو شیخ سلیم چشتی کے مرید تھے - اس قوم کے ایک نامور اہل اللہ بزرگ گزرے ہیں - سرہند میں ان کا قیام تھا - ۹۹۳ھ میں جب اکبر اس طرف آیا - تو اس نے میاں عبداللہ کو مدد معاش کے طور پر کچھ جاگیر دینی چاہی - جب استصواب کیا - تو انہوں نے انکار کر دیا - آخر بادشاہ نے خود ہی ان کے اور ان کے

فرزندوں کے نام سرہند میں ایک قطعۂ زمین کی سند لکھ دی (دربار اکبری صفحہ ۱۱۸) نیازی قبیلہ کا ایک اولوالعزم فرد عیسیٰ خیل ضلع بنوں سے ۱۹۱۰ء کے قریب یعنی آج سے پچاس سال پیشتر اپنا آبائی وطن ترک کر کے کشمیر آیا۔ اور علاقہ کامراج کے ایک گاؤں ہانجی شاٹھ میں آکر آباد ہو گیا۔ اس کا نام مولوی موسیٰ خاں ہے۔ وہ منشی فاضل ہیں۔ اور زبردست اہل قلم ہیں۔ ریاست کشمیر کے محکمۂ تعلیم میں برسوں تک رہے ہیں۔ اسی محکمہ میں ترقی کر کے وہ لداخ میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس بھی ہو گئے تھے۔ اوڑی۔ اسلام آباد اور کئی اور مقامات پر انہوں نے وکالت کا کام کیا ہے۔ اور اس وقت بھی بھدرواہ کے قابل وکلاء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ہانجی شاٹھ کے علاوہ موضع کلگام میں بھی آپ کی زمینداری ہے اور اس وقت وہ اڑھائی سو کنال زرخیز زمین کے مالک ہیں۔

آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔ عبدالرحمٰن خاں نیاز جس کو شعر و شاعری کا بھی شوق ہے۔ اور جو آزاد زندگی کو سرکاری ملازمت پر ترجیح دیتا ہے۔ اور اس وقت مظفر آباد میں عرائض نویسی کر رہا ہے۔ سب سے چھوٹے کا نام بشیر احمد خاں ہے۔ جو ایف۔ اے تک تعلیم حاصل کر کے تجارتی کاروبار میں مصروف ہے۔ منجھلے کا نام فضل الرحمٰن خاں ہے۔

یوسف زئی

افغانوں کا یہ فرقہ خرشبون یا خیر دین فرزند دوم سٹربن ابن قیس عبدالرشید کی اولاد سے ہے۔ اتمان زئی۔ سدو زئی (شاہانِ افغانستان) سالار زئی (فرمانروایانِ ٹونک) سب اسی فرقہ کی شاخیں ہیں۔

یوسف زئی پہلے کوہ سور غر (سرخ پہاڑ) اور غندان کے مابین نواحِ قندھار میں رہتے تھے۔ جب ترینؔ افغانوں نے ان پر غلبہ پا لیا تو یہ کابل چلے آئے۔ پھر کئی لڑائیوں کے بعد

ؔ ماسٹر گھنڈے خاں سابق سیکرٹری بلدیہ سرینگر کشمیر سکنہ جموں ترین افغان ہی ہیں۔ ترین برادرس کے نام سے

رفتہ رفتہ سوات۔ بنیر۔ پنجکورہ اور دیر پر قابض ہو گئے۔ مصنف حیات لودی عرف شوکت افغانیہ یوسف زئی فرقہ کی تعداد ۹ لاکھ اور مصنف حیات افغانی اس کی تعداد دو لاکھ ۶۴ ہزار بتاتا ہے۔

۱۴۹۴ء میں جب بابر نے کابل پر قبضہ کیا ہے۔ تو یوسف زئی فرقہ سے بھی جنگ کرنی پڑی۔ دونوں فریق لڑتے لڑتے تھک گئے تھے۔ آخر یوسف زئی قبیلہ کے سردار شاہ منصور ولد سلیمان ملک نے بابر سے اپنی لڑکی کی شادی کر کے صلح کر لی۔

۹۹۵ھ مطابق ۱۵۸۶ء میں اکبر نے راجہ بیربر اور زین خاں کوکہ کو یوسف زئیوں کی تنبیہ کے لئے کابل بھیجا۔ وہاں ایک یوسف زئی نے راجہ کو دھوکہ دے کر اس کی سات ہزار فوج کو چشم زدن میں قتل کرا دیا۔ زین خاں کوکہ جان بچا کر بھاگ آیا۔

جب ۱۱۶۲ھ میں احمد شاہ درّانی نے پنجاب پر حملہ کیا ہے۔ تو عمائد یوسف زئی کی ایک کثیر جماعت اس حملہ میں اس کی ممد و معاون تھی۔

کشمیر میں یوں تو افغانوں کی آمد رفت مغلیہ عہد میں بھی رہی ہے۔ لیکن احمد شاہ ابدالی کے کشمیر پر قبضہ کرنے کے بعد جب فوج میں افغانوں کی کثرت ہو گئی۔ اور دوسرے عہدہ دار بھی خصوصاً ناظمانِ صوبہ افغانستان ہی سے آنے لگے۔ تو کئی افغانوں نے کشمیر ہی کو اپنا مستقل وطن بنا لیا۔ انہی میں یوسف زئی فرقہ بھی ہے۔ جس کی کثرت تحصیل ہندواڑہ کے علاقہ کھل میں آباد ہے۔ اور جو عام طور پر معروف خانی پٹھان کہلاتا ہے۔ ان پٹھانوں میں سے آفریدیوں یا خیبریوں کے ۳۵ نوجوان سڑک گلگت کے لئے سرکاری طور پر لئے جاتے ہیں۔ اور مچھی پورہ کے پٹھانوں میں سے اسی مطلب کے لئے ۲۵ نوجوان حاصل کئے جاتے ہیں۔ ان خدمات کے معاوضہ میں ان لوگوں کو ریاست کی طرف سے کئی گاؤں ملے ہوئے ہیں۔ جن کا مالیہ ان کو معاف ہے۔ درنگہامہ کے پٹھانوں کی نسبت معروف خانی پٹھان مخلوط النسل ہو گئے ہیں۔ ان کے شادی بیاہ کشمیر کے عام مسلمانوں

سے اسی طرح ہوتے ہیں۔ جس طرح اسلام نے اجازت دی ہے۔ یعنی ذات اور نسل کا کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کے آبائی خصائل اب ان سے جاتے رہے ہیں۔ وحشت اور جنگ جوئی اور اکھڑپن کی عادت اب ان میں نہیں ہے۔ زبان پشتو گو ابھی تک قائم ہے۔ مگر اس کا قیام چراغ سحری سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ زبان کا اثر صرف بڑے بوڑھوں تک ہی ہے۔ موجودہ نسلیں خالص کشمیری ہیں۔ اور کشمیری زبان بولتی ہیں۔ جس طرح کشمیریوں نے پنجاب میں آکر اپنی زبان کھو دی ہے۔ اسی طرح افغانوں نے کشمیر میں جا کر اپنی زبان کو بھلا دیا ہے۔

خیبری اور خٹکی

سوات بنیر اور خیبر و خٹک علاقوں اور قوموں کا تعلق کشمیر کے ساتھ ابتدائے اسلام ہی کے زمانہ سے رہا ہے۔ شاہ میر جس کی اولاد نے قریباً سوا دو سو سال تک کشمیر میں حکومت کی ہے۔ انہی سرحدی علاقوں کا رہنے والا تھا۔ جو ۷۲۰ھ مطابق ۱۳۱۹ء میں وارد کشمیر ہوا تھا۔

خیبر اور خٹک قوموں نے کشمیر کی سیاسیات میں بڑا حصہ لیا ہے۔ ہم سب سے پہلے خیبری قوم کا نام تاریخ میں الہ قلی خاں آخری مغل گورنر کے عہد میں دیکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں میر مقیم کنٹھ نائب گورنر اور خواجہ ظہیر دیدہ مری مدارالمہام تھا۔ جنگی اخراجات کو کم کرنے کے لئے جب سپاہیوں کی تنخواہیں گھٹا دی گئیں۔ بلکہ اکثر پیدل اور سوار پلٹنوں کو علیحدہ کر دیا گیا۔ تو یہ سب بیکار لوگ ابوالقاسم سے جو ابوالبرکات خاں سابق ناظم کا فرزند تھا۔ مل گئے۔ اور اس کو کشمیر پر قبضہ دلانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان لوگوں میں خیبری بھی تھے۔ اور ابوالقاسم کی افواج کا سپہ سالار گل خاں خیبری تھا۔

انہی ایّام میں احمد شاہ درّانی لاہور میں مقیم تھا۔ اس نے اہالیانِ کشمیر کی تحریک سے کشمیر کی طوائف الملوکی کو مٹانے کے لئے اپنے ایک جرنیل عبداللہ خاں ایشک اقاصی کو پندرہ ہزار جرار فوج دے کر جس میں افغان اور سرحدی لوگ شامل تھے کشمیر پر حملہ کی غرض سے بھیجا۔ گل خاں خیبری ابوالقاسم کے سپہ سالار نے جب اپنے ملک اور اپنی قوم کے لوگوں کو حملہ آور دیکھا۔ تو ابوالقاسم کا ساتھ چھوڑ کر اُن کے ساتھ مل گیا۔ اور تین ماہ کی آزاد حکومت کے بعد ابوالقاسم بیچارا گرفتار ہو گیا۔

نورالدّین خاں بامزئی افغان گورنر کے زمانہ میں ایک شجاع و بہادر خٹکی لعل خاں نام پرگنہ بیروہ کا جاگیردار تھا۔ جہاں اس نے ایک مضبوط قلعہ بھی بنا رکھا تھا جب نورالدّین خاں ۱۷۶۶ء میں بادشاہ کابل کے حکم سے کابل گیا۔ اور اپنی جگہ اپنے بھانجے جان محمدؐ خاں اور ایک سکھ سردار گورکھ سنگھ کو اپنا قائم مقام بنا گیا۔ تو لعل خاں خٹکی نے تھوڑی سی کوشش اور ایک معمولی لڑائی کے بعد دارالحکومت (سری نگر) کو فتح کر کے کشمیر کی حکومت حاصل کر لی۔

دوسرے سال جب خرّم خاں کو کشمیر کی گورنری ملی۔ اور وہ کابل سے بارہ مولا پہنچا۔ تو لعل خاں (اس لحاظ سے کہ رعایا بالخصوص ہندو اس کے تشدد سے نالاں تھے) لڑائی کے بغیر ہی اپنی جاگیر میں چلا گیا۔ لیکن جب میر فقیر اللہ کنٹ گورنر ہوا۔ تو اس نے پہلے تو جواب طلبی کے لئے لعل خاں خٹکی کو دربار میں بلوا بھیجا۔ جب وہ نہ آیا تو میر فقیر اللہ نے میر فاضل کنٹ کو فوج دے کر اس کی تنبیہ کے لئے روانہ کیا۔ لعل خاں پونچھ بھاگ گیا اور وہاں سے بادشاہ کے پاس کابل چلا گیا۔

میر فقیر اللہ ہر وقت شراب کے نشہ میں غرق رہتا تھا۔ اصل حکومت بمبہ قوم کے ہاتھ میں تھی۔ اور یہ سب اطلاعیں بادشاہ کو پہنچ رہی تھیں۔ لعل خاں نے بھی حاضر دربار ہو کر ان کی تائید کی۔ چنانچہ نورالدین خاں بامزئی دوبارہ نظامتِ کشمیر پر نامزد ہوا۔

اور لعل خاں خٹکی کو بھی اس کے ساتھ کشمیر جانے کا حکم ملا۔ میر فقیر اللہ اور قوم بمبہ سے قریباً ایک ماہ تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر نورالدین خاں کامیاب ہوا۔ اور لعل خاں جو اب لعل محمد خاں بن گیا تھا۔ اپنی جاگیر میں چلا گیا۔

امیر خاں جوان شیر کے عہد (۱۷۷۰ء تا ۱۷۷۶ء) میں اس نے اور اس کے بھائی سیف اللہ خاں خٹکی نے پھر بغاوت کی۔ شاہی لشکر کے کئی خیبری اور خٹکی سردار اور سپاہی لعل محمد خاں سے مل گئے۔ لیکن جب دوران جنگ ہی میں لعل محمد خاں کا کسی بیماری سے فوری انتقال ہو گیا۔ تو اس کے اہل و عیال کے پونچھ بھاگ جانے پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ لعل محمد خان پہلے قلعہ کے باہر دفن ہوا۔ پھر امیر خاں جوان شیر نے اس کو خانقاہ معلّی میں دفن کرایا۔ اور نماز جنازہ دوبارہ پڑھوائی۔ اور اس کے جوانمردانہ اوصاف کی تعریف کی۔

سکھوں کے زمانہ میں خیبری و خٹکی قوموں کا سیاسی اقتدار کم ہو چکا تھا۔ البتہ کہیں کہیں سکھوں کے اہل کاروں سے ان کی جھڑپ ہو جایا کرتی تھی۔ جب کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کے قبضہ میں آیا۔ تو اس نے ان سرحدی پٹھانوں کے آئے دن کے فتنہ و فساد سے نجات حاصل کرنے کے لیئے ان کو بہت سی مراعات عطا کیں اور ان کی وفادارانہ خدمات کے عوض ان کو کئی طرح کی جاگیریں دیں۔ چنانچہ اس وقت تحصیل اوڑی اور ترچھی پورہ میں کئی گاؤں سواتی بنیری اور خیبری پٹھانوں کی ملکیت ہیں۔ اسی طرح علاقہ جگو کھاریان (بڈگام) میں خٹک نسل کے کئی پٹھان رہتے ہیں۔ اور عام طور پر خان کہلاتے ہیں۔

عادات و خصائل اور رسم و رواج کے لحاظ سے پٹھانوں اور کشمیریوں میں اب کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ البتہ تحصیل اوڑی اور ترچھی پورہ کے خیبری اپنی بڑی بڑی لنگیوں کی وجہ سے ایک امتیازی شان رکھتے ہیں تعلیم ان لوگوں میں بہت کم ہے۔ اسلیئے کسی سرکاری محکمہ میں کوئی خیبری یا خٹکی دکھائی نہیں دیتا۔

کنٹ

شہنشاہ جلال الدین اکبر کے عہد حکومت میں خواجہ محمد حسین کابلی ابن خواجہ کمال ابن خواجہ عارف کابلی اپنے وطن کابل سے وارد کشمیر ہوئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اپنی خداداد قابلیت سے امرائے اکبری میں منسلک ہو گئے۔ جب اکبر دوسری مرتبہ کشمیر آیا۔ تو اس نے ہری پربت کے گرد ایک وسیع شہر آباد کیا۔ خواجہ حسین کابلی قلعہ اور قلعہ کی شاہی عمارات کے میر عمارت مقرر ہوئے۔ دس سال تک یہ کام جاری رہا۔ اور سنہ ۱۵۸۹ء مطابق سنہ ۱۰۰۶ھ میں خواجہ مذکور کی کوششوں نے اس کو تکمیل تک پہنچایا۔ جیساکہ قطع تاریخ سے ظاہر ہے ؎

بنائے قلعہ ناگر نگر کوٹ بحکم پادشاہِ دادگستر
کروڑ و دہ لک از مخزن فرستاد دو صد اُستاد ہندی جملہ چاکر
نکردہ ہیچ کس بیگار آنجا تمامی یافتند از مخزن نزل زر
چہل چار از ظہور پادشاہی ہزار و شش ز تاریخ پیمبر

یہ اشعار قلعہ ہری پربت کے سنگین دروازہ پر ابھی تک کندہ ہیں۔ اکبر نے خوش ہو کر خواجہ حسین کو ایک زیور کنٹھ طلائی معہ خلعت شاہی عطا فرمایا۔ اہل کشمیر جو بات بات پر صفاتی یا ذاتی نام رکھنے کے عادی ہیں۔ اس موقعہ کو کس طرح ہاتھ سے چھوڑ سکتے تھے وہ نہ صرف حسین کابلی اور اس کی اولاد بلکہ ان کے محلہ تک کے لوگوں کو زیور کنٹھا کے نام پر کنٹھ پکارنے لگے۔ بلکہ اس طرف کا دروازہ بھی کنٹھ دروازہ مشہور ہو گیا۔ جواب کاٹھی دروازہ کے نام سے موسوم ہے۔

تاریخ حسن کا مصنف اس قبیلہ کے متعلق لکھتا ہے۔ جد آنہا خواجہ حسین کابلی در

عہد اکبری مہتمم قلعہ ناگر نگر بود باد شاہ بر موقعہ ملاحظہ قطعہ یک عدد کنٹھا کہ زیورست شال قطعہ شاہی بہ وے عطا فرمودہ موجب آں او را کنٹ خطاب کردہ اند۔

اس خاندان میں میر محمد مقیم۔ میر فقیر اللہ۔ میر جعفر۔ میر فاضل رؤسائے نامدار گزرے ہیں۔ بلکہ دو اوّل الذکر جو علی الترتیب ۱۷۵۳ء و ۱۷۶۷ء میں کشمیر کی صوبیداری و نائب صوبیداری پر بھی فائز رہے ہیں۔

اس خاندان میں دو شاعروں کا پتہ بھی چلتا ہے۔ ایک تو عنائت اللہ ہے جس کے متعلق لکھا ہے "کہ از فرزندانِ میر حسین کنٹ بود"۔ اس کے دو شعر ذیل میں درج ہیں:

ایں زخمِ دل زغمزۂ چشم سیاہ کیست — ویں نیم کشتہ بسمل تیغِ نگاہ کیست
در بزم بادہ نخوردن گناہِ من — چوں جام بادہ خوردن خونم گناہ کیست

دوسرا شاعر محمد رضا کنٹ ہے۔ جو ملا عبدالحکیم ساطع (وفات ۱۱۴۳ھ) کا شاگرد تھا۔ ملا قائم کنٹ۔ رحمت اللہ کنٹ۔ ملا نور اللہ کنٹ۔ اور شیخ محمد یوسف اس خاندان کے نامور اہل علم تھے۔ ملا نور اللہ کنٹ نورہ بابا کے نام سے بھی مشہور ہے۔ عین جوانی میں دہلی گئے۔ اور وہیں تحصیل علوم کے بعد میرزا مظہر جان جاناں سے طریقۂ مجددیہ کا خط ارشاد حاصل کیا۔ اور کشمیر آکر ۱۱۹۹ھ میں وفات پا گئے۔ میر رحمت اللہ کنٹ (وفات ۱۳۰۷ھ)، شیخ طیب رفیقی اور شیخ احمد فرید کے مریدوں اور صحبت یافتوں میں تھے۔

اس خاندان کا فیض و کرم مسلمانوں تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ ہر فرقہ و مذہب کے لوگ اُن کے خلق و فیوضات سے مستفید ہوتے رہے۔ کشمیر کے نامی خاندان دَر کے بزرگوں کے ساتھ اس خاندان کے جو تعلقات تھے۔ اس کی کچھ کیفیت در خاندان کے حالات میں درج ہو چکی ہے۔

خواجہ حسین کابلی کی اولاد سے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانہ میں میر محی الدین کنٹ کو ناخواندگی و بے علمی کے باوجود علم تاریخ پر بڑا عبور تھا۔

اس خاندان میں خواجہ۔ ملا۔ بابا و شیخ وغیرہ کے اعزازی و تعظیمی لفظ رائج رہے ہیں۔ لیکن میر کے لفظ کی جو اس خاندان کے اکثر ناموں کے ساتھ رہا ہے۔ اور اب بھی ہے۔ کسی مؤرخ نے تشریح نہیں کی۔

گگی خیل

یہ وہی قوم ہے۔ جس کا ذکر تاریخ اقوام کشمیر کے پہلے ایڈیشن میں کاکاخیل کے نام سے کیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں[1] معلوم ہوا۔ کہ اس قوم کا اصل نام کاکاخیل نہیں۔ (جیسا کہ وہ خود بتاتے ہیں۔ اور جیسا کہ سر والٹر لارنس نے بھی ان کی زبانی ان کو کاکاخیل ہی لکھا ہے) بلکہ گگی خیل یا گگے خیل ہے۔ جو آفریدی افغانوں کا ایک قبیلہ ہے۔

سر والٹر لارنس نے لکھا ہے۔ کہ یہ لوگ آفریدی ہیں۔ اور ان کی آبادی درنگھامہ تحصیل ہندواڑہ میں کثرت سے ہے۔ کاکاخیل آفریدی نہیں ہیں۔ بلکہ گگی خیل یا گگے خیل آفریدی ہیں۔

حضرت کاکا صاحب سید تھے۔ ان کا شجرۂ نسب جو قریباً ہر کاکاخیل کے گھر میں موجود ہے۔ امام حسین رضؓ تک ملتا ہے۔ شاہجہان کے زمانہ میں اس مقام پر آ کر مصروف عبادت ہوئے۔ جہاں آج موضع زیارت کاکا صاحب انہی کے نام پر آباد ہے۔ یہ موضع

[1] ڈاکٹر مرزا شیر علی بیگ صاحب مغل برلاس ایم۔ پی ڈھوک فضل پورہ ضلع راولپنڈی کا شکرگزار ہوں جنہوں نے سوانح حضرت کاکا صاحب رح (فارسی) مطبوعہ ۱۳۱۸ھ کے مطالعہ کے بعد مجھے اس غلطی کے دور کرنے میں مدد دی۔ (مؤلف)۔

ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ میں واقع ہے۔ تمام آفریدی افغان اور ان کے قبائل اور علاقہ یاغستان کے لوگ اس خاندان کے ارادت مندوں میں ہیں۔ حضرت کاکا صاحب کی اولاد انہی کے نام پر کاکاخیل مشہور ہوئی۔ کشمیر میں اس قوم کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ "زیارت" مزار حضرت کاکا صاحب کی سالانہ آمدنی تمام افراد کاکاخیل پر جہاں جہاں وہ ہوں تقسیم ہو جاتی ہے۔ موضع زیارت کاکا صاحب اسی قوم کی ملکیت ہے۔ اور ذیلدار نمبردار وغیرہ سب اسی قوم کے ہیں۔ زمینداری کے علاوہ ان کا پیشہ پیری مریدی بھی ہے۔

گگی خیل جو شمالی کشمیر یعنی تحصیل ہندواڑہ میں رہتے ہیں۔ ان میں ابھی تک زبان پشتو بولی جاتی ہے۔ اور رسم ورواج وہی جاری ہیں۔ افغان کی قوم میں مروّج ہیں۔ ویلی آف کشمیر میں سر والٹر لارنس لکھتے ہیں کہ ان کی پوشاک اہل کشمیر کی پوشاک پر خصوصیت رکھتی ہے۔ یہ لوگ ڈھال تلوار سے مسلّح رہتے ہیں۔ جب ان کو ہر قسم کے تفکرات سے آزادی ہوتی ہے۔ تو یہ لوگ ریچھ کا شکار کرتے ہیں۔ اور اپنے چھوٹے چھوٹے ٹٹوؤں پر چڑھ کر اُس کو زخمی کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

راقم مؤلف نے ان کو بارہا دیکھا ہے۔ زبان کشمیری خوب بولتے ہیں لیکن کشمیری لباس یعنی پھرن سے اب تک بچے ہوئے ہیں۔ ان میں تعلیم کم بلکہ بہت کم اور جہالت زیادہ بلکہ بہت زیادہ ہے۔ گگی خیلوں ہی کا کیا ذکر ہے۔ کشمیر کے سارے پٹھانوں میں جن کی تعداد سب فرقوں سمیت باون ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ شاید ہی کسی نے بی۔اے پاس کیا ہو۔

یہ سب پٹھان ایک آزاد ملک کے رہنے والے تھے۔ غلام ملک میں اگرچہ کچھ عرصہ تک تو خوب حکومت کرتے رہے۔ لیکن آخر ہر کمالے را زوالے کے مطابق اب خود بھی اسی غلام ملک میں ایک غلام قوم کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کاروبار

ان کا زمینداری اور زراعت ہے۔ ان کے دل اُس احساس سے جو قوموں کو ابھارنے اور بیدار کرنے اور ترقی کی دوڑ میں ساتھ دینے کا باعث ہوا کرتا ہے۔ قطعی خالی ہیں۔

افغانوں کے قبیلوں میں گگے نام سے کئی افراد ہوئے ہیں۔ اور پھر ان کے نام پر خیلوں کا سلسلہ جاری ہوا ہے۔

مثلاً ایک گگے کرران بن شبنی عبداللہ ارمڑ کا فرزند دوم تھا۔ آفریدی سلیمانی۔ آتمان خیل۔ خوگیانی۔ خٹک وغیرہ کئی قبیلے اس گگے کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں۔ ایک گگہ خیل قبیلہ کچین فرزند سوم قیس عبدالرشید کے بیٹے بیٹن کی اولاد سے بھی ہے۔ افغانی قبیلوں کے شجرہائے انساب میں اس قدر خیل ہیں کہ ان کو پڑھ کر عقل چکرا جاتی ہے۔

کھانڈ یا کھانڈے

اس قبیلہ کے لوگ زیادہ تر جنوبی کشمیر میں پائے جاتے ہیں۔ ان کا پیشہ زراعت اور کاشتکاری ہے۔ ان میں نمبردار اور ذیلدار بھی ہیں۔ چنانچہ نیابت ویری ناگ میں اکرم کھانڈ مشہور ذیلدار ہے۔ کھانڈ اور کھانڈے ایک ہی ذات بتائی جاتی ہے۔ کھانڈ کا اصل تلفظ خان ہے۔ اور کشمیر میں صحیح تلفظ کا بگاڑ بالکل معمولی بات ہے۔ بلکہ ہر ملک میں لفظوں کے بگڑنے اور بننے کا رواج قائم ہے۔

جن لوگوں کو کشمیر جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان کو معلوم ہوگا۔ کہ سری نگر کے کشتی بان (ہانجی) جب امیرا کدل کے گھاٹوں پر کسی پنجابی مسلمان کو دیکھتے ہیں۔ تو خواہ وہ کسی قوم اور کسی فرقہ سے ہو۔ ہانجی اس کو دور ہی سے دیکھ کر "کھان صاحب شکارہ[1]" کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ جس

---

[1] شکارہ اس کو پرندہ بھی کہتے ہیں۔ ایک ہلکی سی اور چھوٹی سی کشتی ہوتی ہے۔ جو سیر و تفریح اور ایک کدل سے دوسرے کدل تک جانے کے کام آتی ہے۔

کا مفہوم یہ ہوتا ہے۔ کہ "خان صاحب شکارہ حاضر ہے۔ کہیں جائیے گا"۔ خان کو ابھی تک عوام کھان ہی کہتے ہیں۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں اگر خان نے کھان اور کھان نے کھانڈ یا کھانڈے وغیرہ کی شکل اختیار کر لی ہو۔

کھانڈ یا کھانڈے کے علاوہ خان کشمیر میں ایک علیحدہ قوم بھی ہے۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی تعداد ریاست کشمیر میں ۲۳۹۶۵ ہے۔ ۱۹۱۱ء میں خان فرقہ کی تعداد ریاست میں ۲۰۲۳۸ تھی۔ کھانڈ قوم کے کچھ گھر پنجاب میں بھی ہیں۔ انکا ذکر باب پنجم میں ہو گا۔

سدوزئی

افغانوں کا ایک مشہور قبیلہ ہے جو دیگر افغان قبائل کی طرح قیس عبدالرشید کی اولاد سے ہے عبدالرشید سے چودھویں پشت میں عمر گزرا ہے۔ جس کے دو فرزند تھے۔ صالح و سدو۔ دوسرے فرزند سدو کے نام پر سدوزئی قبیلہ ہے۔ جس نے ہندوستان اور افغانستان میں نامور بادشاہ پیدا کئے ہیں۔

افغانوں کی بہت بڑی تعداد ابراہیم لودی اور شیر شاہ سوری کے زمانہ میں ہندوستان آئی ہے۔ کشمیر میں ان کی آمد احمد شاہ درانی اور اس کے جانشینوں کے عہد میں ہوئی تھی بعد میں جس طرح اور اقوام کشمیر سے پنجاب کے مقامات میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح سدوزئی قبیلہ کے بعض افراد بھی سکھوں کے زمانہ پنجاب آ گئے۔ لیکن ان میں منشی ولی محمد خاں سدوزئی (راولپنڈی) اور ان کے بزرگوں نے کشمیر سے اپنے تعلقات برابر قائم رکھے۔ چنانچہ بارہ مولا کے متصل ایک گاؤں میں آپ کی کافی اراضی موجود ہے۔ آپ اپنی زراعت کی وجہ سے ایام گرما میں بالعموم کشمیر ہی رہا کرتے تھے۔ آپکے فرزند وخیص بابو غفور محمد پنجاب میں کسی معزز عہدے پر ہیں اور نظام الرحمان خاں بی۔ اے ایل ایل۔ بی کشمیر میں تحصیل داری کی ٹریننگ لے چکے ہیں

فصل پنجم

مغل اقوام

جیسا کہ طبقہ سادات کے بیان میں ذکر کیا گیا ہے۔ کشمیر میں سب سے پہلے سلمانوں میں سادات کی جماعت آئی۔ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی اور ان کے صاحبزادہ حضرت میر محمد ہمدانی کے ہمراہ سادات کے علاوہ مشائخ بھی تھے۔ بعض اصحاب کا خیال ہے۔ کہ ان مشائخ میں مغل مشائخ بھی شامل تھے۔ لیکن یہ خیال اس لئے صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کہ سادات کی جماعت مغلوں ہی کی ستائی ہوئی کشمیر میں آئی تھی۔ مغلوں کی جماعت کس طرح ان کے ساتھ ہجرت پر آمادہ ہو سکتی تھی۔ البتہ سلطان سکندر اور اس کے فرزند بڈشاہ سلطان زین العابدین کے زمانہ میں مغلوں کی آمد کا پتہ چلتا ہے۔ جب کہ بڈشاہ کی قدردانیوں اور اس کی فیاضیوں اور مردم شناسیوں کی شہرت سن کر اطراف و اکناف سے لوگ کشمیر میں کھچے چلے آتے تھے۔ انہی لوگوں میں مغل بھی تھے۔

مغلوں کی یہ آمد ایک مہمان کی حیثیت سے تھی۔ اور کچھ شک نہیں۔ کہ سلاطین کشمیر نے علی اقدر مراتب ان کو سر آنکھوں پہ جگہ دی۔ چنانچہ ان میں قاضی میر علی بخاری بڈشاہی جس کو کشمیر کے قاضی خاندان بلکہ مغول کشمیر کا باوا آدم کہا جاتا ہے کے متعلق تاریخ کبیر کشمیر صفحہ ۲۹۱ پر لکھا ہے "از پادشاہ دین پناہ (یعنی بڈشاہ منصب تضائے ملک کشمیر ممتاز و سربلند گردید۔ بحصول جاگیرات و وصول بعنایات جہان

پناہ معزز گردیدہ —"

اس کے بعد کشمیر میں مغلوں کی آمد ہمیشہ ایک حملہ آور کی حیثیت سے رہی ہے۔ سب سے پہلے میرزا حیدر ترک آیا۔ جو سلطان نازک شاہ شہمیری کے نام پر کشمیر میں خود مختار حکومت کرتا رہا ہے۔ وہ بابر کا خالہ زاد بھائی تھا۔ اس نے کشمیر میں نہایت حسن لیاقت وتدبر کے ساتھ بادشاہی کی ہے۔ لیکن اس کی بہت سی خوبیوں کے باوجود کشمیری اس کو غیر ملکی سمجھتے تھے۔ خصوصاً اس کی برادری کے لوگ جس رعایا آزاری سے کام لیتے تھے۔ وہ اندر ہی اندر ایک عظیم شورش کا کام کر رہی تھی۔ آخر میرزا حیدر قتل کر دیا گیا۔ کشمیر پر مغلوں نے ایک اور حملہ شاہ ابوالمعالی کی سرکردگی میں کیا ہے۔ شاہ ابوالمعالی کے متعلق دربار اکبری میں (صفحہ ۳۴۳ پر) لکھا ہے " ایک خوبصورت دیدہ رُو نوجوان خواجگان کاشغر کا گھرانہ سے تھا۔ جب ہمایوں ایران سے واپسی پر قندھار میں آیا۔ تو یہ بھی حاضر ہوا۔ بادشاہ نے فرزندی کا خطاب دیا۔ بیرم خاں ملکہ اکبر تک اس کی بے اعتدالیوں سے نالاں تھے۔ مگر بادشاہ کا محبوب تھا۔ اس لئے کسی کی کوئی پیش نہ جاتی تھی۔ انتہا یہ ہے کہ بیرم خاں جیسے امیر الامرا کو ابوالمعالی کی تعریف میں قصیدے لکھنے پڑے۔ لیکن ہمایوں کے مرنے کے بعد بیرم خاں ہی نے سب سے پہلے اس کا کانٹا نکالنا چاہا۔ آخر قید خانہ میں ڈال دیا۔ لیکن یہ منچلا وہاں سے بھاگ کر راجوری آگیا۔ اور چونکہ کشمیر میں اسوقت خانہ جنگی شروع تھی۔ اس کے دل میں میرزا حیدر کی طرح بادشاہ کشمیر بننے کی اُمنگیں پیدا ہوئیں۔ اُمرائے کشمیر میں سے شمس رینہ اور چند اور اُمرا جو غازی چک بادشاہ کشمیر کے خلاف تھے۔ ابوالمعالی کو مدد دے رہے تھے۔ مصنف تاریخ اعظمی مغلوں اور کشمیریوں کی جنگ کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے " در ہمیں کشاکش اتفاق چنیں افتاد کہ غازی خاں غلبہ بر لشکر مغل یافت قریب یک ہزار و ہفت صد کس مغل را معہ شمس رینہ دستگیر نمود۔ و در حرب گاہ سہ چہار ہزار کس طرفین نیز

بہ قتل رسیدہ بودند۔"

مغلوں نے آخری حملے کشمیر پر اکبر کے زمانہ میں کئے ہیں۔ پہلا حملہ جو ۹۹۴ھ میں ہوا ہے۔ اس میں اکبر نے راجہ بھگوانداس کی زیر سرکردگی پچاس ہزار سوار و پیادہ فوج کشمیر کی فتح کے لئے بھیجی تھی۔ اور یعقوب شاہ بادشاہ کشمیر نے ۱۵ ہزار سوار اور ۲۵ ہزار پیادہ اور سات ہزار بندوقچی مقابلہ کے لئے تیار کئے تھے۔

لکھا ہے کہ مغل و کشمیر کے لشکروں میں گرانی اسقدر پڑی۔ کہ "یک سیر برنج بہ دہ روپیہ رسید۔" "یعقوب شاہ از جاں رفتہ بر صف قتال قائم ماندہ نوعے قافیۂ لشکر مغل تنگ کرد کہ از جاں بہ تنگ آمدند۔ بجائے غلہ گوشت اسپ و شترے خوردند۔ راجہ مذکور لاعلاج شدہ طرح صلح با یعقوب شاہ انداختہ روئے بہ گریز نہادہ و طبل باز گشت۔"

اس واقعہ کے بعد یعقوب شاہ نے ۱½ سال تک بادشاہی کی۔ اس دوران میں اس نے ایسی ایسی مذہبی بے اعتدالیاں کیں۔ کہ امرائے و فضلائے اہلسنت اس سے بیزار ہو گئے۔ خصوصاً قاضی موسیٰ شہید (جو قاضی میر علی بدشاہی کی اولاد سے تھے) کے واقعہ شہادت سے تمام ملک برافروختہ ہو گیا۔ حضرت بابا داؤد خاکی۔ حضرت شیخ یعقوب صرفی اور کئی اکابر رؤسا اکبر کے پاس گئے۔ اور اُس کے ساتھ عہد و پیمان کر کے اس کو تسخیر کشمیر پر آمادہ کیا۔ چنانچہ میر قاسم بحری اسی ہزار فوج لے کر کشمیر پر حملہ آور ہوا۔ اور معمولی لڑائیوں کے بعد آخر کشمیر میں مُغلوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

درحقیقت کشمیر میں مغلوں کی زیادہ تعداد مغلوں ہی کے زمانہ سے ہے۔ کشمیر میں مندرجہ ذیل سات ذاتیں مغل اقوام میں شمار ہوتی ہیں:۔

میر۔ بیگ یا میرزا۔ بانڈے۔ بچھ۔ گائی۔ جان۔ عشائی اور رفیقی (رفیقی درحقیقت عشائی طبقہ ہی کی ایک شاخ ہے) اب کشمیر کی مغل اقوام کی تمام شاخوں کا علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

میر

کشمیر میں دو قومیں ایسی ہیں۔ جو اپنے ناموں کے اول یا آخر لفظ میر کا استعمال کرتی ہیں۔ جہاں یہ لفظ پہلے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً میر حسن شاہ وہاں میر کا لفظ حسن شاہ کی سیادت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور جہاں میر کا لفظ نام کے بعد مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے عزیز میر وہ میر در اصل میرزا یا امیر کا مخفف ہے۔ بلکہ تاریخ ریاست حیدر آباد دکن کے مصنف علامہ محمد نجم الغنی خاں مرحوم رامپوری نے فرمانروایان حیدر آباد کے ناموں کے ساتھ لفظ میر جو لکھا جاتا ہے۔ جیسے میر محبوب علی خاں، میر عثمان علی خاں۔ اس پرانی تاریخ کے صفحات ۹۴ وغیرہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فرمانروایان حیدر آباد تاتاری نسل سے ہیں۔ اور مذہب ان کا اہلسنت جماعت حنفیہ ہے۔ ان کے ناموں کے ساتھ میر کے لفظ کا وہ مفہوم نہیں ہے۔ جو شیعان لکھنؤ کی اصطلاح میں ہے۔ بلکہ یہ میر ترکی لفظ ہے۔ اور اس کے معنے افسر اور سردار کے ہیں۔ جیسے میر لشکر۔ میر آتش۔ میر سامان وغیرہ۔

چنانچہ میر علی بخاری جو حدود ترکستان و مغولستان ہی سے بڈشاہ کے زمانہ میں کشمیر آئے تھے۔ ان کے نام کے ساتھ میر کا لفظ کشمیر آنے سے پیشتر ہی رائج تھا۔ میر بجائے خود ایک ترکی لفظ ہو۔ یا اس کا تعلق لفظ امیر یا میرزا سے ہو۔ بہرحال اس کو رائج کرنیوالے مغولستان کے لوگ ہی تھے۔

کشمیر اور پنجاب میں لفظ میر نے مغل اور سادات میں جو فرق وامتیاز قائم کر رکھا تھا۔ اس کو اب دونوں جگہ مٹایا جا رہا ہے۔ چنانچہ میر بمعنے مغل جو اقوام تھیں۔ اور جن کی پہچان کی تمیز یہ تھی۔ کہ میر کا لفظ ان کے نام کے آخر میں آتا تھا۔ اب وہ بھی اپنے نام کے شروع ہی میں میر کا لفظ لکھ رہی ہیں اور ہر چند ایسی قبائل کو سیادت کا دعوٰے

نہیں ہے۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے۔ کہ چند نسلوں کے بعد اس کا نتیجہ کیا نکلیگا ؟ البتہ پنجاب اور کشمیر کے دیہات میں میر قوم کے جو لوگ آباد ہیں۔ وہ ابھی تک اپنے امتیاز کو جمال میر۔ جمال میر کی صورت میں قائم رکھے ہوئے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ میر مغل قوم نے میر کا لفظ بعد میں استعمال کرنے کی بجائے اپنے نام سے پہلے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ لیکن میرزا خاندان کے بعض افراد نے بالخصوص پنجاب میں لفظ میرزا کو جو نام سے پہلے لکھا جاتا تھا۔ اب نام کے بعد لکھنا شروع کر دیا ہے۔ جیسے میرزا کمال الدین کی جگہ کمال الدین میرزا۔ عزیز میرزا۔ احمد میرزا وغیرہ۔

تاریخ گلشن کشمیر (غیر مطبوعہ) میں میر قوم کی اصلیت کو میرزا یا امیر ظاہر کر کے لکھا ہے۔ کہ یہ لوگ مغل ہیں۔ مغول خاں ابن النجہ خاں کے زیر نگیں جس قدر ملک تھا۔ وہ مغولستان کہلایا۔

ڈاکٹر میرزا شیر علی بیگ (ایم پی منگلورہ) راولپنڈی اپنے ایک طویل خط میں لکھتے ہیں "مغول کے لغوی معنے شریف۔ صاف دل اور شاہزادہ کے ہیں۔ مغول خود واحد لفظ ہے۔ جمع نہیں۔ مغل اس کا خلاصہ یا مخفف سمجھنا چاہیئے۔"

مغل۔ میرزا یا میر کس طرح مشہور ہو گئے۔ اس کی تفصیل ذیل کے الفاظ سے معلوم ہوگی۔ مغول خاں کی اولاد میں کئی پشتوں کے بعد دو فرزند بنام قبل خاں و قاچولی بہادر پیدا ہوئے۔ قبل خاں اور اس کی اولاد کو یکے بعد دیگرے سلطنت نصیب ہوتی گئی۔ اور قاچولی بہادر اور اس کی اولاد کئی نسلوں تک سپہ سالاری کے منصب پر رہی۔ قاچولی بہادر نے اپنے لئے امیر کا لقب پسند کیا۔ اور اس کی اولاد بھی اسی لقب سے مشہور ہوتی رہی۔ تیمور گورگانی بھی اسی کی نسل سے تھا۔ اور ہر چند کہ شہنشاہ تھا۔ لیکن امیر تیموری کے نام سے مشہور رہا۔ اور اسی لفظ کو طرۂ امتیاز بنا کر

ایک عالم کو فتح کر گیا - شاہزادے امیرزادہ کے لقب سے ملقب ہوتے تھے - اور خاندان شاہی کے دوسرے افراد میرزا کہلاتے تھے - بابر کا باپ عمر شیخ - عمر شیخ میرزا کہلاتا تھا جب بابر ہندوستان میں آیا - اسوقت وہ امیر نہیں بلکہ بادشاہ کہلاتا تھا - اس کی اولاد بادشاہ سے شہنشاہ کہلائی - شاہزادے صاحب عالم کہلانے لگے - اور افراد خاندان کے لئے میرزا کا لفظ ہی بدستور قائم رہا - بادشاہوں نے اپنے عظیم القدر امرا و وزرا کو بھی میرزا کے خطاب ہی سے سرافراز کیا - ان میں سادات - مشائخ - افاغنہ بلکہ ہندو راجپوت راجے بھی شامل تھے - جیسے میرزا راجہ مان سنگھ -

۱۹۱۱ء کی مردم شماری ریاست جموں و کشمیر میں میر قوم کی آبادی صوبہ جموں میں ۱۲۲۰ - کشمیر میں ۱۶۰۰۸ - سرحدی اضلاع کشمیر میں ۲۸ - اور کل ریاست میں ۱۷۲۵۶ تھی۔

کشمیر کے میر طبقہ میں خواجہ عزیز میر تحصیل ٹیوامہ موضع راجپورہ کا رہائشی مکان کسی راجہ کا محل معلوم ہوتا تھا - راقم مؤلف کو بھی وہاں خواجہ عزیز میر کی زندگی میں ایک دو دن رہنے کا اتفاق ہوا ہے - سات آٹھ سال ہوئے - ان کا انتقال ہو چکا ہے - ان کے جانشین اب میر غلام حسن ذیلدار ہیں -

تحصیل بڈگام کے میروں میں جعفر میر ذیلدار (چھترگام) ایک مردم شناس اور علم دوست رئیس ہے

ترہگام (تحصیل ہندواڑہ) کے متصل علاقہ لن ہر ہے میں رحمان میر کے فرزندوں نے خوب ترقی کی ہے - ان میں خلیل میر ذیلدار ہے - احمد میر ٹھیکہ دار ہے - غنی میر حاجی عزیز میر جبار میر بھی وسیع زمینداری رکھتے ہیں - جبار میر کا ایک بیٹا سرور میر ہے - غنی میر کا ایک بیٹا گلزار میر اور احمد میر ٹھیکہ دار کا ایک فرزند حبیب اللہ میر ہے

علاقہ لنگیٹ کا ذیلدار عبداللہ میر اور یارو کا ذیلدار علی میر بھی میر قبیلہ کے سربرآوردہ اصحاب میں ہیں - [illegible] اسلام آباد کا [illegible]

تحصیل ہندواڑہ کی آخری کرناہی حدود پر نگام کا نمبردار اسد میر بھی میر قبیلہ ہی سے تھا۔ جس کے اس وقت دو فرزند موجود ہیں۔ احمد میر نمبردار ہے۔ دوسرے کا نام مغل میر ہے اسی علاقہ میں ایک زمانہ میں رستم میر ایک نامی رئیس گذرا ہے۔ وہ کرالہ پورہ نزیل تریگام کا رہنے والا تھا۔ اس کا بیٹا زمان میر نمبردار تھا۔ اب زمان میر کا بیٹا عبلی میر نمبردار ہے صوبہ جموں کے مقامات رام بن۔ بانہال۔ بٹوت۔ ریاسی۔ اودھم پور۔ میر پور وغیرہ کوہستانی علاقوں میں یوں تو ماگرے۔ بٹے۔ نائک۔ ڈار۔ لون۔ راتھر وغیرہ کئی اقوام آباد ہیں۔ لیکن میر قوم کی تعداد ان میں سب سے زیادہ ہے۔

بٹوت۔ بانہال۔ اودھم پور۔ ریاسی وغیرہ یہ تمام علاقہ جات پہاڑی ہیں۔ کشمیری مسلمان یہاں آٹھ آٹھ پشتوں سے آباد ہیں۔ زمینیں انہوں نے خود اپنی محنت سے کاشتکاری کے قابل بنائی ہیں۔ ان میں سعد اللہ میر بہت بڑا زمیندار اور اپنے علاقہ کا ذیلدار ہے۔ بٹوت میں منگو میر کی اراضیات بٹوت کے علاوہ جاگیر چینینی میں بھی ہیں۔ علاوہ ازیں ۱۹۳۰ء کے سفر بٹوت میں راقم مؤلف کو دوران سیر و سیاحت کئی متصلہ کوہستانی دیہات میں کئی کشمیری زمیندار ڈوگرہ لباس اور ڈوگرہ تمدن میں نظر آئے۔ ان کی زبان بھی ڈوگری تھی۔ ریاست جموں کے پانچ اضلاع ہیں جموں۔ میر پور۔ کٹھوعہ۔ ریاسی۔ اودھم پور ان میں آخر الذکر تین اضلاع میں کشمیری کھوجوں کے سوا باقی تمام کشمیریوں کو زراعت پیشہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ضلع میر پور میں بھی کافی تعداد کشمیریوں کی ہے۔ اور ان میں بیشتر حصہ زمینداروں کا ہے۔ تعجب ہے کہ ان کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ پنجاب کی کاشمیری میر اقوام کے حالات باب پنجم میں درج ہوں گے۔

بانڈے

اس لفظ کی وجہ تسمیہ متعدد زبانوں پر مختلف ہے۔ رپورٹ مردم شماری ریاست جموں و کشمیر بابت ۱۹۱۱ء کے حصہ اوّل صفحہ ۲۰۵ کے فٹ نوٹ میں بھی اس کا ذکر ہے جہاں لکھا ہے کہ "یہ قوم مغلوں کا ایک فرقہ ہے جس کو سرکش اور مُنہ زور ہونے کی وجہ سے قید کر دیا گیا تھا" کہاں قید کر دیا گیا تھا۔ کس لئے قید کیا تھا۔ اس کے متعلق مصنف رپورٹ مذکور بالکل خاموش ہے۔

تاریخ حسن میں جو آج سے نصف صدی پیشتر کی تصنیف ہے۔ اور ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ بانڈے طبقہ کے متعلق حسب ذیل سطور درج ہیں "در عہد شاہان چغتہ از ترکستان آمدہ صاحب ثروت و حکومت بودہ اند و در کشمیر متوطن شدہ موضع بانڈپور جاگیر یافتند موجبہ آں آنہارا بانڈے میگویند" لیکن بانڈپورہ سے اگر مراد بنڈپورہ ہے۔ تو وہاں بانڈے قوم کی تعداد بھی بہت قلیل ہے۔

مصنف تاریخ اعظمی نے اس قوم کے مشہور شخص ملا عبدالرزاق بانڈے کا ذکر صفحہ ۱۴۴ پر اور صاحب روضۃ الابرار نے خواجہ حسن بانڈے کا اور مصنف تاریخ کبیر کشمیر نے بانڈے طبقہ کے بعض مشہور افراد کا ذکر کیا ہے۔ لیکن بانڈے کے لفظ کی اصلیت پر کسی نے کچھ بحث نہیں کی۔ تاریخ اعظمی اور روضۃ الابرار میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ بڈشاہ کا بزمانہ شہزادگی امیر تیمور کے ہمراہ سمرقند جانے کا ذکر درج ہے۔ تاریخ اعظمی کا مصنف لکھتا ہے۔ کہ امیر نے شاہی خاں عرف بڈشاہ کو خواجہ بدیع اللہ رئیس لاہور کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ خواجہ اور شہزادہ امیر تیمور کی زندگی تک سمرقند ہی میں رہے۔ اور اس کے مرنے کے بعد واپس آئے۔ اُس زمانہ میں سلطان سکندر بُت شکن کشمیر کا بادشاہ تھا۔ اس نے بیٹے کی واپسی

پر اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ اور خواجہ بدیع اللہ یا بدیع الدین کو اپنے مقربین میں جگہ دی۔

روضۃ الابرار میں اتنا اختلاف ہے کہ وہ خواجہ اور شہزادہ کی واپسی امیر تیمور کے ہندوستان سے واپس چلے جانے کے بعد تصور کرتا ہے۔ شباب کشمیر میں بھی جو بڈشاہ کی مفصل سوانح عمری ہے۔ یہ واقعہ درج ہے۔ وہ تاریخ اعظمی کی عبارت سے اتفاق کرتا ہے۔ بہرحال یہ ثابت ہے کہ خواجہ بدیع اللہ یا بدیع الدین شہزادہ کے ساتھ ہی کشمیر آ گئے تھے۔ اور اس بات کو مصنف تاریخ اعظمی و روضۃ الابرار دونوں تسلیم کرتے ہیں۔ کہ خواجہ بدیع اللہ کی اصل ترکستان سے ہے۔ اور وہ اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر سیدھے لاہور آ ٹھہرے تھے۔ یہاں سے کشمیر چلے گئے۔

کشمیر کے لوگ لفظوں کے بگاڑنے ان کا بے معنے خلاصہ کرنے اور عجیب عجیب نام نکالنے اور رکھنے میں شہرۂ آفاق ہیں۔ جب خواجہ بدیع اللہ کشمیر آئے۔ تو کشمیری ان کو خواجہ باندی یا باندے کہتے ہوں گے۔ اور باندی یا باندے سے یہ نام رفتہ رفتہ باڈے مشہور ہو گیا ہوگا۔ کشمیر میں شاہ بدیع الدین ایک بزرگ گزرے ہیں وہ شاہ باڈی کے نام سے مشہور تھے۔

علاقہ ملہ ملیر میں باڈے کوچہ اس خاندان کے پرانے عالیشان مکانات کے کھنڈروں کا پتہ دے رہا ہے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ (۱) خواجہ حاجی محمد باڈے (۲) خواجہ محمد مومن باڈے۔ حاجی محمد نے تو خانیار میں طرح اقامت ڈال لی۔ خدا نے ان کو تین فرزند دیئے۔ محمد کاظم۔ محمد قاسم۔ عبدالفتاح اس شاخ میں سے محمد کاظم۔ محمد جعفر۔ محمد اسلم۔ محمد اعظم۔ بدرالدین محمد معظم۔ محمد فاروق نامور گذرے ہیں۔ خواجہ محمد اکرم شاہ جن کی عمر اسوقت ۹۰ سال کی

سلہ خواجہ اکرم شاہ باڈے فارسٹ رینجر کے والد بزرگوار خواجہ محمد اکرم شاہ باڈے جن کی عمر اس وقت ۹۰ سال کی ہے۔ اصل نام بدیع الزمان بتاتے ہیں ۱۲

ہے۔ اور جو خواجہ اکرم شاہ بانڈے فارسٹ رینجر کے والد محترم ہیں۔ اسی شاخ سے ہیں۔

شاہجہان کے زمانہ میں علامہ عبدالرزاق بانڈے کشمیر میں ایک نامور فاضل گذرا ہے تاریخ خواجہ اعظمی میں اس کے متعلق لکھا ہے۔ (ترجمہ) علم معقولات میں یگانہ روزگار تھا۔ شاہجہان نے مدرسہ عالیہ کابل کا صدرالمدرسین بنا دیا۔ علامہ عبدالرزاق دن کو تو درس تدریس کا شغل رکھتے۔ اور رات کو دربار لگاتے اور احکامات شرعیہ جاری کرتے نتیجہ یہ ہوا کہ خلل دماغ کی وجہ سے مستعفی ہو کر کشمیر آ گئے۔ اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد واصل بحق ہو گئے۔

چکون کے آخری دور میں ملا حاجی بانڈے ایک متبحر عالم کا نام تاریخوں میں دیکھا جاتا ہے۔ فتحیات کے حوالہ سے صاحب روضۃ الابرار لکھتے ہیں۔ جب بابا داؤد خاکی۔ شیخ یعقوب صرفی۔ ملا کمال اور علماؤ مشائخ و رؤسا کے ۲۸ آور عزیزین یعقوب شاہ چک بادشاہ کشمیر کے مظالم سے تنگ آ کر اکبر کے پاس جا رہے تھے۔ تو رستہ میں خواجہ حاجی بانڈے نے جو صاحب علم ہونے کے علاوہ صاحب دولت بھی تھے۔ شانگس پرگنہ کوٹھار میں ان سب کی دعوت کی۔ اور ہر ایک کو سواری کے لئے گھوڑا بہم پہنچایا۔ اور لاہور روانہ کیا۔ یعقوب شاہ نے خبر پاتے ہی مشائخ و رؤسا کی اس جماعت کی گرفتاری کے لئے آدمی دوڑائے۔ وہ بھی خواجہ کے پاس آئے۔ خواجہ نے سرکاری آدمیوں کو دعوت کے بہانے ایک دن قیام کرنے کا مشورہ دیا۔ اور سب کی پر تکلف دعوت کی۔ یہاں تک کہ مشائخ و رؤسا کی یہ جماعت بانہال کے رستے بابا عمر ابن بابا فتح اللہ شاہ حقانی کاشمیری کی پاس بمقام سیالکوٹ پہنچ گئی۔

خواجہ حاجی محمد بانڈے سا کے دوسرے بھائی خواجہ محمد مومن بانڈے کی اولاد میں خواجہ محمد بلاقی[1] کو

لہ خواجہ محمد بلاقی خواجہ عبدالحکیم بانڈے بلدیری کی اولاد سے تھے۔ خواجہ عبدالحکیم نورالدین اشبری کے داماد تھے اسی سلسلہ میں رؤسا و فضلائے شہر نے موئے مبارک کی خدمت پر ان کو مقرر کیا۔ خواجہ عبدالحکیم بانڈے علوم عقلیہ و نقلیہ میں صاحب کمال تھے ۱۲

موئے مبارک واقعہ حضرت بل کی نشان وہی کے رُو سے خاص شہرت وعزت حاصل رہی - خواجہ حسن خاں بانڈے جس کو ابوالحسن بانڈے بھی کہتے ہیں - خواجہ بلاقی ہی کا پوتا تھا - جو احمد شاہ ابدالی کے زمانہ میں کشمیر کے ممتاز ترین شخصوں میں تھا۔ ۱۷۵۳ء میں اس کا اقتدار یہاں تک بڑھ گیا تھا۔ کہ اس نے سردار عبداللہ خاں کابلی صوبہ کشمیر کو قتل کرا کر سکھ جیون مل کو کشمیر کی نظامت دلا دی تھی ۱۷۵۴ء کے قحط میں خواجہ حسن خاں نے (خان کا خطاب احمد شاہ ابدالی کی طرف سے ملا تھا) جُود وسخا کے دروازے کھول دیئے تھے - دو اڑھائی برس کے بعد راجہ سکھ جیون مل اور خواجہ حسن خاں میں جو صاحب کار اور مدارالمہام کشمیر تھا - کسی بات پر کشیدگی پیدا ہو گئی - راجہ نے خواجہ کے مکانات جلا دیئے - وہ بچارا جان بچاکر پونچھ کی طرف بھاگ گیا - اور وہیں مرا جل ہو گیا - درگاہ شریف حضرت بل کی تولیت خواجہ محمد بلاقی ہی کی اولاد کے پاس ہے - جن میں خواجہ ظہیر الدین خواجہ عبدالرحیم[۱] - خواجہ نظام الدین[۲] - اور خواجہ حسن شاہ[۳] بانڈے خاص طور پر مشہور ہیں - ان میں سے خواجہ حسن شاہ بانڈے سے راقم مؤلف کو بھی نیاز حاصل تھا - بڑے مردم شناس اور علم دوست تھے - آجکل ان کے فرزند خواجہ عبدالرحیم بانڈے درگاہ حضرت بل کے متولی ہیں -

چک بادشاہان کشمیر کے زمانہ میں خواجہ قاسم بانڈے سرینگر کا ایک نامور رئیس گذرا ہے - مصنف تاریخ کبیر کشمیر لکھتا ہے " در حضور والئے شہر اُو را ملازمت و شرف خطاب میرزائی حاصل گردیدہ" ایک دن میرزا خواجہ قاسم سلطان العارفین حضرت مخدوم حمزہ رح کی خدمت میں آئے - حضرت نے فرمایا " اے میرزا امروز بہ چہ داعیہ و مطلب آمدہ - میرزا عرض نمود - میخواہم کہ ازیں پس گوشہ گیرم واز حکومت وکامرانی دست خود را بازپس

---

[۱] سن وفات ۱۲۸۸ھ [۲] سن وفات ۱۳۰۹ھ [۳] سن وفات ۱۳۴۶ھ ۱۲۷

گیرم کہ دوولی بجز بے حاصلی چیزے نیست۔ پس ہماں وقت دست انابت آوردہ۔ ترک دنیا ومافیہا کردہ بگوشہ گیری خورسند گردید۔"

قریشیوں کے باب میں مفتی شریف الدین مفتی اعظم کشمیر کے خاندان کا ذکر ہے۔ اس میں آپ کے صاحبزادے مفتی قوام الدین میونسپل کشمیر سرینگر نے لکھا ہے۔ کہ مفتی محمد صدر الدین خاں صدر الصدور دہلی تخلص آزردہ ان کے خاندان سے تھے۔ لیکن صاحب روضۃ الابرار (مولانا محمد الدین فوق مرحوم لاہوری) لکھتے ہیں۔ میر سید عبدالاحد قادری (لاہور) فرمایا کرتے تھے۔ کہ مولانا نے بارہا مجھ سے (دہلی میں) کہا ہے کہ "من ہم از اولاد خواجہ حسن بانڈے کاشمیری ہستم"۔ روضۃ الابرار آج سے نصف صدی پیشتر کی تصنیف ہے۔ معلوم نہیں دونوں باتوں میں کون سی صحیح ہے۔

بانڈے خاندان سے بھی کئی لوگ کشمیر سے پنجاب اور دیگر حصص ملک میں گئے ہیں خواجہ کمال الدین مشہور مسلم مشنری انگلستان اور نوابان ڈھاکہ۔ بنگال کا خاندان بھی بانڈے ہی ہے۔ ان کے حالات پنجاب اور بنگال کے سلسلہ میں لکھے جائینگے۔

بیگ، میرزا

ترکستان میں قدیم الایام سے یہ رواج چلا آتا ہے کہ میدان کارزار میں جو شخص جان بازی و سرخروئی حاصل کرے۔ اور فوج کا سرلشکر اور ہراول رہے۔ اُسکو بیگ کے خطاب سے سرافراز کیا جاتا ہے۔ بیگ کے لغوی معنے سردار اور چیف کے ہیں۔ بوگ۔ بگ۔ بک۔ بے اسی لفظ سے نکلے ہیں۔ ترکی میں صدیوں تک بے اور بک کا خطاب فوجی افسروں کو ملتا رہا ہے۔ غازی انور پاشا پہلے انور بے کے خطاب ہی سے

ممتاز تھے۔ بعد میں انور پاشا ہو گئے۔ پشاور کے رئیس میاں غلام صمدانی (کاشمیری) مرحوم کا لڑکا جو جنگ عظیم میں ہندوستان سے ٹرکی چلا گیا تھا۔ اُس کو بھی بے کا خطاب ملا تھا۔ اُس کا نام غازی عبدالرحمٰن بے تھا۔

بیگم کا لفظ بیگ ہی کا مؤنث ہے۔ بیگم ہی سے بیگی۔ بی بی۔ بی کے الفاظ نکلے ہیں۔

نامور فوجی افسروں کے علاوہ خاندان مغول کے ممتاز افراد کو بھی ان کی خدمات کے لحاظ سے یہ خطاب ملا کرتا تھا چینی ترکستان میں اب بھی بیگ چیف اور سردار کے معنوں ہی میں بولا جاتا ہے۔

چونکہ میرزا کا لفظ افراد خاندان شاہی کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ اور بیگ کا خطاب بھی خاص خاص سرفروشان سلطنت کے علاوہ خاندان مغول کے ممتاز ممبروں کو ملا کرتا تھا۔ اس لئے بیگ اور میرزا کا استعمال ہر مغل خطاب کے لئے لازم سمجھا گیا مثلاً میرزا رستم بیگ۔ میرزا یعقوب بیگ وغیرہ۔

بیگ میرزا اور میرزا بیگ کہلاتے ہیں۔ مگر کشمیر میں بعض لوگوں کے ناموں کے پہلے خواجہ کا لفظ بھی دیکھا گیا ہے۔ مثلاً خواجہ مصطفےٰ بیگ متولی زیارت سورہ۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جس طرح بیگ ترکی لفظ ہے۔ اور اس کا مونث بیگم ہے۔ اسی طرح خواجہ بھی ترکی لفظ ہے۔ اور اس کے مؤنث کو خوجم کہتے ہیں۔ اور چونکہ بیگ خاندان بھی یارقند و کاشغر وغیرہ (ترکستان و منگولیا) کی طرف سے آیا ہے۔ اور بیگ اور خواجہ بھی انہی اطراف کے لفظ ہیں۔ اس لئے یہ لوگ میرزا اور خواجہ دونوں لفظوں کا استعمال کر لیتے ہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے ۱۹۱۱ء کی مردم شماری جموں کشمیر میں اپنی ذات بیگ لکھائی ہے۔ جموں میں ۲۰۸۰۔ کشمیر میں ۶۵۹۳۔ سرحدی اضلاع میں ۳۰۔ اور کل ۸۷۰۳



خانصاحب حاجی میرزا غلام مصطفیٰ صاحب رئیس اعظم
وسابق اسسٹنٹ گورنر کشمیر مقام سرینگر

ہیں۔ اور میرزا لکھوانے والوں کی تعداد جموں میں ۱۵۔ کشمیر میں ۱۲۱۷۔ سرحدی اضلاع میں ۴۸۔ اور کل ۱۳۳۶ ہے۔

میرزا اور بیگ جو سرینگر میں رہتے ہیں۔ اُن میں زمینداری کا کم رواج ہے لیکن جو لوگ کشمیر کے دیہات میں رہتے ہیں۔ وہ زراعت ہی کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہیں۔ یہاں سرینگر کے ایک نامور میرزا خاندان اور اسلام آباد کے ایک مشہور بیگ خاندان کا کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔

خاندان میرزایان سرینگر[1] ۱۰۹۵ھ میں اُمرائے ترکستان سے ایک بزرگ قاسم بیگ نام بعض مُلکی و خاندانی وجوہات کے باعث دہلی آئے۔ جہاں انہوں نے اپنی ذاتی لیاقت و شرافت اور خاندانی عظمت کی بدولت بہت رسوخ حاصل کر لیا۔ یہ شاہجہان کا زمانہ تھا۔

۱۰۷۵ھ میں جب اورنگ زیب پہلی اور آخری مرتبہ کشمیر آیا۔ اُسوقت قاسم بیگ کے فرزند میرزا عنایت اللہ بیگ کو اسقدر قرب حضوری حاصل تھا۔ کہ شہنشاہ اُسے اپنے ساتھ کشمیر لے آیا۔ چند دنوں کی سیر کے بعد اورنگ زیب تو واپس چلا گیا۔ لیکن میرزا عنایت اللہ بیگ کو کشمیر کی آب وہوا کچھ ایسی پسند آئی۔ کہ وہ اسی خطہ دلپذیر کو اپنا وطن قرار دے کر کچھ عرصہ کے بعد اسی سرزمین میں پیوند خاک ہو گئے۔

اسی خاندان میں میرزا حیات بیگ ایک بزرگ گذرے ہیں۔ جو شیخ محمد علی دہلوی کے مرید تھے۔ ۲ ذی الحجہ ۱۲۰۱ھ کو انتقال کر گئے۔ باغ حسن آباد میں کہ ان کا اپنا خریدکردہ تھا۔ دفن ہوئے۔

میرزا علام بیگ نام ایک اور بزرگ کا تذکرہ تاریخ کبیر کشمیر میں نظر سے گذرا ہے۔ وہ صاحب منصب و دولت تھے۔ لیکن اپنی بیوی کو طلاق دے کر تارک الدنیا ہو گئے انہوں نے ساری عمر محلہ زیر آستان میں شاہ منور حقانی کے گھر گذار دی۔ دونوں میں اسقدر

[1] سری نگر میں ایک خاندان مرزا ظفر حسن مرحوم اور ان کے بھائی میرزا علام مصطفےٰ کا بھی بہت مشہور ہے۔

محبت تھی کہ رات اور دن کے ۲۴ گھنٹوں میں دو گھڑی بھی جدا نہ ہوتے تھے۔ دونوں دوست شام وعشا اور تہجد و اشراق کی نماز خانقاہ معلی میں آکر پڑھا کرتے تھے۔ ۱۲۷۵ھ میں انتقال کر گئے۔ اور مقبرہ شاہ حقانی میں دفن ہوئے۔

خاندان میرزائیاں میں شاعری ان کی ادبی و علمی دلچسپیوں کا جزو اعظم رہی ہے۔ میرزا لطف اللہ بیگ صہبا۔ میرزا قلندر بیگ۔ میرزا وارباب جویا۔ میرزا کامران بیگ گویا۔ میرزا عبدالغنی بیگ۔ میرزا گرامی اور میرزا مہدی مجرم اس خاندان میں نامور شاعر گذرے ہیں۔ ان میں بعض شیعہ تھے۔ بعض سُنّی تھے۔ میرزا گرامی کا ایک شعر ہے ؎

ہزار داغ فلک خود زاختراں دارد تراتوقع مرہم زچرخ زنگاری است

میرزا مہدی مجرم کی بذلہ گوئیاں تو کشمیر میں بہت مشہور ہیں۔ ایک شعر ذیل میں درج ہے ؎

زہرہ طشت آورد و ازمہ آفتابہ ز آفتاب چوں کنیزاں کردہ خم سرازپئے پاشوئے تو

اسوقت خان صاحب حاجی میرزا غلام مصطفےٰ سابق اسسٹنٹ گورنر کشمیر و رئیس کشمیر۔ سرینگر کے خاندان بیگ (میرزایاں) کی سب سے بڑی شاخ کے سب سے بڑے رُکن ہیں قدیم وضعداری کے پابند۔ علم دوست۔ دوست پرور۔ اخباری مذاق سے آشنا۔ اور کئی اخباروں کے قدیم معاون۔ سوشل ریفارمر سب سے پہلے آپ ہی نے شادی غمی کی رسومات میں ایک پمفلٹ کے ذریعہ اصلاحی کوششیں کیں۔ انجمن نصرت اسلام سرینگر کے رکن اور اسلامیہ ہائی سکول کے مددگار۔ میرزا غلام جیلانی بی۔ اے جو بارہ مولہ میں کواپریٹو سوسائیٹیز کے اسسٹنٹ رجسٹرار ہیں۔ آپکے اکلوتے فرزند ہیں۔ کشمیر کے مشہور و درسیدہ شاعر میرزا اسعدالدین سعد مرحوم (وزیر وزارت) بھی اسی نامور خاندان سے تھے۔ میرزا صدرالدین اور میرزا جلال الدین مرحوم تحصیلدار نے بھی اپنے خاندان کے وقار کو برابر قائم رکھا۔ میرزا کمال الدین بی۔ اے جو سرینگر میونسپلٹی کے سکرٹری ہیں

میرزا جلال الدین مرحوم ہی کی یادگار ہیں۔ اور اپنے والد مرحوم میرزا جلال الدین اور اپنے تایا مرحوم میرزا سعد الدین سعد کی طرح ذوق سخن سرائی سے مالامال ہیں۔

میرزا نجم الدین مرحوم بھی اسی خاندان سے تھے۔ جنہوں نے اپنی نائب تحصیلداری اسلام آباد کے زمانہ میں جبکہ وہ انجمن حنفیہ کے سکرٹری تھے۔ حنفیہ ہائی سکول کو بہت ترقی دی ہے۔ اُن کے بھائی میرزا بہاؤ الدین حال ہی میں پولیس کی سب انسپکٹری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔

خاندان بیگ اسلام آباد

اس خاندان کا نام جس کا مورث اعلیٰ مرزا اگرزار بیگ عرف گل بیگ شنگالی مشہور ہے۔ اور اس عرف کی دو مندرجہ ذیل روایتیں بیان کی جاتی ہیں :-

(۱) سکھوں کے عہد میں جب سیاست کشمیر میں انقلابی بھونچال آیا۔ تو کئی خاندان تہ و بالا ہو گئے۔ میرزا گل بیگ کو بھی گزر اوقات کے لئے شال کی تجارت میں پناہ لینی پڑی۔ ان لوگوں کے رشتے اور تعلقات افغان لوگوں کے ساتھ تھے۔ انہوں نے شال کو شغال بنا کر میرزا گل بیگ کا عرف گل شغالی یا گل شنگالی مشہور کر دیا۔

سرینگر کے قلعہ ناگر نگر میں ابھی تک باداموں کے درخت موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے گل شنگالی یا اس کے خاندانی افراد ہی نے بادام کی یہاں کاشت کی تھی۔ اکثر لوگ چیت بساکھ میں بادام کا شگوفہ دیکھنے کے لئے شغال باغ (قلعہ کے اندر) جایا کرتے ہیں۔

(۲) میرزا گل بیگ کے نام شال کا کچھ ٹھیکہ بھی تھا۔ امیر خاں برج فروش یہ ٹھیکہ چھیننے کے لئے اپنے حامیوں اور حکومت کے کارندوں سے جوڑ توڑ کرتا رہتا تھا۔ امیر خاں نے جب چاروں طرف سے مایوسی کے آثار دیکھے۔ تو چھ پٹھانوں کو اجرت دے کر گل بیگ کے قتل کے لئے اُس کے مکان پر بھیجدیا۔ ایک پٹھان نے گل بیگ

کو باہر سے آواز دی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ اور اپنے دشمنوں کو دیکھ کر پھر بند کرنا چاہتا تھا۔ کہ ایک پٹھان نے کمند اُس کی گردن میں ڈال دی۔ مرزا گل بیگ نے دروازہ کے کواڑوں کے ساتھ سہارا لیا۔ شور و غوغا سُن کر میرزا وزیر بیگ اس کا بھتیجا دوڑا آیا۔ جلدی میں اور تو کچھ ہاتھ نہ لگا۔ ایک مُوسل (شالی کوٹنے کا ڈنڈا) اُٹھا لایا۔ اور وہ دستی استعمال کر کے سب کو وہیں ڈھیر کر دیا۔ برادری اور عوام کے استفسار پر گل بیگ نے بے اعتنائی کے ساتھ جواب دیا۔ کہ "شہ گال" شہ معنے چھ اور گال معنے مارے یعنی آج میں نے ۶ آدمی قتل کر دیئے ہیں۔ اس روز سے اس کا نام شگالی مشہور ہو گیا۔

میرزا وزیر بیگ کی شہ زوری اور تہمتنی کے افسانے کشمیر میں مشہور ہیں۔ کہتے ہیں۔ اس کی عام خوراک کے علاوہ ۱۱ سیر دُودھ اور ۲ سیر گوشت اس کا روزانہ معمول تھا۔ اُن کے وقت کے پُرانے آدمی ابھی موجود ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرزا وزیر بیگ اسقدر شہ زور تھے۔ کہ انگوٹھے اور انگلی کی رگڑ سے روپیہ کا سکہ مٹا دیتے تھے۔ گھوڑے کے پیٹ کے نیچے بازو ڈال کر اس کو زمین سے اوپر اٹھا لیتے تھے۔ اس نے چیلاس اور انتلاب کی لڑائیوں میں جنگی خدمات انجام دی ہیں۔ میرزا وزیر بیگ اپنی طبعی موت مرے ہیں۔ مگر چیلاس اور انتلاب کی تین گولیاں اپنے ساتھ قبر میں لے گئے ہیں۔ اپنی خدمات کے صلہ میں سرکار سے پنشن پاتے تھے۔ پنشن کے بعد انہوں نے کریوہ مشن کو آباد کیا۔ اور وہاں وسیع زراعت شروع کر دی۔

ان کے فرزند میرزا رسول خاں کو راقم مؤلف نے بھی دیکھا ہے۔ وہ سرکاری ملازمت کے کئی منازل طے کرنے کے بعد اپنی وسیع زمینداری کی بدولت اسلام آباد کے ذیلدار ہو گئے تھے۔ ان کے بڑے فرزند کا نام میرزا یعقوب بیگ تھا۔ کشمیر کی زراعت پیشہ آبادی میں غالباً وہی سب سے پہلے تھے۔ جنہوں نے انٹرنس امتحان پاس لیا تھا۔ چھوٹی سی عمر میں نائب تحصیلدار ہو گئے تھے۔ اگر وہ زندہ رہتے

تو بہت جلد ترقی کے مدارج حاصل کرتے۔ لیکن ایک سال ہی کے اندر بمرض سینہ انتقال کر گئے۔

میرزا غلام محمد انہی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اور اسلام آباد میں ذیلدار ہیں۔ آپ کا ایک صاحبزادہ محمد افضل بیگ علی گڈھ میں ایم اے۔ ایل ایل۔ بی۔ کی تعلیم پا رہا ہے توقع ہے کہ وہ نہ صرف اپنا بلکہ اپنے خاندان کا اور اپنے ملک کا نام روشن کریگا۔ اسی خاندان کے ایک اور نوجوان میرزا غلام قادر بیگ محکمہ کواپریٹو میں انسپکٹری کے عہدہ پر ہیں۔ اور رشتہ میں غلام محمد بیگ کے ہمشیرزادہ ہیں۔

گانی

مسٹر لارنس سابق مہتمم بندوبست کشمیر و مصنف کتاب دیلی آف کشمیر نے کشمیری مغلوں کی صرف پانچ مندرجہ ذیل ذاتیں لکھی ہیں۔ میر بیگ یا میرزا۔ بانڈے۔ بچھہ اور عشائی۔ مگر کشمیر کی چند تاریخوں میں جو غیر مطبوعہ ہونے کے باوجود کشمیر میں ابھی نایاب نہیں ہیں۔ گانی طبقہ کو بھی مغلوں ہی کی ایک شاخ قرار دیا گیا ہے۔

مجموعہ التواریخ میں درج ہے کہ گورگانی مشہور بہ گانی اند۔ تاریخ حسن میں جو نہایت ضخیم ہے اور چار جلدوں میں ہے۔ گانی طبقہ کے متعلق سطور ذیل درج ہیں "جدِ آں از محال گورگان آمدہ دریں جا متوطن شدہ بود۔ موجب آں گورگال را مردم خطہ کشمیر ترخیم کردہ گانی نام نہادہ اند۔ گانی و گورگانی دونوں ناموں سے اس ذات کا وجود کشمیر ۔۔ اور کشمیری مسلمانان پنجاب میں پایا جاتا ہے۔

کشمیر کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طبقہ میں اکثر لوگ ریاست آثار اور صاحب علم و عمل ہو گذرے ہیں۔ ہم چند ایک کا یہاں بالاختصار ذکر کرتے ہیں:-

خواجہ حبیب اللہ عطار خواجہ ابراہیم گانی کے فرزند وحید العصر تھے۔ کشمیر کے مؤرخوں نے ان کو گنج الاسرار لکھا ہے۔ خواجہ یعقوب دارولی سے ان کو بیعت تھی خواجہ یعقوب کے انتقال کے بعد جب شاہ قاسم حقانی حرمین سے واپس آئے۔ تو خواجہ گانی کو انہوں نے تعلیم و تربیت اور اپنے فیض صحبت سے "صاحب ارشاد" بنا دیا۔ خواجہ گانی لاہور بھی آئے ہیں۔ حضرت میاں میرؒ سے ان کی اکثر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ بلکہ ان سے سلسلہ قادریہ کی سند بھی حاصل کی سنہ ۱۰۸۱ھ اور بقول تاریخ خواجہ اعظمی سنہ ۱۰۸۴ھ میں بعہد عالمگیر سرینگر میں وفات پا گئے۔

خواجہ حبیب اللہ گانی کے فرزند ملّا امین گانی اور پوتے ملّا مقیم گانی علمائے کشمیر میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ملّا امین کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ اکثر علمائے محققین ملّا عنایت اللہ شال و ملا محمد محسن کشو وغیرہ ان کے شاگرد تھے۔ شب لیلۃ القدر سنہ ۱۱۰۱ھ کو انتقال کر گئے۔ تاریخ خواجہ اعظمی میں (صفحہ ۱۹۱ پر) ملا محمد امین گانی بدیمری کے متعلق حسب ذیل الفاظ درج ہیں "در اکثر علوم تالیفات مفیدہ دارد و بر کتب متداولہ حواشی نوشتہ و در علم فرائض بہ نظم و نثر رسائل موجز تصنیف نمودہ است۔ اکثر علمائے محققین مثل ملّا عنایت اللہ شال و ملا محمد محسن شاگرد او بودند"

اسی طبقہ میں حکیم عنایت اللہ گانی (خلف حافظ محمد شریف طبیب) نامی حکیم اور منجم گذرے ہیں۔ خواجہ محمد اعظم مصنف تاریخ اعظمی کے زمانہ میں وہ زندہ تھے۔ چنانچہ آپ حکیم عنایت اللہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کے متعلق ذیل کا ایک دلچسپ واقعہ بھی لکھتے ہیں :-

حکیم عنایت اللہ ایک مرتبہ چند دوستوں کے ہمراہ کھوئی ہامہ کے علاقہ میں تھے محمد طاہر کنتھ نے ایک شانہ گوسفند صاف کر کے ملاحظہ کے لئے پیش کیا۔ حکیم نے کہا۔ اس شانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں بہت جلد شہر (سرینگر) واپس جانا پڑیگا

اور ہم میں سے ایک شخص گھوڑے پر سے گر پڑے گا۔ بارش بھی ہوگی۔ اور شہر کی کوئی نامور ہستی آج دنیا سے رخصت ہو جائے گی۔ چنانچہ اسی دن نماز پیشیں کے بعد ایک جلودار حکیم کی طلبی میں آیا۔ جس نے جعفر خاں صوبیدار کشمیر کی سخت علالت کا رقعہ دیا۔ حکیم صاحب اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ترشح بھی شروع ہو گیا۔ حکیم صاحب خود رستہ میں گھوڑے پر سے گر پڑے۔ جب شہر میں داخل ہوئے تو سُنا کہ جعفر خاں کا انتقال ہو گیا ہے۔

سرینگر کے ضلع بہاراج گنج بازار میں اسی فرقہ کے نام پر گانی اٹھمز ایک بڑا محلہ آباد ہے۔ اسی محلہ میں حکیم عنایت اللہ گانی علی شاہ امام اور گانی خاندان کے بڑے بڑے مشاہیر کے فلک نما مکانات اور باغات تھے۔ حکیم عنایت اللہ کی تعمیر کردہ مسجد بھی اسی محلہ میں تھی۔ تحصیل وانتی پورہ میں ایک چھوٹا سا گاؤں بھی باغ عنایت اللہ کے نام سے موجود ہے۔ جہاں باغ نواب کوئی نہیں ہے۔ البتہ چند گھر آباد ہیں۔

مولانا ابوالفتح گانی (سنہ وفات ۱۱۷۹ھ) بھی اسی طبقہ میں عالم باعمل بلکہ عارف کامل ہو گذرے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں حکیم غلام محمد گانی خواجہ صدرالدین گانی۔ حکیم علی شاہ گانی۔ خواجہ سیف الدین گانی۔ خواجہ بہار شاہ گانی قلاشپوری سرینگر میں اس اس طبقہ کے ممتاز اصحاب ہیں۔ اور لاہور میں خانصاحب منشی احمدالدین گورنمنٹ پنشنر اپنے وسیع حلقۂ احباب میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ لدھانہ میں بھی ایک خاندان ہے۔ وہ اصل لفظ گورگانی ہی سے مشہور ہے۔ ان خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔

بچھ

خواجہ حسن شعریؔ[1] جو ایک نامور عالم فاضل اور کامل ادیب شاعر گزرا ہے۔ اور جس کا دیوان بھی مطبوعہ بزبان فارسی موجود ہے۔ لکھتا ہے کہ خاندان مذکور کا شجرۂ نسب سلسلہ وار جہاں ستاں چنگیز خاں تک پہنچتا ہے۔ گلزار خلیلؔ میں لکھا ہے کہ اس خاندان کا ایک نادر شخص میر محمد علی (جس کا نام میر علی بخاری بھی اکثر تاریخوں میں درج ہے) بڈشاہ کے زمانہ میں وارد کشمیر ہوا۔ میر محمد علی علم و فضل میں صاحب کمال تھے۔ اور بڈشاہ ایک مردم شناس اور قدردان بادشاہ تھا۔ اس نے میر بخاری کی جاگیر مقرر کردی اور مولانا نے قوت لایموت سے بے فکر ہو کر لوگوں کو استفادہ اور فیض پہنچانے میں کمی نہ کی۔ اس کی اولاد سے قاضی میر ابراہیم فرزند قاضی سکندر جو باپ دادا کی طرح منصب قضا پر سرافراز تھا۔ پہلا شخص تھا جو بچھ کے عرف سے معروف ہوا۔

صاحب روضۃ الابرار بھی لکھتے ہیں۔ کہ میر علی بخاریؔ[2] جو میر نازک قادری اور قاضی میر موسیٰ شہید کے جد امجد تھے۔ خاندان بچھ کے بھی جد اعلیٰ تھے۔ یہ خاندان مغل چنگیز خانی ہے۔ گویا بچھ قبیلۂ میری کی جس کے جد اعلیٰ کشمیر میں میر علی بخاری ہیں۔ ایک شاخ ہے۔

---

[1] صاحب دیوان ہونے کے علاوہ زبدۃ الاخبار اور چہار درویش منظوم کے مصنف تھے۔ صاحب تاریخ کبیر کشمیر لکھتے ہیں۔ "در عہد خود درمیان شعرا فائق بود" ۱۲۹۸ھ میں بمقام امرتسر انتقال کرگئے۔

[2] مسجد جامع سری نگر کے شمال رویہ گوجوارہ محلہ میں مدفون ہیں۔ قبر پختہ اور سنگین تھی۔ ۱۳۰۰ھ تک قبر کے نشان بھی موجود تھے۔

بچھ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ میر ابراہیم کی طبیعت بلغمی تھی۔ اور وہ مادۂ غلیظ کو دفع کرکے بلغم کو جذب کرنے کے لئے ایک قسم کی گھاس جسے کشمیری زبان میں بچھ کہتے ہیں۔ چبایا کرتے تھے۔ اسی کثرت عادت کی وجہ سے بچھ کا لفظ اس خاندان کے ہر شخص کے نام کا جزوِ اعظم ہو گیا۔ بقول صاحب تاریخ حسن بچھ پورہ جو اسی قوم کے نام پر آباد ہے۔ مغلوں کے زمانہ میں بصلہ فوجی خدمات ان کی جاگیر میں شامل تھا۔

روضۃ الابرار اور تاریخ اعظمی اور تاریخ کبیر کشمیر اور تاریخ حسن وغیرہ میں اس خاندان کے بعض بزرگوں کے نام اور بعض کے مختصر سے حالات درج ہیں۔ روضۃ الابرار میں صفحہ ۸۴ پر درج ہے "از قبیلۂ بچھ اکثر مردم حکام و امراء رؤسا گذشتہ اند مثل نواب عنائت اللہ خان وزیر[1] عالمگیر و ہدائت اللہ خاں و نواب عبدالاحد خاں اکبر آبادی و نواب ابوالبرکات خاں صفدر جنگ و محتشم خاں۔ و قاضی القضاۃ حیدر خاں و خواجہ عبد اللہ صدارت خاں و امیر نجابت علی خاں وغیرہ"۔ قاضی حیدر معروف قاضی خاں کے متعلق ذرا تفصیل سے درج ہے لکھا ہے۔ "از قبیلۂ بچھاں است در صغر سن تعلیم علوم از ملا عبدالرشید زرگر وغیرہ نمودہ عالم متبحر گردید۔ و بہ لشکر عالمگیر رسید و بہ سیادت خاں صدر الصدور آشنائی پیدا نمودہ باریاب ملازمت شاہی شد و چندے استاد شہزادہ عظیم الشان و چندے قاضئے شاہجہان آباد ماند و سہ سال در بنگالہ قاضی ماند۔ و بعد وفات عالمگیر در دور بہادر شاہ قریب سہ سال بہ جائے مختلف بہ این منصب قرار ماند۔ و در ۱۱۲۱ھ بمرض اسہال مرتحل شد و نعش وے را از دکن بہ کشمیر آوردہ دفن ساختند"۔ میر نواب عنائت اللہ خاں بچھ کا ذکر یوں تو کشمیر کی تمام تاریخوں میں درج ہے۔ لیکن ہم اس کا تھوڑا سا ذکر تاریخ حسن[2] ملک سے نقل کرتے ہیں۔ جو اچھی تک

---

[1] وزیر سے مراد غالباً کشمیر کی گورنری ہے۔ میر عنائت اللہ دو تین مرتبہ کشمیر کے گورنر رہے ہیں۔
[2] صفحہ ۳۶۲ یہ کتاب سرکاری لائبریری سری نگر میں موجود ہے۔

غیر مطبوعہ ہے۔

میر عنائت اللہ ولد میر شکر اللہ بن میر مومن قاضی موسیٰ شہید کی اولاد سے تھا۔ جب عالمگیر کشمیر میں آیا ہے۔ تو میر عنائت اللہ کی ماں بی بی مریم اپنی والدہ کے ذریعہ سے جو ملا شریف میر عدل کی بیٹی تھی۔ زیب النسار کی تعلیم و تربیت اور مصاحبت کے لئے بادشاہی حرم سرا میں داخل ہوئی۔ اسی کے توسط سے اس کا بیٹا میر عنائت اللہ عالمگیر کے حضور میں پیش ہوا۔ اور نظامت کشمیر پر فائز ہوا۔ علم و ادب۔ ضبط اوقات۔ ادراک معلومات۔ حسن صورت و سیرت۔ وقار و تدبر میں لاجواب تھا۔

تاریخ خواجہ اعظمی میں جو عالمگیر کی وفات سے قریباً چوتھائی صدی بعد کی تصنیف ہے۔ میر عنائت اللہ کے اقبال و عروج کے متعلق لکھا ہے "مثل او در اقبال و دولت و شعور و فطرت کم کسے از مردم کشمیر برخاستہ است، چنانچہ بر عالمیاں ظاہر است۔ امتیاز و قربے کہ خان معزی الیہ در جناب عالمگیر داشت بر یکے پوشیدہ نیست"۔

بچھ خاندان کے افراد زیادہ تر تجارت پیشہ رہے ہیں۔ جہانگیر کے زمانہ میں خواجہ حسن بچھ ایک نامور تاجر زادہ کشمیر تھا۔ جو ترک دنیا کے بعد دہلی میں بھی عرصہ تک رہا ہے۔ اخوند ملا شاہ بدخشی و شیخ ابو المظفر دہلوی کا مرید تھا۔ افغانوں کے زمانہ میں ملا عبد المومن بچھ فرزند خواجہ احسن اللہ بچھ بعہد حاجی کریم داد خاں گورنر ایک فاضل اجل سرکاری مفتی تھا۔ ۱۱۹۷ھ اور بقول بعض ۱۱۹۹ھ میں انتقال کر گیا۔

بابا ائت اللہ بچھ اور بابا طاہر بچھ اور مولانا حیدر بچھ بھی اسی خاندان کے نامور لوگوں میں تھے جب شیخ عبد الاحد سرہندی فاروقی سیف خاں ناظم کشمیر کے زمانہ میں کشمیر آئے۔ تو دیگر علما کے ساتھ مولانا حیدر بچھ بھی ان سے فیوض حاصل کرتے رہے۔

اسی قبیلہ سے خواجہ احمد اللہ بچھ بن ابو القاسم (وفات ۱۱۹۰ھ) علم ظاہری و باطنی میں ایک صاحب کمال بزرگ تھے۔

حاجان قمی

قاضی میر علی بخاری کو بعض مورخوں نے قاضی میر محمد علی بخاری بھی لکھا ہے۔ انکی اولاد کشمیر میں بہت پھیلی ہے۔ پنجاب میں جو کشمیری میر خاندان ہیں۔ اُن کی اصل بھی قاضی میر علی بخاری کیطرف ہی جاتی ہے خاص سرینگر اور کشمیر کے دیہات میں بھی کئی میر خاندان قاضی بخاری کی ذریات سے ہیں۔

روضۃ الابرار۔ گلزار تحلیل اور کشمیر کی دیگر تاریخوں میں مذکور ہے کہ میر علی بخاری اور ان کی ذریات میر نازک نیازی قادری اور قاضی موسیٰ شہید سب مغل تھے۔ صاحب روضۃ الابرار لکھتے ہیں۔ میر محمد علی بخاری چنگیز خان کی نسل سے تھے۔ خدا نے ان کو اولاد و احفاد کثرت سے دی اور مال و منال میں برکت فراواں عطا کی۔

ان کے رشتے ناطے ضرور سادات سے ہوتے رہے۔ چنانچہ قاضی موسیٰ شہید کے فرزند قاضی محمد صالح[1] جو باپ کی شہادت کے بعد مسندِ قضا پر مغلوں کے عہد میں بھی جلوہ گر رہے ایک سید کے داماد تھے۔ لیکن سیادت کا دعویٰ انہوں نے کبھی نہیں کیا۔

قاضی موسیٰ شہید جو حضرت مخدوم شیخ حمزہ کاشمیری کے مرید تھے۔ یعقوب شاہ چک آخری بادشاہ کشمیر کے حکم ناروا سے شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے ساتھ ہی چکوں کی بادشاہی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ آپ کا قطعۂ تاریخ وفات حسب ذیل ہے:-

قاضیٔ دیں در رہِ ربِّ مجید　　　بہرِ دیں جامِ شہادت درکشید
بہرِ تاریخ وصالش گفت دل　　　از تجلّی آمد ایں موسیٰ شہید

بعض کہتے ہیں۔ کہ ان کے ایک فرزند باپ کی شہادت کے بعد سری نگر سے ۹۹۳ھ نکل کر

---

[1] ۱۰۷۰ھ میں انتقال کر گئے۔ تاریخ وفات سے

میر صالح علّامۂ یکتا　　　کرد رحلت ازیں سرائے فنا
بہر سالش ز روئے دینداری　　　قاضیٔ پاک دیں ملک گفتا

کھوئی ہامہ کے علاقہ میں چلے آئے۔ اور بعض کے خیال میں ان کی اولاد جس طرح شہر سے نکل کر ملحقات میں پھیلی اسی طرح ان کی اولاد سے کوئی بزرگ علاقہ کھوئی ہامہ میں بھی آ گئے۔

قاضی موسیٰ شہید کا خاندان سارے کشمیر میں مشہور تھا اور قاضی موسیٰ کی شہادت نے اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کا ایک عام جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ اور جو بزرگ اس خاندان کے علاقہ کھوئی ہامہ میں آئے تھے۔ ان کے ذاتی اخلاق و اعمال بھی برگزیدہ تھے۔ اس لئے سب ان کو "جان" کہنے لگے۔ کشمیری زبان میں جان اچھے اور عمدہ کو کہتے ہیں۔ ان کی اولاد و احفاد بھی اسی نام سے موسوم ہو گئی۔ چنانچہ علاقہ کھوئی ہامہ اور سری نگر کی تحصیل کے ایک مقام اجس میں جان ایک اچھا خاصہ قبیلہ ہے۔ قاضی موسیٰ شہید کے خاندان سے جو بزرگ کھوئی ہامہ میں آئے۔ ان کی اولاد میں چار بھائیوں کی ذریات کھوئی ہامہ کے تمام علاقہ اور اجس تحصیل خاص میں پھیلی ہوئی ہے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ کبر جان ساکن سکلوسہ جس کو حکومتِ وقت نے میر چودھری کے خطاب سے ملقب کر رکھا تھا۔ اس کے چار بیٹوں میں جبار جان لاولد فوت ہو گیا۔ باقی تین بیٹوں میں سے عزیز جان کے دو فرزند تھے یحییٰ جان۔ لالہ جان۔ لالہ جان کا بیٹا مختہ جان ہے۔ یحییٰ جان کے دو فرزند ہیں۔ یوسف جان جو علاقہ کھوئی ہامہ کا ذیلدار ہے۔ اور اپنے علاقہ کا بہت بڑا زمیندار ہے یحییٰ جان کے دوسرے فرزند کا نام علی جان ہے۔

کبر جان کے دوسرے فرزند کا نام احمد جان ہے۔ اس کی اولاد سہ نروفی میں آباد ہے تیسرے فرزند رسول جان کا بیٹا مقبول جان کیو نخ میں رہتا ہے۔

کبر جان کے دوسرے بھائی کا نام سرور جان ہے۔ وہ کھوئی ہامہ سے نقل مکان کر کے اجس تحصیل سری نگر میں جا کر آباد ہو گیا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ (۱) محمد جان (جو دو فرزندوں قطب جان و محمد جان کا باپ ہے۔) (۲) اسد جان اس کے چار بیٹے ہیں۔ مہدہ جان۔ احمد جان۔ جبار جان۔ لالہ جان۔ ان میں خواجہ احمد جان ٹھیکیداری کرتا ہے۔ اور قریباً

آٹھ سو کنال زمین کا مالک ہے۔ قومی کاموں میں خواجہ احد جان اور اس کے بھائی دامے درمے سخنے قدمے ہر طرح عملی دلچسپی لیتے ہیں۔ احد جان اپنے چچا (۳) صمد جان مرحوم کا متبنیٰ پسر بھی ہے۔ عبد اللہ جان لاولد۔ سونہ جان کے دو فرزند ہیں۔ ولی جان وگلہ جان۔

کبر جان کے تیسرے بھائی کا نام بنیر جان ہے۔ اس کی اولاد قاضی پورہ میں رہتی ہے۔ اس کے دو فرزند تھے۔ (۱) نہدہ جان اس کے چھ فرزند ہیں۔ (۲) احسن جان ان کے دو فرزند ہیں۔ کبر جان کے چوتھے بھائی کا نام منور جان ہے۔ اس کی اولاد بھی سعد پورہ میں آباد ہے۔ اس کے دو فرزند تھے۔ دولت جان و انور جان۔ ان دونوں کے بھی دو دو فرزند ہیں۔ کبر جان کے پانچویں بھائی کا نام حبیب جان ہے۔ وہ اونگام میں رہتا ہے۔ اس کے چار فرزند حسب ذیل تھے۔ محمد جان۔ عبد اللہ جان۔ راحت جان محنہ جان ان میں سے ہر ایک صاحب اولاد نرینہ ہے۔ عبد اللہ جان کا بیٹا صمد اللہ جان اونگام سے آلوسہ چلا آیا ہے۔

عشائی

عشائی طبقہ کے مشاہیر کا ذکر تو اکثر تاریخوں میں موجود ہے۔ لیکن عشائی نام کی وجہ تسمیہ پر بہت کم مؤرخوں نے خامہ فرسائی کی ہے۔ خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ اعظمی میں مولانا محمد طاہر غنی ملک الشعراء کا ذکر کرتا ہوا صرف اس قدر بتاتا ہے۔ کہ "از قبیلہ اشائیہا ست کہ لقب معروفیست در کشمیر"۔

ریاست جموں وکشمیر کی رپورٹ مردم شماری سالہ ۱۹۱۱ء میں صفحہ ۲۰۵ کے فٹ نوٹ میں لکھا ہے۔ کہ عشائی فرقہ موضع عشور واقع خراسان سے آیا ہے۔ اصل نام عشائی تھا۔ عشا وری سے عشائی ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ یہ تذکرہ تاریخ حسن (غیر مطبوعہ) سے

اخذ کیا گیا ہے جس میں لکھا ہے "گویند جدِّ آنہا از مقام عیشاور کہ دیہہ است ممالک خراسان[1] آمدہ۔ حالا مردم کشمیر عیشاور را عشائی مخفف کردہ اند"۔

روضۃ الابرار[2] میں حضرات اہل کشمیر کا ذکر ہے۔ اس میں اس فرقہ کے متعلق لکھا ہے۔ جداعلیٰ اس طبقہ کے خواجہ سنگین شاہ ہمدان (حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی) کے ہمراہ آئے۔ اس کے فرزند اور وہ خود سب صالح و نیکو کار تھے۔ اور تجارت کا کام کرتے تھے۔ اشراق سے تا نماز پیشیں دوکان پر بیٹھا کرتے۔ پھر نماز عصر تک کارخانہ کی دیکھ بھال کرتے اور نماز عصر مسجد میں پڑھ کر تا نماز عشا مسجد میں ہی رہا کرتے تھے۔ چونکہ عشائی نماز کے بعد مسجد سے باہر نکلا کرتے تھے۔ اس لئے ان کا نام ہی عشائی ہو گیا۔ اور مدت تک یہی طریق ان کے خاندان میں جاری رہا۔

اس کے علاوہ ایک اور بیان مشہور عام ہے۔ جس کی کیفیت اس طرح ہے۔ کہ خواجہ سنگین اول تو غذائے روزانہ ورنہ رات کا کھانا لازمی طور پر حضرت امیر کے دسترخوان پر کھایا کرتے تھے۔ حضرت کی اصطلاح میں رات کے کھانے کو غذائے عشا کہتے تھے۔ ایک

---

[1] موجودہ افغانستان میں ایک صوبہ مزار شریف کے نام سے مشہور ہے۔ جو ترکستان اور بخارا اور روس کی سرحد سے ملا ہوا ہے۔ گذشتہ زمانہ میں اسی کو خراسان کہتے تھے۔ اور اس کا پایۂ تخت بلخ تھا۔ جو شہر مزار شریف سے تین میل کے فاصلہ پر کھنڈر کی صورت میں ہے۔ مزار شریف حضرت علی کے روضہ کی وجہ سے مزار شریف کہلاتا ہے۔ خواجہ حسن نظامی ۸ مارچ ۱۹۳۴ء کے اخبار منادی دہلی میں اس روضہ کا فوٹو دے کر لکھتے ہیں۔ کہ چونکہ حضرت علیؓ کی شہادت کے وقت خارجیوں اور بنی امیہ کی شرارتوں کا بہت زور تھا۔ اس لئے بظاہر تو یہ مشہور کیا گیا کہ ان کو نجف اشرف میں دفن کر دیا گیا ہے۔ لیکن درحقیقت ان کی میت بلخ میں لے آئے تھے۔

[2] یہ کتاب آج سے تقریباً ۶۰-۷۰ سال پیشتر کی تصنیف ہے۔

دن اتفاق سے خواجہ سنگین عشا کے وقت نہ آسکا حضرت نے پوچھا ہمارا عشائی کہاں گیا حضرت کی زبان گویا زبان خلق تھی کہ جو کہا وہ پتھر کی لکیر ہو گیا۔ چنانچہ ساڑھے چھ سو سال گزر جانے پر بھی عشائی کا لفظ اب تک موجود ہے۔ تاریخ حسن اور روضۃ الابرار کے بیانات سے کم از کم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ سنگین بھی بعض دیگر اقوام کی طرح بیرونی ممالک ہی سے کشمیر میں آئے تھے۔

سر والٹر لارنس نے عشائی طبقہ کو مغلوں کا ایک فرقہ ظاہر کیا ہے۔ اور ممکن ہے۔ ان کا یہ خیال تاریخ حسن وغیرہ کے بیانات کی بنا پر قائم ہو۔ کشمیر کے قریباً تمام مؤرخین (سوائے حسن شاہ تاریخ حسن کے) عشائی کو عین کی بجائے الف سے اشائی لکھتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے۔ کہ عشائی الف سے درست ہے۔ تو نماز عشا کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔

ایک محترم عشائی معزز عہدہ دار راقم مؤلف کے استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں کہ "خواجہ محمد سنگین کشمیری الاصل تھے۔ اور جناب امیر سید علی ہمدانی کی تشریف آوری سے پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ اور اس کا ثبوت یہ دیتے ہیں۔ کہ خواجہ مذکور اگر حضرت امیر ہی کے ہمراہیوں میں تھے۔ اور ان کے ساتھ ہی بخارا یا ترکستان کے کسی اور مقام سے آئے تھے۔ تو لازماً ان کا قیام بھی حضرت امیر کے ساتھ ہی ہوگا۔ اور سب یاران ہم صحبت اکٹھے کھانا کھاتے ہوں گے۔ پھر علیحدہ صرف انہی کو "عشائی کجا است"۔ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ خواجہ محمد سنگین کشمیری الاصل ہی تھے۔ اور چونکہ وہ اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر عشا کو بزم جناب امیر میں شامل ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نہ گئے ہوں گے یا دیر سے گئے ہوں گے۔ تو انہوں نے عشائی کجاست کہ دیا ہوگا۔"

اس تفصیل کے بعد یہ بات قابل غور ہے۔ کہ کیا "عشائی کجاست"۔ کے الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خواجہ محمد سنگین کا عرف عشائی ان کے خراسانی وطن قدیم کے نام (عشوہ) پر حضرت امیر کے آنے سے پہلے ہی مشہور عام تھا۔ اور وہ خواجہ سنگین کو جس

طرح ہر روز عشائی کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ ایک دن معمول کے موافق آپ نے اُن کی عدم حاضری پر بھی ان کو عشائی کے نام سے پکار دیا۔

ایک اور بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔ کہ خواجہ محمد ملا سنگین سری نگر کے نامور رؤسا میں تھے۔ اور نہائت مخیر اور فیاض تھے۔ ایسا جلیل القدر رئیس حضرت امیر کبیر کے دستر خوان پر جو باوجود اپنے علو مرتبت کے کشمیر میں ایک مہاجر و مہمان اور مبلغ کی حیثیت میں مقیم تھے۔ بلا ناغہ ہر رات کو کس طرح حاضر رہ سکتے تھے۔ بلکہ یہ بہت ممکن ہے کہ خواجہ سنگین نے اپنی عزت افزائی کے لیے حضرت امیر کو بارہا اپنے ہاں مدعو کیا ہو۔

اس لیے راقم مؤلف کے خیال میں سر والٹر لارنس اور حسن شاہ کھوئی ہامی نے جو کچھ عشائی فرقہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھا ہے۔ وہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اس خاندان کے اب صرف چار پانچ گھر ہی ہیں جو سری نگر میں ہیں۔ ایک دو خاندان پنجاب میں بھی آباد ہیں۔ ان کا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔ ان کی رشتہ داریاں زیادہ تر کول خاندان کے ساتھ رہی ہیں۔

خواجہ سنگین کا اصل نام خواجہ جلال الدین تھا۔ محلہ علاء الدین پورہ میں آپ نے متعدد مکانات تعمیر کرائے۔ ایک مسجد پتھروں کی بنوائی۔ اس سے پہلے خالص پتھروں کی کوئی مسجد سری نگر میں موجود نہ تھی۔ اس کا نام مسجد سنگین رکھا گیا۔ اور سنگین مسجد کا بانی ہونے کی وجہ ہی سے آپ بھی خواجہ سنگین کہلانے لگے۔

عشائی خاندان میں خواجہ نور محمد۔ خواجہ حکیم شیخ محمد حشمتی۔ خواجہ محمد امین۔ خواجہ عباد اللہ۔ خواجہ حفیظ اللہ۔ خواجہ ابراہیم۔ خواجہ طاہر رفیق[۱] وغیرہ نامی عالمان باعمل

---

[۱] خواجہ طاہر رفیق خاندان رفیقی کے بانی ہوئے ہیں۔ ان کا ذکر رفیقی خاندان میں تفصیل سے درج ہے۔

گزرے ہیں۔ جو دینی امورات کے علاوہ دنیاوی معاملات میں بھی برگزیدہ تھے۔

خواجہ زین علی عشائی زمانۂ قدیم میں کشمیر کے نامور تاجروں میں تھے۔ جو کچھ کماتے تھے۔ اس سے زیادہ راہ خدا میں خرچ کر دیتے تھے۔ گیارہویں صدی میں خواجہ محمد صالح عشائی اسی فرقہ کے ایک بزرگ گزرے ہیں۔ شاہ قاسم حقانی کے مرید تھے۔ آخر عمر میں زیارت حرمین کو گئے۔ کشمیر کے مؤرخوں نے ان کو صاحب کشف و کرامت لکھا ہے۔ بدوؤں نے ان کے قافلہ کو لوٹ کر گرفتار کر لیا۔ آپ بھی اسیروں میں تھے۔ آپ کے زہد و اتقا اور آپ کے اخلاق و عادات کا بدوؤں پر یہ اثر پڑا کہ انہوں نے تائب ہو کر لوٹا ہوا سب مال واپس کر دیا۔ آپ ۱۰۴۷ھ میں مدینہ میں وفات پا گئے۔

یہ عشائی طبقہ ہی کو فخر ہے۔ کہ اس نے محمد زمان نافع اور اس کے بھائی مولانا محمد طاہر غنی جیسے قادر الکلام شاعر شاہجہان کے زمانہ میں پیدا کئے ہیں۔ نافع نے کشمیر کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ اس کی ایک غزل کا شعر ذیل میں درج ہے:۔

شنیدم از لبِ فوّارہ ایں صدائے بلند — کہ گریہ ہاست ثمر خندہ ہائے بے بزدہ را

غنی ملا محسن فانی کشمیری کے شاگرد تھے۔ لیکن بقول تاریخ اعظمی "اما اتفاق ارباب سخن است کہ از خطۂ کشمیر بلکہ در تمام اقلیم ہند دراں عہد ہیچ او خوش خیال نازک بندے برنخاستہ"۔ میر حسین دوست سنبھلی۔ محمد بدیع الزمان نصیر آبادی۔ مرزا محمد افضل سرخوش۔ سراج الدین علی خاں آرزو۔ مولوی غلام علی آزاد بلگرامی۔ نواب صدیق حسن خاں وغیرہ تذکرہ نویسوں نے مولانا غنی کو ایک قادر الکلام اور خود دار شاعر تسلیم کیا ہے۔

غنی کی پیدائش کا سال ۱۰۴۰ھ اور وفات کا سال ۱۰۷۹ھ ہے۔ ۱۰۶۰ھ میں اس نے شاعری کی اور ۱۹ سال میں ایک لاکھ شعر کہہ گیا۔ اور ساری عمر میں اس نے کسی کا قصیدہ نہ لکھا۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

(۱) حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر — دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

(۲) ہاستمگاران گیتی بدنیے گرددا سیر — عید قربان است دائم خانہ قصاب را

(۳) جواں را صحبتِ پیراں حصارِ عافیت باشد — بخاک و خوں نشیند تیر چوں دُور از کماں گردد

(۴) در مگر بستن مضمون رنگیں لطف نیست — کم وہر رنگ از کسے بند دحنائے بستہ را

(۵) ہر کہ پابند وطن شد مے کشد آزارہا — پائے گل اندر چمن دائم پراست از خارہا

(۶) غنی روزِ سیاہ پیرِ کنعاں را تماشا کن — کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

(۷) رفیق اہل غفلت ہر کہ شد از کار مے ماند — چو پائے خفتہ پائے دیگر از رفتار مے ماند

(۸) فیض سخن بہ مرد سخن گو نمے رسد — از نافہ بوئے مشک بہ آہو نمے رسد

چند سال ہی کا ذکر ہے عشائی طبقہ میں خواجہ قادر شاہ ایک بڑے پایہ کے تاجر شال تھے۔ حاجی خواجہ محمد شاہ عشائی جو اس وقت بھی کشمیر کے مشہور تاجر ہیں۔ آپ ہی کے جانشین ہیں۔ خواجہ قادر شاہ مرحوم کے فرزند خواجہ غلام احمد عشائی نے اپنی اعلیٰ علمی قابلیتوں سے اپنے خاندان کا بلکہ سارے کشمیر کا نام روشن کر رکھا ہے۔ آپ نے قریباً ۲۰-۲۱ سال کی عمر میں بی۔ اے کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ اور آنرز میں تمام یونیورسٹی میں اوّل رہ کر کشمیر کی ذہانت کا ایک دفعہ پھر سکہ بٹھا دیا۔ پھر منشی فاضل اور بی ٹی کے امتحانات پاس کئے۔ بی۔ ٹی میں سارے پنجاب میں دوم رہے۔ ۱۹۱۸ء میں جب کہ آپ کی عمر صرف ۲۲ سال کی تھی۔ کلکتہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے کا امتحان درجہ اول میں رہ کر پاس کیا۔ اور اتنے نمبر حاصل کئے کہ آپ سے پہلے کوئی طالب علم ان نمبروں پر کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ اس صلہ میں آپ کو ویسرائے و گورنر جنرل آف انڈیا کا طلائی تمغہ اور دو سو روپیہ نقد بطور انعام ملا۔

کشمیر ایجی ٹیشن ۱۹۳۱ء کے ایام میں جب تحقیقات کے لئے دلال کمیشن کا تقرر عمل میں آیا۔ تو آپ نے قوم کی خواہش کے مطابق اس کمیشن کی شمولیت سے انکار کر دیا۔ لیکن جب مسلمانوں کے حقوق و مطالبات کا تصفیہ کرنے کے لئے گلانسی کمیشن کی تقرری ہوئی تو آپ نے

اس کمیشن کے ساتھ اشتراکِ عمل کیا۔ اسی کمیشن نے مسلمانانِ کشمیر کے حقوق و مطالبات کے دعاوی کو تسلیم کیا ہے۔

جب ۱۹۳۲ء میں کشمیر میں ہندو مسلم بدگمانیاں زوروں پر تھیں۔ بلکہ ۱۹۳۲ء کے آخری ایّام میں ہنگامہ و خونریزی تک بھی نوبت پہنچ گئی تھی۔ تو شہر کے امن پسند طبقہ نے انجمن اتحادِ کشمیر کے نام سے جو مجلس قائم کی۔ اس کے ابتدائی سکرٹری آپ ہی تھے۔

آجکل آپ فینانس منسٹر گورنمنٹ جموں و کشمیر کے اسسٹنٹ فنانشل سکرٹری ہیں۔

خاندانِ رفیقی

کشمیر کے اس نامور خاندان کا سلسلہ خواجہ سنگین سے ملتا ہے جو عشائی طبقہ کے بانی تھے۔ اس لحاظ سے عشائی اور رفیقی ایک ہی خاندان کی دو شاخیں ہیں۔

خواجہ طاہر رفیق عشائی سہروردی جن کی طرف سارا خاندان رفیقیہ منسوب ہے۔ خواجہ سنگین کے پڑپوتے تھے۔ بابا داؤد مشکاتی اسرار الابرار میں ان کا لقب شیخ اور ان کے والد ابراہیم عشائی کا لقب خواجہ لکھتے ہیں۔ خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ میں طاہر رفیق کو خواجہ اور ان کی اولاد کو شیخ لکھتے ہیں۔ روضۃ الابرار میں خواجہ رفیق کے ساتھ عشائی اور سہروردی دونوں لفظ درج ہیں۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ طاہر رفیق بہت بڑے بزرگ تھے۔ تاریخوں میں ان کو صاحبِ کشف و کرامت بھی لکھا ہے۔ باوجود اس زہد و اتقا کے کسبِ معیشت تجارت تھا۔ ان کے والد خواجہ ابراہیم لاہور میں بغرضِ تجارت فروکش تھے۔ وہیں شیخ عبدالشکور لاہوری سے جو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی اولاد سے تھے۔ بیعت ہوئے۔ شیخ عبدالشکور نے خواجہ طاہر رفیق کو

ان کے فرزند کے لیئے انہی کے ہاتھ تسبیح وخرقہ بھیجا۔ ۱۰۹۶ھ میں آپ نے خیرالمساجد کے نام سے ایک مسجد تعمیر کی۔ لنگر خانہ بھی غرباء و فقراء کے لیئے جاری کیا۔ شیخ مخدوم حمزہ شیخ یعقوب صرفی۔ باباشیخ دالی اور بابا ہردی ریشی کے ملنے والوں میں تھے۔ غرہ ذی الحجہ ۱۱۰۱ھ کو وفات پاگئے۔ شیخ کامل تاریخ وفات ہے۔

علماء وشرفاء کی جس جماعت نے اکبر کو کشمیر آنے کی دعوت دی تھی۔ اس کا ایک حصہ تو اکبر کے پاس چلا گیا تھا۔ اور ایک حصہ کشمیر ہی میں رہ کر مغل حکومت کے لیئے رستہ صاف کر رہا تھا۔ خواجہ رفیق سہروردی اسی جماعت میں تھے۔ جب اکبر نے اپنے ہواخواہوں کو جاگیر دینی چاہی تو بعض اور علماء و رؤسا کی ہم نوائی میں خواجہ رفیق نے بھی جاگیر لینے سے انکار کر دیا۔ لیکن جہانگیر، شاہجہان اور عالمگیر نے وقتاً فوقتاً خواجہ رفیق کی اولاد کو جاگیریں عطا کیں۔ اصل سندات راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزریں۔ سنا ہے کہ خاندان رفیقی کے پاس موجود ہیں۔ یہ سب جاگیریں سکھوں کے زمانہ میں ضبط ہو گئیں اور بعد میں باوجود کوشش کے واگزار نہ ہو سکیں۔

خواجہ رفیق اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ ان کی صرف ایک لڑکی مریم نام تھی۔ جس کی شادی انہوں نے اپنے دادا خواجہ طاہر کے بھائی خواجہ عبدالقوی کے پوتے شیخ احمد سے کر دی تھی۔ شیخ ابو محمد شریف اسی لڑکی کے بطن سے تھے۔ موجودہ رفیقی خاندان سب انہی کی اولاد سے ہے۔

شیخ ابو محمد شریف کا صرف ایک ہی لڑکا تھا۔ شیخ محمد رفیقی نام۔ ان کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک شیخ حمزہ دوسرے شیخ عبداللطیف۔ تاریخ کبیر کشمیر میں صفحہ ۲۲۴ پر شیخ محمد مراد رفیقی کو بھی شیخ شریف ہی کا فرزند لکھا گیا ہے۔

سری نگر کے وہ رفیقی خاندان جو فتح کدل اور مفصلات اسلام آباد، سبھد رواہ، بنڈپورہ، امرتسر وغیرہ میں آباد ہیں۔ شیخ عبداللطیف ہی کی اولاد سے ہیں۔

شیخ حمزہ رفیقی کے فرزند شیخ معین الدین اور ان کے فرزند شیخ یحییٰ رفیقی اور اُن کی اولاد سے شیخ طیب رفیقی بہت مشہور گزرے ہیں۔ شیخ طیب کے متعلق تاریخ کبیر کشمیر میں لکھا ہے۔ کہ وہ صاحب ثروت ہونے کے باوجود فاقہ میں رہتے اور اپنا سب کچھ خیرات میں دے دیا کرتے تھے۔ رفقاء الفقرا ان کی ایک تصنیف بھی ہے۔ ۱۲۶۶ھ میں انتقال کر گئے۔ تاریخ کبیر میں ان کے والد کا نام بابا احمد رفیقی اور اُن کے والد کا نام بابا مصطفےٰ رفیقی درج ہے۔ شیخ طیب کے ایک فرزند غلام مصطفےٰ رفیقی تھے۔ جو ۱۰ ربیع الاول ۱۲۹۴ھ کو وفات پا گئے تھے۔ اسی خاندان میں شیخ عماد الدین رفیقی (سن وفات ۱۳۰۰ھ) اور اسد شاہ رفیقی (وفات ۱۳۰۵ھ) سری نگر کا نام بھی لیا جاتا ہے۔

شیخ یحییٰ رفیقی کے ایک فرزند شیخ اسلم رفیقی اپنے زمانہ میں کشمیر کے مفتی اور شیخ الاسلام تھے۔ ان کی مُہر فتاویٰ پر یہ شعر کندہ تھا۔ ؎

حامئ شرعِ رسولؐ اکرم شیخ الاسلام محمدؐ اسلم

ان کے فرزند شیخ محمد ابراہیم رفیقی کے پڑپوتے محمد سعید رفیقی فتح کدل کوچہ رفیقیاں میں اس وقت بقیدِ حیات موجود ہیں۔

شیخ اسلم کے فرزند اصغر حبیب اللہ رفیقی اپنے دو بیٹوں (بدرالدین و محمد یحییٰ) کے ہمراہ سکھوں کے ظلم سے تنگ آ کر نور پور پنجاب میں چلے گئے۔ نور پور کے رفیقیوں میں بابا نور پیر رفیقی (اصل نام پیر نور الدین) اور پیر حبیب رفیقی اپنے جود و سخا اور علمی فضائل کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے ہیں۔ پیر محمد عثمان لاہوری آپ کے شاگرد مرید اور متبنیٰ تھے۔

پیر حبیب اللہ رفیقی کے دو بیٹے تھے ایک مولوی محمد یحییٰ جو جامع مسجد ڈلہوزی کے امام بھی تھے۔ اور واعظ بھی۔ محدث تابع سنت اور قاطع بدعت تھے۔ دہلی میں

مولانا نذیر حسین دہلوی سے سند حاصل کی تھی۔ نواب صدیق حسن خاں (بھوپال) سے بھی ان کے تعلقات تھے۔ شاعر اور مصنف بھی تھے۔ ان کی صرف ایک ہی لڑکی تھی جو ان کے بھائی پیر بدرالدین رفیقی کے لڑکے مولانا عبدالسلام رفیقی سے بیاہی گئی۔ پیر بدرالدین رفیقی مرتے دم تک نورپور کے میونسپل کمشنر اور مفتی رہے خاندان رفیقیہ کے کئی ممبر نورپور میں مدفون ہیں۔

پیر بدرالدین رفیقی کی وفات کے بعد مولوی عبدالسلام رفیقی اور اُن کے بھائی مولوی محمد قاسم رفیقی اپنے اہل دعیال سمیت پھر کشمیر آ گئے۔ مولوی عبدالسلام رفیقی کئی سال تک نورپور کے میونسپل کمشنر بھی رہ چکے ہیں۔

مولانا عبدالسلام رفیقی راقم مؤلف کے کرم فرماؤں میں ہیں۔ لاہور میں بھی ان کی آمد و رفت رہی ہے۔ ہندوستان اور کشمیر میں ان کا حلقۂ احباب بہت وسیع ہے۔ برہما جاکر اپنی ذکاوت و ذہانت اور تجارتی قابلیت سے انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ قیام برہما کے ایام میں آخری مغل بادشاہ ابوظفر بہادر شاہ کی قبر واقعہ رنگون کی خستہ حالی کی طرف اپنی تحریروں اور تقریروں اور ملاقاتوں کے ذریعہ گورنمنٹ برہما کو توجہ دلائی۔ ورنہ اب تک اس کی قبر کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔ کشمیری مسلمانوں اور عام مسلمانوں کی کوئی پولٹیکل یا تعلیمی تحریک ایسی نہ تھی جس میں آپ نے حصّہ نہ لیا ہو۔

اس وقت آپ کئی سال سے کوپانگ ڈچ کالونی میں رہتے ہیں۔ وہاں بھی اعلیٰ پیمانہ پر تجارتی کاروبار جاری کر رکھا ہے۔ وہیں شادی بھی کر لی ہے۔ جس سے ایک لڑکی یادگار ہے۔ آپ کی پہلی اہلیہ محترمہ سے جو کشمیر میں ہی رہتی ہیں۔ دو فرزند ہیں۔ ایک محمد یحییٰ۔ دوسرا محمد اسحاق۔ دونوں کشمیر میں رہتے ہیں لیکن کوپانگ جاکر اپنے والد محترم کے پاس بھی رہ چکے ہیں۔ دونوں بھائی اپنے نامور باپ کی طرح قومی واسلامی کاموں میں منہمک رہتے ہیں۔ بلکہ محمد یحییٰ تو سنت سجادیہ کے مطابق زندان خانہ

کے مصائب بھی دیکھ چکا ہے۔ اور اب دوسری مرتبہ پھر سری نگر کے سنٹرل جیل میں مقید ہے۔ کشمیر کی موجودہ سیاسی تحریک میں محمد یحییٰ ہمیشہ ایک سرفروش خادم اسلام کی حیثیت سے شریک رہا ہے۔

اس خاندان کے پاس سری نگر میں بخط کوفی قرآن شریف کے سات سیپارے موجود ہیں۔ جو امام جعفر صادق کے دست مبارک کے لکھے ہوئے بتائے جاتے ہیں۔ اور چند اوراق امام باقر کے مکتوب کے ہیں۔ یہ قرآن شریف بسوہلی (قلمرو جموں) کے ایک خاندان سے اس خاندان میں منتقل ہوا ہے۔

فصل ششم

کشمیر کی قدیم مسلمان راجپوت اقوام

دیباچہ

تواریخہائے کشمیر کو اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ حضرت مسیح سے کئی ہزار سال پیشتر اور قریباً ایک ہزار سال بعد تک کشمیر میں دو قوموں کا زور رہا ہے۔ ایک حکمران قوم جو راجپوت قبائل پر مشتمل تھی۔ دوسری قوم برہمن تھی جو فرمانرواؤں کی مشیر کار اور آبادی کا کثیر حصہ تھی۔

تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ اس زمانہ سے جس کو ۲۴ سمہ کلجگی یا حضرت مسیح سے قبل تین اور چار ہزار سال کا درمیانی عرصہ بتایا جاتا ہے۔ کشمیر کے

کٹ راجوں[۱] سے تنگ آکر رعایائے کشمیر نے راجہ پورن کرن[۲] والیٔ جموں کو حکمرانیٔ کشمیر کی دعوت دی۔ راجہ نے اپنے فرزند اکبر دیاکرن کو فوج دے کر بھیجا اور اس نے فتح کشمیر کے بعد کشمیر ہی کو وطن بنا لیا۔

دیاکرن کی اولاد نے جو سورج بنسی خاندان سے تھا کشمیر میں دو مرتبہ حکومت کی ہے۔ ان کی مدتِ حکومت کو جس میں کہا جاتا ہے کہ باون راجے ہوئے ہیں۔ تاریخ راجپوتان پنجاب کا مصنف ایک ہزار سال بتاتا ہے۔ اور کشمیر کے مسلمان اور ہندو مؤرخ اس کو اس سے بہت کم عرصہ بتاتے ہیں۔ بہر حال اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ کہ جموال راجپوتوں کے خاندان نے عرصۂ دراز تک آج سے کئی ہزار سال قبل کشمیر میں حکومت کی ہے۔

ان کے بعد خاندان پانڈوؤں کی حکومت کشمیر میں ایک ہزار سال کے قریب رہی ہے یہ چندر بنسی خاندان کے راجگان تھے۔ ان کے بعد راجگانِ مالوہ نے بہ اوقات مختلف ڈیڑھ ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک کشمیر میں حکومت کی ہے۔ راجگان اجین اور راجگان لوہر کوٹ یہ سب راجپوت راجے تھے۔ کشمیر کی تمام قدیم ہندو تاریخ ہے جس کی مدت پانچ ہزار سال تک بتائی جاتی ہے۔ کشمیر کے آخری حکمران خاندان لوہر کوٹ کے سب سے آخری راجہ رام دیو نے ایک برہمن زادہ لچھمن دیو کو اپنا متبنّیٰ بنا کر راجہ بنا دیا تھا جس کی نسل میں قریباً پچاس سال تک حکومت رہنے کے بعد مسلمان کشمیر پر قابض ہو گئے

[۱] کٹ راجے ان جاگیرداروں کا عرف عام تھا جو گاؤں گاؤں کے سردار ہوا کرتے تھے۔

[۲] یہ راجہ راجہ جمبو لوچنا بانی جموں کا فرزند تھا اس کے دو بیٹے تھے۔ ولی عہد پورن کرن تھا۔ جو کشمیر چلا گیا۔ دوسرا فرزند دیاکرن تھا۔ جموں کی حکومت اس کو ملی۔ موجودہ مہاراجہ جموں و کشمیر ہز ہائی نس مہاراجہ سر ہری سنگھ اور پونچھ کے موجودہ حکمران راجہ جگت دیو سنگھ راجہ دیاکرن کی سوویں پشت میں ہیں۔

ان آخری تین راجگان کے سوا کشمیر میں کوئی برہمن راجہ نہیں گزرا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ برہمنوں کے مذہبی و سیاسی اقتدار کی بدولت کئی راجے تخت سے معزول ہوتے اور کئی تخت نشین ہوتے رہے۔

کشمیر کے آخری قدیم ہندو حکمران خاندان میں ایک راجہ ہرش گزرا ہے۔ راج ترنگنی میں اس کے مظالم اور اس کی اپنی بے رحمانہ موت کا تفصیل سے ذکر ہے۔ راجہ ہرش کے واقعہ قتل (۱۱۰۱ء) کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ کہ راجہ کے قتل ہونے کے بعد اس کی رانیوں نے جو شاہی راجکماریاں تھیں۔ اپنے محلات کو آگ لگا دی اور اسی آگ میں اپنی چتا بنا کر بہادری و جوانمردی کے ساتھ ستی ہو گئیں۔ کلہن نے لکھا ہے کہ یہ اس عظیم شہرت و دلیری کا ایک ادنیٰ ثبوت ہے۔ جو اس زمانہ میں کشمیر کے بیشمار کشتری قبیلوں میں موجود تھی۔ اور جو سب کے سب شاہی نسل سے ہونے کے مدعی تھے۔

کلہن پنڈت مصنف راج ترنگنی کے متذکرہ صدر "بے شمار کشتری قبائل" کے الفاظ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ کشمیر میں راجپوت قبیلے بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔ اور وہ کسی نہ کسی حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

کشمیر کی وہ اقوام جن کی رگوں میں بقول سر والٹر لارنس و مصنف تاریخ حسن و دیگر مصنفین صدیوں تک جنگ جو خون جوش مارتا رہا ہے انہی حکمران راجپوتوں کی ذریات سے ہیں۔ جو مختلف عرفوں اور اُتوں "nick names" کی وجہ سے آج مختلف ناموں سے موسوم ہیں۔ سر والٹر لارنس مصنف ویلی آف کشمیر اور مصنف تاریخ حسن شاہ کھوئی ہامی نے ان کی تعداد حسب ذیل بتائی ہے "ماگرے۔ تانترے۔ ڈار۔ ڈانگر۔ رینہ۔ راٹھر۔ ٹھاکر۔ نائک"۔

راقم مؤلف نے بہت سی تواریخوں کا مطالعہ اور کشمیر کی ذاتوں اور گوتوں کی چھان بین کرنے کے بعد ان میں مندرجہ ذیل ذاتوں کا اور اضافہ کیا ہے "شمیری۔ ٹھاگے۔ بٹرے۔ ککڑ۔ ٹوتن۔ بھٹی۔ بابک"۔

شہمیری خاندان دو سو سال سے زیادہ عرصہ تک کشمیر کا حکمران رہا ہے۔ اور سب مؤرخ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ شاہمیر کے آباؤ اجداد جو پانڈو خاندان سے تھے۔ کسی وقت مسلمان ہو گئے تھے۔ ٹھگ قوم جو کشمیر اور بھدرواہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ اپنے آپ کو چینی کے راجپوتوں سے ظاہر کرتی ہے۔ لون اور پرے قوم کو رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء میں راجپوت تسلیم کیا گیا ہے۔ پال راجہ جیپال والئے لاہور کی ذریات سے ہیں۔ ان کا مفصل ذکر پال قوم کی تفصیلات میں ہے۔ گگرو قبیلہ کو سر والٹر لارنس اور دیگر مؤرخین کشمیر نے گکھڑ ظاہر کیا ہے، اور گکھڑ راجپوتوں کی ایک مشہور قوم ہے۔

اس لئے راقم مؤلف کے خیال میں آٹھ نہیں بلکہ کشمیر کی ۱۵ اقوام کشتری نسل سے ہیں اور اگر ڈار اور ڈانگر کو ایک ہی قوم تصور کیا جائے۔ جیسا کہ راقم مؤلف کے خیال میں وہ ایک ہی قوم ہے۔ تو کشتری نسل کی کُل اقوام کی تعداد کشمیر میں ۱۴ رہ جاتی ہیں۔

راتھر یا راٹھور

کشمیر کی تاریخوں میں راتھر، راؤتھور، راتور، راؤتھر کے نام سے جو لفظ درج ہے۔ اس کی اصل ایک ہی ہے۔ اور یہ سب الفاظ دراصل لفظ راٹھور کے بگڑے ہوئے نام ہیں۔ راٹھور راجپوتوں کا ایک مشہور فرقہ ہے۔ جو پہلے ہندو ہی تھا۔ لیکن اب اس کا کثیر حصہ مسلمان ہے۔ سر والٹر لارنس نے اپنی کتاب ویلی آف کشمیر میں شیوخ کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "راتھر بھی کشمیر کے ان شیوخ میں سے ہیں۔ جو کھشتریوں سے مسلمان ہو گئے تھے چھتری کھتری اور کھشتری دراصل ایک ہی قوم کا نام ہے۔ اور ہندوؤں کی ممتاز اور جنگجو قوم راجپوت ہندوؤں کے اسی ورن سے نکلی ہے۔

راجپوت گوتوں کے متعلق ایک کتاب بنام راجپوت گوتیں چند سال ہوئے۔

چھپی تھی۔ اس کے صفحہ ۱۵ پر مرقوم ہے کہ "جنجوعہ اور راٹھور ایک ہی خاندان سے ہیں۔ یہ قبیلے جادو بنسی راجپوتوں کی اولاد سے ہیں۔ جو کرشن جی کی وفات کے بعد سلسلۂ کوہستان نمک کی طرف چلے آئے تھے۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۹ پر لکھا ہے۔ کہ "راٹھوروں نے ایک مرتبہ بیکانیر کو فتح کر کے بھٹیوں کو پنجاب کے میدانوں کی طرف بھگا دیا تھا۔" پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۰ پر درج ہے۔ راٹھوروں میں راجہ مل راٹھور بہت نامور راجہ گزرا ہے۔ اس نے ۹۸۰ء کے قریب جودھپور یا قنوج سے نقل مکان کر کے جہلم کے قریب ملوٹ آباد کیا تھا۔ جودا جس کے نام پر قوم جنجوعہ ہے۔ اسی کا ایک بیٹا تھا۔ کسی زمانہ میں یہ قوم کوہستان نمک کے قریباً کل قطعہ پر قابض تھی۔ لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ گکھڑوں نے شمال سے اور اعوانوں نے مغرب سے آ کر ان کو بے دخل کر دیا۔

اسی کتاب کے صفحہ ۳۱ پر راٹھوروں کے متعلق درج ہے۔ "یہ فرقہ ۳۶ شاہی نسلوں میں سے ایک ہے۔ سورج بنسی راجپوت ہے۔ اس کا قدیم صدر مقام قنوج تھا۔ وہیں سے مارواڑ اور بیکانیر اور دیگر اطراف میں پھیلا۔"

کشمیر میں راٹھور قوم کے لوگ کب سے آباد ہیں۔ اس کے متعلق کوئی صحیح واقفیت بہم نہیں پہنچ سکی۔ وہ یقیناً ہندو راجگان قدیم کے زمانہ میں کشمیر میں موجود تھے۔ کشمیر میں اسلام کی آمد ۷۲۵ھ سے شروع ہوتی ہے۔ اور سنہ ۸۰۰ھ کے قریب ایک مسلمان راؤتھر[1] شیخ

---

[1] شیخ نورالدین ولی رح کے پاس ایک شخص اپنے بیٹے کو لایا اور التجا کی کہ اس کو کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ جو کھاتا ہے۔ قے کر دیتا ہے۔ شیخ نے پوچھا کیا نام ہے۔ کہا نصر راؤتھر۔ (کشمیری زبان میں راؤتھر پہلوان اور شجاع کو بھی کہتے ہیں) شیخ نے کہا۔ پہلوان ہو تو پہلوانی کرو گے۔ عرض کیا "بتو ہم پیرے توام کرد" شیخ نے کہا۔ اچھا آؤ اور خوب سیر ہو کر کھاؤ۔ چنانچہ نصر راؤتھر نے جو کچھ کھایا اور جس قدر کھایا سب ہضم کر لیا۔ نصر راؤتھر کے والدین نے آخر گھر جانے کی اجازت مانگی (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۴۶)

نصر کا نام تاریخ کشمیر میں ہماری نظر سے گزرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر میں دیگر اقوام ہنود کے ساتھ راٹھوروں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔

مصنف تاریخ گلشن کشمیر (غیر مطبوعہ) نے بھی راؤٹھر کو راٹھور کا بگڑا ہوا نام بتایا ہے۔ اور لکھا ہے۔ یہ لوگ راجپوت چھتری ہیں۔

تاریخ کبیر کشمیر میں صفحہ ۲۹۳ پر خواجہ حیدر رایتور کا ذکر ہے۔ لکھا ہے" ملا حبیب میر عدل (بزمانۂ عالمگیر) کے شاگرد تھے۔ ہندوستان کے نامور علماء فضلاء سے بھی انہوں نے بہ دوران سیاحت ہند استفادہ حاصل کیا تھا۔ علامۂ روزگار تھے۔" خواجہ حیدر کو راتھر کی بجائے اس تاریخ میں رایتور لکھا ہے۔ جو در حقیقت راٹھور ہی کا بگڑا ہوا لفظ ہے۔

تاریخ حسن نے بھی اقوام شیخ یا طبقۂ زمینداران کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔" ماگرے۔ ڈانگر۔ نائک۔ تانترے ڈار۔ بٹ۔ لون۔ راتھر۔ ایں ہشت اقوام در عہد راجہا صاحب سیف وسنان جنگی و پہلوان از قوم کھتری بودند۔ چنانچہ تذکرۂ آں در تواریخ قدیم مشروح است۔ و در عہد سلاطین کشمیر مسلمان شدہ لقب قدیمی بر قبیلۂ آنہا بدستور موجود ماندہ است۔" ان الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ قوم جو آج صرف زمیندار کہلا رہی ہے۔ ہندو راجگان قدیم کے زمانہ میں صاحب سیف وسنان بھی رہی ہے۔

جموں وکشمیر میں راتھروں کی تعداد ۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں ۳۳۹۵۱ تھی۔ جن میں صوبہ جموں میں ۵۴۵ ۲ اور اضلاع سرحدی میں ۱۲۶ اور باقی ۳۱۲۸۰ خاص کشمیر

نصر نے اپنے والدین سے کہا تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔" من طبیب خود یافتم واز خدمت مرشد گاہے جدا نشدم (از تذکرہ حضرات کشمیر معروف بہ روضۃ الابرار صفحہ ۳۳) چنانچہ جب تک شیخ زندہ رہے۔ نصر راؤتھر جو بابا نصر الدین کے نام سے شیخ کا خلیفۂ اعظم بن چکا تھا۔ ان سے جدا نہ ہوا یہاں تک کہ مرنے کے بعد بھی انہی کے قدموں میں جگہ حاصل کی۔

میں تھے۔ بیس سال کے بعد ۱۹۳۱ء میں ان کی تعداد ریاست میں ۳۹۷۲۵ ہے۔ جن میں ۱۷۹۶۰ عورتیں اور ۲۱۷۶۵ مرد ہیں۔ گویا بیس سال میں اس قوم کے افراد میں ۵۷۷۴ نفوس کا اضافہ ہوگیا۔

کشمیر سے جن حالات میں مسلمانوں اور پنڈتوں کی دیگر اقوام پٹھانوں یا سکھوں کے زمانہ میں پنجاب یا دہلی و لکھنؤ میں آئیں۔ انہی حالات میں اس قوم کے لوگ بھی ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ اس قوم نے بھی کشمیر کی دیگر مہاجر اقوام کی طرح زمانہ کا ساتھ دینے میں نہائت دانشمندی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ حصولِ علم اور تجارت و ملازمت وغیرہ کی بدولت راؤتھر یا راٹھور قوم کے لوگ معزز عہدوں پر ممتاز ہیں۔ اور اپنی زندگی فارغ البالی سے بسر کر رہے ہیں۔ چند ایک خاندانوں کے حالات باب پنجم میں لکھے جائیں گے۔

کشمیر میں راؤتھر قوم کی آبادی کا جزوِ اعظم دیہات میں ہے۔ اور وہ زراعت کے سوا اور کوئی کام نہیں کرتا۔

ماگرے

بعض اقوام کی اصلیت پر اُن کے مُعرّوں نے جو ذاتی یا صفاتی بنا پر ہوتے ہیں۔ اس قدر گہرا پردہ ڈال رکھا ہے۔ کہ سعیٔ ماثور کے باوجود بھی اصلیت کا پتہ نہیں ملتا۔ ماگرے کے معانی و مطالب سے بھی آگاہی نہیں ہو سکی۔ البتہ تاریخوں سے اس قدر معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاہ میر عرف سلطان شمس الدین کے زمانہ سے پہلے ہی یعنی ہندو راجگان قدیم کے عہد میں یہ نام موجود تھا۔ چنانچہ جب لون قبیلہ نے جو راجہ سہدیو کے خاندان کا حامی تھا۔ سلطان شمس الدین کی مخالفت شروع کی تو سلطان نے لون طبقہ کو مہمات سلطنت سے ہٹا کر ماگرے اور چک قوم کو اعلیٰ عہدے دینے شروع کر دیئے یہ

۱۳۲۴ء سے ۱۳۴۷ء تک کے درمیانی زمانہ کا ذکر ہے یہ وہ زمانہ تھا کہ کشمیر میں مسلمانوں کی تعداد ابھی چند صد سے زیادہ نہ تھی

ماگرے قوم میں سب سے پہلے لدے ماگرے نے جو ہندوؤں کے نامور روٗسا میں تھا۔ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کے ہاتھ پر اہل و عیال کے ہمراہ اسلام قبول کیا۔ بلکہ جب حضرت امیر کبیر قیام کشمیر کے بعد مراجعت فرمائے وطن ہوئے تو لدے ماگرے بھی جو اب ملک لدے ماگرے ہو گیا تھا۔ پکھلی تک ہمراہ ہی رہا۔ جہاں حضرت امیر کبیر کا انتقال ہو گیا۔ انتقال سے قبل حضرت امیر نے آپ کو اپنا علم مبارک دے کر علمدار بنا دیا تھا۔ وہ علم مبارک اس وقت خانقاہ معلّی میں موجود ہے۔ لدے ماگرے کا مزار احمد پورہ بانگل میں ہے۔

ملک احمد ماگرے جس نے صغر سنی میں باپ کے ہمراہ ہی حضرت امیر کبیر کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا تھا لدے ماگرے کا صاحب اقبال فرزند ہے۔ سلطان حسن شاہ نے اس کو اپنا مدار المہام بنایا۔ مسجد جامع کے جلنے کے بعد احمد ماگرے ہی نے اس کی مرمت و ترمیم میں حصہ لیا۔ مدفن اس کا بھی احمد پورہ بانگل میں ہے۔

اس خاندان میں ملک محمد حسین ماگرے۔ سید محمدؒ پسر ابدال ماگرے۔ نوروز ماگرے۔ ابراہیم ماگرے۔ ملک لوہر ماگرے۔ ملک ابدال ماگرے بڑے نامور گزرے ہیں۔ سید محمدؒ کی والدہ یعنی ابدال ماگرے کی عورت قبیلۂ سادات سے تھی۔ جب میرزا حیدر ۹۵۷ھ میں شہید ہو گیا تو سید محمدؒ نے ہی جمعیت ماگریاں اور دیگر مردمان اہل سنت و جماعت کی مدد سے واقعۂ شہادت سے پانچ دن کے بعد مرزا حیدر کی نعش کو مزار اسلاطین میں دفن کیا۔ اور اس کا مقبرہ محکم و سنگین[1] بنایا۔ ابدال ماگرے کے عروج و اقبال کی بیادنیٰ علامت

---

[1] یہ مقبرہ بالکل مٹ چکا ہوتا۔ اس کا سنگ تعویذ اگر ولیم مور کرافٹ ۱۸۲۵ء میں (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۴۹)

ہے۔ کہ اس کے فرزند سید محمدؒ کی شادی نازک شاہ بادشاہ کشمیر کی خواہر سے ہوئی تھی۔

ملک محمد حسین ماگرے جہانبانی و منصب داری کے باوجود معرفتِ الٰہی سے خالی نہ تھا۔ ۸۶۶ھ میں وفات پا گیا۔ محلہ کاٹھل ٹنکی پورہ میں اس کا مزار ہے۔ سنگِ تربت پر یہ دو بیت درج ہیں۔ ؎

جامیش کہ عقل آفریں مے زندش صد بوسۂ مہر بر جبیں مے زندش

ایں کوزہ گر ازل چناں جامِ لطیف میسازد و باز بر زمیں مے زندش

ملک ابراہیم ماگرے بھی سلطان حسن شاہ ہی کے زمانہ میں رئیس و سردارِ وقت تھا مسجد جامع کا سقف و دیوار جو ابھی ناتمام تھا ۹۰۹ھ میں اسی نے مکمل کرایا چنانچہ جامع مسجد کے اشعار میں ذیل کا شعر ابراہیم ہی کے متعلق ہے۔ ؎

ولیکن از دو جانب نے ستوں آراستے سقفش زابراہیم احمد[1] ماگرے شد راست تا دانی

نوروز ماگرے رئیسِ شہر تھے۔ اور باوجود ریاست و امارت کے حضرت مخدوم شیخ حمزہ کے کفش برداروں میں تھے۔

غرض یہ خاندان جو سلاطینِ کشمیر کے عہد میں وزارت و امارت کے لحاظ سے ممتاز رہا ہے۔ اور جس نے کشمیر کی سیاست پر دیر تک حکمرانی کی ہے۔ آج پراگندہ

بنا نصب نہ کرایا جس پر مرزا حیدر کے حالات بھی فارسی میں درج ہیں۔ افسوس ہے وہ سنگِ تعویذ بھی اب کئی جگہ سے شکستہ ہو گیا ہے۔ حروف بھی اچھی طرح نہیں پڑھے جاتے۔ مقبرہ کا تو کوئی وجود نہیں۔ البتہ شکستہ سنگِ تعویذ ابھی تک موجود ہے۔

[1] تاریخوں میں ملک احمد ماگرے اور ملک ابراہیم ماگرے دونوں کا نام مرمتِ مسجد کے سلسلہ میں درج ہے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے۔ اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں "زابراہیم احمد ماگرے" کی جگہ "زابراہیم و احمد ماگرے" درست ہو گا۔

و منتشر ہو کر کشمیر کے دیہات و قصبات میں پھیلا ہوا ہے۔ اور زراعت و کاشتکاری پر گزارہ کر رہا ہے۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست میں ان کی کُل تعداد ۸۶۶۸ نفوس کی ہے۔ جس میں ۴۵۲۳ مرد اور ۴۱۴۵ عورتیں ہیں۔

کشمیر سے باہر بھی اضلاع جموں و صوبہ پنجاب میں اس قوم کے افراد پائے جاتے ہیں۔

تانترے

کشمیر کے کشمیری پنڈتوں کے خیال میں تانترے لفظ تانترک سے نکلا ہے۔ تانترک منتر جاننے والے کو کہتے ہیں۔ تنتر۔ منتر اور جنتر تین لفظ مشہور ہیں۔ منتر سے مراد ورد و وظیفہ لیتے ہیں۔ اور جنتر سے مراد تعویذ ہے۔ منتر اس کو کہتے ہیں۔ جس کے ساتھ جنتر بھی ہو اور کوئی عمل بھی ہو۔ کشمیری پنڈت اسی لحاظ سے تنتروں کو برہمن تصوّر کرتے ہیں۔

غالباً اسی بنا پر ۱۸۹۱ء کی مردم شماری ریاست جموں و کشمیر میں جن گیارہ ذاتوں کو صفحہ ۱۶۴ و ۱۶۶ پر برہمن کاشتکار لکھا گیا ہے۔ ان میں ایک تانترے قوم بھی دکھائی گئی ہے۔ اس رپورٹ کی ان ۱۱ ذاتوں میں کچھ راجپوت ہیں۔ کچھ افغان ہیں۔ مگر سب کو برہمن ہی لکھ دیا گیا ہے۔

لیکن سر والٹر لارنس نے جو کشمیر میں عرصہ تک کمشنر بند و بست رہے ہیں اور جنہوں نے کشمیر کی ذاتوں اور گوتوں کے متعلق بھی تحقیقات کی ہے۔ اپنی کتاب ویلی آف کشمیر میں تانترے طبقہ کو کھشتری ظاہر کرتے اور اس کو انہی اقوام میں شمار کرتے ہیں۔ جو اپنی رگوں میں جنگجویانہ خون رکھتی ہیں۔

صاحب نے راج ترنگنی کے مختلف نوٹوں میں ویلی آف کشمیر کے مصنف

کے نظریہ سے اختلاف تو نہیں کیا۔ البتہ یہ لکھا ہے۔ کہ تانترے قبیلہ اور دوسرے مسلمان دیہاتیوں کی شکل و شباہت اور رسم و رواج میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ تانترے مسلمان دوسرے دیہاتی مسلمانوں کے ہاں آزادی سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کر سکتا ہے۔ صرف اس بات کا اطمینان کر لینا اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ لڑکی یا لڑکے کا خاندان زمیندار قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو۔

مصنفِ تاریخ حسن نے بھی کشمیر کے قبائل زمینداران کا ذکر کرتے ہوئے جن آٹھ قبیلوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ایک تانترے قوم بھی ہے۔ او لکھتا ہے۔ کہ "ایں ہشت اقوام در عہد راجہا صاحب سیف و سنان جنگی و پہلوان از قوم کھتری بودند"۔

کشمیر میں لوہر خاندان نے قریباً ڈیڑھ سو سال تک جو حکومت کی ہے۔ اس میں لون۔ تانترے۔ ڈار۔ ماگرے اور ڈانگر اقوام نے بڑا حصہ لیا ہے۔ اور حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کشمیر کی جنگجو اور لڑاکا اقوام میں ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔

تانترے کا اصل تلفظ زمانۂ قدیم میں تنترن یا تنترین تھا۔ رانی سوگندھا کے عہد حکومت (۹۰۴ء تا ۹۰۶ء) کے عہد حکومت سے اس قوم کا عروج شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ کلہن اپنی تاریخ راج ترنگنی میں لکھتا ہے۔ جب راجہ گوپال ورمن (۹۰۲ء تا ۹۰۴ء) کے مرنے کے بعد تخت وارث سے خالی نظر آیا۔ تو تنتروں کی پیادہ فوج ہی کی مدد سے رانی سوگندھا دو سال تک حکمرانی کرتی رہی۔ اور جب تانتروں سے ذرا آزاد ہونے لگی۔ تو ۹۰۶ء میں انہی کے ہاتھوں معزول ہو کر قتل کر دی گئی۔

۱۱۰۱ء میں جب راجہ اوچل (اوسچل) نے تانتروں کا زور توڑنے کے لئے ان کے بڑے بڑے فوجی افسروں کو موقوف کر دیا۔ تو تانتروں نے راجہ کے خلاف ایسی زبردست سازش کی کہ آخر وہ بعمر الم سال ۱۱۰۱ء ہی میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس راجہ کے بعد ایسی طوائف الملوکی شروع ہوئی کہ ایک دن اور ایک رات کے

عرصہ میں چار پہر کے اندر تین راجے کشمیر کے تخت پر بیٹھے۔ شام کو راجہ اوچل صبح کو راجہ رڈو عرف سنکھراج اور دوپہر کو راجہ سالہن کشمیر کا حکمران تھا۔ گرگ چندر ڈامر اس زمانہ میں بادشاہ گر تھا۔ اور گو اس کی اپنی قوم بھی اس کے ساتھ تھی۔ لیکن تانترے ہمیشہ اس کی پشت و پناہ بنے رہے۔

راجہ سسل کے عہد اوّل (۱۱۱۲ء سے ۱۱۲۰ء) میں گرگ چندر کی فوج کے بڑے بڑے تانترے جرنیل بادشاہی افواج کا مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے تھے جب سسل کشمیر سے بھاگ کر لوہر (پونچھ کی طرف) چلا گیا ہے۔ تو وزراء۔ اُمراء۔ افواج اور جاگیرداروالیان ریاست نے آیندہ حکمران کے لیئے تانترے قوم کے سرکردہ رہنماؤں ہی سے مشورہ کیا تھا۔

تانتروں کی فوج کا کشمیر میں وہی رویہ تھا۔ جو پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات (۱۸۳۹ء) کے بعد سکھ افواج نے روا رکھا تھا۔ یعنی خالصہ فوجیں جس راجہ یا وزیر کی مدد پر آمادہ ہو جاتی تھیں۔ وہی کامیاب رہتا تھا۔ یہی خودسری تانتروں میں بھی تھی۔

بہرحال تانترے کشمیر کی وہ قوم ہے۔ جو ہندو عہدِ قدیم میں برسوں تک سیاسی اہمیت کی مالک رہی ہے۔ اور جو بقول سر والٹر لارنس و مصنف تاریخ حسن خالص جنگجو قوم تھی۔ اور جو غیر ملکی حکمرانوں کی محکوم کش حکمت عملیوں کی بدولت اپنے قومی اور ذاتی امتیاز مٹا کر آجکل صرف زراعت پر گزارہ کر رہی ہے۔

۱۸۹۱ء میں اس قوم کی تعداد ۵۴۷۸ تھی۔ ۱۹۱۱ء میں ۸۰۵۶ اور اب ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۱۲۲۵۳ ہے۔ جس میں ۶۱۵۸ مرد اور ۶۰۹۵ عورتیں ہیں۔

ٹھگ

قلمرو جموں کے ضلع اودہم پور میں چنینیؔ[1] ایک جاگیر ہے۔ جس کے راجگان چندر بنسی خاندان سے ہیں۔ اس جاگیر میں دس ہزار کی آبادی ہے۔ نو ہزار ہندو اور ایک ہزار مسلمان۔ ہندوؤں میں زیادہ تعداد چندر بنسی راجپوتوں ہی کی ہے۔

ٹھگ قوم کے افراد کا بیان ہے۔ کہ ہم بھی چندر بنسی راجپوتوں کی اولاد ہیں۔ ٹھگ نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ بڈشاہ کے زمانہ میں چینینی کا ایک ہندو راجپوت بادشاہ کے انصاف و قدردانیوں کی شہرت سن کر کشمیر گیا۔ ابھی رستہ ہی میں تھا۔ کہ ایک مسلمان درویش کامل کی صحبت چند روزہ سے مسلمان ہو گیا درویش نے دینی فتوحات کے ساتھ دنیاوی ترقیوں کی خوشخبری بھی سنائی چنانچہ بادشاہ نے اس کی شجاعت وجسامت دیکھ کر فوج میں اس کو ایک ممتاز عہدہ دیا۔ اسی دوران میں اس نومسلم راجپوت نے کشمیر میں شادی بھی کر لی تھی۔ اس سے اولاد بھی تھی۔ لیکن اس قدر کنبہ کی موجودگی کے باوجود اس نے بادشاہ کی ملازمت ترک کر کے عبادت و ریاضت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔

بادشاہ نے از رہِ قدردانی کہا۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ نومسلم نے جواب دیا۔ مصلّٰی بچھانے اور نماز پڑھنے کے لئے تھوڑی سی جگہ ؟ بیوی اپنے خاوند کی یہ سادگی دیکھ کر تلملائی۔ اس نے بادشاہ کو ایک لمبی چوڑی درخواست میں خاوند کے استعفےٰ اپنی

---

[1] یہ جاگیر ۱۳ میل لمبی ۱۴ میل چوڑی ہے۔ آمدنی سالانہ بنگلانہ سمیت ۲۵ ہزار کے قریب ہے۔ جموں سے براستہ بانہال کشمیر کو جاتے ہوئے اودہم پور اور گڈ کے درمیان دائیں طرف واقعہ ہے۔

ضروریات اولاد کی پرورش اور خاوند کی خدمات کا حوالہ دیا۔ بادشاہ نے متبسّم ہو کر فرمایا یہ شخص بڑا ٹھگ نکلا۔ آپ تو خاموش ہے۔ اور اپنی بیوی سے درخواست بھجوا رہا ہے۔ آخر حکم دیا کہ جس گاؤں میں وہ مقیم ہیں۔ وہی ان کی جاگیر سمجھا جائے۔ یہ تو سینہ بہ سینہ روائت کا خلاصہ ہے۔ لیکن اسی روائت سے ملتا جلتا کشمیر کی تاریخوں میں ایک بزرگ شیخ ابراہیم کا ذکر آتا ہے۔ جو ٹھگ بابا کے نام سے مشہور تھے۔ وہ اورنگ زیب کے زمانہ میں ۱۰۹۰ھ تک زندہ تھے۔ ۱۰۹۱ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ ان کی اور ان کے مرشد ملا طیّب بدخشانی کی زیارت علاقہ نوکدل میں برلب دریا واقع کدل کے پاس واقع ہے۔

ان کے مرشد نے ایک دفعہ اپنے ایک مرید سے فرمایا کہ تم فلاں مسجد میں آنا بعد ادائے نمازِ عصر تمہاری طرف خاص توجہ کروں گا۔ شیخ ابراہیم نے ایک گوشہ سے یہ الفاظ سن لئے۔ وہ دوسرے مرید سے پیشتر ہی اس موعودہ مسجد میں پہنچ گئے اور اپنے آپ کو ایک بوریے میں لپیٹ کر ایک گوشہ میں پڑ رہے۔ وقت موعودہ پر حضرت اخوند ملا طیّب اور ان کے مرید مسجد میں آ گئے۔ ملا طیب نے کامل توجہ کے ساتھ اپنے مرید میں روحانیت کا پرتو ڈالنا چاہا۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ دوسری دفعہ بھی یہی حال ہوا۔ تیسری دفعہ آپ نے اس کمال جوش کے ساتھ توجہ شروع کی کہ دہن مبارک سے نُور کے شعلے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ لیکن بقول صاحب تاریخ کبیر کشمیر "دروے چیزے اثر نہ شد"۔ ملا طیّب نے یہ بے اثری دیکھ کر مسجد میں ادھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ آخر ایک بوریا سے شیخ ابراہیم کو نکالا۔ اور "از رُوئے عتاب فرمودند کہ اے ٹھگ بازی کردی وفیضِ معنوئ ما بہ یک حملہ بُردی"۔ لکھا ہے۔ کہ شیخ ابراہیم اسی وقت ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ آداب شریعہ ہاتھ سے جاتے رہے۔ مبہوت و مسکوت ہو کر دریا کے کنارے بیٹھے رہتے تھے۔ نو سال تک اسی

حال میں رہے۔ آخر بابا عبد اللہ پانپوری کی توجہ سے ہوش میں آئے۔ لیکن ان کا نام اس عرصہ میں ہر مرد و زن اور کوچہ و برزن تک شیخ ابراہیم کی بجائے ٹھگ بابا مشہور ہو چکا تھا۔

اِن دونوں روائتوں میں ایک فرق تو یہ ہے۔ کہ پہلی روائت بڈشاہ کے زمانہ کی ہے۔ دوسری عالمگیر کے عہد کی۔ اور دونوں بادشاہوں کے سنہائے وفات اگر لئے جائیں تو ان کے درمیانی عرصہ کی مدت سوا دو سو سال ہوتی ہے۔ دوسرا فرق ان روائیتو میں یہ ہے۔ کہ ایک کا نام ٹھگ کسی اور وجہ سے ہوتا ہے۔ اور دوسرے کا کسی اور واقعہ کے باعث۔ اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ ٹھگ بابا جو شیوخ کشمیر سے تھے۔ ہندوؤں کی شاخ راجپوت سے مسلمان ہوئے تھے۔ یا پنڈت تھے۔ یا کسی اور قبیلہ سے تھے۔

تاریخ کبیر کشمیر میں تذکرۂ ریشیاں کے سلسلہ میں صفحہ ۱۳۵ پر ٹھگ قوم کے دو اور افراد کا نام آتا ہے۔ یہ دونوں رشی تھے۔ ایک کا نام لالہ ریشی عرف ٹھگ ہے دوسرا اُسی کا بھائی ربیہ ریشی ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ اپنے بھائی لالہ ریشی ٹھگ کی وفات کے بعد (موضع کہنہ موہ پرگنہ اولر) سے اپنے دو مریدوں خواجہ علی سو و خواجہ ممہ سو کی تحریک سے سری نگر میں آ گیا۔ اور چھبل (چھتہ بل) میں اس نے سکونت اختیار کی اور وہیں دفن ہوا۔ افسوس ہے۔ ان دونوں ٹھگ برادران کے ذکر میں صاحب تاریخ نے کسی سن کا ذکر نہیں کیا۔

چونکہ ٹھگ قوم اپنی قدیمی روایات کی بنیاد پر راجپوت ہونے کی مدعی ہے۔ اور اس کا یہ بھی بیان ہے کہ عالمگیر کے بعد کمال ٹھگ اور ریشو ٹھگ دو بھائی کشمیر سے بھدرواہ کے علاقہ میں آئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بڈشاہ کے زمانہ کے ٹھگ کے واقعہ کو غلط بھی سمجھا جائے۔ تو عالمگیری عہد میں جو ٹھگ بابا ہوا ہے۔ ممکن ہے کمال ٹھگ اور ریشو ٹھگ اسی کی اولاد سے ہوں۔ اور چونکہ قوم کی قوم اپنے آپ کو

راجپوت سمجھتی ہے۔ اس لئے کیا تعجب ہے۔ اگر شیخ ابراہیم کے بزرگ چنینی ہی سے کشمیر آئے ہوں۔ اور راجپوت ہی ہوں۔

بہر حال ٹھگ قوم جس کی تعداد تین چار ہزار کے قریب ہے۔ اس وقت بھدرواہ کشتواڑ۔ سری نگر۔ اسلام آباد۔ پاڈر۔ راجوری وغیرہ مقامات میں پائی جاتی ہے۔

بھدرواہ کی جامع مسجد جس کو ۱۹۲۸ء کے سیلاب نے منہدم کر دیا ہے۔ کمال ٹھگ ہی کی ذریات سے اسمٰعیل ٹھگ نے تعمیر کرائی تھی۔ عبدالصمد جس نے اس وقت کشمیر پرتاپ کالج سے بی۔ اے کا امتحان دیا ہے۔ اسمٰعیل جو ٹھگ کا پوتا اور احمد جو کا فرزند ہے۔

بھدرواہ کے ٹھگ خاندان کی یہی ایک شاخ ہے۔ جس نے تعلق مناکحت بھدرواہ سے باہر کیا ہے۔ چنانچہ عبدالصمد کی ہمشیرہ منشی محمد الدین بٹ جموں کے ساتھ بیاہی گئی ہیں۔

بھدرواہ۔ پاڈر۔ کشتواڑ۔ راجوری وغیرہ میں ٹھگ قوم کا پیشہ زراعت و کاشتکاری ہے

پیرے

جموں و کشمیر میں رائے بہادر پنڈت بھاگ رام مشہور ممبر کونسل گزرے ہیں۔ وہ پنجابی تھے۔ اور جالندھر کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۹۱ء میں جب پہلی بار کشمیر میں مردم شماری ہوئی۔ اس کی رپورٹ انہی کے اہتمام و حکم سے چھپی تھی۔ کیونکہ مشیر مال ہونے کی حیثیت سے مردم شماری کے اعلیٰ افسر بھی وہی تھے۔

رائے بہادر اپنی مرتبہ رپورٹ مردم شماری میں کئی مقامات پر پیرے۔ گوت کا جو اکثر دیگر مسلمان اقوام کی طرح پہلے ہندو ہی تھی۔ ذکر کرتے ہوئے صفحہ ۱۳۱ پر تون کو

راجپوتوں کی شاخ ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "پرے ذات بھی راجپوتوں کی ایک شاخ ہے" صفحہ ۱۲۷ پر لکھا ہے "پرے ذات بھی دیگر ذاتوں لون و اشائی وغیرہ کی طرح زراعت پیشہ اور ملٹری قابلیت رکھنے والی ہے" صفحہ ۱۴۸ پر پھر کشمیر کی ذات لون کا ذکر کرتے ہوئے ارقام فرمایا ہے۔ کہ "پرے اور لون کشمیر کی مسلمان قوموں میں جوشیلے راجپوت تھے"۔

الفاظ متذکرہ صدر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پرے قوم جو پہلے ہندو تھی۔ راجپوت طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور زمانہ قدیم میں زراعتی کاروبار کے علاوہ فوجی ملازمت بھی کیا کرتی تھی۔ اور ہر چند کہ اب یہ قوم بھی کشمیر کی دیگر اقوام کی طرح مسلسل غیر ملکی حکومتوں کی تنگ نظریوں کی وجہ سے جنگی ملازمت کے قابل نہیں سمجھی جاتی لیکن کیا یہ اس قوم کی فطری سپاہیانہ سپرٹ کی ادنیٰ دلیل نہیں ہے۔ کہ عالمگیر جنگ یورپ کے ایام میں جبکہ ہم نے بچشم خود اکثر پنجابیوں کو فوجی بھرتی میں جاتے ہوئے ریلوے سٹیشنوں پر روتے اور داڑھیں مارتے دیکھا ہے۔ کشمیر سے پرے قوم کا ایک فرزند کشمیر کے ایک فوجی دستہ کے ہمراہ میڈیکل افسر ہو کر بغداد اور بصرہ اور ایسٹ افریقہ کی لڑائیوں میں شامل رہا۔ آج[1] مادر کشمیر کا وہی نامور فرزند میجر عبدالقادر کے نام سے موسوم ہے۔ اور محکمہ جنگی میں نہایت عزت و وقار کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ اس ملک کی فوجی سپرٹ کا حال ہے جس کی ہر قوم کے لئے وہ ہندو ہے یا مسلمان چار سو سال سے کشمیر کی ہر غیر ملکی حکومت نے فوجی ملازمت کا دروازہ بند کر رکھا ہے۔

میجر عبدالقادر کے چھوٹے بھائی منشی محمد اسمٰعیل سوپوری نے ۱۶-۱۹۱۴ء کے ایام میں فوجی رنگروٹوں کی بھرتی میں نمایاں مدد دی۔ حکومت نے بھی حوصلہ افزائی

---

[1] افسوس ہے۔ ڈاکٹر میجر عبدالقادر جن کا وطن کشمیر میں سوپور تھا کچھ عرصہ کی علالت کے بعد بمقام جموں ۱۹۳۲ء میں انتقال فرما گئے۔

کر کے نائب تحصیلدار بنادیا۔ چنانچہ اس وقت آپ بڈگام میں تعینات ہیں۔

شیخ عبدالقادر کے فرزند مسٹر عبدالرشید بی۔ اے محکمہ کسٹم میں ایک اچھے عہدہ پر ہیں۔ یہ قوم زراعت پیشہ ہے۔ اور شمالی کشمیر کی تحصیلات بارہ مولا و ہندواڑہ میں پائی جاتی ہے۔

پرے قوم کی کل تعداد کشمیر میں ۱۵۴۹۷ ہے۔ جس میں ۸۳۱۷ مرد اور ۷۱۸۰ عورتیں ہیں۔

پرے نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ پرے ہست پورہ یا پرسپورہ میں عموماً قدیم راجپوتوں ہی کی آبادی تھی۔ جب وہ لوگ مختلف وجوہات سے اپنے گاؤں سے باہر نکل کر ادھر اُدھر منتشر ہوئے۔ تو اپنے گاؤں کے نام پر پرے ہی کہلائے کشمیر میں دیہاتوں کے نام پر بھی کئی قبیلے اور طبقے مشہور ہیں۔ جیسے ہاکسر اکچھ پورہ سے۔ کاکاپور سے کاکاپوری۔ سوپور سے سوپوری۔ اسی طرح مرازی۔ کمرازی۔ سنز سل۔ کلم ریا بنہالی۔ دیدہ مری وغیرہ۔

رینہ

راجہ میگھ چند ملک کانگڑہ کا ایک نامور راجہ گزرا ہے۔ اس کے چار فرزند تھے۔ راجہ ہری چند۔ راجہ کرم چند[1]۔ راجہ پرتاپ چند[2]۔ راجہ پراگ چند۔ راجہ ہری چند نے ایک قصبہ

[1] راجہ کرم چند کی اولاد سے لمبہ گراؤں کانگڑہ کے راجہ لفٹنٹ کرنل راجہ جے چند والئے حال ۲۳ ویں پشت میں ہیں۔

[2] ضلع میرپور علاقہ جموں کے چب خاندان اسی راجہ کے لڑکے چب چند کی (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۵۹)

ہری پور اپنے نام پر آباد کر کے خاندان ہری پور گلیریہ کی بنیاد ڈالی اور ایک چھوٹی سی ریاست علیحدہ قائم کر لی۔ راجہ سوبرن چند جس کو سیوان چند بھی کہتے ہیں اور جس کو مؤرخین کشمیر نے سوپرم چند لکھا ہے۔ اسی راجہ کا بڑا پوتا تھا۔ اس راجہ کے بھی چار بیٹے تھے۔ اس زمانہ میں نور پور کا راجہ طاقتور ہو رہا تھا۔ اس نے یکے بعد دیگرے سوپرم چند کے بیٹوں بلبدر چند اور بلدیو چند عرف موہچند پر حملے کئے۔ بلبدر چند تو لڑائی میں کام آ گیا۔ اور موہچند جان بچا کر کشمیر چلا آیا۔

اس زمانہ میں کشمیر پر راجہ جے سنگھ حکمران تھا۔ اور وہ راجہ سوپرم چند کا ہمشیر زادہ اور رشتہ میں موہچند کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ راجہ جے سنگھ نے اپنے ماموں کے لڑکے موہچند کو سپہ سالاری کا عہدہ دے دیا۔

تاریخ خواجہ اعظمی میں بھی موہچند کے کشمیر آنے کا قصہ درج ہے۔ لکھا ہے کہ وہ چندربنسی خاندان کے راجاؤں میں تھا۔ اپنے باپ وشرم چند (یعنی سوپرم چندر) کے بعد مغلوب ہو کر راجہ جے سنگھ کے پاس جس سے اس کی سابقہ راہ و رسم بھی تھی چلا آیا۔ جے سنگھ نے اس کو علاقہ لار میں جاگیر دے کر سپہ سالاری کا عہدہ عطا کیا۔ اسی تاریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ کشمیر آیا۔ تو اہل و عیال سمیت اس کے ساتھ پانچ سو سوار بھی تھے۔ اور صاف ظاہر ہے۔ کہ وہ سب راجپوت تھے۔

راجہ جے سنگھ کے زمانہ میں جب چنگیز خان نے پنجاب پر حملہ کرنے کے لئے دریائے اٹک کے کنارے اپنے ڈیرے ڈالے ہیں۔ تو یہی رانا موہچند سپہ سالار کشمیر تھا جس نے

اولاد سے ہیں۔ جن کے نام پر میرپور و بھمبر کا بہت بڑا حصہ علاقہ چبھال کے نام سے موسوم ہے جموں کے موجودہ گورنر خانصاحب راجہ محمد افضل خاں اور ضلع میرپور کے نامی جاگیر دار راجہ محمد زمان خاں صاحب راجپوت ہی ہیں۔

بڑی حکمت عملی سے جس کا کشمیر کی تواریخوں میں تفصیل سے ذکر ہے۔ اس کو صلح کر کے واپس جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

موںچند کا خاندان کشمیر میں ہمیشہ با اقتدار رہا ہے۔ چنانچہ راجہ راج دیو (۱۲۱۶ء لغائت ۱۲۴۲ء) نے اس کے بیٹے تگ چند یا گگ چند یا کھکہ چند کو اس کے باپ کا منصب سپہ سالاری عطا کیا۔ گگ چندر کا بیٹا بلاد چندر راجہ راج دیو کے بعد راجہ سنگرام دیو کے عہد میں سپہ سالار تھا۔ اس کے مرنے کے بعد راجہ سنگرام دیو نے بلاد چندر کے بیٹے اور اپنے ہمنام سنگرام کو اپنا سپہ سالار بنایا۔

راجہ سنگرام کے بعد جب اس کا فرزند سہم دیو راجہ ہوا۔ تو سنگرام چندر امورات سلطنت سے کنارہ کش ہو کر اپنی جاگیر میں چلا گیا۔ رام چندر اسی کا بیٹا تھا۔ جس کو سہم دیو کے بیٹے راجہ سہدیو (۱۳۳۴ء لغائت ۱۳۶۳ء) نے جاگیر سے بلوا کر از سرِ نو سپہ سالاری کا عہدہ دیا۔

جب تبتی شاہزادہ رینچن جو بعد میں ملک صدرالدین کے نام سے کشمیر کا بادشاہ ہوا ہے۔ اپنے چچا کے خوف سے کشمیر بھاگ آیا۔ تو سب سے پہلے وہ رام چندر ہی کے پاس آیا تھا۔ جس نے اس کو اپنی جاگیر علاقہ لار میں پناہ دی تھی۔ اور بعد میں اسی کی سفارش سے راجہ سہدیو نے رینچن کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا۔

ذوالقدر خاں عرف ذوالچو کا حملہ اسی زمانہ میں ہوا ہے۔ رینچن کا جب اقتدار بہت بڑھ گیا۔ اور ملک کی ایک کثیر جماعت اس کی طرفدار ہو گئی۔ تو اس نے رام چندر کو قتل کر کے اس کے بیٹے راون چندر اور اس کے اہل و عیال کو گرفتار کر لیا۔ اور خود کشمیر کا بادشاہ بن کر رام چندر کی لڑکی کوٹہ رانی سے عقد کر کے اُس کے بھائی راون چندر کو پرگنہ لار کے علاوہ تبت (سکردو و لداخ) بھی بطور جاگیر عطا کر دیئے۔ اور اس کو اپنے لشکر کا سردار بھی بنایا، تاکہ اس کے دل سے پدر کشی کا خیال دور ہو جائے۔

اسی زمانہ (۷۲۵ھ) میں حضرت بابا ئیبُل شاہ کشمیر آئے۔ اور رینچن اور کوٹہ رانی اور راون چندر اور انکے اعزہ و اقربا نے اسلام قبول کر لیا۔

رینہ لفظ کا تعلق اس خاندان کے ساتھ کیا ہے؟ اس کے متعلق بعض کا خیال ہے۔ کہ اس زمانہ میں سپہ سالاری یا مدار المہامی کے عہدہ کا نام ہی رینہ تھا۔ چونکہ یہ عہدہ کئی پشتوں تک اسی خاندان میں رہا تھا۔ اس لئے ان کی اولاد کا نام ہی رینہ ہو گیا۔

ایک خیال یہ بھی ہے۔ کہ کانگڑہ و شملہ کے اضلاع میں اب بھی جو ریاستیں ہیں اُن کو راجہ اور رانا کہتے ہیں۔ چنانچہ جھالاواڑ۔ اودے پور وغیرہ کی ریاستوں کے فرمانروا مہارانا کہلاتے ہیں۔ راجہ سوپرم چند کی اولاد بھی چونکہ شاہی نسل سے تھی۔ اس لئے ممکن ہے۔ جب موہچند کی ذریات میں اکثریت ہو گئی ہو۔ تو وہ رانا ہی کہلاتی ہو۔ اور رانا سے رینہ ہو جانا چنداں تعجب انگیز نہیں ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ ممکن ہے۔ ان کی بود و باش شہر کے محلہ رینہ واری میں رہی ہو۔ جو راجہ رینادت کے نام پر آباد ہے۔ وہاں سے جس طرح اور اقوام منتقل ہو کر بعض اور مقامات پر جا کر رینہ کہلائیں۔ اسی طرح اس خاندان کے افراد بھی رینہ کے نام سے موسوم ہو گئے۔ لیکن صرف اوّل الذکر دو وجوہات ہی قابل تصدیق معلوم ہوتی ہیں۔

قبولِ اسلام کے بعد بھی موہچند اور اس کے بیٹے راون چند کی اولاد نے بڑے بڑے نامور فرزند پیدا کیے ہیں۔

تاریخ میں سب سے پہلے رینہ کا لفظ راون چند کے نام کے ساتھ آتا ہے۔ چنانچہ تاریخ کبیر کشمیر میں (صفحہ ۱۴۵) پر جہانگیر رینہ کے ذکر میں لکھا ہے "ملک جہانگیر رینہ بن ہلمت رینہ بنبیرۂ راون رینہ از احفاد راجہ ہائے چندر بنسی بود"۔ جہانگیر رینہ سلطان حسن شاہ والئے کشمیر کی طرف سے ملک کا خطاب ملنے کی وجہ سے ملک جہانگیر رینہ

کہلاتا تھا۔ صاحب سیاست و اقتدار رئیس گزرا ہے۔

جہانگیر رینہ کے دو اور بھائی بھی تھے ملک گزرینہ و ملک جوگی رینہ۔ اوّل الذکر کا مزار بنڈ پورہ میں ہے۔ اور دوسرے کا مزار ٹھوئی ہامہ کے علاقہ میں ہے۔

ملک احمد ایتو جو حضرت بابا اسمٰعیل کے مرید تھے۔ بقول صاحب تاریخ اعظمی سنجر رینہ[1] کی اولاد سے تھے۔ پہلے بڈشاہ کے فرزند سلطان حیدر شاہ کے وزیر رہے پھر سلطان حسن شاہ نے بھی مدار المہام بنایا۔ لیکن سلطان کے سپہ سالار تازی بٹ اور ملک احمد ایتو کی باہمی مخالفت جب ملک کی بدامنی کا باعث ہونے لگی۔ تو سلطان نے دونوں کو محبوس کر دیا۔ ملک احمد رینہ جو ملک احمد ایتو کے نام سے بھی مشہور رہے۔ قید شاہی میں ۱۵ شعبان ۸۷۳ھ کو ہی انتقال کر گئے۔ آپ نے اپنا مقبرہ اپنی زندگی میں محلہ دیدہ میر میں تیار رکھا تھا۔ وہیں دفن ہوئے۔ قبر پر یہ دو شعر بھی درج ہیں۔

زیں جہاں رفتیم و دل بر داشتیم — با جہانداراں جہاں بگذاشتیم

ایمنے جستیم از دست اجل — اے دریغا غلط پنداشتیم

سلطان محمد شاہ نے قسمت کے ہیر پھیر سے کشمیر میں چار مرتبہ سلطنت کی ہے۔ اس کے مدار المہاموں میں کاجی چک اور غازی چک کے علاوہ رینہ خاندان کے ایک نامور و ممتاز شخص موسیٰ رینہ بھی تھے۔

ملک جہانگیر رینہ کے فرزند زیتی رینہ اور ان کے فرزند ملک عثمان رینہ تھے۔ جو حضرت محبوب العالم شیخ حمزہ کاشمیری اور بابا علی رینہ کے والد بزرگوار تھے۔ عثمان رینہ شیخ بابا اسمٰعیل جو شیخ فتح اللہ خوشخوان کے خلف و خلیفہ تھے۔ کے مرید تھے۔ جب چک بادشاہوں کے زمانہ میں شیعہ اصحاب نے ان کو تکالیف پہنچانی شروع کیں۔ تو یہ شہر

[1] سنجر رینہ راون چندر رینہ کی اولاد میں سے کوئی بزرگ ہوں گے۔

سے ہجرت کرکے موضع تجر علاقہ زینہ گیر میں چلے گئے۔ جو ان کی جاگیر میں تھا۔ جب تک زندہ رہے۔ اسی موضع کی آمدنی پر گزارہ کرتے رہے۔ آپ کا مزار بھی تجر ہی میں ہے۔ شیخ العالم شیخ حمزہ تمام عمر حالت تجرد ہی میں رہے۔ ان کے بھائی بابا علی رینہ صاحب اولاد تھے تین مرتبہ زیارت حرمین سے مشرف ہو چکے تھے۔ ایک مرتبہ جب صاحب علم و فضل ہو کر بارہ برس کے بعد کشمیر آئے۔ تو سلطان العارفین حضرت مخدوم شیخ حمزہ نے میر حیدر تلاری اور خواجہ اسحٰق قاری وغیرہ مشائخ کے ہمراہ ہیرہ پور تک استقبال کیا۔ تذکرۃ العارفین جس میں حضرت مخدوم صاحب کے حالات ہیں۔ آپ ہی کی تصنیف ہے۔ آپ کا مزار بھی تجر میں ہے۔ حضرت مخدوم صاحب کا مزار سری نگر میں مرجع خلائق ہے۔

مہدی ملک جو بابا علی رینہ کے ہمراہ ایک مرتبہ زیارت بیت اللہ کو بھی گئے تھے۔ علی رینہ کے عموزاد بھائی تھے۔ اور دولت ملک آپ کے خالوزادہ بھائی تھے۔ اس خاندان میں ملک کا لقب دیر تک جاری رہا ہے۔ بابا علی رینہ کے فرزند کا نام بابا ابوالحسن مخدومی ہے۔ رینہ قوم کی تعداد کشمیر میں ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق جموں (۱۳۶) و فرنٹیر (۴۸) سمیت ۳۲۶۴ تھی۔ بیس سال کے بعد یعنی ۱۹۳۱ء میں اس قوم میں ۶۰۹ نفوس کا اضافہ ہو کر اب کل تعداد ریاست میں ۳۸۷۳ افراد کی ہے۔ جس میں ۲۱۱۱ مرد اور ۱۷۶۲ عورتیں ہیں۔ جو لوگ حضرت مخدوم صاحب کے بھائی بابا علی رینہ کی اولاد سے ہیں۔ وہ اب مخدومی کہلاتے ہیں۔ اور ان کی رہائش بالعموم ہری پربت کے دامن ہی میں ہے۔ ان کے چند قبائل پنجاب میں بھی آباد ہیں۔ ان کا ذکر باب پنجم میں درج ہوگا۔

کھٹان

مہاراجہ گلاب سنگھ فرمانروائے جموں و کشمیر کو صوبہ جموں کے پہاڑی اور بہادر جنگ جو قبائل پر ہمیشہ ناز رہا ہے۔ اور ان لوگوں نے بھی ہر نازک موقعہ پر اپنے آقا کا پورا ساتھ دیا ہے۔

ان قبائل میں یا تو افغان اقوام شامل تھیں۔ یا ہندو اور مسلمان راجپوت تھے اور مسلمان راجپوتوں میں ضلع میرپور کے چب راجپوت سب سے زیادہ تھے۔

جب وزیر زورآور سنگھ سپہ سالار افواج ڈوگرہ و فاتح لداخ نے کارزار لاسہ میں فتح پائی ہے۔ تو اس لڑائی میں جہاں اور صدہا فوجی سپاہی کام آئے تھے۔ وہاں جب قوم کی ایک شاخ کے ایک بزرگ اور ان کے چند تعلق دار بھی نذر اجل ہو گئے تھے۔ اس شاخ یا اس خاندان کا عرف عام کھٹان تھا جس کی وجہ تسمیہ اب تک معلوم نہیں ہو سکی۔ یہ خاندان خالص فوجی خاندان تھا جب اس خاندان کا معرکہ لداخ میں خاتمہ ہوا ہے۔ تو اس کے باقیات الصالحات میں صرف اپنے وطن میں ایک جوان زندہ تھا جس کا نام شیر علی خاں تھا۔ مہاراجہ کو اس خاندان کی خدمات کا جب علم ہوا۔ تو شیر علی خاں کو جو سارے خاندان کا ایک ہی روشن چراغ تھا۔ بلایا۔ اور اس کو اصطبل خانہ کا افسر بنا دیا۔

جب مہاراجہ گلاب سنگھ کشمیر آئے۔ تو شیر علی خاں بھی ہمراہ تھا۔ اس نے کشمیر ہی میں مستقل طور پر رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ مہاراجہ نے اس کی خاندانی خدمات کے لحاظ سے تحصیل ناگام (موجودہ تحصیل بڈگام) میں اس کو چار سو ایکڑ رقبہ عطا فرمایا۔ شیر علی خاں کا صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ مہر علی خاں نام۔ چونکہ اب ان کی برادری یہیں کے لوگ



خواجہ غلام محی الدین خانصاحب بیگہ لوگ بڈگام کشمیر

تھے۔ اس لئے میر علی خاں کی شادی ایک معزز کشمیری خاندان کی لڑکی سے یہیں کر دی گئی۔

اس شادی کے بعد اس خاندان میں ایک تمدنی انقلاب آتا ہے۔ نہ وہ زبان رہتی ہے۔ نہ وہ لباس رہتا ہے۔ کشمیریت غالب اور ڈوگریت مغلوب ہوتی جاتی ہے۔ یہانتک کہ جب اس خاندان کا موجودہ ہیرو غلام محی الدین خاں پیدا ہوتا ہے۔ تو کشمیری ماں کی آغوش میں وہ پرورش پاتا ہے۔ اب حالت یہ ہے۔ کہ غلام محی الدین خاں میں جو اس خاندان کا سب سے بڑا بزرگ ہے۔ اور موضع یگہ پوگ تحصیل بڈگام میں سکونت پذیر ہے۔ اور دوسرے کشامرہ میں لباس۔ زبان۔ رسم و رواج۔ طرزِ معاشرت کسی بات میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

اس کے دادا شیر علی خاں کی اراضی سات گاؤں میں موجود ہے۔ وہ ایک سالم گاؤں چک شیرا کا جو اس کے دادا کا آباد کردہ ہے۔ واحد مالک ہے۔ اور وہاں نمبردار بھی ہے۔ سنا ہے تحصیل بڈگام میں کوئی دوسرا شخص غلام محی الدین خاں کے برابر نہ مالک اراضی ہے۔ اور نہ اس سے بڑا اس علاقہ میں کوئی مال گزار ہے۔ ذیلداری کے لئے ان کے کاغذات اعلیٰ حکام مال کے زیر غور ہیں۔

غلام محی الدین خاں بہت بڑی اراضی کے مالک ہی نہیں بلکہ وہ دولتِ اخلاق سے بھی مالا مال ہیں۔

کشمیر میں صرف دو ہی قومیں ہیں۔ جنہوں نے زمانۂ قدیم سے یہاں آکر اپنے تمدن اور اپنی زبان کو محفوظ رکھا ہے۔ ایک گجر قوم جو صدیوں سے یہاں آباد ہے۔ اس نے اپنے لباس و تمدن کو آج تک تبدیل نہیں کیا۔ حالانکہ وہ کشمیری زبان بھی جانتی ہے دوسری سکھ قوم ہے۔ جو مستقلاً ایک سو سال سے کشمیر میں موجود ہے۔ لیکن ابھی تک اپنی جداگانہ ہستی قائم رکھے ہوئے ہے۔ حالانکہ اس قوم میں اب کئی ذیلدار اور کئی نمبردار بھی موجود ہیں۔ گویا وطنیت کے لحاظ سے یہ لوگ خالص کشمیری ہیں۔

ان کے علاوہ دیگر غیر ملکی اقوام نے یہاں کے لوگوں کے ساتھ رشتہ داریاں قائم

کرکے اپنے تمدن کو بالکل مٹا دیا۔ سادات نقشبندیہ سادات قادریہ، خاندان میرزایان، افغان قبائل اور بعض دوسری اقوام اس کی زندہ نظیریں موجود ہیں۔

یہی حال راجپوت قوم کے ککّان خاندان کا بھی ہوا ہے۔ کوئی شخص ان کو اب غیر کشمیری تصور نہیں کرسکتا۔

شاہمیری

شاہ میر اس خوش نصیب شخص کا نام تھا۔ جو سواد کنیر (سرحد) سے مع اہل و عیال نقل مکان کرکے براہ پکھلی وغیرہ راجہ سہدیو والئے کشمیر کے عہد حکومت (سنہ ۷۲۰ھ مطابق سنہ ۱۳۱۹ء[1]) میں کشمیر پہنچا۔

ایک غریب الوطن سیلانی فقیر کے زہد و اتقا اور شائستہ گفتار و اقوال اور نیک عادات و اطوار سے خوش ہوکر راجہ نے اُسے ایک موضع جاگیر میں عطا کرکے اپنے مصاحبوں میں داخل کر لیا۔

سنہ ۱۳۲۴ء میں ایک تبتی شہزادہ ریخن نے راجہ سہدیو کی حکومت کا خاتمہ کرنے کے بعد دین اسلام قبول کرکے اور ملک صدرالدین نام رکھ کر تاج شاہی اپنے سر پہ رکھا۔ سنہ ۱۳۲۶ء میں ملک صدرالدین کے انتقال پر اُس کی بیوہ کوٹہ رانی نے جو رام چندر کی لڑکی تھی۔ راجہ سہدیو کے بھائی اودیان دیو کو جو حدود پکھلی میں پناہ گزیں تھا۔ وہاں سے بلاکر تخت کشمیر پر بٹھایا اور خود اس کے سلک زوجیت میں منسلک ہوکر اس کے نام پر حکمرانی کرنے لگی۔ رانی نے شاہ میر کو جو رفتہ رفتہ ملک میں اقتدار حاصل کر رہا تھا۔ وزارت کا عہدہ دیا۔ چار سال تک تو خوب کام چلتا رہا۔ لیکن سنہ ۱۳۳۱ء میں ترکوں نے پھر بہرہ پور کے رستے کشمیر پر حملہ کر دیا۔ ترکوں کا نام سنتے ہی اودیان دیو تبت کی

[1] زونہ راج ترنگنی مصنفہ پنڈت زونراج نے سنہ کا سمت ۱۳۹۵ لکھا ہے جس کے مطابق عیسوی ۱۳۳۸ء ہوتا ہے ۱۲

طرف بھاگ گیا۔ لیکن رانی اور شاہ میر نے ہمت نہ ہاری۔ نامہ و پیام۔ پند و نصائح وغیرہ سے کشمیریوں کے دلوں میں مقابلہ و مقاتلہ کا وہ جوش پیدا کیا۔ کہ سب کفن سر سے باندھ کر مرنے مارنے کو تیار ہو گئے۔ اور اس جوانمردی سے لڑے کہ ترکوں کو منہ کی کھا کر آخر واپس جانا پڑا۔

رانی نے شاہ میر کی بڑی عزت افزائی کی۔ اس کے دو نو بیٹوں جمشید اور علاء الدین کو کامراج میں اعلیٰ مناصب دیئے۔ شاہ میر اب کشمیر کے سیاہ و سفید کا مالک تھا امن و امان کے بعد بزدل اودیان دیو کو رانی نے پھر بلایا۔ اور شاہ میر کے مشورہ سے تخت پر بٹھایا۔ ۱۳۴۱ء میں اودیان دیو کے مرنے پر رانی نے اپنے بھائیوں کی مدد سے خود تاج پہن لیا۔

ارکانِ سلطنت کو رانی کی یہ حرکت جو اُس نے اپنے بھائیوں کے ایماء سے کی تھی پسند نہ آئی۔ شاہ میر بھی رانی کے خلاف ہو گیا۔ اور اپنے جد امجد نور شاہ کی اس پیشین گوئی کا منتظر رہنے لگا۔ جو اُس نے شاہ میر کی پیدائش پر اس کے باپ طاہر شاہ سے کی تھی کہ یہ لڑکا صاحبِ اقبال ہو گا۔ اور کشمیر میں جہاں اس وقت ہندو حکومت ہے۔ اس کو تختِ شاہی نصیب ہو گا۔ اور صدیوں تک اس کی اولاد وہاں حکومت کرے گی۔

آخر ۱۳۴۳ء میں شاہ میر نے اپنے دشمنوں کا قلع قمع کر کے کشمیر کے تختِ شاہی پر قدم رکھا۔ گو اس کی حکومت قریباً ۲½ سال ہی رہی۔ لیکن اس نے ملک میں کامل طور پر امن و امان قائم کر دیا۔ بادشاہ ہو کر اس نے اپنا نام سلطان شمس الدین رکھا۔ کشمیری سنہ سب سے پہلے اسی نے جاری کیا۔ جس کی ابتدا اس نے دورِ اسلام کے آغاز یعنی رینچن شاہ عرف ملک صدر الدین کی تاجپوشی سے رکھی۔ یہ سنہ مغل بادشاہوں کے زمانہ تک کشمیری سنہ کے نام سے کشمیر میں جاری رہا ہے۔

تاریخ فرشتہ میں شاہ میر کا مختصر سا نسب نامہ بھی درج ہے۔ جو اس طرح

ہے۔ شاہ میر بن شاہ طاہر بن آل بن کرشاسپ بن نیکو زرو۔ نیک دربو کا سلسلہ ارجن کے ساتھ ملایا ہے۔ جو پانڈو کا بیٹا تھا۔ اور چندر بنسی خاندان سے تھا۔

مکمل تاریخ کشمیر جلد دوم میں بھی نسب نامہ اسی طرح درج ہے۔ لیکن وہاں شاہ میر بن شاہ طاہر بن قور شاہ بن آل بن گرشت بن نیکو درو درج ہے۔ گویا تاریخ فرشتہ میں قور شاہ کا لفظ درج نہیں ہے۔ جس کی پیشین گوئی نے شاہ میر کو فقیری سے بادشاہی کے مرتبہ تک پہنچا دیا تھا۔

مولانا الف دین نفیس وکیل ڈسکہ نے بھی اپنی تصنیف "اسلام اور کشمیر" (مطبوعہ ۱۹۱۷ء) میں شاہ میر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "سلاطین کشمیر کا سلسلہ شاہ میر ہی سے شروع ہوتا ہے۔ پانڈو نسل سے تھا۔ اس کے آبا و اجداد کسی وقت مسلمان ہو گئے تھے" تصنیف تاریخ ہذا کے دوران میں زون راج ترنگنی کے انگریزی ترجمہ سے اس خاندان کے متعلق ذیل کی سطور معلوم ہوئی ہیں۔ "قور شاہ ایک غیر لفیہ خاندان سے تھا۔ اسکا فرزند طاراج (طاہر) تھا۔ اسی کا بیٹا شاہ میر تھا۔ شاہ میر کو جبکہ وہ شکار میں مصروف تھا۔ اور جہاں چند ساعت کیلئے اسکو غنودگی آگئی۔ بہادیوی نے امرت کے لفظوں میں اسکو بادشاہت کشمیر کی بشارت دی۔ چنانچہ وہ اپنے عزیزوں سمیت اپنے وطن سے کشمیر چلا آیا۔ جہاں راجہ کشمیر نے اسکی بہت عزت کی۔ اور اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔"

شاہ میر کی اولاد بہت پھلی پھولی۔ اس میں ۱۷۔ ۱۸ بادشاہ ہوئے۔ جنہوں نے ۲۱۱ برس تک کشمیر میں راج کیا۔ ان میں سلطان قطب الدین۔ سلطان شہاب الدین سلطان سکندر بت شکن۔ زین العابدین عرف بڈشاہ بڑے نامور بادشاہ گزرے ہیں۔

شاہ میر ۱۳۴۷ء میں انتقال کر گیا۔ مقبرہ اس کا سلطان بادشاہ کے نام سے سنبل میں موجود ہے۔ جس کو اندر کوٹ کہتے تھے۔ ع آمدہ شمس زیر سحاب تاریخ وفات ہے۔

اس کی اولاد شہمیری خاندان کے عرف سے اسی کے نام پر مشہور رہی۔ بڈشاہ[۹]

۹ ؎ ۲۰ اپریل ۱۹۳۲ء کے گرامی نامہ میں جناب محقق کاشمیری نے سرینگر سے متذکرہ صدر الفاظ تحریر کئے ہیں ۱۲

کے نام پر بڈشاہی خاندان بھی اسی طبقہ کا نام ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ کشمیر میں جہاں اس قوم نے دو سو سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی ہے۔ کسی شہمیری کا نام نظر نہیں آتا۔ البتہ پنجاب میں دو تین خاندان نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک خاندان کے تعلقات گو پنجاب کے ساتھ بھی ہیں لیکن اس کی اقامت کشمیر ہی میں ہے۔ دُوسرا خاندان نیپال میں تھا۔ پھر الہ آباد میں آیا اُس کا ذکر یُوپی کے برادران خطہ کے سلسلہ میں ہو گا۔

دو خاندان امرتسر میں بھی ہیں۔ ایک میاں نصیر الدین جن کے فرزند میاں غلام محمدؐ امرتسر کے کسی سکول میں ملازم ہیں۔ ایک خاندان خلیفہ عزیز الدین مرحوم کا ہے جن کے فرزند خلیفہ فخر الدین شیخ غلام صادق مرحوم کے کارخانۂ امرتسر میں ملازم ہیں۔

خان بہادر خواجہ محمدؐ غلام صادق اگزیکٹو افسر امرتسر کی دادی صاحبہ بھی شہمیری خاندان سے تھیں۔

خاندان خواجہ مظفر الدین احمدؐ شہمیری

جب لاہور میں راجہ دھیان سنگھ۔ راجہ گلاب سنگھ۔ راجہ سوچیت سنگھ۔ آسمانِ ترقی پر درخشندہ ستاروں کی مانند چمک رہے تھے۔ انہی ایام میں کشمیر کے ایک بزرگ میاں صدر الدین شہمیری نام راجہ سوچیت سنگھ والئے رام نگر (جموں) کے وزیر تھے۔ جب راجہ سوچیت سنگھ لاہور میں مارے گئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد راجہ گلاب سنگھ جموں وکشمیر کے فرمانروا ہو کر مہاراجہ گلاب سنگھ بن گئے۔ تو میاں صدر الدین کو مہاراجہ نے اپنے مقربوں اور مصاحبوں میں رکھ لیا۔ ایک مرتبہ راجہ گلاب سنگھ نے ان کو اپنا کمشنر حد بندی بھی مقرر کیا تھا۔ ان کے فرزند مولوی عمر الدین نے تجارت کو اپنا شغل بنایا۔ اُن کی کاروباری کوٹھیاں نورپور ضلع کانگڑہ بسوہلی۔ رام نگر وغیرہ میں تھیں۔ مولوی فیروز الدین مرحوم ان کے صاحبزادے تھے۔ وہ ابتدائے عمر میں ریاست

ہی ہیں تحصیل دار رہے۔ اور غالباً ریاست کے دونوں صوبوں میں سب سے پہلے وکیل تھے۔ بار ایسوسی ایشن کشمیر انہی کی قائم کردہ ہے۔ شعر و سخن میں آپ کو خاص ملکہ تھا۔ فائز تخلص تھا۔ مسدس حالی کو آپ ہی نے کشمیری میں نظم کیا۔ تاریخ سے خاص دلچسپی تھی۔ راقم حروف کے ملنے والوں میں تھے۔ خان بہادر شیخ غلام صادق اور خان بہادر شیخ غلام حسن مرحومین رؤسائے امرتسر رشتہ میں آپ کے ماموں تھے۔ ۱۱ر فروری سنہ ۱۹۳۳ء مطابق یکم پھاگن سنہ ۱۹۸۹ب کو نوشہرہ (متصل بھمبر) میں جہاں ان کے فرزند سشن جج تھے ۷۰ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

خواجہ مظفر الدین احمد شہمیری آپ کے اکلوتے فرزند ہیں۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں آپ نے بی۔ اے آنرز کیا۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں ایل۔ ایل۔ بی۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں لندن (انگلستان) جا کر لندن یونیورسٹی سے ایل۔ ایل۔ ایم یعنی ماسٹر آف لاز کی ڈگری حاصل کی۔ جو اس وقت تک نہ ریاست میں اور نہ پنجاب میں کسی نے حاصل کی ہے۔ اسی سال آپ نے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔

ریاست میں سات سال تک ہائی کورٹ میں وکالت کرنے کے بعد پبلک پراسیکیوٹر اور منصف و مجسٹریٹ درجہ اول اور ۱½ سال تک سشن ججی کے فرائض ادا کرنے کے بعد آج کل گورنمنٹ جموں و کشمیر کے ڈپٹی جنرل سکرٹری ہیں۔

گکڑو

کتاب بنام راجپوت گوتیں کا مصنف لکھتا ہے۔ کہ گکھڑ۔ کھوکھر۔ آوان وغیرہ چند اقوام کی نسبت مؤرخوں میں اختلاف ہے۔ بعض ان کو ہندو راجپوت ظاہر کرتے ہیں۔ بعض عرب و ایران کی جداگانہ اقوام بتاتے ہیں۔ لیکن اس کتاب کے مصنف نے ذاتی طور پر ان اقوام کو راجپوت ہی تسلیم کیا ہے۔

کھوکھر اور اعوان ہندوستان کی راجپوت اقوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا عرب و ایران سے ان کا تعلق ہے۔ اس کا ذکر ان اقوام کے حالات کے تحت درج کیا جائے گا۔ البتہ گکھڑ قوم کے متعلق لکھا جاتا ہے۔ کہ وہ ہندوستان ہی کی ایک قوم ہے۔ اور محمود غزنوی کے زمانہ میں وہ ہندو ہی تھی۔ چنانچہ ۳۹۳ھ میں جب محمود نے اننگ پال یا انند پال پسر راجہ جے پال لاہور کی گوشمالی کے لئے پنجاب پر حملہ کیا ہے۔ تو اوجین۔ گوالیار۔ کالنجر۔ قنوج۔ دہلی کے راجپوت لشکروں کے علاوہ پنجاب کے گکھڑ بھی جو راجپوتوں ہی کی ایک شاخ تھے۔ اس فوج میں شامل تھے۔ تاریخ فرشتہ کا مصنف اس لڑائی کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے۔ کہ گکھڑ کفار بھی اس لڑائی میں موجود تھے۔ پیادہ فوج میں گکھڑوں کی کثیر تعداد تھی۔ اور اننگ پال کا مقصد یہ تھا کہ یہ جم غفیر دیکھ کر سلطان محمود جنگ سے کنارہ کش ہو جائے۔ اس لڑائی میں پشاور کے متصل تین چار ہزار مسلمان طرفۃ العین میں گکھڑوں اور دوسرے راجپوتوں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے تھے"۔

دوسری مرتبہ ۵۸۰ھ میں جب شہاب الدین غوری بزمانہ خسرو ملک غزنوی بادشاہ لاہور نواح لاہور کو تاراج کر کے واپس جاتا ہے۔ تو خسرو ملک

کے اس ناکام حملہ میں جو اس نے شہاب الدین غوری کے تعمیر کردہ قلعہ سیالکوٹ پر کیا پھر گکھڑوں کا نام اس کے معاون کے طور پر آتا ہے۔ چنانچہ مصنف تاریخ فرشتہ لکھتا ہے۔ کہ خسرو ملک نے گکھڑوں اور دوسرے قبائل کفار کی مدد سے حصار سیالکوٹ کا محاصرہ کیا۔ لیکن اس کو بغیر فتح کرنے کے واپس آنا پڑا۔

سنہ ۶۰۲ھ میں بقول مصنف تاریخ فرشتہ شہاب الدین غوری بقصد جہاد کفار گکھڑان ہند غزنی سے لاہور آیا۔ گکھڑوں کا ملک آب نیلاب سے لے کر کوہ شوالک کے دامن تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ فرقہ مسلمانوں کا جانی دشمن تھا خصوصاً ان مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کمی نہ کرتا تھا۔ جو شہاب الدین غوری کی طرف سے بلدۂ پشاور اور اس کے نواح میں متعین تھے۔ سلطان نے جب ان کا قافیہ تنگ کیا۔ تو رئیس گکھڑاں نے بادشاہ کے پاس قبولیت اسلام کی عرضداشت پیش کی بادشاہ نے خلعت فاخرہ اور کمربند مرصع ارسال فرما کر اس کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ اور اس کی باتیں سن کر اور عنائت خسروانہ سے سرافراز کرکے اس کو مسلمان کیا۔ اور اس کی حکومت اسی کو بخش دی۔ اس رئیس کی تقلید میں اس کی قوم کے ہزارہا لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مصنف تاریخ فرشتہ لکھتا ہے۔ اس وقت سنہ ۱۰۱۸ھ ہے۔ یعنی گکھڑوں کے قبول اسلام کو چار سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن وہ دین اسلام پر سختی کے ساتھ ثابت قدم ہیں۔ اور راقم مؤلف کتاب ہذا کی رائے میں بھی اس وقت کہ سنہ ۱۳۵۲ھ ہے۔ یعنی گکھڑوں کے قبول اسلام کو ساڑھے سات سو سال گزر چکے ہیں۔ شیدائیان اسلام میں ان کا درجہ کسی اور مسلمان قوم سے کم نہیں ہے۔

شہاب الدین غوری اس فتنہ سے فراغت پاکر ۱۶ رجب سنہ ۶۰۲ھ کو لاہور سے غزنی کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا خیمہ دریائے اٹک کے کنارہ پر تھا۔ کہ بیس

غیر مسلم گکھڑوں نے جن کے عزیز واقارب اور فرزند شہاب الدین غوری کی لڑائی میں مارے گئے تھے۔ اس کے خیمہ میں داخل ہو کر نیند کی حالت ہی میں اُسے شہید کر دیا۔

۷۸۹ھ سے ۷۹۶ھ کے درمیان (بعہد سلطان ناصر الدین محمد شاہ بن سلطان فیروز شاہ باربک) گکھڑ قوم کے سردار شیخا اور اس کے بھائی جسرت گکھڑ کا نام تاریخ میں نظر آتا ہے۔ جنہوں نے قلعۂ لاہور پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ پھر تیموری حملہ (۸۰۰ھ) میں جسرت امیر تیمور کا مقابلہ کر کے اور شکست کھا کر اپنے مفرور بھائی شیخا گکھڑ کے پاس کوہستانِ جموں میں چلا جاتا ہے۔ شیخا گکھڑ امیر تیمور ہی کے ہاتھ سے جبکہ وہ جموں سے نکل کر لاہور پر قبضہ کر لیتا ہے۔ قتل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کا بھائی جسرت گکھڑ دہلی کے بادشاہوں لاہور و پنجاب کے حاکموں۔ جموں کے راجہ بھیم دیو وغیرہ کو اپنی فتنہ انگیزیوں سے ۸۵۵ھ تک پریشان کرتا رہا ہے۔

اسی جسرت خاں گکھڑ نے سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ کو جب وہ اپنے بھائی سلطان علی شاہ کا وزیر تھا۔ مدد دے کر کشمیر کی بادشاہی دلائی ہے۔ اس کے معاوضہ میں بڈشاہ بھی بادشاہ ہو کر پنجاب کے حملوں میں جسرت گکھڑ کو ہمیشہ مدد دیتا رہا ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب گکھڑوں کی قوم پہلی مرتبہ کشمیر میں داخل ہوئی۔ گکھڑ کشمیر میں دیر تک اقامت گزیں رہے۔ اور کئی لوگ وہیں رہ گئے۔ کمال خاں گکھڑ اور ابراہیم خاں گکھڑ نے سلطان کشمیر کی نمک حلالی میں بڑا نام پیدا کیا۔ اسی خاندان سے خواجہ احمد گکھڑ ایک نامی شخص گزرا ہے۔ وہ تارک الدنیا ہو کر پنجاب جا رہے تھے۔ کہ رستہ ہی میں سید شاہ روشن رح پکلی والہ کے مریدوں میں منسلک ہو گئے۔ اور انہی کے ارشاد کے مطابق کشمیر واپس آ کر بارہ مولا میں اقامت گزیں ہو گئے۔ اور تجارت اور بیوپار کا کام کرنے لگے۔ وہیں ان کی شادی بھی ہو گئی۔ تاریخ حسن میں لکھا ہے۔ کہ خواجہ احمد گکھڑ راجہ جسرت خاں

کی اولاد سے تھے۔

لارنس صاحب ویلی آف کشمیر میں لکھتے ہیں۔ اور صحیح لکھتے ہیں۔ کہ "بارہ مولا کے گگرو شیوخ کشمیر کے ہندوؤں سے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا نسبی تعلق پنجاب کے گکھڑوں کے ساتھ ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر علاقہ بارہ مولا میں پائے جاتے ہیں۔" گکھڑ سے گگرو کس طرح ہو گیا۔ اس کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے۔ کہ ایک شخص نے پنجاب سے خواجہ احمد گکھڑ کے نام ایک چٹھی تحریر کی۔ وہ چٹھی پہلے پہل ایک نیم ملا کے ہاتھ آئی۔ جس نے اس لفظ کو گہکر پڑھا۔ گہکر سے گگر ہو گیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد گگر نے گگرو کی شکل اختیار کر لی۔

بارہ مولا کا گگرو خاندان بارہ مولا کا گگرو خاندان کسی زمانہ میں بڑے عروج پر رہا ہے۔ اس عروج کی آخری جھلک راقم مؤلف نے بھی بارہ مولا میں دیکھی ہے۔ حاجی خواجہ عبد الصمد جو گگرو کا دیوان خانہ۔ ان کا باغ۔ مہمان خانہ۔ سری نگر میں ان کے بنگلے۔ خواجہ غفار جو گگرو اور ان کے برادران خواجہ امیر الدین گگرو اور قادر جو گگرو کی مہمان نوازیاں ان کے عالی شان مکانات اور ان کی بزم آرائیاں اب تک آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہیں۔ خواجہ امیر الدین مرحوم نے لنگیٹ میں بڑے جاہ و جلال کے ساتھ عرصۂ دراز تک تحصیلداری کی ہے۔ حاجی عبد الصمد گگرو کے حلقۂ احباب کی وسعت کشمیر کے علاوہ پنجاب ہندوستان اور برہما تک پھیلی ہوئی تھی۔ لاہور اور علی گڈھ کے اسلامی جلسوں میں وہ قریباً ہر سال شامل ہوتے رہے ہیں۔ جامع مسجد بارہ مولا گو بہت قدیم تھی۔ لیکن بہت خستہ حال تھی۔ انہی کی سعی جمیلہ سے ۱۳۱۳ھ میں از سر نو تعمیر ہوئی۔ ان کا فرزند کلاں خواجہ غلام نبی دو سال سے آنکھوں سے معذور ہو چکا ہے۔ ان کے دو اور صاحبزادے ہیں۔ (۱) خواجہ عنایت اللہ گگرو (۲) خواجہ حبیب اللہ گگرو دونوں بارہ مولا میں ابھی زیر

متعلیم ہیں۔

خواجہ عزیز جوگگڑو اس خاندان کے متمول بزرگوں میں تھے۔ لاہور میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مزار کے ساتھ جو عالیشان مسجد ہے۔ وہ اسی بزرگ کی دینی حمیت کی یادگار ہے آجکل اس خاندان میں صرف خواجہ محمد مقبول ہی قابلِ ذکر ہے۔ جو قومی اسلامی اور اصلاحی کاموں میں خوب دلچسپی لیتا رہتا ہے۔

نایک

تاریخ گلشن کشمیر (غیر مطبوعہ) میں لکھا ہے۔ کہ "نایک برہمنوں کے ایک مقتدر طبقہ کا نام ہے۔ بعض اس کو نایک کہتے ہیں۔ بعض نیایک یہ بھی لکھا ہے۔ کہ نایک سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنے منطقی دانشمند کے ہیں۔ منطق کو سنسکرت میں نیا اور منطقی کو نیایک کہتے ہیں۔"

لیکن یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ جو شخص علم منطق میں صاحبِ کمال ہو۔ وہ ضرور برہمن قوم ہی سے ہو۔ اور چونکہ کشمیر کے طویل قدیم ہندو عہدِ حکومت میں برہمنوں نے سوائے اس زمانہ کے جس کو خاندان اودیا دیو[۱] کی حکومت کا زمانہ کہتے ہیں۔ کشمیر میں کبھی

---

[۱] یہ خاندان قدیم ہندو حکمرانوں کا آخری خاندان تھا جو ۱۱۷۱ء سے ۱۳۲۶ء تک کشمیر پر حکمران رہا ہے۔ اسی خاندان کے بعد کشمیر میں اسلامی حکومت شروع ہوتی ہے۔ اودیا دیو سے پانچویں پشت میں راجہ رام دیو ہوا ہے۔ اس نے ایک برہمن زادہ بھیم دیو کو متبنٰی کر لیا تھا۔ جس کی تیسری پشت راجہ اودیان دیو کے بعد شاہ میر عرف سلطان شمس الدین کشمیر کا بادشاہ ہو گیا۔

بادشاہی نہیں کی۔ اور اسی تاریخ گلشن کشمیر میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ قدیم راجگان ہنود کے زمانہ میں چھوٹے چھوٹے سرداروں کو بھی نایک کہتے تھے۔ اور یہ عہدہ موروثی ہوتا تھا۔ اور معمولی مقدمات میں ان کو کامل اختیارات بھی حاصل تھے۔ یہ الفاظ بتاتے ہیں۔ کہ لارنس صاحب نے ویلی آف کشمیر میں اس قوم کے متعلق جو یہ لکھا ہے۔ کہ اس قوم کے لوگ قبول اسلام سے پیشتر کھشتری تھے۔ وہی درحقیقت صحیح ہے۔

نایک طبقہ کے افراد ہندو عہد حکومت اور اسلامی دور میں بھی ہمیشہ ملکی انقلابات میں نمایاں حصہ لیتے رہے ہیں۔ چنانچہ سوگندا رانی کے عہد حکومت (۹۲۱ء لغایت ۹۲۳ء) میں نایکوں نے تانتروں کے ساتھ مل کر ملک میں وہ طوفان پیدا کر دیا۔ کہ رانی کو مجبوراً حکومت سے دست بردار ہونے کے بغیر کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔

زین العابدین عرف بڈشاہ کے زمانہ (۱۴۲۳ء لغایت ۱۴۷۴ء) میں تاریخ کشمیر میں پھر اس قوم کا ذکر آتا ہے۔ جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نایکوں نے پانڈو چک سکنہ ترہگام کی اولاد سے تعلق خویشاوندی قائم کر لیا تھا۔ چک وہی قوم ہے۔ جو قسمت کی یاوری سے شاہ میری خاندان کے بعد کشمیر میں کئی سال تک حکمران رہی ہے۔

سلاطین کشمیر کے دور آخر (۱۵۸۵ء لغایت ۱۵۸۶ء) میں جبکہ جلال الدین اکبر بادشاہ کی فوجیں کشمیر پر دوسرا حملہ کر رہی تھیں۔ اس قوم کا پھر ذکر آتا ہے۔ یعقوب شاہ چک ان دنوں حکمران کشمیر تھا۔ لڑائی کا رخ بدلتا دیکھ کر ابراہیم نایک اور شنگی نایک اپنے اپنے لشکروں سمیت غنیم سے جا ملے۔ مگر قاسم نایک اپنے ہمنام دشمن میرزا قاسم میر بحری سے برابر لڑتا رہا۔ تاریخ میں لکھا ہے۔ کہ قاسم نایک ہر چند اس لڑائی میں مارا گیا۔ مگر اس کا لڑکا ظفر نایک مغلوں کے ساتھ اس جوش و خروش سے لڑا کہ اکبری افواج میں کئی دفعہ تزلزل پیدا ہو گیا۔

اس فرقہ نے اولیائے کرام کی خدمت کرنے اور اس خدمت سے فیض اٹھانے

میں خاصہ نام پیدا کیا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت شمس الدین نایک خلیفہ حضرت بابا نصیب الدین غازی صاحب کشف و کرامات بیان کئے جاتے ہیں۔

اس طبقہ کے افراد آجکل کشمیر کے دیہات میں کثرت سے آباد ہیں۔ اور زراعت پر گزر اوقات کرتے ہیں۔ ان کے چند گھر امرتسر و سیالکوٹ میں بھی ہیں۔ جن کا ذکر پنجاب کے برادران اہل خطہ میں درج ہوگا۔

بھٹی

اس امر کو تو تمام مورخین نے تسلیم کیا ہے۔ کہ کشمیر میں عرصہ دراز تک راجپوتوں کے مختلف خاندانوں نے حکومت کی ہے۔ اور اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان خاندانوں کی ذریات بھی کسی نہ کسی عُرف یا اَل کی صورت میں کشمیر میں اب تک موجود ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ بھٹی راجپوت بھی کشمیر میں موجود نہ ہوں۔ گو یہ صحیح ہے۔ کہ صدیوں کی وطنیت کشمیر نے خدوخال اور طرز تمدن اور لباس و زبان کی تبدیلی سے ان کی شناخت محال کر دی ہے۔

سر والٹر لارنس اور دیگر مورخین نے کشمیر میں قدیم کشتریوں کے خاندانوں کی موجودگی تسلیم کی ہے۔ پنڈت کلہن کی راج ترنگنی نے بھی جو آج سے ۸۰۰ سال پیشتر کی تصنیف ہے۔ کشمیر میں کشتری خاندانوں کی حکومت کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن مختلف عرفوں اور مختلف اَلوں نے اصل گوتوں پر اس قدر پردہ ڈال رکھا ہے۔ کہ کسی قدیم کشتری خاندان کی اصل ذات معلوم کرنا عقدۂ لاینحل ثابت ہو رہا ہے۔ ڈانگر۔ ڈار۔ تانترے۔ ماگرے وغیرہ کئی اقوام جن کو سب نے کشتری تسلیم کیا ہے۔ اپنی اصل گوت بتانے سے عاری ہیں۔ ڈانگر کی ابتداء ڈامر سے ہوتی ہے۔ ڈامر کو کسی نے خطاب بتایا ہے۔ کسی نے سرکش اور خودسر ہونے

کی وجہ سے اس گروہ کا یہ نام رکھا ہے۔ ڈامر ہی سے ڈانگر بن گیا ہے۔ ڈانگر سے اب ڈار عرف عام ہے۔ اور چونکہ تاریخ کشمیر لفظ ڈامر کا استعمال دو ہزار سال سے بھی پیشتر کا بتا رہی ہے۔ اس لئے گوت یا جنس کی اصلیت کا پتہ چلانا فی الواقعہ بہت دشوار ہے۔

صرف ایک گروہ ایسا ہے۔ جو اب تک اپنی اصلی گوت سے کشمیر میں نہیں۔ بلکہ پنجاب میں مشہور ہے۔ اس کا نام بھٹی ہے۔ بھٹی چندر بنسی خاندان سے ہیں۔ سری کرشن جی کی نانویں پشت میں راجہ گج ہوا ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ غزنی اسی کا بسایا ہوا ہے۔ اصل نام گجنی تھا۔ پھر غزنی ہو گیا۔ کوئی راولپنڈی کو گجنی پورہ بتاتا ہے۔ اور لکھتا ہے۔ کہ اس کا دار الحکومت یہی تھا۔

مردم شماری کی رپورٹوں اور انگریز مؤرخوں اور ان کی تقلید میں ہندوستانی مصنفین نے بھی راجپوتوں کی حکومت کا پتہ کشمیر تک چلایا ہے چنانچہ مصنف "راجپوت گوتیں" لکھتا ہے۔ کہ بھٹی حکومت چونکہ کشمیر میں بہت عرصہ تک رہی ہے۔ اس لئے ہم راجپوتوں کے اکثر قبیلوں کو بھٹی ہی سمجھتے ہیں۔ (یہ نہیں واضح کیا گیا۔ کہ کشمیر کے راجپوتوں کے قبیلوں کو بھٹی سمجھتے ہیں۔ یا پنجاب کے راجپوتوں کے قبیلوں کو) اسی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر درج ہے۔ کہ "جنرل کننگھم کی رائے کے بموجب بھٹی ابتداء میں کوہستان نمک اور کشمیر پر قابض تھے۔ (پنجاب میں ان کا صدر مقام گجنی پورہ (راولپنڈی) تھا) ۱۳۲۹ء تک کشمیر میں ان کی حکومت رہی۔"

جنرل کننگھم کی رائے سے کشمیر کے تاریخی واقعات کا بھی اتفاق ہے۔ یا نہیں اس کے لئے ہمیں یہ بتانے کی ضرورت ہے۔ کہ کشمیر کا آخری قدیم ہندو حکمران خاندان "خاندان اوپیا دیو" کہلاتا ہے۔ اوپیا دیو کون تھا۔ اس کے متعلق بعض تواریخوں میں لکھا ہے۔ کہ اس کے حسب نسب کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے۔ وہ بھی کسی شاہی خاندان سے تھا۔ اس راجہ کی اولاد کشمیر میں نزمانہ بے استقلالی سمیت ۱۱۶۷ء

سے ۱۳۴۳ء تک حکمران رہی ہے۔ بلکہ اس خاندان کے آخری چار راجے ۱۲۷۹ء سے ۱۳۴۳ء تک متبنیٰ ہونے کی وجہ سے برہمن قوم سے تھے۔ بہرحال تاریخ نے چونکہ ان سب راجاؤں کو ایک ہی خاندان تصور کیا ہے۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں۔ اگر یہ خاندان بقول جنرل کننگھم بھٹی راجپوتوں ہی کا ہو۔

"مصنف تاریخ راجپوتان پنجاب[1] نے راجہ گج کے حملۂ کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "یہی راجہ گج تھا جس نے گندھرپ کپل والئے کشمیر پر چڑھائی کی اور اس کی دختر بیاہی جس سے راجہ سالباہن اوّل پیدا ہوا" اس کی تصدیق وتکذیب کے لئے جب ہم کشمیر کی مشہور تاریخ راج ترنگنی دیکھتے ہیں۔ تو وہاں ہمیں کوئی راجہ گندھرپ کپل کے نام سے نظر نہیں آتا۔ البتہ راج ترنگنی کے تیسرے ترنگ کے راجاؤں میں گندھرپ سین ایک راجہ گزرا ہے۔ جس کا زمانہ ۳۰۵ء سے ۳۴۲ء مطابق ۳۶۲ سنہ ب لغایت ۳۹۹ سنہ ب تھا۔ اس راجہ کے عہد میں کشمیر میں ضرور بدامنی وابتری تھی۔ بلکہ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ پنجاب وغیرہ کئی ممالک اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ لیکن کسی بیرونی راجہ نے نہیں بلکہ کشمیر ہی کے ایک پناہ گزیں شاہزادہ لچھمن نے اس بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر اس کو شکست دی اور آپ قابض ہو گیا۔ تاریخ کشمیر میں راجہ گندھرپ سین پر مذ راجہ گج کے حملہ کا ذکر ہے نہ اس کی راجکماری راجہ گج سے بیاہی گئی ہے۔ راجہ گج کے سات پڑپوتے تھے۔ سب سے بڑے کا نام بھٹی تھا۔ راجپوتوں کا بھٹی یا بھاٹی خاندان اسی کے نام سے شروع ہوتا ہے۔

حکومت جموں وکشمیر نے ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں مسلمان اقوام کے صرف چند ہی نام بتائے ہیں۔ اگر تمام اقوام کی نام بنام مردم شماری بتائی جاتی۔ تو شاید بھٹی قوم کا وجود بھی نظر آ جاتا۔ چند اقوام کے نام بتا کر آخر میں "مسلمانوں کی دیگر اقوام" لکھ کر اُن کی مردم

[1] مصنفہ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ جلد اول صفحہ ۶۸

شماری ۱۹۲۴ء تماد دی گئی ہے۔ حالانکہ چار لاکھ بارہ ہزار مسلمانوں میں کئی ذاتیں اور کئی قومیں شامل ہوں گی لیکن "تفصیل" کو "تکلیف" سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ البتہ ڈریو صاحب نے اپنی کتاب جموں و کشمیر میں کشمیر کے بھٹی راجپوتوں کا وجود تسلیم کیا ہے۔ اس نے پنجاب کی بڑی بڑی کشمیری قوموں کا ذکر کرتے ہوئے بٹ یا بائی (Battan) کا نام بھی لکھا ہے۔ جو یقیناً بھٹی یا بھائی کا مترادف ہے۔

کشمیر میں جس طرح اور اقوام آٹھویں صدی ہجری میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ اسی طرح یہ قوم بھی جس کی سیاسی و زرعی حیثیت دیگر زمیندارہ اقوام سے کم نہ تھی۔ انہی ایام میں مشرف بہ اسلام ہو چکی تھی۔ اس کے اکثر افراد پنجاب کے مختلف اضلاع میں مختلف حالات کی وجہ سے مختلف اوقات میں کشمیر سے آکر آباد ہو چکے ہیں۔ ان میں سے بعض خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔

لون

سروالٹر لارنس مصنف دیلی آف کشمیر سابق کمشنر بندوبست کشمیر کے خیال میں لون طبقہ ہندوؤں کے فرقہ ویش سے تعلق رکھتا ہے۔ سر لارنس نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰۶ پر ایک دیہاتی زمیندار کی زبانی یہ بھی لکھا ہے۔ کہ اس قبیلہ کے لوگ اپنے آپ کو چیلاس سے آیا ہوا ظاہر کرتے ہیں۔ سر لارنس نے دونو دعووں کے لئے کوئی دلیل نہیں دی۔ لون طبقہ کے چیلاس سے آنے کو تو راج ترنگنی کے مترجم سٹائن صاحب نے بھی تسلیم نہیں کیا۔ جنہوں نے کئی سال کشمیر کے قدیم دیہاتوں اور قبیلوں کی اصلیت کی چھان بین ہی میں صرف کر دیئے۔ اور پھر ایک دیہاتی کی روائت اعتبار و اعتماد کے لحاظ سے جو پایہ رکھتی ہے۔ وہ بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔

سرلارنس کے اس خیال سے کہ لون طبقہ کا تعلق فرقہ ولیش سے ہے۔ راقم مؤلف کو تاریخی نکتہ نگاہ سے قطعاً اختلاف ہے۔ ولیش ہندو عہد قدیم میں (اور اب بھی) ایک خالص تجارتی گروہ ہے۔ لیکن سرلارنس کشمیر کے لون طبقہ کی تجارت کا کوئی ثبوت نہیں دے سکے۔ برعکس اس کے جب سے اس قوم کا ذکر تاریخ کشمیر کے صفحات پر آیا ہے۔ اس قوم کو ہم نے ہمیشہ ملکی نظم ونسق اور سیاسی اتار چڑھاؤ میں حصہ لیتے دیکھا ہے۔

آج سے تقریباً ساڑھے آٹھ سو سال بیشتر سب سے پہلے اس قوم کا نام راج ترنگنی میں بعہد راجہ ہرش (۱۱۰۰ء) لونیا نام سے آتا ہے۔ چنانچہ راج ترنگنی حصۂ اوّل کے صفحہ ۳۳۷ پر فٹ نوٹ ۵۹۹ء میں سٹین صاحب لکھتے ہیں "لونیا قوم کے لوگ جن کا ذکر اس جگہ پہلی مرتبہ آیا ہے۔ ان ملکی تکالیف میں بہت سا حصہ لیتے رہے ہیں جن کا ذکر راج ترنگنی کلہن کے ترنگ ۷ و ۸ میں آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کشمیر کی دیہاتی آبادی کا نہائت اہم حصہ تھے۔ چنانچہ تنتریوں (موجودہ نام تانترے) کے نام کی طرح ان کا نام بھی آج تک لونی (یا لون) کی صورت میں برابر قائم ہے۔ ان کی ابتدا کا کچھ حال معلوم نہیں۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ لونیا مالکان اراضی اور ایک سرکردہ قبیلہ کی حیثیت میں نہائت اہم درجہ رکھتے ہوں گے۔"

راجہ ہرش دیو تین طبقوں کا دشمن تھا۔ ڈامر اور لونیہ قبائل کا تو اس لئے کہ ان کا سیاسی اقتدار اس کے تخت وتاج کے لئے خطرہ کا باعث تھا۔ اور برہمنوں کا اس لئے کہ ان کا مذہبی رسوخ جو سارے ملک پر چھایا ہوا تھا۔ اس کے لئے سوہان روح تھا۔ چنانچہ اس راجہ نے اپنے ظالم گورنر نندا کے ذریعہ تینوں قوموں کے سرکردہ لوگوں کو چن چن کر مروا دیا۔ راج ترنگنی کی جلد اول کے صفحہ ۳۸۷ پر اس کے مظالم کی تفصیل درج ہے۔ مختصر یہ ہے۔ کہ اس نے کسی با اثر برہمن کو زندہ نہ چھوڑا۔ مدوراجیہ ڈامروں کو اس طرح ہلاک کیا۔ جیسے کوئی شکاری کسی پرندہ کو اس کے

گھونسلہ ہی میں مار دیتا ہے۔ لوُنیا قوم سے اس راجہ کو اس درجہ عداوت تھی کہ جو مسافر ان کے علاقہ میں جایا کرتے تھے۔ وہ بھی قتل کر دیئے جاتے تھے۔ گورنر راجہ کے پاس لونیا سرداروں کے سر کاٹ کر بطور تحفہ بھیجا کرتا تھا۔ جب راجہ کہیں جاتا تھا۔ تو راجہ کے استقبال کے لئے لونیا قوم کے کاٹے ہوئے سروں کو مصنوعی دروازوں پر لٹکایا جاتا تھا۔ یہانتک کہ لونیا قوم کی عورتوں کو بھی پھانسی کی سزائیں ملنے لگیں۔ یہ حالت دیکھ کر لونیا قوم کے کئی لوگوں نے ملیچھوں (یہ الفاظ راج ترنگنی کے ہیں) کے ملک میں جاکر مذہب تبدیل کر لیا۔ اور بعض رہٹوں اور چکیوں میں مزدوری کرکے پیٹ پالنے لگے۔

پنڈت کلہن راج ترنگنی (ترجمہ جلد اوّل صفحہ ۴۰۷) میں شہزادگان اوچل و سُسل کی فراری (۱۱۰۰ء) کے موقع پر لونیا قوم کے دو سرداروں کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے۔ کہ "پرشست راج اور سل راج لونیا قوم کے دو بااثر بھائی ان شہزادوں کو باہر لے گئے"۔ بابو جوگیش چندر دت بنگالی نے سٹین صاحب سے بھی پہلے راج ترنگنی کا ترجمہ کیا ہے۔ وہ اپنے ترجمہ میں ان الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "پرشست راج لونیا نے راجہ کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرنے کے ارادہ سے اپنے چھوٹے بھائی سل راج کے ذریعہ ان دونوں شہزادوں کو اپنے ہاں طلب کیا"۔ سطور بالا کے اندراج سے ہمارا مطلب یہ ہے۔ کہ لونیا تجارتی گروہ نہ تھا۔ اور نہ فرقہ ویش سے اس کا تعلق تھا وہ ایک خالص جنگ جُو طبقہ تھا۔ اور اس کا ثبوت کشمیر کی ہر تاریخ اپنے ہر صفحہ سے دے رہی ہے۔

راجہ ہرش کو آخر لونیا (لون) قوم اور طبقہ ڈامران (ڈانگے) ہی نے نابود کیا۔ اور

لہ سٹین صاحب نے ایک جگہ اپنے نوٹوں میں لکھا ہے۔ کہ کلہن کے بعض شلوکوں سے واضح ہوتا ہے۔ کہ لون بھی ڈامر ہی تھے۔ لیکن سطور بالا سے جو راج ترنگنی ہی سے لی گئی ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ لون اور ڈامر علیحدہ علیحدہ قبیلے تھے۔

انہی کی مدد سے راجہ اوچل تخت پر بیٹھا۔ یہ دونوں قومیں راجہ اوچل راجہ سوسل راجہ ورتی دیو وغیرہ کے عہد میں برسر اقتدار ہیں۔ بلکہ خاندان راجہ جے سنگھ کا خاتمہ (۱۱۷۱ء میں) فرقہ لون ہی کے ہاتھ سے ہوا۔ اور اسی گروہ کی استعانت و مدد سے اوپیا دیو کشمیر کا راجہ بنا۔ اس راجہ کے عہد میں اس قوم کا بڑا عروج تھا۔ راجہ ان کے سامنے بُتِ بے جان کی طرح کھڑا رہتا تھا۔ تمام سِول اور فوجی محکمے اسی قوم کے زیرِ اثر تھے۔ راجہ کی وفات (۱۱۸۶ء) کے بعد اس کا بھائی رسہ دیو راجہ بنا اور وہ بھی لون سرداروں کے مشورہ کے بغیر کوئی حکم احکام جاری نہ کر سکتا تھا۔ غرض ہندو عہدِ قدیم کے اواخر تک لونیا فرقہ کے سیاسی اقتدار کا پتہ چلتا ہے۔

جب کشمیر میں مسلمانوں کا دَور دورہ ہوا۔ تو سلطان شمس الدین شہمیری کے عہدِ حکومت (۱۳۴۳ء لغائت ۱۳۴۷ء) میں اس فرقہ نے جو اس وقت تک ہندو مذہب کا پیرو تھا۔ ہندوؤں کی تحریک سے یا خود بخود ہی ہندوؤں کا اور بالخصوص اپنا کھویا ہوا عروج و اقتدار دوبارہ حاصل کرنے کے لئے ملک میں ایک عام شورش برپا کر دی۔ اس وقت تک مسلمانوں کی زیادہ تعداد دارالحکومت (سری نگر) ہی میں تھی۔ اور دیہات میں کہیں کوئی خال خال ہی مسلمان نظر آتا تھا۔ لیکن سلطان کی ذاتی شجاعت اور اس کی سیاسی تدبیروں کے بے پناہ سمندر کے آگے یہ تمام شورش خس و خاشاک کی طرح بہ گئی۔ بغاوت فرو کرنے کے بعد سلطان نے رفتہ رفتہ لون طبقہ کو ملکی اور فوجی امورات سے ہٹانا شروع کیا۔ اور اپنی حکومت اور اسلام کے استحکام کی مصلحت اس میں سوچی کہ کسی ایک قوم کو امورات ملکی و مالی میں زیادہ اقتدار نہ دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے ماگرے اور چک قوم کو بڑھانا شروع کر دیا۔ اور اقوام کی باہمی رقابت سے اس کی یہ چال بڑی کارگر ثابت ہوئی۔

یوسف شاہ چک بادشاہ کشمیر کے زمانۂ اول (۹۸۶ھ) میں جبکہ یوسف شاہ اور اس کے چچا ابدال خاں میں تخت و تاج کے لئے بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ تو فرقہ

لون کے ایک رئیس جہانگیر لون کا نام تاریخ میں نظر آتا ہے۔ جو ابدال خاں برادر علی شاہ چک بادشاہ کشمیر کا معتبر خاص تھا۔ ابدال خاں اپنے بھائی کے مراسم تکفین و تدفین میں شامل ہونے کے لئے عہد و پیمان جہانگیر لون ہی کے ذریعہ طے کرتا ہے۔

لون طبقہ کس زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوا؟ اس کے متعلق قیاساً یہی کہا جا سکتا ہے۔ کہ کچھ لوگ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کے کشمیر آنے سے پیشتر اور بہت زیادہ ان کے قیام کشمیر کے دوران میں دیگر اقوام کے ساتھ مسلمان ہو گئے ہوں گے۔

زونزراج کی راج ترنگنی میں بھی جو بڈشاہ کے زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ لونیہ فرقہ کا کئی جگہ ذکر آتا ہے۔ شری ور نے بھی اپنی راج ترنگنی میں اس قوم کی سیاسیات کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عرصۂ دراز تک کشمیر میں اس طبقہ کی خاصی اہمیت قائم رہی ہے۔ ایسی قوم جس کی قریباً آٹھ نو سو سالہ تاریخی زندگی اس کے سیاسی و زرعی مشاغل کے سوا اس کا کوئی اور شغل ہمارے سامنے پیش نہیں کرتی۔ یقیناً کسی کشتری خاندان ہی کی یادگار ہو سکتی ہے۔ اور ہر چند کہ کشمیر میں غیر ملکی حکومتوں نے اقوام کشمیر کی فوجی سپرٹ کو کچل دینے کی جو پالیسی صدہا سال سے قائم کر رکھی ہے۔ اس کا سلسلہ اب تک جاری ہے لیکن کشمیر کی جن مہاجر اقوام کو پنجاب میں اپنی شجاعت و بہادری دکھانے کا موقع دیا گیا ہے۔ انہوں نے بیسیوں صوبیدار۔ صوبیدار میجر۔ لفٹنٹ۔ کپتان اور کئی فوجی جاگیردار پیدا کر دیئے ہیں۔

رپورٹ مردم شماری جموں و کشمیر بابت ۱۸۹۱ء بھی ہمارے دعویٰ کی تائید کرتی ہے۔ جہاں پرے قوم کے حالات میں ایک جگہ نہیں۔ بلکہ دو تین جگہ لون اور پرے اور چند اور اقوام کو راجپوت اور لڑا کا قوم ظاہر کیا گیا ہے۔ اور مردم شماری صوبہ سرحد و پنجاب بابت ۱۹۱۱ء میں لون طبقہ کے ۲۲۹ افراد کو راجپوت کشمیریوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔

کشمیر کی دیگر مشہور اقوام کی طرح اب لون قوم بھی زراعت ہی کا کاروبار کرتی ہے۔ چنانچہ راج ترنگنی کے حواشی صفحہ ۹۴ پر سٹین صاحب لکھتے ہیں کہ ونیہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔ اور اب تک لون نام گرام کشمیر کے کثیر التعداد مزارعین کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کے خیال میں لون اور رینہ ایک ہی قبیلہ کا نام ہے۔ اس کا ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہے۔ کہ اصل لفظ رینہ تھا۔ رینہ سے بگڑ کر رُن ہوگیا۔ اور رُن یا رُون نے بتدریج لُن یا لون کا جامہ پہن لیا۔ چنانچہ اس وقت بھی تحصیل پلوامہ کا ایک ذیلدار خواجہ مختار لون (سکنہ موضع ٹکن بٹ پورہ) مختہ رون بھی اور مختہ رینہ بھی کہلاتا ہے۔ اور تحصیل کولگام کے ایک ذیلدار سید اللہ رُون کو سید اللہ رینہ بھی کہتے ہیں۔ لیکن راقم مؤلف کے خیال میں لون اور رینہ دو علیحدہ علیحدہ قبیلے ہیں مصنف تاریخ حسن بھی لکھتا ہے:" قوم لون خطاب رینہ گی باخود شامل مے دارد غلط است وآں قبیلہ علیحدہ است"۔ کشمیر کی تاریخوں سے لون یا لونیہ قبیلہ کی موجودگی کا ثبوت قریباً ایک ہزار سال سے مل رہا ہے۔ اور رینہ قوم کا بانی راجہ مولچند (رانا) نام کانگڑہ کے ضلع سے راجہ جے سنگھ (۱۱۳۵ء لغائت ۱۱۶۵ء) کے عہد میں کشمیر میں آتا ہے جس کی تفصیلات رینہ قوم کے حالات میں بیان کردی گئی ہیں۔

کشمیر میں لون طبقہ کے کئی مشہور خاندان ہیں۔ اور سب زراعت پیشہ ہیں جنوبی کشمیر میں ناسنور (متصل شوپیاں) میں مولوی محمد عبد اللہ وکیل سری نگر اس قبیلہ کے ایک سرکردہ رکن ہیں۔ ان کے بڑے صاحبزادے مولوی عبدالرحیم ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی جو کشمیر کے سب سے پہلے مسلم اخبار صداقت کے مالک و ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ اور سیاسیات کشمیر میں بھی شیخ محمد عبد اللہ صدر مسلم کانفرنس جموں و کشمیر کے دوش بدوش حصہ لیتے رہے ہیں۔ آجکل ریاست میں تحصیلدار

ہیں۔آپ کے دوسرے صاحبزادہ مسٹر محمد ایوب صابر کواپریٹو سوسائیٹیز کشمیر میں سب انسپکٹر تھے۔ تحریک کشمیر ان کو بھی سیاسیات میں لے آئی۔ عرصہ تک صداقت کے ایڈیٹر رہے۔ اب دو ماہ سے جلاوطن ہیں۔ اور دیگر جلاوطنوں کے ساتھ لاہور میں مقیم ہیں۔ یہ خاندان جو احمدی عقائد کا پابند ہے۔ اپنے آپ کو ریشہ بھی لکھا کرتا ہے۔

لون طبقہ کا ایک نامور خاندان شمالی کشمیر میں ہے۔ جس کے دو معزز رُکن خواجہ عزیز لون اور ان کے بھائی خواجہ صدیق لون خاص شہرت رکھتے ہیں۔ خواجہ عزیز لون اپنے علاقہ کے ذیلدار بھی ہیں۔ ان کا ایک صاحبزادہ عبدالاحد لون اس وقت سری نگر کے ایس۔ پی کالج میں تعلیم پا رہا ہے۔ لڑکا ہونہار ہے۔ اور توقع ہے کہ وہ فارغ التحصیل ہو کر اپنی سرکاری یا غیر سرکاری خدمات سے ملک کی نیک نامی و ناموری کا باعث ہوگا۔ اس خاندان کا ہیڈ کوارٹر ماگام ہے۔ جو ہندواڑہ سے بجانب شمال چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

لون طبقہ کے کئی خاندان کشمیر سے ہجرت کر کے اس وقت پنجاب میں مستقل طور پر سالہا سال سے مقیم ہیں۔ ان میں سے چند خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں کیا جائے گا۔

سنہ ۱۹۱۱ء کی ریاستی مردم شماری کے مطابق لون فرقہ کی تعداد صوبہ جموں میں ۸۱۲۶۔ سرحدی اضلاع میں ۴۳۵۔ قلمرو کشمیر میں ۵۱۸۴۸ اور کُل ریاست میں ۵۱۹۳۱ تھی۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں اس فرقہ کی کل تعداد ۶۹۳۶۷ ہے۔ جس میں ۳۱۲۴۳ مرد اور ۳۰۰۵۵ عورتیں ہیں۔ گویا بیس سال میں اس قوم میں ۱۷۴۳۶ نفوس کا اضافہ ہو گیا ہے۔

تحصیل ہندواڑہ میں خواجہ رمضان لون ذیلدار بڈگام اپنی تحصیل کے مشہور ذیلدار ہیں

ڈار

جموں و کشمیر کی سب سے پہلی مردم شماری (۱۸۹۱ء) کے صفحہ ۱۳۱-۱۶۴ و ۱۶۶ پر کشمیر کی جن مشہور زراعت پیشہ اقوام کا ذکر ہے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ پنڈت صوفی۔ بٹ۔ ایتو۔ تانترے۔ ڈار۔ راٹھر۔ ریشی۔ ریہ۔ کھانڈی۔ گنائی۔

رپورٹ ہذا میں متذکرہ صدر گیارہ ذاتوں کو جہاں زراعت پیشہ لکھا گیا ہے۔ وہاں ان کو بار بار "برہمن کاشتکار" کی حیثیت سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ہمیں ان گیارہ ذاتوں میں دو ذاتوں کے سوا باقی ذاتوں کے برہمن ہونے میں کلام ہے۔ اور خود سپرنٹنڈنٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء کو بھی اپنی اس تحقیقات پر چنداں اعتماد نہیں ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۴۱ پر وہ لکھتا ہے۔ کہ "ریاست کی آیندہ مردم شماری میں اگر بموجب ان قواعد کے عمل درآمد ہوا۔ جو مابعد تجویز کئے جائیں گے۔ تو صرف نقشہ جات ہی دلچسپ نہ ہوں گے۔ بلکہ ذاتوں کی اصل نسل کا حال بھی خالی از لطف نہ ہوگا۔"

سر والٹر لارنس ویلی آف کشمیر میں لکھتے ہیں۔ "وہ شیوخ جو کھتریوں سے مسلمان ہوئے ہیں۔ اپنی رگوں میں جنگجو خون رکھتے ہیں۔ اور ان کی اعلیٰ ذاتیں حسب ذیل ہیں۔ "ماگرے تانترے۔ ڈار۔ ڈانگر۔ ریہ۔ راٹھر۔ ٹھاکر[1]۔ نایک"۔ تاریخ حسن کے مصنف نے بھی ان

---

[1] کشمیر میں قدیم ٹھاکر مسلمان راقم الحروف کو کوئی معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ مہاراجہ ہری سنگھ موجودہ فرمانروائے کشمیر نے حال ہی میں دو جلیل القدر فرزندانِ توحید کو جاگیر وغیرہ دے کر ٹھاکر کا خطاب دے دیا ہے۔ ایک کرنیل سردار ٹھاکر رحمت اللہ خاں جو مہاراجہ بہادر کی فوج کے افسر اعلیٰ ہیں۔ دوسرے خان بہادر جسٹس آغا ٹھاکر سید حسین جو رضوی سادات ہیں۔ کشمیر کی (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۸۸)

ذاتوں کو ہندوؤں کے طبقہ دوم یعنی کھشتریوں کی جنگجو شاخ ظاہر کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ یہ اقوام قدیم راجگان کشمیر کے عہد سے لے کر سلاطین مغلیہ کے زمانہ تک صاحب ریاست و حکومت گزری ہیں۔ اسی طرح مولوی محمد سعادت مفتی نے بھی اپنی (غیر مطبوعہ) تاریخ گلشن کشمیر میں ڈار طبقہ کو کھشتری لکھا ہے۔ اور اس قوم نے قدیم ہندو راجگان و سلاطین کشمیر کے زمانہ میں جس جنگی قابلیت کا ثبوت دیا ہے۔ وہ بھی ان کو کھشتری ہی ثابت کرتی ہے۔

کلہن علاقہ لہر (لار) کے ایک مشہور ڈامر کوشلھک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ جب وہ ایک جنگ میں مہلک طور پر زخمی ہوگیا۔ تو اس کی بیوی نے اس کے مرنے سے پیشتر ہی اس کی زندگی سے مایوس ہو کر اور ستی ہونے کے لئے چتا پر بیٹھ کر اپنی راجپوتی آن کو قائم رکھا۔ پھر لکھا ہے۔ کہ ڈامروں کی لڑکیوں کی شادیاں شاہی خاندان کے افراد کے ساتھ ہوا کرتی تھیں۔ گرگ چندر ڈامر کی دونوں لڑکیاں راجہ سوسل کی رانیاں تھیں۔ اسی گرگ چندر کے ہاں جب ایک دفعہ راجہ سلہن نے جس کو گرگ چندر نے خود تخت پر بٹھایا تھا۔ دھاتما سہیل کی معرفت اپنی شادی کا پیغام بھیجا تو گرگ چندر نے غصہ سے لال پیلے ہو کر جواب دیا تھا کہ میں کسی بزدل راجہ کو اپنی بیٹی نہیں دے سکتا۔

کشمندر نے (بعہد راجہ اننت و کلش) اپنی کتاب سمے ماتر کا و لوک پرکاش میں جن کے حوالے سٹین نے بھی دیئے ہیں۔ ڈامروں کا ذکر کرتے ہوئے سمر سنگھ ڈامر جو تاپر میں رہا کرتا تھا، کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ اسم بامسمیٰ تھا یعنی "شیر میدانِ جنگ"۔ اور یہی سمر سنگھ کے معنی ہیں۔

ڈامر کی تعریف و تشریح میں مؤرخوں کی مختلف رائیں ہیں۔ ولسن صاحب لکھتے

تاریخوں میں ٹھکور قبیلہ کے ملک مسعود۔ ملک جلال وغیرہ نامور رؤسا کا ذکر ہے۔ لیکن وہ کوہ غور (افغانستان) کے رہنے والے تھے معلوم نہیں وہ غوری سے ٹھکور کس طرح ہوگئے۔ اور ٹھکور کا مفہوم کیا ہے؟

ہیں۔ کہ ڈامر ایک تند اور ناقابل مطیع قبیلہ تھا۔ جو کشمیر کے شمالی پہاڑوں میں آباد تھا سینٹ پیٹرز برگ ڈکشنری کے مصنفوں نے ولسن صاحب ہی کے خیالات کو مدنظر رکھ کر ڈامر کے معنے سرکش اور فسادی بتائے ہیں۔ ایک اور یورپین پروفیسر ایچ کرن نے ڈامر کو اعلیٰ مالگزار اراضی دار یا بیرن (نواب) بتایا ہے۔ سٹین صاحب نے جو راج ترنگنی کے انگریزی مترجم ہیں۔ لکھا ہے۔ کہ میرے خیال میں میری تحقیقات کے مطابق ڈامر کا لفظ اسم معرفہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

معلوم ہوتا ہے۔ لفظ ڈامر کا رواج کشمیر میں بہت عرصہ سے ہے۔ چنانچہ راجہ للتادیتہ (سنہ ۷ء تا ۷۳۶ء) اپنے جانشینوں کو ہدایات دیتا ہوا کہتا ہے۔ کہ کاشتکاروں کے پاس ایک سال سے زیادہ عرصہ تک کے گزارہ کی زمین نہ رہنے دو ورنہ وہ خوفناک ڈامر بن کر تمہارے لئے مصیبت کا باعث ہو جائیں گے۔

سنگرام ڈامر کمزور راجگان کشمیر کے طویل عہدِ حکومت میں ایک زبردست اور ناقابلِ تسخیر ہستی کا مالک تھا۔ گرگ چندر یا گگن چندر ڈامر کو تو پنڈت کلہن نے بھی اپنے زمانہ کا "بادشاہ گر" لکھا ہے۔ وہ جس کو چاہتا تھا۔ تخت پر بٹھاتا تھا۔ اور جسے چاہتا تھا۔ معزول کر دیتا تھا۔ پرگنہ دیوسرس (دیوہ سر) کے ڈامر برہتّ تک سوکستم تک اور وچے (جو گگن چندر بانی موضع گگنہ گیر کا خسر پورہ تھا) بہت شجاع اور بہادر گزرے ہیں۔ راج ترنگنی ان کے شجاعانہ کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ راجہ اننت۔ راجہ ہرش۔ راجہ سلہن۔ راجہ اوچل۔ راجہ سوسّل اور ان کے بعد کے کئی راجے اس قوم کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح حرکتیں کرتے رہے ہیں۔

ہندو عہد قدیم کے آخری پانچ چھ سو سالوں میں کشمیر میں چند ایک اور اقوام لون وغیرہ کے علاوہ ڈامروں۔ ایکانگیوں اور تانتروں کا بڑا زور رہا ہے۔ ہر حکمران ان تینوں قوموں میں سے کسی نہ کسی قوم کے ساتھ ساز باز رکھنے ہی سے زندہ رہ سکتا تھا۔ ان

اقوام میں سے ڈامر قوم کو فوجی طاقت اور زرعی اہمیت کی وجہ سے کشمیر کا ایک نیم آزاد قبیلہ تسلیم کیا گیا ہے۔

اس قبیلہ کے سردار اپنے علیحدہ سوار اور پیادہ فوجیں رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ مسلح رہتے تھے۔ چنانچہ راجہ اونتی ورما نے جب علاقہ لار کے ایک زبردست ڈامر کو تنبیہ کرنے کے لئے اپنے دربار میں بلایا۔ اور وہ بڑے اصرار کے بعد آیا۔ تو بقول پنڈت کلھن مصنف راج ترنگنی اس کے جتنے ہمراہی تھے وہ سب مسلح تھے۔ راجہ ہرش نے اپنے زمانہ میں ان لوگوں سے ہتھیار چھین لینے کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے ان کی شورش اور ان کے انکار پر ان کے کئی سرداروں کو قتل کرا دیا۔ لیکن جب راجہ ہرش کے زوال کے دن آئے۔ تو بقول پنڈت کلھن یہی ڈامر جن کا اس نے اپنی طرف سے قلع قمع کر دیا تھا۔ راجہ اوچل کو تخت پر بٹھانے کے لئے تمام علاقوں سے اس طرح نکل آئے۔ جیسے برف پگھلنے کے بعد شہد کی مکھیاں اپنے سوراخوں سے نکل آتی ہیں۔ راجہ اوچل نے تخت پر بیٹھ کر گرگ چندر کے بھائی جنک چندر اور دوسرے ڈامروں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔

پنڈت کلھن راج ترنگنی میں جیک نامی ایک ڈامر کی دولتمندی[1] کے متعلق لکھتا ہے۔ کہ اس کے پاس اس قدر غیر معمولی دولت تھی کہ جب راجہ کلش نے اس کے دفینہ پر قبضہ کر لیا۔ تو اس کی ساری مالی مشکلات دور ہو گئیں۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی مذکور ہے۔ کہ ان کے قبضہ میں مضبوط قسم کے قلعے ہوتے تھے"۔

اب ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ڈامر سے ڈانگر لفظ کا کیا تعلق ہے۔ راجہ ہرش

[1] راج ترنگنی میں لکھا ہے۔ کہ جیک وسیع زمینداری کا مالک تھا وہ ایک با جگذار رئیس تھا۔ مالگزاری کے علاوہ ممالک بعید میں اجناس خوردنی کی برآمد گریکھ وہ غیر معمولی دولت اور ایک زبردست مسلح فوج کا مالک تھا۔ راجہ کلش سے جنگ کے دوران میں مارا گیا۔

(سنہ ۱۱۱۲ء سے سنہ ۱۱۲۰ء) کے زمانہ میں ڈامر لفظ بھی موجود تھا لیکن اسی زمانہ میں یہ لفظ ڈانگر کی شکل اختیار کر چکا تھا جیسا کہ گلدستہ کشمیر کا ہندو مصنف پنڈت ہرگوپال کول (صفحہ ۲۸ پر) راجہ ہرش اور اس کے وزیر بجے مل کی لڑائی کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے۔ کہ "بجے مل جو راجہ سے شکست کھا کر دردستان میں پناہ گزین تھا۔ آغاز بہار میں ڈانگر قوم کی مدد لے کر لڑائی کو نکلا"۔ کشمیر کے مسلمان مؤرخین نے بھی راجہ ہرش کے زمانہ ہی میں ڈانگر کے لفظ کا استعمال کیا ہے۔ راجہ سلہن کے زمانہ میں بھی جہاں گرگ چندر یا گگن چندر مشہور بادشاہ گر ڈامر کا ذکر آتا ہے۔ وہاں لکھا ہے۔ کہ اس نے مشیر سلطنت ہو کر اپنی ہی قوم کے ان ڈانگر افراد کو چن چن کر قتل کرایا جن کو وہ اپنے لئے خار راہ سمجھتا تھا۔

راجہ سوسل بار ثانی کے عہد میں لون قوم کے اقتدار کے ساتھ جس دوسری قوم کو طاقتور بتایا گیا ہے۔ وہ ڈانگر قوم ہی ہے۔ کشمیر کے آخری قدیم ہندو حکمران خاندان لوہیا دیو (حکومت قریباً ۱۵۰ سو سال) کے عہد میں کشمیر کی مشہور لڑاکا اقوام نائک۔ ایکانگی یا وانگی۔ ڈانگر۔ لون وغیرہ کا جہاں ذکر آتا ہے۔ وہاں ڈامر لفظ کو مؤرخین نے بالکل بھلا دیا ہے۔ گویا اس زمانہ میں ڈامر کا لفظ ڈانگر کی مستقل شکل اختیار کر چکا تھا۔

اب ڈامر لفظ پر تیسرا دور آتا ہے۔ یعنی ڈامر سے ڈانگر تو بن گیا۔ اب ڈامر سے ڈار کب بنا۔

راجگانِ قدیم کشمیر کے بعد جب مسلمان سلاطین کا زمانہ (سنہ ۱۳۲۵ء مطابق سنہ ۷۲۵ھ) آیا۔ تو اس قوم نے بھی دیگر اقوام کے ساتھ مذہب اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنے پولٹیکل کارناموں اور ذاتی شجاعانہ اوصاف کے باعث اپنا اقتدار و رسوخ برابر قائم رکھا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ رفتہ رفتہ جدید حکومت کے ارکان کا ایک ضروری جزو سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ سلطان فتح شاہ جب اول مرتبہ (سنہ ۸۹۵ھ تا سنہ ۸۹۸ھ) کشمیر کا بادشاہ ہوا ہے۔ تو کاروبار مملکت ملک سیف ڈار کے مشورہ کے بغیر سرانجام نہ دے

سکتا تھا۔ بلکہ اگر سیف ڈار اس کی معاونت نہ کرتا۔ تو وہ کبھی تخت و تاج بھی حاصل نہ کر سکتا۔

اسلامی عہد حکومت میں سب سے پہلے ملک سیف ڈار کے نام کے ساتھ ہی ڈار کا لفظ نظر آتا ہے۔ جس طرح ہندو عہد حکومت کے آخری ایام میں ڈامر کو کبھی ڈانگر لکھا جاتا رہا ہے اور کبھی ڈامر۔ اسی طرح ملک سیف ڈار کے بعد بھی کبھی ڈار اس قوم کے لئے لکھا گیا ہے۔ اور کبھی ڈانگر۔ مثلاً "سلطان فتح شاہ بار دوم[1] کے زمانہ میں جب ملک شمس چک ملک سیف ڈار کو قتل کرانے کے بعد خود مدار المہام بنا۔ تو اس نے نشہ غرور و تکبر میں دوسری اقوام کے امرائے دولت کو دربار سے نکالنا شروع کر دیا۔ موسیٰ رینہ اور ابراہیم ماگرے جو اس کے قدیم ساتھیوں میں تھے۔ اس ذلت کو برداشت نہ کر سکے۔ آخر ان کے اشارہ سے ملک سیف ڈار کے متعلقین اور ابراہیم ڈار ملوران کی قوم ڈانگر کے چند افراد جو ملک سیف ڈار کا قصاص لینے کے لئے موقع کی تاڑ میں تھے۔ ملک شمس چک پر ٹوٹ پڑے۔ اور گو ان میں سے کئی ایک مارے گئے۔ لیکن آخر اس کو قتل کر کے ہی واپس آئے"۔

سطور بالا میں اس قوم کے لئے ڈار اور ڈانگر دونوں لفظ موجود ہیں۔

معلوم ہوتا ہے۔ اسی زمانہ میں ڈار قوم کے اقتدار کا تنزل شروع ہو گیا تھا۔ تاریخ کشمیر میں لکھا ہے کہ سلطان فتح شاہ بار دوم کے عہد میں شمس چک کے بعد جب موسیٰ رینہ وزیر سلطنت بنا تو اس نے بھی اپنے سابقہ وزیر کی روش اختیار کر کے چکوں اور ڈانگروں کو پامال اور ذلیل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ان اقوام کے بڑے بڑے رئیس اور رئیس زادے اور نامی ارکان موسیٰ رینہ کے بیٹے علی رینہ کی اردل میں پیدل چلا کرتے تھے۔

سنہ ۱۵۱۰ء میں ابراہیم ماگرے نے بادشاہ تک رسائی و اعتماد حاصل کر کے موسیٰ رینہ کا قصہ ختم کر دیا۔ اسی زمانہ میں قوم ڈانگر نے اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنے کے لئے

[1] سنہ ۹۰۷ھ لغایت سنہ ۹۲۰ھ مطابق سنہ ۱۵۰۱ء لغایت سنہ ۱۵۱۴ء

ایک دفعہ پھر ہاتھ پاؤں مارے۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔

ملک سیف ڈار کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اس کو بعہد سلاطین حسن شاہ، محمد شاہ اور فتح شاہ عروج کامل حاصل رہا ہے۔ اس نے ٹنگی پورہ کے قریب برلب دریا ایک عالیشان باغ تعمیر کرایا۔ جو عرصہ تک باغ سیف ڈار کے نام سے موسوم رہا۔ پٹھانوں کے زمانہ میں ڈار قوم کے نام پر اس باغ کا نام ڈارہ باغ تھا۔ امیر خاں جوان شیر ناظم کشمیر نے اس باغ میں ایک وسیع دیوان خانہ تعمیر کرایا۔ اور باغ کی عمارات ہی میں اس نے اپنی عدالت گاہ بھی قائم کی۔ اور پھر ڈارہ باغ کے گرد ایک سنگین فصیل تعمیر کرا کر اور اسے ایک قلعہ کی صورت دے کر آئے دن کے سیلابوں سے بھی محفوظ کر دیا۔ اور اس کے اندر اور کئی عمارتوں کا اضافہ کر کے اپنے نام پر اس کا نام شیر گڈھی[1] رکھا۔ یعقوب شاہ چک کا نائب السلطنت علی ڈار (۱۵۸۰ء) میں تھا۔ علی ڈار کے بعد ہی یعقوب شاہ نے محمد بٹ شیعہ کو وزیر بنایا تھا۔ کشمیر کی دیگر اقوام کی طرح ڈار قوم بھی اب کشمیر کے مضافات و دیہات میں پھیلی ہوئی ہے۔ دیہاتی آبادی کا شغل زراعت ہی ہے۔ اس قوم میں کئی ذیلدار اور ستھیدار نمبردار اور سفید پوش مالکان اراضی موجود ہیں۔

ڈار قوم کی آبادی ریاست جموں و کشمیر میں ۱۸۹۱ء میں ۶۸۹۴۹ نفوس پر مشتمل تھی۔ بیس سال کے بعد ۱۹۱۱ء میں اس قوم کی تعداد ۹۸۳۲۱ ہو گئی۔ اب تازہ مردم شماری ۱۹۳۱ء کے رو سے ڈار قوم کی آبادی ۱۱۸۳۶۶ ہے۔ جس میں ۶۴۴۶۰ مرد اور ۵۳۹۰۶ عورتیں ہیں۔ بہ الفاظ دیگر چالیس سال کے عرصہ میں اس قوم میں قریباً دگنا اضافہ ہو گیا ہے۔

---

[1] مہاراجہ گلاب سنگھ، مہاراجہ رنبیر سنگھ اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے محلات اور شاہی دفاتر اسی شیر گڈھی میں رہے ہیں۔ اب مہاراجہ سر ہری سنگھ موجودہ فرمانروائے کشمیر نے محلات گوپکار میں تعمیر کرائے ہیں۔ اور شیر گڈھی کے زنانہ محلات بھی دفاتر ہی بنا دیئے ہیں۔

کشمیر میں ڈاروں اور ڈانگروں کے نام پر کئی مواضعات آباد ہیں۔ جن کی تفصیل تحصیل وار حسب ذیل ہے۔

تحصیل بڈگام۔ (۱) چندو ڈانگر پورہ۔ آبادی ۵۴۳ نفر۔ (۲) ڈانگر پورہ آبادی ۱۰۲ نفر۔ (۳) گنڈ بیہ ڈار آبادی ۶۳ نفوس (۴) ڈانگر پورہ آبادی ۴۵ نفر۔

تحصیل بارہ مولا۔ (۱) سرور ڈانگر پورہ آبادی ۲۲۱ نفر (۲) سرائے ڈانگر پورہ ۱۰۴ نفر۔

تحصیل اوتر مچھی پورہ (۱) مکان شریف ڈار۔ ۱۰۰ نفوس (۲) ہیب ڈانگر پورہ ۸۰۴ نفوس (۳) ڈانگر پورہ زینہ گیر ۱۷۴۱۔

تحصیل کولگام۔ (۱) مکان ڈانگر پورہ نفوس ۲۳۲ (۲) ڈانگر پورہ شوپیاں ۱۲۷ نفر (۳) حاجی ڈار پورہ ۱۴ نفر۔

تحصیل خاص (۱) ڈانگر پورہ۔ ۷۸ نفوس۔

کشمیر میں اس قوم کے نام پر ۱۳ مواضعات آباد ہیں۔ اور ان میں ڈانگر پورہ زینہ گیر جو راقم مؤلف کے وطن ہردوشیوہ نزیل سوپور کے رستہ میں ہے۔ سب سے بڑا ہے۔

معلوم ہوا ہے۔ کہ اس موضع کا نام بٹوں کی آبادی کی وجہ سے پہلے بٹ بُگ تھا۔ پھر شاہ سید محمد خاں کی زیارت اور ان کے باغ کی وجہ سے اس موضع کا نام خانہ باغ مشہور ہو گیا۔ ان کے دو خادم تھے۔ ایک گنائی قبیلہ سے تھا۔ ایک تلیل[1] کے علاقہ کا ڈار یا ڈانگر تھا۔ جو پہلے علاقہ میں کُٹ راج مشہور تھا۔ رعایا پر حکمرانی نہیں بلکہ ظلمرانی کرتا

[1] ہندو عہد قدیم میں بھی اس علاقہ میں ڈامروں کا زور رہا ہے۔ گگن چندر ڈامر کا قلعہ وگدہ گھارت اسی علاقہ میں گریز کی حدود میں تھا۔

تھا۔ رعایا نے تنگ آمد بہ جنگ آمد کے مقولہ کے مطابق جب اس کا گھر بار جلا دیا۔ تو یہ خانہ باغ میں آکر خانصاحب کا خادم ہو گیا۔ اب اس کی اولاد و ذریات گاؤں کی قریباً نصف آبادی پر مشتمل ہے۔ اس گاؤں کے دو نمبردار ہیں۔ ایک احسن ڈار اور دوسرا احمد راتھر۔ اس موضع میں گنائی۔ پنڈت۔ راتھر۔ بیگ۔ نائک۔ میر۔ وانی۔ بٹ۔ تانترے۔ خان سید۔ چوپان۔ لون پرے۔ ڈار یا ڈانگر وغیرہ کئی اقوام آباد ہیں۔ اور ڈار سب سے زیادہ ہیں۔ اور سب زراعت کرتے ہیں۔

اس گاؤں کی ۱½ ہزار آبادی میں سے تیس سے زیادہ لڑکے پرائمری پاس بھی ہیں۔

خاندان رمضان ڈار ذیلدار

بڈگام کی تحصیل میں ایک قدیم موضع سوئی بگ کے نام سے ہے۔ جہاں سنا جاتا ہے۔ کہ کسی زمانہ میں ملک سیف ڈار کی اولاد کثیر تعداد میں تھی۔ لیکن انقلاب زمانہ نے جب سوئی بگ[۱] کے طبقہ ڈاراں پر بھی اپنا اثر ڈالا۔ تو بہت سے گھرانے کشمیر کے دیگر دیہات و مفصلات میں پھیل گئے۔ چنانچہ بارہ مولا کے متصلہ موضع ہوئیں کے محمد ڈار نمبردار[۲] کا قدیم وطن سوئی بگ ہی ہے۔ اکبر ڈار ذیلدار دربہ گام کے بزرگ بھی سوئی بگ ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ ننگیٹ اور ہانگا میں چند گھر ایسے ڈاروں کے ہیں۔ جن کے بزرگوں کا قدیم وطن ہردو شیوہ ترک کرنے سے پیشتر سوئی بگ ہی تھا

---

[۱] ۱۹۳۲ء کے سفر کشمیر میں راقم مؤلف نے جب بڈگام میں محمد میر ذیلدار سوئی بگ سے سوئی بگ کے طبقہ ڈاراں کے متعلق کچھ دریافت کیا۔ تو اس نے کہا کہ اب اس موضع میں ڈار قوم کے صرف چند ہی گھر آباد ہیں اور وہ بھی معمولی حالت میں ہیں۔ یہ سب لوگ اور ڈار قوم کے وہ لوگ جو یہاں سے نقل مکانی کر کے دیگر مواضعات میں گئے ہیں۔ ملک سیف ڈار ہی کی اولاد سے ہیں۔

[۲] ۱۹۳۲ء کے سفر کشمیر میں راقم موضع ہوئیں گیا تھا اور محمد ڈار نے اسے خود بتایا تھا کہ اسکے بزرگوں کا تعلق سوئی بگ کے ڈاروں سے ہے۔

سوئی بگ کے ڈاروں میں ایک نوح ڈار تھا جس نے ہردو شیوہ نزیل سوپور میں خانہ داماد ہو کر نقل مکانی کر لی۔ ہند ڈار اس کا بیٹا اور عید ڈار اس کا پوتا تھا۔ عید ڈار کے دو فرزند تھے۔ ایک حید ڈار دوسرا شہبی ڈار۔

حید ڈار کے دو فرزند تھے۔ بڑا اسمٰعیل ڈار جس کی کچھ اولاد ہردو شیوہ میں ہے۔ اور چونکہ اس کا فرزند جمال ڈار موضع ہانگا متصل لنگیٹ میں خانہ داماد ہو کر آباد ہو گیا تھا۔ اس لئے اسمٰعیل ڈار کی کچھ ذریت ہانگہ و لنگیٹ میں ہے۔ حید ڈار کے چھوٹے بیٹے کا نام حسن ڈار تھا۔ اس کی اولاد کا کثیر حصہ پنجاب میں آباد ہے۔ اسکا علیحدہ ذکر ہو گا سبحان ڈار یا شئی ڈار کی اولاد مستقل طور پر ہردو شیوہ میں آباد ہے۔ اس کے دو فرزند تھے۔ ابراہیم اور کریم۔ ابراہیم کی چوتھی پشت میں رمضان ڈار زینہ گیر کا نامور ذیلدار گزرا ہے۔ جس کو راقم مؤلف نے بھی دیکھا تھا۔ اور جس کا خاندانی شجرہ راقم مؤلف کے ساتھ عید ڈار اور نوح ڈار تک برابر چلا جاتا ہے۔ ۱۹۱۵ء یا ۱۹۱۶ء میں رمضان ڈار حسب ذیل تین فرزند، عبداللہ ڈار۔ منور ڈار۔ انور ڈار چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ اب اس کے فرزندوں میں منور ڈار ذیلدار اور عبداللہ نمبردار ہے۔ عبداللہ ڈار کے چار فرزند حسب ذیل ہیں۔ گگہ ڈار۔ احسن ڈار۔ لسی ڈار۔ سلطان ڈار۔ منور ڈار کے فرزندان حسب ذیل ہیں۔ محمد مقبول ڈار۔ عبدالرحمٰن ڈار۔ غلام احمد ڈار۔ غلام محمد ڈار۔ انور ڈار کا صرف ایک ہی فرزند غلام نبی ڈار ہے۔

خاندان منشی غلام محمد خادم ڈار

آپ کا سلسلہ نسب رمضان ڈار ذیلدار مرحوم سکنہ ہردو شیوہ زینہ گیر کے ساتھ چند پشت اوپر جا کر ملتا ہے۔ آپ کے دادا حسن ڈار پٹھانوں کے عہد میں پنجاب چلے گئے تھے۔ حسن ڈار کی اولاد کی کثیر تعداد پنجاب کے مختلف مقامات میں آباد ہے۔ آپ قریباً پچاس ساٹھ سال سے کشمیر ہی میں متمکن ہیں۔ ایک شادی علاقہ زینہ گیر کے موضع گوری پورہ ہی میں کی جس سے تین لڑکیوں کے علاوہ حسب ذیل چار فرزند بھی ہیں۔



منشی غلام محمد صاحب خادم سفید پوش علاقہ زنگیر کشمیر

(۱) محمد عبداللہ۔ (۲) منظور الحق۔ (۳) محمد ریاض۔ (۴) ظفر الاسلام۔ آپ یہاں وسیع زمینداری کے مالک ہیں۔ اور اپنے علاقہ کے سفید پوش بھی ہیں۔ کشمیر کے مواضعات ہردو شیوہ امرزلواری اور رحیم نار کے علاوہ پنجاب میں بھی آپ کی اراضی موجود ہے۔ اصلاحی۔ قومی۔ تعلیمی اور سیاسی جلسوں کی شمولیت میں آپ نمایاں حصہ لیتے رہتے ہیں آپ کی عمر اس وقت ۷۵ سال کے قریب ہے۔ آپ کا سب سے بڑا لڑکا مظفر دین پنجاب میں زمینداری کاروبار میں مصروف ہے۔ راقم مؤلف (محمد الدین فوق) آپ کا حقیقی برادر زادہ ہے۔ ہردو شیوہ میں قریباً ۹ گھر ڈار قوم کے ہیں۔ جنمیں پندرہ یک جدی ہیں۔

خاندان اکبر ڈار ذیلدار دربہ گام

دربہ گام علاقہ شوپیاں کا یہ معزز خاندان بھی سوئی بگ کے طبقہ ڈاران کی ایک شاخ ہے۔ قریباً چودہ پندرہ سال کا عرصہ گزرا ہے۔ راقم مؤلف دربہ گام میں خواجہ اکبر ڈار ذیلدار کے ہاں مقیم تھا۔ وہیں انہوں نے اپنا سلسلہ نسب بیان کیا۔ اور بتایا کہ ہمارے بزرگ کئی پشتوں سے سوئی بگ ہی سے آکر یہاں مقیم ہوئے ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں ان کے والد خلیل ڈار ذیلدار تھے۔

دربہ گام میں ایک شاعر ملا عطاء اللہ عطائی کے نام سے ہوئے ہیں۔ "انشائے عطائی" جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اور خواجہ اکبر ڈار کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ انہی کی تصنیف ہے۔ جیسا کہ اس انشار کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ انشار خواجہ خلیل ڈار ذیلدار مرحوم کے دادا اشرف ڈار نے اپنے فرزند عبد الرسول معروف بہ رشی ڈار جو خلیل ڈار کے والد تھے۔ کے لئے لکھوایا تھا۔ گویا یہ خاندان پشت ہا پشت ہی سے علم کا حامی و سرپرست چلا آتا ہے۔ ترغیب حصول علم کے لئے ملا عطائی نے اس میں ایک نظم بھی لکھی ہے۔ چونکہ یہ نظم مفید عام ہے۔ اور آج تک غیر طبع ہونے کی وجہ سے گوشہ گمنامی میں ہے۔ اس لئے اس کے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

علم است رہبر تر ترا	علم است یاور تو ترا	علم است تاج سر ترا	بالہجہ والحاں بخواں
بے علم داں گاو خرے	بے علم دانی ابترے	با علم شد خوش گوہرے	بالہجہ والحاں بخواں
فرمودۂ علمِ لدن	ہر جا کمال علم کن	با جاہلاں صحبت مکن	بالہجہ والحاں بخواں
مشقِ خط و درس و سبق	کن روز و شب از بہر حق	مے خواں کتابہ ہر ورق	بالہجہ والحاں بخواں
آخر ز دنیا اے جواں	ہر کس شود بے خانماں	علم ہست او دار الاماں	بالہجہ والحاں بخواں
پندِ عطائی گوش کن	ساغر ز دانش نوش کن	در ہر کلامے ہوش کن	بالہجہ والحاں بخواں

خواجہ اکبر ڈار اپنے آباؤ اجداد کی طرح نہائت علم دوست - علم پرور اور قومی ہمدرد نوجوان ہیں - آپ بلاد اسلامیہ - عراق - بغداد شریف - بصرہ - کربلائے معلّیٰ - کاظمین اشرف - نجف اشرف کی زیارت کر چکے ہیں - مذہباً سنی الحنفی ہیں - اپنی ذیل (جس میں قریباً ۳۰ دیہات ہیں) کے جملہ مقدمات و تنازعات کا بالعموم خود ہی فیصلہ کرتے ہیں امیر ہونے کے باوجود منکسر المزاج ہیں - اور صحیح معنوں میں محب الفقراء ہیں - جنوری ۱۹۳۲ء میں خداوندِ کریم نے آپ کو ایک فرزندِ نرینہ بھی (محمد شفیع نام) دیا ہے -

خاندان سنگرام ڈار چرار شریف

شیخ العالم شیخ نور الدین ولیؒ کے زمانہ میں زمیندار قوم سے ایک نامی شخص سنگرام ڈار چرار شریف میں گزرا ہے - تاریخ کبیر کشمیر میں صفحہ ۱۰۸ پر اس کی حیثیت و شخصیت کے متعلق ذیل کے الفاظ درج ہیں "سنگرام ڈار از قوم زمینداراں مالدار و نامدار و کامگار و رئیس موضع چرار بود"-

سنگرام ڈار شیخ نور الدین ولیؒ کے مرید تھے - حضرت شیخ سات سال تک چرار شریف میں انہی کے مکان پر فروکش رہے - سنگرام ڈار کا مدفن چرار شریف ہی میں برسر بازار ہے اسی تاریخ میں جو ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۲۱ھ کے درمیان تصنیف ہوئی ہے - یہ بھی لکھا ہے - "از نسل و ذریاتِ او ہنوز در آں جا یادگار موجود اند" - اس سے معلوم ہوتا ہے - کہ



خواجہ اکبر ڈار صاحب فیلدار دربہ گام (پلوامہ) کشمیر

اس وقت بھی سنگرام ڈار کی اولاد و احفاد چرار شریف میں موجود ہے۔

اسی تاریخ کے صفحہ ۱۱۴ پر پھر سنگرام ڈار کا ذکر ہے۔ لکھا ہے۔ کہ جوگی رشی جو شیخ نصیر الدین رشی کے مریدوں اور ہم نسبوں میں تھے۔ سنگرام ڈار کو خانہ داماد بنا کر گھر لے آئے۔ اور اپنی صبیہ کا اس سے نکاح کر دیا۔ اس سے دو فرزند پیدا ہوئے۔ بابا اسمٰعیل ڈار و بابا یوسف ڈار۔

اس کے بعد جوگی رشی کو بھی خدا نے تین فرزند دیئے۔ حسن رشی۔ حسین رشی۔ صالح رشی۔ ان سب کی اولاد بابا کہلاتی ہے۔ مثلاً ہاشم بابا۔ نظام بابا۔ الیاس بابا۔ کریم بابا۔ رستم بابا۔ قادر بابا وغیرہ۔ چنانچہ اس وقت چرار شریف کا جو ذیلدار ہے۔ وہ بھی اسی خاندان سے ہے۔ اور اس کا نام لسہ بابا ہے۔ جوگی رشی اولاد کے ساتھ سنگرام ڈار کی اولاد بھی زیارت کے حقوقِ مجاورت میں حصہ دار ہے۔ تاریخ کبیر کشمیر کے مصنف کے زمانۂ حیات میں اس درگاہ کی آمدنی کے ۱۴ حصہ دار تھے۔

سنگرام ڈار کا نام ہندو ہے۔ اس کی وفات پر لکھا گیا ہے۔ کہ اس کو دفن کیا گیا۔ اس کے فرزندوں کے نام اسمٰعیل و یوسف ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنف کو یا تو اس کا اسلامی نام معلوم ہی نہ تھا۔ یا قبول اسلام کے بعد بھی سنگرام ڈار اپنے قدیم نام ہی سے مشہور رہا ہے۔ بیچ کے چند ڈار خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں درج ہے۔

ڈار

کشمیر میں بہت سی ایسی ذاتیں اور گوتیں ہیں۔ کہ ان کے ناموں ہی سے ان کی کیفیت اور وجہ تسمیہ معلوم ہو جاتی ہے۔ بعض ایسی ہیں کہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ تاریخوں اور بعض تذکروں کا مطالعہ بھی ان کی اصلیت پر کچھ نہ کچھ روشنی ڈال سکتا ہے لیکن بعض

ایسی ذاتیں اور ایسے قبیلے بھی ہیں۔ جن کی کیفیت نہ ان کے ناموں سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اور نہ کوئی تاریخ اور تذکرہ ان کی حقیقت کو بے نقاب کر سکتا ہے۔ ایسے ہی قبیلوں میں ایک قبیلہ ڈار بھی ہے۔

بعض لوگوں کے خیال میں ڈار تنہا لفظ نہیں تھا۔ بلکہ اس کے ساتھ تھانہ کلید۔ حلقہ۔ تحصیل۔ کار وغیرہ کے الفاظ بھی تھے۔ جن کی شمولیت ان کو تھانہ دار۔ کلید دار۔ حلقہ دار۔ تحصیل دار اور کاردار وغیرہ بنا دیا کرتی تھی۔ مرور ایام سے باقی الفاظ اڑ گئے۔ اور صرف ڈار رہ گیا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ڈار کا لفظ تاریخوں میں قریباً ۵۰۰ سال سے رائج ہے۔ اور گو کشمیر میں وہ زمانہ اسلامی حکومت ہی کا تھا۔ لیکن مذکورہ الفاظ کے رواج کا اس زمانہ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

ایک خیال یہ بھی ہے۔ کہ ہندو عہد قدیم میں ان کے بزرگ ڈاردستان[1] کے علاقہ سے آئے تھے۔ جہاں اس زمانہ میں بدھ قوم ہی آباد تھی۔ کشمیر میں جب اسلام کا چرچا ہوا۔ اور تخت و مذہب دونوں اس کے قبضہ میں آ گئے۔ تو اس طبقہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنے وطن کے نام پر ڈار کے نام سے موسوم ہو گیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اس قوم کا تعلق کشمیری پنڈتوں کے مشہور قبیلہ دَر سے ہے لیکن کشمیر میں دروں کا خاندان اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ نہ کشمیر کا کوئی اور محقق اس کو تسلیم کرتا ہے۔

اس نام کی ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے۔ کہ ڈار اور ڈار دراصل ایک ہی نام ہے۔ کسی زمانہ میں کسی بزرگ کے نام کے ساتھ ڈار کی جگہ غلطی سے ڈار لکھا

---

[1] ڈار قوم کا وطن بھی ایک مصنف کشمیر نے داردستان بتایا ہے لیکن وہ ڈار ہے تو ڈاہر اور ڈانگر کیسے مشہور ہو گئے۔ نیز داردستان کی قوم پہلے ہی ڈار نہیں بلکہ دَرد کے نام سے مشہور ہے۔

گیا۔ پھر نقل در نقل ہوتے ہوئے ڈار کا دار ہی رہ گیا۔ کشمیر میں نقل نویسی کا مفہوم بھی مکھی پر مکھی مارنے ہی کو کہتے ہیں۔ دار قوم کی آبادی بھی زیادہ نہیں ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کوئی علیحدہ قبیلہ نہیں ہے۔ بلکہ کسی قبیلہ کی شاخ ہے۔ جو کسی نامعلوم وجہ سے اپنے مرکز سے علیحدہ ہو گئی ہے۔ کشمیر کے دیہات و قصبات میں اس قوم کا کوئی پتہ نہیں ملتا۔ سری نگر خاص میں عالی کدل اور راجوری کدل میں ان کے چند گھر پائے جاتے ہیں۔

روضۃ الابرار اہل کشادہ کے حالات میں ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔ اس میں صفحہ (۹۴) کے حاشیہ پر قبیلہ دار کے متعلق مندرجہ ذیل سطور درج ہیں "قبیلہ دار بہ دال مہملہ فارسی مشہور و شریف است۔ و دارہائے عالی کدل از اولاد ریگی دار ہستند کہ در عہد سلاطین کشمیر از اعیان روزگار بود۔ و اعتبار دنیا بکمال داشت" ریگی دار کو مصنفین کشمیر نے "از احفاد ملک سیف دار یا ملک سیف ڈار است" لکھا ہے۔ اور کئی تاریخوں میں سیف دار کہیں ڈار درج ہے۔ کہیں ڈار۔ چنانچہ اس وقت راقم مؤلف کے سامنے تاریخ کبیر کشمیر موجود ہے۔ جس کی فہرست صفحہ ۹ اور پھر صفحہ ۱۴۶ پر ملک سیف ڈار کو کہیں ڈار اور کہیں دار لکھا ہوا ہے۔

سیف ڈار کا ذکر طبقہ ڈار میں درج ہو چکا ہے۔ آج بھی جن لوگوں کو مبداء فیاض نے تاریخی ذوق عطا کر رکھا ہے۔ وہ شیر گڈھی کے وسیع محلات کو "باغ سیف ڈار" یا "ڈارہ باغ" ہی سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ملک سیف ڈار نے اپنے زمانہ عروج و اقبال میں یہاں ایک عالیشان باغ تعمیر کرایا تھا۔ شیر گڈھی کے محلات جن کو آج دربار گڈھ کہا جاتا ہے۔ اور زیارت سید قمرالدین اسی باغ کے کھنڈروں پر آباد ہیں۔

غرض کوئی وجہ ہو۔ دار اب ڈار قبیلہ سے ایک علیحدہ گروہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور تاریخ کشمیر میں سب سے پہلے جس دار کا نام آتا ہے۔ وہ ملک ریگی دار ہے۔ ملک

رنگی دار دینی و دنیوی نعمتوں سے مالا مال تھا۔ اس کی قبر اس کے اپنے باغ واقعہ سودرہ میں اب تک موجود ہے۔ محلہ سودرہ کے کریوہ پر اس نے باغ کے علاوہ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ باغ میں چمن بندیاں تھیں۔ روشیں تھیں، عمارات تھیں۔ لیکن آج باغ کا نام ہی نام ہے۔ حضرت شیخ مخدوم حمزہ کے ارادت مندوں میں تھا۔

سلطان فتح شاہ کے آخری ایام (۱۵۱۴ء) میں جبکہ میر شمس الدین عراقی نے مذہبی ہنگامہ برپا کردیا۔ تو ملک رنگی دار نے دربار داری اور ملک داری کے کاموں سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اور تادم زیست پھر سیاسی کاموں سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔

محلہ عالی کدل میں اس نے شاندار عمارتیں تعمیر کرائیں۔ ایک مدرسہ کی بنیاد بھی رکھی، جس کے مصارف خود برداشت کیے۔

دار خاندان میں خواجہ یعقوب دار (وفات ۱۰۳۰ھ بعمر ۳۳ سال) خواجہ محی الدین دار (وفات ۱۰۴۲ھ بعمر ۴۰ سال) میاں محمد امین دار (وفات ۱۱ رمضان ۱۰۹۸ھ) حاجی عبد السلام قلندر (وفات ۱۱۷۲ھ عمر ۱۶ سال) میاں حضور اللہ دار۔ میاں محمد ولی دار۔ مرزا محتشم خاں دار (وفات ۱۲۳۵ھ بعمر ۷۰ سال) خواجہ منور شاہ دار (وفات ۱۲۴۲ھ) میاں ضیاء الدین دار (۱۲۴۵ھ) اور کئی اور بزرگ نامی علما، فضلا، اور اغنیاء شمار ہوتے رہے ہیں۔ ان کے حالات تاریخوں میں بکثرت درج ہیں۔

سری نگر کے محلہ عالی کدل و راجوری کدل میں اب بھی اس نامی خاندان کی ذریات موجود ہے۔ جن میں خواجہ غلام حسن دار اور چند اور بزرگ بوجہ تجارت اپنی خاندانی سیر چشمی و وجاہت کی زندہ یادگار ہیں۔

ایک دار خاندان جموں میں بھی آباد ہے۔ جس کے بزرگ مولانا محمد اعظم بفضلہ موجود ہیں۔ مولانا کے فرزندوں نے اپنی اعلیٰ قابلیتوں سے اپنے خاندان کا نام

روشن کر رکھا ہے۔ سب سے بڑے مولوی محمد حسن بی۔اے۔ بی۔ٹی ضلع اسلام آباد کشمیر میں اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز کے معزز عہدہ پر ہیں۔ ان سے چھوٹے ڈاکٹر نور حسین اسسٹنٹ سرجن سری نگر کے صدر ہسپتال میں تعینات ہیں۔ تیسرے مولوی محمد عبداللہ بی۔اے۔ ایل۔ایل۔بی جو کچھ عرصہ تک منصف بھی رہ چکے ہیں۔ آجکل صوبہ جموں میں اسسٹنٹ کورٹ انسپکٹری کی اسامی پر ہیں۔

لدھیانہ کے ڈار خاندان کا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔

پال

سر والٹر لارنس نے اپنی مشہور کتاب "ویلی آف کشمیر" میں پال قبیلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "پال ایک ذات ہے۔ جو برہمنوں سے نکلی ہے۔ اور جو آجکل مسلمان ہے"۔

لیکن پال ذات کی اصلیت کے متعلق جو ہماری تحقیقات ہے۔ وہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ سر لارنس نے یا تو سنی سنائی بات لکھ دی ہے۔ یا ممکن ہے۔ تاریخ فرشتہ کے ان الفاظ سے مدد لی ہو۔ کہ "جے پال بن اسنپال قوم براہمہ سے تھا"۔ لیکن تاریخ فرشتہ ہی میں سبکتگین اور راجہ جے پال کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ لاہور کے راجہ جے پال بن اسنپال نے جو راجۂ اجمیر سے قرابت رکھتا تھا۔ اپنے بھتیجا کو دو ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادہ دے کر افغانوں کے سیلاب کو روکنے کے لئے پشاور روانہ کیا۔

اب تحقیق طلب یہ ہے۔ کہ راجۂ اجمیر کون تھا۔ کیا وہ برہمن تھا؟ تاریخوں سے ثابت ہے کہ اجمیر، دہلی۔ کالنجر وغیرہ تمام ممالک کے راجے راجپوت خاندان سے تھے۔ چنانچہ راجہ جے پال نے سبکتگین یا محمود کے سیلاب کی روک تھام کے لئے جب کبھی ہندوستان کے راجگان سے مدد طلب کی ہے۔ تو سب سے پہلے اس کے اپنے

قرابت دار راجے دہلی و اجمیر ہی میدان میں نکلے ہیں۔ اور پھر ان کی تحریک سے دوسرے راجوں نے بھی مدد دی ہے۔

راجہ جے پال جو بقول مصنف تاریخ فرشتہ راجۂ اجمیر سے جو نسلاً بعد نسلاً راجپوت تھا۔ قرابت رکھتا تھا۔ کبھی برہمن نہیں ہو سکتا اور راجہ جے پال برہمن ہو کر ایک راجپوت راجہ سے کبھی قرابت (رشتہ داری) نہیں کر سکتا۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے۔ کہ راجہ جے پال راجپوت ہی تھا۔

جب سبکتگین اور راجہ جیپال کی لڑائی میں جے پال صلح کی درخواست کرتا ہے۔ اور سبکتگین کا بیٹا سلطان محمود صلح سے پہلوتہی کرتا ہے۔ تو جے پال محمود کے پاس اپنا ایک ایلچی بھیج کر التماس کرتا ہے۔ کہ اہل ہند بالخصوص راجپوت جب دشمن سے جنگ کرنے کے بعد جان و مال اور آبرو کی حفاظت سے ناامید ہو جاتے ہیں۔ تو مال دنیوی اور عورتوں کو آگ میں جھونک کر اور خاکستر بنا کر دشمن سے ایک آخری جنگ کرتے ہیں جس میں واپس ہٹنے کا وہ نام نہیں جانتے۔ اس لئے صلح کر کے ہم پر احسان کیجئے۔ ورنہ ہمارے بعد سوائے خاکستر کے کچھ میسّر نہ ہوگا۔ ان الفاظ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جیپال نے اپنے پیغام میں بھی جنگ کی آخری راجپوتی رسم ہی کا حوالہ دیا تھا۔

تاریخ راجپوتان پنجاب میں ایک جگہ[1] لکھا ہے۔ کہ "راجہ سالباہن اول بن راجہ گنج چندر بنسی کے پندرہ بیٹے تھے۔ اس کے ایک بیٹے کی شادی لاہور کے راجہ جے پال کی دختر سے ہوئی تھی۔ سالباہن چندر بنسی راجپوت تھا۔" ان الفاظ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ راجہ جے پال برہمن نہ تھا۔ بلکہ راجپوت تھا۔

پال کا لفظ سب سے پہلے دریودھن پسر راجہ دھرتراشٹ مشیر خاص راجہ کرن

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا صفحہ ۴۶۹ جلد اول بمصنفہ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ۔

عرف بسوکھین جو اپنے چھ بیٹوں سمیت جنگ مہابھارت میں مارا گیا تھا۔ کی چوتھی پشت میں راجہ دھرونت پال کے نام کے ساتھ آتا ہے۔ اس کی ۲۳ ویں پشت میں راجہ لنگ پال ہوا ہے۔ جس کے نام پر لنگیہ راجپوت مشہور ہیں۔ لنگ پال کا باپ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتا ہوا مارا گیا تھا۔ اور خود یہ کشمیر بھاگ گیا تھا۔ اس کی بارھویں پشت میں سس پال کشمیر سے سنہ ۱۷۴۰ ب میں جموں آیا۔ اور راجہ ارجن دیو جموال کی سرکار سے اس کو ہتہ کوتوال کا خطاب ملا۔

سلہریہ راجپوتوں میں بھی پال نام کے کئی راجے ہوئے ہیں۔ خاندان چوہان میں بھی بجھ پال۔ دھرم پال۔ کرن پال۔ رتن پال۔ پرتھی پال وغیرہ بیسیوں راجے پال کے نام سے گزرے ہیں۔ راجگان چنینی کے آخری نام کا جزو کئی پشتوں تک پال رہا ہے۔ راجہ رام چندر جی کی ۶۲ ویں پشت میں راجہ اودک پال ہوا ہے۔ اس کی آٹھ پشتوں تک پال ہی پال قطار در قطار چلے گئے ہیں۔ راجہ کلش پال بسوہلی والے کی اولاد میں ۹ پشتوں تک ہر راجہ کے نام کا آخری جزو پال تھا۔

راجوری کے راجگان بھی راجپوت جرال ہیں۔ ان میں بھی پال نام سالہا سال تک راجپوتوں کے نام کا جزو رہا ہے۔ چنانچہ کشمیر کے راجہ اوچل یا اوسچل (سنہ ۱۱۰۱ء لغایت سنہ ۱۱۱۲ء) کو شکست دیکر جب راجہ کلش کا بیٹا بھوج راجہ بن گیا۔ اور جب اس کی مدد پر راجہ دردستان اور کئی اور رئیس تیار ہو گئے تو اس کے حامیوں میں راجوری (جموں) کے دو راجکمار درشن پال و سنج پال بھی اس کی مدد پر آمادہ پائے جاتے ہیں۔

راجوری کے علاقہ میں چند دیہات کا ایک علاقہ بودہل کے نام سے مشہور ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں اس علاقہ کا حاکم ٹھاکر نامدار خاں راجگان راجور کے ماتحت تھا۔ لیکن فتح کشمیر کے موقع پر ٹھاکر نامدار نے مہاراجہ کو جو مدد دی۔ اس کے صلہ میں اس کو اس علاقہ کا خود مختار حاکم بنا دیا گیا۔ مصنف تاریخ راجور لکھتا ہے۔

"یہ ٹھاکر قوم پال سے تھا۔ جو راجپوتوں کی ایک قوم ہے۔ جہانگیر کے زمانہ میں یہ قوم مسلمان ہو گئی تھی"۔

اس وقت کشمیر یا پنجاب میں جو پال خاندان موجود ہیں۔ ان میں سے بھی واقف کار اصحاب کا یہ بیان ہے۔ کہ "وہ راجپوت ہیں۔ اور ان کے بزرگ شمالی ہند میں راج کیا کرتے تھے"۔ شمالی ہند سے مراد یقیناً پنجاب ہی ہے۔ اور پنجاب میں راجہ جیپال بن اسنپال کے خاندان ہی نے اسلامی عہد سے پہلے حکومت کی ہے۔

اب یہ مرحلہ باقی رہ جاتا ہے۔ کہ یہ خاندان اسلام میں کب داخل ہوا ہے۔ شوکت افغانیہ عرف حیات لودی حصہ اوّل کے صفحہ ۱۱ پر لکھا ہے۔ کہ راجہ جیپال کا ایک نواسہ سکھپال نام تھا۔ محمود نے ۱۰۰۱ء اور ۱۰۰۵ء میں جو حملے پنجاب پر کئے ہیں ان میں سے کسی ایک میں سکھپال بھی مسلمانوں کی قید میں آکر مسلمان ہو گیا تھا۔ ۱۰۰۵ء میں راجہ انگ پال یا انندپال کی مزاحمت کے باوجود ابو الفتح والئ ملتان نے جب خراج دے کر محمود سے صلح کر لی۔ تو اسی اثنا میں محمود کو خبر ملی کہ ایلک خاں حاکم کاشغر نے خراسان پر حملہ کر دیا ہے۔ سلطان کو سکھپال پر اس قدر اعتماد تھا کہ یہ مہم وہ سکھپال ہی کے سپرد کر کے آپ واپس چلا گیا۔ لیکن ۱۰۰۷ء یعنی ۳۹۸ھ میں جب اسے سکھپال کے مرتد ہو کر سرکشی اختیار کرنے کی خبر ملی تو وہ پھر ہندوستان آیا اور سکھپال کو اپنے ہمراہ غزنی لے گیا۔

تاریخ فرشتہ اور دوسری تاریخوں سے راجہ جیپال کی اولاد اور اس کے اعزہ و اقارب کا محمود کے خوف سے بھاگ کر کشمیر جانا ثابت ہے۔ چنانچہ ۱۰۰۵ء کے حملہ ہند میں جس کا سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے۔ انگ پال محمود سے شکست کھا کر کشمیر ہی کی طرف بھاگ گیا تھا۔ ۱۰۱۳ء میں راجہ انگ پال مر چکا تھا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا حکمران تھا۔ جب اس سال محمود نے پھر پنجاب پر حملہ کیا تو انگ پال

کے بیٹے نے بھی باپ کی طرح کشمیر ہی کا رُخ کیا۔

البیرونی نے بھی جو محمود کے اکثر حملوں میں اُس کے ساتھ رہا ہے۔ اس بات کی تصدیق کی ہے۔ کہ ہمارے حملوں کے زمانہ میں کئی لوگ کشمیر وغیرہ کی طرف فرار ہو جاتے تھے۔ البیرونی نے راجہ اننگ پال کے بیٹے کا نام ترلوچن پال بتایا ہے۔ اور لکھا ہے وہ ہندو شاہی خاندان کا آخری راجہ تھا۔ اس نے اپنے باپ کے عہد میں محمود کے حملوں کو بہت کچھ روکنا چاہا۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ البیرونی لکھتا ہے۔ سنہ ۴۱۲ھ مطابق سنہ ۱۰۲۱ء و ۱۰۲۲ء میں ترلوچن پال انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بھیم پال پانچ سال تک زندہ رہا۔ لیکن آزاد حکمران کی حیثیت سے اس کا کہیں ذکر نہیں آیا۔

کشمیر اور لاہور کا آپس میں تعلق بھی رہا ہے۔ چنانچہ محمود کے حملوں کو روکنے کے لیے راجہ جیپال۔ راجہ انگ پال اور راجہ ترلوچن پال نے جن کو فارسی مؤرخوں نے پُور جیپال لکھا ہے۔ اپنے اپنے عہد میں جہاں ہندوستان کے راجوں سے مدد طلب کی ہے۔ وہاں کشمیر سے بھی انہوں نے مدد مانگی ہے۔ چنانچہ راجہ ترلوچن پال کے مدد طلب کرنے پر راجہ سنگرام راج (سنہ ۱۰۰۳ء تا ۱۰۲۸ء) نے اپنے ایک جرنیل تنگ کی سرکردگی میں بہت بڑی فوج لاہور بھیجی۔ جس میں بقول مصنف راج ترنگنی پنڈت کلہن کئی ایک راج پتر کئی باج گزار راجے اور کئی مشیرانِ خاص تھے۔ ان تعلقات کی وجہ سے بھی لاہور کے شاہزادے اور شاہی خاندان کے افراد کشمیر میں آکر پناہ گزین ہو جایا کرتے تھے۔

راج ترنگنی میں دو پناہ گزین شاہزادوں کا خاص طور پر ذکر ہے۔ ایک رُدر پال وہ ایک دوا پال۔ یہ شاہزادے راجہ اننت دیو (سنہ ۱۰۲۸ء تا ۱۰۶۳ء) کے زمانہ میں کشمیر میں موجود تھے۔ رُدر پال کو روزانہ ½ لاکھ دینار (موجودہ زمانہ کے ۹۳۷ روپے) اور دوا پال کو اسّی ہزار دینار روزانہ (۵۰۰ روپے) ملا کرتے تھے۔ لیکن اپنے بڑے بڑے

وظیفہ لے کر بھی جن سے سلطنت کا خزانہ خالی ہو رہا تھا۔ بقول مصنف تاریخ راج ترنگنی یہ شاہزادے ہمیشہ تنگدست اور مالی مشکلات ہی میں مبتلا رہے۔

ان شاہزادوں کے متعلق راج ترنگنی جلد اول کے صفحہ ۹۶ کے نوٹ ۹۰۴ میں لکھا ہے۔ کہ "یہ شاہزادے کشمیر میں پناہ کی غرض سے چلے آئے ہوں گے۔ ان کے ناموں رودرپال اور دواپال کی ساخت آخری چار راجاؤں جیپال ترلوچن پال وغیرہ ہی سے ملتی ہے"۔

غرض راجہ جیپال کی ذریات سے کئی شاہزادوں اور ان کے اعزہ کا کشمیر میں آنا ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ غالباً پال ہی کے نام سے موسوم رہے ہوں گے۔ راجہ جیپال کے نواسے سکھپال کا مسلمان ہونا تو محمودی کے زمانہ سے ثابت ہے۔ جیپال کی جو اولاد و احفاد کشمیر میں تھی وہ مسلمانوں کے عہد میں مسلمان ہو گئی۔ چنانچہ ۹۴۰ھ میں خواجہ شمس الدین پال سب سے پہلا مسلمان پال تاریخ میں نظر آتا ہے۔

خان بہادر مرزا سلطان احمد مرحوم ڈپٹی کمشنر نے پنجاب کی ذاتوں اور گوتوں پر ۱۹۲۱ء میں ایک مضمون لکھا تھا۔ اس میں ثابت کیا تھا کہ پنجاب میں کئی ایسی ذاتیں اور گوتیں ہیں۔ جو لاہور کے شاہی خاندان پال کی یادگار ہیں۔ اور صدیوں سے مسلمان ہیں۔

کشمیر میں پال طبقہ کے گھر بہت تھوڑے ہیں۔ مولانا خواجہ شمس الدین پال چک بادشاہوں کے زمانہ میں کشمیر کے ایک نامور عالم گزرے ہیں۔ مولانا حافظ بصیر کے شاگرد تھے۔ لیکن کئی نامور شاگردوں کے خود استاد تھے۔ ملا داؤد طوسی جو علوم باطنی میں حضرت مخدوم شیخ حمزہ کے مرید تھے۔ علوم ظاہری میں ملا شمس الدین پال ہی کے شاگرد تھے۔ حضرت بابا داؤد خاکی نے مولانا حافظ بصیر خندہ بونی اور مولانا رضی الدین کے علاوہ مولانا شمس الدین پال سے بھی علوم عقلی و نقلی کا استفادہ کیا ہے۔ مصنف تاریخ اعظمی (۱۰۸)

صفحہ پر، آپ کے متعلق لکھتا ہے "اعلم علمائے دہر و مرجع فضلائے شہر بود۔ در زمان میرزا حیدر بہ سبب حق گوئی از میان علماء امتیاز داشت۔ و بحث ہائے با علمائے میرزا کرد و غالب شد"۔ میرزا حیدر کی شہادت کے بعد حرمین چلے گئے۔ اور وہیں وفات پا گئے۔

میرزا حیدر نے اپنے اوائل عہد حکومت میں مولانا پال کو قطب الدین پورہ کے سرکاری دارالعلوم کا مدرس اعلیٰ مقرر کیا تھا۔

ملا زین الدین پال جو حضرت شیخ داؤد دبہ مالو کے مرید تھے۔ مولانا خواجہ شمس الدین پال ہی کی ذریات سے تھے۔ تاریخ کبیر کشمیر میں ان کے متعلق (صفحہ ۲۱۶ پر) لکھا ہے۔ "صاحب کمال و برجستہ احوال بود"۔ ملا زین الدین شاعر بھی تھے۔ ایک رباعی آپ کی یادگار ہے۔ ؎

آب جوئی و آب مے جوئی | دمبدم دست و رو چہ مے شوئی
تو چہ زر بند ذکر یا ہوئی | نقش اللہ از رخت پیداست

کشمیر کے چند ایک پال خاندان پنجاب میں بھی ہیں انکا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔

لاہور کے اخبار راجپوت گزٹ میں ٹھاکر گلینہ رام پریار سیکرٹری راجپوت اتہاس کمیٹی کا ایک طویل مضمون "راجپوتوں کی سیاسی اہمیت" کے عنوان سے چھپتا رہا ہے۔ اسمیں لاہور کے حکمران پال خاندان کا بھی ذکر ہے ۲ فروری ۱۹۴۲ء کے راجپوت گزٹ میں اس مضمون کی ساتویں قسط درج ہے۔ اسمیں لکھا ہے "چندر بنسی راجپوتوں کے سلہریہ خاندان نے لاہور کے تخت پر قابض ہو کر پچیس سال تک ہندوستان کے پھاٹک (پنجاب) کی حفاظت کی لیکن محمود غزنوی نے اس پھاٹک کو بزور توڑ کر پنجاب کے راجہ جےپال سلہریہ اور اسکی اولاد کی تمام مدافعانہ طاقتوں اور کوششوں کو ہمیشہ کیلئے مٹا دیا۔ اس مضمون میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ سبکتگین کے زمانہ میں جےپال نے عہدنامہ کر کے صلح کر لی لیکن جب وہ لاہور واپس آیا تو برہمنوں کے مشورہ سے اس نے عہد پیمان کو بالائے طاق رکھدیا"۔ راجپوت اتہاس کمیٹی کے سیکرٹری کے مضمون کے مندرجہ صدر اقتباسات راجہ جےپال کے برہمن نہ ہونے اور راجپوت ہونیکی زبردست شہادت ہیں۔

فصل ہفتم

اقوام شیوخ کشمیر

لفظ شیخ عرب والوں کی اصطلاح میں کسی معزز شخص کے لئے ادب واحترام کے طور پر مستعمل ہوتا ہے۔ علی الخصوص علمائے دین کو شیخ ہی کے نام سے خطاب کرتے ہیں۔ بلکہ ملک الشعرائے اسلام حسان بن ثابت انصاری نے اپنے بعض اشعار میں حضرت عمر فاروق رض اور حضرت عثمان رض کو بھی اسی لقب سے ملقب کیا ہے۔ اسی بنا پر وہ ہندوستانی مسلمان جن کے بزرگ عربی النسل اور حضرت عمر فاروق و حضرت عثمان کی اولاد سے ہیں۔ فاروقی یا عثمانی شیخ کہلاتے ہیں۔

سیدنا عبدالقادر جیلانی رح شیخ عبدالقادر جیلانی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ شیخ سنوسی جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ اور جن کے لاکھوں مرید تھے۔ شیخ ہی کے لقب سے ملقب تھے۔ کویت کے فرمانروا کو بھی شیخ کویت کہتے ہیں۔ اور جنوبی ہندوستان میں ایک ریاست منگرول ہے۔ اس کے فرمانروا بھی ہز ہائینس شیخ منگرول ہی کہلاتے ہیں۔

یہی محترم خطاب ان خوش نصیب لوگوں کے حصہ میں بھی آیا۔ جو غیر مذاہب سے اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ چنانچہ انگلستان (لورپول) کے سب سے پہلے نومسلم مسٹر کوئیلم نے جب اسلام قبول کیا۔ تو ان کا نام شیخ عبداللہ کوئیلم رکھا گیا۔

حال ہی میں لاہور میں لالہ ساگر چند بی۔ اے بیرسٹر ایٹ لا اور مسٹر گابھا فرزند لالہ کشن لعل بیرسٹر ایٹ لا کے نام قبول اسلام کے بعد شیخ محمد امین اور شیخ خالد عبد اللطیف گابھا رکھے گئے ہیں۔

ہندو قوم میں چار ورن ہیں۔ برہمن۔ چھتری۔ ویش۔ شودر۔ ان میں سے جو طبقہ اسلام کی آغوش میں آیا ہے۔ وہ شیخ ہی کہلایا ہے۔ کشمیر میں بھی جب پنڈتوں اور کشمیر کے دیگر ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا۔ تو وہ بھی شیخ ہی کہلائے۔ ان میں شیخ سالار دین۔ شیخ نور الدین ولی۔ بابا بام الدین (بومہ سادو) شیخ زین الدین (زیا سنگھ) بابا لطیف الدین (آدت رینہ) بابا قطب الدین (کٹی پنڈت) بابا دریا تیتی (برہمن زادہ) شیخ سلیمان (شیرہ کنٹ) ملک سیف الدین (سیہ بٹ وزیر اعظم سلطان سکندر بت شکن) شیخ سلطان کاشمیری۔ شیخ بہاء الدین گنج بخش۔ شیخ بابا اسمٰعیل زاہد۔ حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہ وغیرہ صدہا شیوخ ایسے گزرے ہیں۔ جن کے عمل صالح اور اخلاق حسنہ نے کشمیر میں اسلام کو تقویت دے رکھی تھی۔

لیکن کشمیر کی بعض برہمن اور راجپوت اور دوسری ذاتوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اپنی قدیم ذاتوں کو برابر قائم رکھا۔ چنانچہ مصنف تاریخ حسن لکھتا ہے۔ "در عہد سلاطین کشمیر مسلمان شدہ لقب قدیمی بر قبیلۂ آنہا بدستور موجود و ماندہ است"۔ اور اس کا ثبوت اب تک مل رہا ہے۔ مثلاً تانترے۔ ماگرے۔ لون۔ ڈار وغیرہ کشمیر کی کئی اقوام قبائل شیوخ میں شامل ہونے کے باوجود اپنی قدیم ذاتوں سے منسوب ہیں۔ اور مردم شماری میں اپنی علیحدہ علیحدہ ذاتیں لکھوائی ہیں یہی وجہ ہے۔ کہ شیخ قبائل کی تعداد مردم شماری کے رُو سے روز بروز کم ہوتی جاتی ہے چنانچہ ۱۹۱۱ء میں شیخ قبائل کے افراد کی تعداد ۸۵ ۲ ۵ ۰ ۱ تھی اور اب ۱۹۳۱ء

میں ان لوگوں کی تعداد جنہوں نے اپنے آپ کو شیخ لکھوایا ہے۔ ۹۷۵، ۷ ہے۔ جس میں ۴۶، ۴۲۶ مرد اور ۱۱، ۷ ۴۳ عورتیں ہیں۔

لفظ شیخ جیسا کہ قبل ازیں لکھا گیا ہے۔ بڑا وقیع لفظ ہے۔ حضرت شیخ داؤد مشکواتی لکھتے ہیں: "شیخ آنست کہ او را از غیب در ہائے وقائع کشادہ شدند و از ہر یک بشارتے و اشارتے دریابد۔ و از صفات ذمیمہ مجتنب و بہ اوصاف حمیدہ متصف باشد"۔ حضرت بابا داؤد خاکی دستور السالکین میں لفظ شیخ کے متعلق ارقام فرماتے ہیں: "شیخ ہمانست کہ در مکالمہ و مکاشفہ بسیار نیکو بود و باہر صنف آدمی ہر نوع اسرار معرفت بیان کند۔ خدا را مشفق بندگان سازد بہ نصیحت بندگان خدا را دوست دار خدا گرداند"۔

شیخ کو مرشد کے معنوں میں بھی لیا جاتا ہے۔ اسی لئے فرقہ صوفیاء تصور شیخ کو لازمی قرار دیتا ہے۔ زمانہ حال میں اسی فرقہ شیخ کے ایک نوجوان نے صدیوں کے سوئے ہوئے کشمیریوں کے جمود و سکون میں بیداری و حرارت پیدا کر دی ہے۔ اس نوجوان کا نام شیخ محمد عبد اللہ ہے۔ علی گڑھ کالج کے۔ ایم ایس سی ہیں۔ جموں و کشمیر مسلم پولیٹکل کانفرنس کے پریزیڈنٹ ہیں۔

اب ہم چند قبائل شیخ کی ذاتوں اور گوتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

پنڈت شیخ

سنہ ۱۹۰۸ء اور سنہ ۱۹۰۹ء کے کشمیری میگزین میں پنڈت اور پنڈت شیخ کے موضوع پر خان بہادر شیخ محمد کاظم مرحوم نے جو خود بھی پنڈت تھے۔ ایک دلچسپ مضمون لکھا تھا۔ مختصر الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ کشمیر میں ظہور اسلام سے قبل سب ہندو ہی ہندو تھے۔ اور ان میں برہمن بھی تھے۔ کشتری بھی اور ان کے دوسرے ورن بھی۔ لیکن برہمنوں میں ایک فرقہ ایسا تھا۔ جس کا پیشہ قدیم سے بید نویسی اور درس وتدریس تھا۔ قبول اسلام کے بعد اس فرقہ نے لفظ پنڈت کو امتیاز خاص کے طور پر برابر قائم رکھا۔ اس لئے یہ گروہ باوجود مسلمان ہوجانے کے اب تک پنڈت کہلا رہا ہے۔ اور چونکہ ہر ملک میں تمام نومسلم خواہ وہ کسی گوت سے ہوں۔ شیخ کے معزز لفظ سے پکارے جاتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کا پنڈت فرقہ شیخ بھی کہلاتا ہے۔ اور احتراماً ان کو خواجہ بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ چک بادشاہوں کے زمانہ میں خواجہ عطار پنڈت صوفیئے اکمل گزرے ہیں۔ جو حضرت بابا داؤد خاکی کے مرید تھے۔ جہانگیر کے عہد میں اوتر پنڈت نام ایک بید نویس برہمن تھے۔ بڑے صوفی مشرب اور نیک طبیعت۔ ان کو خواب میں ایک مرتبہ حضرت رسول کریمؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔ صبح ہوتے ہی مسلمان ہوگئے۔ ان کے علاوہ خرم پنڈت۔ مولانا ابوالفتح پنڈت اور خواجہ عبدالکریم پنڈت سری نگر کے مسلمان پنڈتوں میں بڑے اہل اللہ اور صاحب علم وعمل بزرگ ہوئے ہیں۔

اس وقت بھی کشمیر کے مسلمان پنڈتوں میں خواجہ عزیز پنڈت دوآبگاہ کے مشہور ٹھیکیدار اور زمیندار اور ہر دلعزیز رئیس ہیں۔ خواجہ محمد مقبول پنڈت

اعلی تعلیم یافتہ ہیں۔ اور بارہ مولا میں تحصیل دار ہیں۔ اور خواجہ نورالدین پنڈت اور اور خواجہ غلام محمد پنڈت سری نگر کے مشہور رؤسا ہیں۔

مسلمان پنڈتوں کی زیادہ آبادی کشمیر کے دیہات ہی میں ہے۔ چنانچہ یاڑی پورہ تحصیل کولگام میں قدوس پنڈت اور اس کے بھائیوں کی اولاد نہ صرف زراعت پیشہ ہے۔ بلکہ اسی خاندان کا ایک ممبر یاڑی پورہ میں نمبردار بھی ہے۔

سنہ ۱۹۱۱ء میں مسلمان پنڈتوں کی تعداد کشمیر صوبہ جموں اور پونچھ میں ۳۳۲۶ تھی۔ سنہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں ان کی آبادی ۳۵۸۴ ہو گئی ہے جس میں مرد ۱۹۱۱ اور عورتیں ۱۶۷۲ ہیں۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کے اوائل عہد میں بعض ناگوار وجوہ سے شیخ پنڈتوں کے چند افراد کو کشمیر سے ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ چنانچہ اس گروہ کے کچھ افراد امرتسر۔ سیالکوٹ۔ لاہور۔ پسرور وغیرہ مقامات پر آکر آباد ہو گئے۔ جن کا ذکر باب پنجم میں ہو گا۔

وائیں یا وانی

وائیں یا وانی ایک ہی نام ہے۔ اور ان کی اصل بھی ایک ہی ہے۔ جو لوگ وانی کے نام سے ابتدا میں مشہور ہو گئے۔ اُن کی ذریات وانی اور جن کے بزرگ وائیں کہلاتے رہے۔ ان کی اولاد وائیں کے عرف عام سے نامزد ہو گئی۔ وائیں سے وانی نکلا ہے۔ یا وانی سے وائیں۔ اس کے متعلق صحیح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن مشہور یہی ہے۔ کہ وائیں کے بعد وانی کا لفظ ایجاد ہوا ہے۔

تاریخ حسن اور ریاست کی رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء نے وائیں قوم کو

علی الترتیب "شیوخ کشمیر کی ایک شریف" اور نجیب الطرفین اور عالی نسب ذات" لکھا ہے۔

وائیں یا وانی ہندوؤں کے کس فرقہ سے نکلے ہیں۔ اس کے متعلق گو روائتیں مختلف ہیں۔ لیکن اتفاق اسی پر ہے۔ کہ یہ فرقہ قبول اسلام سے پہلے ویش تھا۔ بلکہ بعض اصحاب کے خیال میں تو لفظ وائیں یا وانی بھی ویش ہی سے نکلا ہے۔ ویش ہندوؤں کا تجارتی گروہ ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی اس طبقہ نے تجارت ہی کو ذریعۂ معاش بنایا۔ یہ لوگ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی تجارت بھی کر لیتے ہیں۔ غالباً اسی بنا پر رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء میں صفحہ ۱۶۷ پر اس قوم کے متعلق یہ الفاظ درج ہیں:

"وائیں اور وانی علی الترتیب کشمیر و لداخ کے بنئے ہیں"۔

وائیں طبقہ کئی اقسام پر منقسم ہے۔ جیسے تل وائیں (تیل بیچنے والے) پوئی وائیں (پشم بیچنے والے) بانڈ وائیں۔ لبن وائیں۔ ترنگر وائیں۔ گگر وائیں۔ پر وائیں۔ مختلف کاروبار اختیار کرنے کی وجہ سے اس طبقہ میں مختلف شاخیں ہو گئی ہیں۔

۱۸۹۱ء کی ریاستی مردم شماری کے سپرنٹنڈنٹ صفحہ ۱۵۳ پر وائیں قوم کی حسب ذیل ذاتیں بتاتے ہیں: "کانٹھ۔ گندرو۔ کچھ۔ پانڈے۔ گونہ۔ گانی۔ ڈار۔ پکھتی وال۔ وکیل۔ اشائی۔ شال۔ کنزو۔ استو۔ دیوانی" معلوم نہیں سپرنٹنڈنٹ نے یہ مضحکہ خیز عجیب اور سر تا پا غلط معلومات کہاں سے حاصل کئے۔ اسی رپورٹ کے صفحہ ۶۹ پر جن سابق برہمن اور حال مسلمان زمیندار اقوام کا ذکر ہے۔ ان میں بھی ڈار قوم کا نام موجود ہے۔ حالانکہ ڈار نہ وائیں ہیں۔ نہ برہمن ہیں۔ بلکہ وہ کشتری ہیں۔ جیسا کہ طبقہ ڈار کے حالات میں لکھا گیا ہے۔

۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں اس قوم کی تعداد وانی کے نام سے ریاست کے دونو صوبوں میں ۵۹۴۸۷ بتائی گئی ہے۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں وانی کی بجائے وائیں قوم کا نام لکھ کر اس کی تعداد ۲۱۱۳۷ نفوس لکھی گئی ہے۔ جس

میں ۳۶۹۷۰ مرد اور ۳۴۳۲ عورتیں ہیں۔

دیہات میں جس قدر وائیں ہیں۔ وہ سب زراعت پیشہ ہیں۔

اس قوم کے جو افراد پنجاب میں ہیں۔ انہوں نے اپنی خداداد قابلیتوں سے ترقی کی ہر صنف میں قابل رشک شہرت حاصل کی ہے۔ چند خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں درج ہے۔

کوَل

اسلام قبول کرنے کے بعد یہ فرقہ کشمیر کی بعض اور اقوام کی طرح اپنے قدیمی نام کوَل ہی سے ملقب چلا آتا ہے۔ تاریخ حسن میں لکھا ہے۔ اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ یہ قوم جمیع اقوام برہمنان سے افضل ہے۔ کوَل پنڈتوں میں تو بڑے بڑے نامور افراد پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں سے اکثر کا ذکر پنڈتوں کے باب میں کیا جا چکا ہے۔ لیکن کوَل مسلمانوں میں بھی کئی نامی گرامی آدمی ہو چکے ہیں۔ حضرت مخدوم شیخ حمزہ کاشمیری کے زمانہ میں خواجہ ابراہیم کول۔ خواجہ عثمان کوَل۔ خواجہ علی کول۔ خواجہ محمدؐ امین اور شیخ عبداللطیف کوَل سری نگر کے نامی رئیس تھے۔ اور سب حضرت مخدوم کے ارادت مندوں میں تھے۔ خواجہ ابراہیم کول کے متعلق لکھا ہے۔ کہ "از اکابر زادہ ہائے اہل دیار بود"۔ خواجہ عثمان کوَل اپنے عہد کے ملک التجار تھے۔ صاحب علوم عقلیہ و نقلیہ تھے۔ حضرت بابا شیخ داؤد خاکی رحنے ان سے بھی تلمذ کیا ہے۔ حرمین میں وفات پائی ملارٹہ کے کول انہی کی اولاد سے ہیں۔ خواجہ علی کول نے اپنی ساری دولت حضرت مخدوم حمزہ کے لنگرخانہ کے لیے وقف کر کے اپنے لیے فقر و فاقہ قبول کیا۔ ان کے علاوہ شیخ غازی کول اور خواجہ ابوالفتح

کول بھی اس طبقہ میں روشن ضمیر بزرگ گزرے ہیں۔ شیخ غازی کول کا اصل نام گنیش کول تھا۔ قانونگوئی کے عہدہ پر تھے۔ مخدوم صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ اور ۱۰۱۰ھ میں وفات پاگئے۔

کُٹ راج

کشمیر میں یہ نام ہندو عہد قدیم سے چلا آتا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ اس خاندان کا مورث اعلیٰ ملتان میں صاحب حکومت تھا۔ انقلاب روزگار کی وجہ سے کشمیر چلا آیا۔ اس شخص نے کشمیر کی خانہ جنگیوں سے فائدہ اٹھا کر اس حصہ ملک پر جسے اب تحصیل بڈگام کہتے ہیں۔ قبضہ کر لیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد شکست کھا کر پہاڑوں کی طرف چلا گیا۔ اور وہاں یہ اپنی اولاد اور جمعیت سمیت چھوٹی چھوٹی کٹیا بنا کر رہنے لگا۔ اسی کٹیا کی بدولت ان کا نام کُٹ راج یا کُٹے مشہور ہو گیا۔ اور مسلمان ہونے پر بھی ان کا یہی نام رہا۔

بنڈپورہ سے اوپر علاقہ گریز وتیل میں ڈامر کُٹ راجوں کا بھی تاریخوں میں ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کُٹ راج کا لفظ بعد میں دیگر اقوام کے چھوٹے چھوٹے با اختیار رئیسوں کے لئے بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔

کشمیر میں اب بھی کُٹ راج موجود ہیں۔ ان کی آبادی عموماً دیہات ہی میں ہے۔ اور زراعتی کاروبار میں مصروف رہتی ہے۔ چند گھر کُٹ راجوں کے پنجاب میں بھی ہیں۔ ان کا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔

ٹاک

ٹاک مسلمانوں کی ایک مشہور اور متمول تجارت پیشہ قوم ہے۔ لفظ ٹاک کے متعلق کئی روائتیں مشہور ہیں۔ ہم چند ایک کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔ (۱) سری نگر میں ایک متمول کشمیری ہندو کے تین بیٹے تھے۔ تینوں قابل اور لائق اور عالم و فاضل تھے۔ چونکہ تین کا عدد طاق ہوتا ہے۔ اس لیئے وہ طاق مشہور ہو گئے۔ اور ان کی اولاد بھی طاق ہی کہلائی۔ یہ لفظ رفتہ رفتہ ٹاک بن گیا۔ (۲) سری نگر کے دو کشمیری ہندو مسلمان ہو گئے۔ ایک تو بج بہارہ میں چلا آیا۔ چونکہ تنہا آیا اس لیئے طاق مشہور ہو گیا۔ دوسرا بھائی کاشغر چلا گیا۔ ایک مدت کے بعد بہ تقاضائے حب وطن جب واپس آیا تو شوپیاں میں رہائش اختیار کی۔ وہ کاشغر طاق کے نام سے موسوم ہو گیا۔ اس کی اولاد اب تک شوپیاں میں موجود ہے۔ (۳) ٹاک ان لوگوں کی آل ہے جن کے کسی بزرگ نے امیر کبیر ہونے کے باوجود دعوتِ عام میں ٹاکوؤں (یعنی مٹی کے پلیٹوں) کا استعمال کیا تھا۔ (۴) ایک صاحب نے جو سری نگر سے باہر کسی قصبہ میں رہتے تھے۔ اپنے رہائشی مکان کے ساتھ انگوروں کا باغ لگایا۔ انگور کو کشمیر میں ٹاک بھی کہتے ہیں۔ اس لیئے ان کا نام ٹاک اور رفتہ رفتہ ٹاک مشہور ہو گیا۔ غرض ان مختلف روائتوں نے کثرت تعبیر ہا سے خواب کو پریشان کر دیا ہے۔ اس قوم کی زیادہ تعداد جنوبی کشمیر ہی میں ہے۔ اور اس میں بھی بج بہارہ، شوپیاں اور اسلام آباد اس کے بڑے مرکز ہیں۔ اور چونکہ یہ قوم بالعموم تجارت پیشہ ہے۔ اور ساہوکارہ بھی کرتی ہے۔ اس لیئے کوئی تعجب نہیں۔ اگر قبولِ اسلام سے پیشتر اس کا ہندوؤں کے فرقۂ دیش سے تعلق ہو۔ سری نگر اور کشتوار اور بھدرواہ میں بھی چند گھر ٹاک

قبیلہ کے موجود ہیں۔ بلکہ سری نگر کے کشمیری ہندوؤں میں بھی ٹاک طبقہ کے چند افراد پائے جاتے ہیں۔ ٹاک طبقہ میں خواجہ امین ٹاک خواجہ عبدالسلام ٹاک اور خواجہ عباس ٹاک اور کئی اور اصحاب ایسے گزرے ہیں۔ جو دنیوی نعمتوں کے ساتھ دینی برکات سے بھی مالامال تھے۔ خواجہ عباس ٹاک چک بادشاہان کشمیر کے آخری ایام میں ہوئے ہیں۔ وہ حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کے فیض یافتہ تھے۔ بادشاہ کے دربار میں ہمیشہ پالکی میں بیٹھ کر جایا کرتے تھے۔ اس اقتدار و تمول کے باوجود حال یہ تھا کہ اپنی تنخواہ کے تین حصے کرتے تھے۔ ایک عیال و اطفال کے لئے۔ ایک اپنے ملازموں کے لئے اور تیسرا حصہ فقراء و غرباء کے لئے۔

آخون یا مُلّا یا للہ

تاریخ حسن کے مصنف نے مُلّاؤں کی چار اقسام لکھی ہیں۔ ایک ملائے مسجد جو امامت کراتے۔ لڑکے پڑھاتے اور مساجد کی آمدنیوں پر گزارہ کرتے ہیں۔ درس و تدریس کی وجہ سے آخون بھی انہی کو کہتے ہیں۔ دوسرے گورکن۔ تیسرے غسّال۔ جو میّت کو نہلاتے ہیں چوتھے ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو زمیندارہ کام کرتے ہیں۔ فتاوئ اسلامیہ کی تدوین و تکمیل اور اشاعت علوم دینیہ میں حصہ لینے کی وجہ سے مولوی۔ قاضی مفتی اور آخون مُلاؤں کی پہلی قسم ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکبر کے وزیر اعظم ابوالفضل اور عالمگیر کے اُستاد مُلّا جیون جونپوری اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کے ہم درس عبدالحکیم سیالکوٹی یہ سب لوگ مُلّا ہی کہلاتے تھے۔ نواب سعد اللہ خاں وزیر شاہجہان بھی جب تک وزارت

پر نہ پہنچا تھا۔ مُلاہی کہلاتا تھا۔ لیکن انقلاب روزگار کی بدولت آج مُلّا کا لفظ ہر کس و ناکس کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس غریب کا تلفظ بھی بگاڑ کر مُلّا سے ملّہ کر دیا گیا ہے۔

پنڈتوں میں بھی ایک قوم ملّہ کہلاتی ہے۔ چنانچہ پنڈت جگت نرائن ملّہ یا مُلّا یو۔ پی گورنمنٹ میں وزیر بھی رہ چکے ہیں۔ سنٹرل انڈیا کی ریاست ناگود کے ایک دیوان بھی پنڈتوں کی قوم ملّاہی سے تھے۔ یہ لفظ ان کے خاندانی علم و فضل پر دلالت کرتا ہے۔ اور ممکن ہے مسلمانوں کے عہد حکومت میں جو پنڈت درس و تدریس کے کام پر ہوں۔ وہ بھی مُلّا یا آخون ہی کہلاتے ہوں۔

علاقہ کامراج میں ایک نامور ملہ خاندان ہے۔ جو اپنا آبائی کام درس تدریس چھوڑ کر عرصہ سے زراعت پیشہ ہو چکا ہے۔ خواجہ ملّہ رزاق اسی خاندان کے بزرگ تھے۔ جو چند سال ہوئے۔ انتقال کر چکے ہیں۔ وہ اپنے علاقہ میں نامور تاجر اور بہت بڑے زمیندار تھے۔ خواجہ ملّہ خضر سکنہ وترگام جو ایک دیندار رئیس اور خیر خواہ زمینداران ذیلدار ہے۔ آپ ہی کا فرزند کلاں ہے۔ اس خاندان کے رشتے ناطے دیگر زمیندارہ اقوام ملک۔ لون۔ شاہ ربتّہ وغیرہ سے ہوتے رہتے ہیں۔ دیوان امرناتھ آنجہانی چیف منسٹر جموں و کشمیر کی جاگیرات کا انتظام عرصۂ دراز تک اسی خاندان کے پاس رہا ہے۔ وترگام کے علاوہ سوپور میں بھی خواجہ ملّہ خضر کی بہت سی سکنی و زرعی جائیداد ہے۔ یہ خاندان مساکین وغیرہ کی دلجوئی اور اہل علم کی قدر افزائی میں شہرۂ آفاق ہے۔ آپ صاحب اولاد ہیں۔ ایک فرزند نرینہ بھی ہے۔ نام اس کا غلام محمدؐ ہے۔ خواجہ ملّہ خضر کا ایک چھوٹا بھائی غلام احمد بھی ہے جو امسال زیارتِ حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکا ہے۔

بٹ

کشمیر میں کول۔ سپرو۔ نہرو۔ وغیرہ ذاتوں کی طرح بٹ بھی ایسا گروہ ہے۔ جس میں ہندو بھی ہیں۔ اور مسلمان بھی ہیں۔ سر والٹر لارنس اپنی تاریخ میں ان کی اصل برہمنوں سے ثابت کرتے ہیں۔ مصنف تاریخ گلشن کشمیر نے بھی ان کو برہمن ہی لکھا ہے۔ اور تاریخ گلدستہ کشمیر کے برہمن مصنف (پنڈت ہرگوپال کول) نے بھی صفحہ ۲۰۷ حصہ دوم پر یہ الفاظ لکھ کر کہ "راجہ اننت دیو کی رانی شریمتی نے برہتہ گیتا کا جو شاج بھاشا میں تھی۔ سیوم بٹ برہمن نامور عالم کے ذریعہ سنسکرت میں ترجمہ کرایا"۔ بٹ قوم کو برہمن ہی ثابت کیا ہے۔ کشمیر کے جغرافیہ ملحقہ راج ترنگنی کلہن کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ دراصل برہمن ہی تھے۔ اس سلسلہ میں جھیل ڈل کے متصل موضع بٹ پورہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ جہاں سدا تیرتھ کی یاترا کے لئے زمانہ قدیم میں بکثرت ہندو آیا کرتے تھے۔ اور جہاں بٹ قوم کی آبادی تھی۔ بٹ کی اصل شکل سنسکرت زبان کا لفظ بھٹ ہے اور بھٹ بھٹارک کا مخفف ہے۔ ۱۸۹۱ء کی ریاستی رپورٹ مردم شماری میں بھی بٹ فرقہ کا اصل نام کارکن پنڈتوں کی ایک ذات بھٹارک کا مخفف بھٹ ہی بتایا گیا ہے۔ بلکہ راج ترنگنی کلہن کے فٹ نوٹ ۱۰۳ میں دراس۔ لداخ۔ سکردو وغیرہ پہاڑی اضلاع کی بھٹ یا بھوٹ اقوام کو بھی بٹ ہی ظاہر کیا گیا ہے۔ آجکل یہ اقوام بھٹہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور صدیوں سے مسلمان ہیں۔

کارکن فرقہ ہونے کی وجہ سے بٹ یا بھٹ فرقہ کو ہندو عہد قدیم ہی سے ملکی کاموں میں بڑا رسوخ رہا ہے۔ اور انہوں نے اپنے مذہبی اقتدار سے بھی حکمرانان کشمیر کو ہمیشہ مرعوب رکھا ہے۔ چنانچہ پروہ گپت (۹۶۶ء) نے جب راجہ سنگرام سے تخت چھینا ہے۔ تو اس سے پہلے اس کے پانچ وزراء کو جن میں ایک دیو بٹ بھی تھا۔ زہر دلا کر ہلاک کرا دیا تھا۔ لیکن ہندو عہد

قدیم کے آخری ایام میں بزمانہ راجہ راج دیو (۱۲۱۸ء لغائت ۱۲۳۲ء) جب تون اور دیگر فرقوں کا زور کم ہو گیا۔ تو فرقہ بٹ نے راجہ کے خلاف شورش برپا کر دی۔ اور ان کی شورش سے ملک میں اس قدر بدنظمی و بدامنی پھیلی کہ راجہ نے مجبور ہو کر اس برہمن فرقہ کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے۔ کہ چاروں طرف خون کی ندیاں بہ گئیں۔ بٹوں نے اپنی ذات تبدیل کر لی شکلیں بدل لیں۔ کئی لوگ ملک سے باہر چلے گئے۔ اور بقول مصنف تاریخ گلدستہ کشمیر وغیرہ اب تک کشمیر میں یہ مثل زبان زد عوام ہے۔ کہ نہ بٹوام یعنی میں بٹ نہیں ہوں۔

سلطان سکندر بت شکن (۱۳۹۳ء لغائت ۱۴۱۶ء) کشمیر کا مشہور بادشاہ تھا۔ اس کا وزیر اعظم ایک ہندو ہی تھا۔ اور بٹ برہمن فرقہ سے تھا۔ نام اس کا سیہ بٹ تھا۔ جب اس نے اسلام قبول کر لیا۔ تو نام اس کا سیف الدین رکھا گیا۔ اور بادشاہ کی طرف سے ملک کے خطاب سے مخاطب کیا گیا۔

سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ کے زمانہ میں بودی بٹ نام ایک برہمن نے عجیب دماغ پایا تھا۔ اس کو شاہنامہ فردوسی شروع سے اخیر تک ازبر تھا۔ اور جب وہ پڑھتا تھا تو بادشاہ وجد میں آجاتا تھا۔ علم موسیقی میں اس نے ایک کتاب زین نام سے بادشاہ کے نام پر بھی لکھی تھی۔

سلطان حسن شاہ (۱۴۷۵ء لغائت ۱۴۸۷ء) کا سپہ سالار تازی بٹ ایک مسلمان بٹ ہی تھا۔ یہ وہی تازی بٹ ہے۔ جس کو بادشاہ نے راجۂ جموں کی استدعا پر اس کی امداد کے لئے فوج دے کر جموں بھیجا تھا۔ اور جس نے تاتار خاں حاکم پنجاب کو شکست دے کر سیالکوٹ کو تباہ کر دیا تھا۔

۱۵۸۱ء میں بعہد یوسف شاہ چک بٹ قوم کا ایک اور نامور فرد محمد بٹ نظر آتا ہے جو اپنے بادشاہ کا وزیر اعظم تھا۔ اکبر کی فتح کشمیر کے بعد یہی محمد بٹ تھا جس نے اپنے رسوخ سے ۱۵۸۶ء میں فتنہ و فساد کو رفع کرا دیا تھا۔

ریاستی مردم شماری ۱۸۹۱ء میں بٹ فرقہ کی تعداد ۹۱۴۴۴ ، ان کی قومیت برہمن اور ان کا پیشہ کاشت کاری درج ہے۔ ۱۹۱۱ء میں ان کی تعداد دونو صوبوں میں ۱۴۹۲۱۷ تھی۔ ۱۹۳۱ء میں ان کی تعداد ۱۶۸۲۲۸ نفوس ہے۔ جس میں ۹۰۴۷۷ مرد اور ۷۷۷۵۱ عورتیں ہیں۔

دیگر کشمیری اقوام کی طرح بٹ قوم بھی کشمیر سے باہر نکل کر پنجاب[1] کے مختلف اضلاع میں پھیلی ہوئی ہے۔ پنجاب کے بعض بٹ خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں درج ہوگا

صوبہ جموں میں بھی کشمیریوں کی ایک معقول تعداد آباد ہے۔ ان میں بٹ۔ ملک۔ میر۔ ڈار کئی ذاتیں ہیں۔ ۱۹۱۱ء میں صرف بٹ فرقہ کی تعداد صوبہ جموں میں ۱۴۱۴۵ تھی۔ جب مہاراجہ گلاب سنگھ کو جموں میں بھی شالبافی کے کارخانوں کے اجرا کی ضرورت محسوس ہوئی تو کشمیر سے شالبافی کے جن کاریگروں کو جموں بلایا گیا۔ ان میں ایک خواجہ کریم جو بٹ بھی تھے مہاراجہ گلاب سنگھ نے ان لوگوں کو محلہ دبیتیاں میں بہت سی زمینیں آباد ہونے کے لئے عطا کیں۔ چنانچہ جموں میں محلہ دبیتیاں ہی میں کشمیریوں کی سب سے زیادہ آبادی ہے۔

خواجہ کریم جو کی اولاد سے عبدالوہاب کریم بٹ اور قائم دین نے اپنے اخلاق کی وجہ سے بہت مقبولیت حاصل کی۔ خواجہ عبدالوہاب محکمۂ پولیس میں ملازم تھے۔ قائم الدین مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو فن تیراکی سکھانے کے استاد تھے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ وقتاً فوقتاً قائم الدین کے ساتھ مراعات شاہانہ کا سلوک کرتے رہے۔ خواجہ کریم بٹ یا کریم بخش شالبافی کے کام میں صاحب کمال تھے انہی کی ذریات سے منشی محمد الدین اس وقت جموں میں موجود ہیں۔ جو عرصۂ دراز تک انجمن اسلامیہ جموں کے کامیاب سپرنٹنڈنٹ اور بعد ازاں جموں و کشمیر میں محکمۂ انسداد بردہ فروشی کے نیک نام اور مستعد افسر رہے ہیں۔ اور آجکل میونسپلٹی سری نگر کشمیر کے پیرہ کار ہیں۔ وہ اپنے اخلاق کی وجہ سے اپنے احباب کا حلقہ بہت وسیع رکھتے ہیں۔

[1] پنجاب میں کئی بٹ مسلمان خاندانوں نے نسلی انقلاب کی بدولت شیخ کا لباس تبدیل کر لیا ہے۔

گنائی

گنائی کے متعلق مصنف تاریخ اعظمی لکھتے ہیں "گنائی عرف آں وقت نویسندہ را مے گفتند از مفتی گرفتہ تابہ پتواری ہمیں لقب بود"۔ یہ سطور بابا عثمان اوچپ گنائی کے حالات میں درج ہیں۔ جو حضرت شیخ نورالدین ولی کے ہم صحبت تھے۔ اور بڈشاہ کے زمانہ میں فوت ہوئے ہیں۔ ان سطور سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لقب یا عرف بڈشاہ سے بھی قبل رائج تھا۔ تاریخ حسن میں لکھا ہے۔ "گنائی بزبان فارسی منشی را گویند"۔ اور جب ہم گنائی خاندان کے نامی اہل علم بلکہ اولیائے کبار کی طویل فہرست پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو فی الواقعہ یہ گروہ اس لقب کا صحیح اہل پایا جاتا ہے۔ اسی بنا پر کشمیر میں یہ شعر فرقہ گنائی کے متعلق مشہور ہے۔ ؎

گنائی بہ کشمیر دانا بود + خداوند تدبیر و خامہ بود

مصنف تاریخ حسن لکھتا ہے "قبیلۂ گنائی ہا از قوم برہمن نیکوکار و ذوالاقتدار بودہ است"۔ لیکن گنائی جب ایک لقب اور عرف ہے۔ تو صرف قوم برہمن کے افراد ہی اس خطاب یا لقب کے مستحق کس طرح ہو سکتے ہیں۔ دوسرے فرقوں سے بھی جو اس کے قابل ہوتا ہوگا اس کو یہ خطاب بادشاہ وقت کی طرف سے ملتا ہوگا۔ مثلاً شیخ یعقوب صرفی گنائی کے متعلق تاریخ اعظمی تاریخ کبیر کشمیر اور کشمیر کی دوسری تاریخوں بلکہ خود تاریخ حسن میں لکھا ہے۔ کہ وہ بایزید عاصمی کی اولاد سے تھے۔ اور بایزید حضرت عاصم بن حضرت عمرؓ کی اولاد و احفاد سے تھے۔ اور شیخ یعقوب صرفی سات بھائی تھے۔ اور ساتوں ہی کثیر التعداد تھے۔ اور ان کی سب ذریات گنائی ہی کہلائی۔ شائق نے بھی جو بعہد راجہ سکھ جیون ایک نامور شاعر گزرا ہے۔ اپنی تاریخ میں ان کو عاصمی ہی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہوں ذیل کے چند اشعار ؎

ز شیخ حسن بود ایں خوش نسب | ز داعیانِ کشمیر بودش لقب
گنائی لقب داشت ایں عاصمی | کشادہ خدائش در محرمی
گنائی ست دانا بعرفِ دیار | بہ عثماں گنائی شُد او یارِ غار

اس لئے گنائی طبقہ میں وہ مسلمان بھی شامل ہیں۔ جو بیرونی ممالک سے آئے اور وہ شیوخ کشمیر بھی شامل ہیں۔ جو کشمیر کے برہمنوں اور ہندوؤں کے دیگر فرقوں سے مسلمان ہو گئے تھے۔ شیخ یعقوب صرفی میر حسن گنائی کے فرزند تھے۔ وہ میر علی کے اور وہ بایزید عاصمی کے۔ گویا بایزید عاصمی سب سے پہلے کشمیر آئے۔ مصنف تاریخ گلشن کشمیر کی تحریر کے مطابق بایزید کو گنائی کا خطاب ملا۔ اس لئے کہ وہ نہائت خوشنویس اور زبردست منشی تھے۔ گنائی اہلِ قلم کو کہتے ہیں۔

کشمیر میں گنائی فرقہ چار طبقوں پر منقسم ہے۔ ایک وہ جو حضرت عاصم بن حضرت عمر فاروق کی اولاد سے ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو سید تھے یا مغل یا پٹھان یا قریشی جن کو یہ خطاب ملا۔ ان کی اولاد بھی گنائی ہی کہلاتی رہی۔ تیسرے کشمیر کے نومسلم جن میں برہمن کھتری۔ ویش سب شامل ہیں۔ چوتھے وہ گنائی جو قصابوں کا کام کرتے ہیں۔

گنائی کے تین طبقوں کے متعلق تو تشریح کی ضرورت نہیں۔ ان کے مطالب و معانی خود بخود ظاہر ہو رہے ہیں۔ قصاب گنائیوں کے متعلق تاریخ حسن کا مصنف لکھتا ہے۔ "ہمت گنائی نام شخص نیکو کار مشہور روزگار است۔ وے کار گوسفنداں قصابی بر خود مقبول نمودہ۔ اکنوں ذریت او تمام کار گوسفنداں قصابی مے سازند" غرض اسی زمانہ سے اس قوم کا ایک گروہ قصابیوں کا کام اور اپنے آپ کو ہمت گنائی کی ذات سے منسوب کرتا ہے۔ لیکن اس وقت کشمیر کے سارے قصاب گنائی طبقہ اور ہمت گنائی کی ذریت ہی سے نہیں ہیں۔ بلکہ راقم حروف کی تحقیقات کے مطابق کشمیر کے قصابوں میں کوئی بٹ بند

ڈار، میر، چک اور بعض اور اقوام بھی شامل ہیں۔ اور قصابوں میں شامل ہوکر سب گنائی کے نام سے موسوم ہیں۔

کشمیر کے بعض مواضعات میں جو لوگ چوکیدارہ کام پر سرکار کی طرف سے مقرر ہیں۔ آجکل وہ بھی بالعموم گنائی کہلاتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے کہ وہ گنائی طبقہ ہی سے ہیں۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ امتداد زمانہ سے جب ان کا سابقہ عروج جاتا رہا۔ تو ان میں سے بعض نے چوکیدارہ پیشہ اختیار کر لیا ہوگا۔

تاریخیں شاہد ہیں۔ کہ گنائی کشمیر کا ناموروی علم طبقہ رہا ہے مصنف تاریخ حسن لکھتا ہے "اکثر ہا رئیس نامدار و اولیائے کبار" خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ "اکثر احفاد و ذریت ایشاں را کار با فضیلت و علم افتاد"۔ بابا عثمان اوچپ گنائی شیخ یعقوب صرفی گنائی۔ شیخ بابا داؤد خاکی گنائی۔ حاجی ملا فیروز گنائی۔ ملا عبدالوہاب گنائی۔ ملا محسن گنائی فانی (استاد غنی ملک الشعرائے) شیخ عبدالوہاب[1] نوری بن خواجہ رشید گنائی۔ شیخ احمد تارہ بلی شیخ حسن لاو۔ ملا حاجی جوہر گنائی۔ مولانا شنگرف گنائی۔ شیخ محمد طبیب گنائی۔ ملا محمد مراد گنائی فرزند محمود اشرف بن ملا شمس الدین گنائی۔ ملا حسین گنائی یہ وہ لوگ تھے جن کے علم و فضل اور جن کے اتقا و زہد پر کشمیر کو ہمیشہ ناز رہیگا ان بزرگوں کے تفصیلی حالات کشمیر کی تاریخوں میں درج ہیں۔ شیخ یعقوب صرفی کے خاندان کے کچھ افراد قصبہ ترال میں بھی رہتے ہیں۔ اسی گنائی خاندان میں ابھی تھوڑا عرصہ ہوا۔ عبدالعلی گنائی تخلص عاشق کشمیری و فارسی زبان میں اعلیٰ پایہ کا

---

[1] شیخ وہاب نوری کی اولاد اب نوری عرف ہی سے مشہور ہے۔ زینہ کدل میں آباد ہے۔ پیری مریدی اس کا پیشہ ہے۔ اور مزار حضرت شیخ یعقوب صرفی کی تولیت بھی اسی خاندان کے پاس ہے۔

شاعر تھا۔ عہد حاضرہ کا مشہور کشمیری شاعر پیرزادہ غلام احمد مہجور عاشق ترالی ہی کا شاگرد ہے
سری نگر میں ملا عنایت اللہ شال جو ایک نامور عالم دین تھے۔ اور بعہد مہاراجہ رنبیر سنگھ خواجہ ثناء اللہ شالی نامی رئیس گزرے ہیں۔ وہ بھی گنائی تھے۔ اور اس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جو ترکستان یا خراسان کی طرف سے کشمیر میں آیا تھا۔ خواجہ سعد الدین شال انہی کی ذرّیات سے ہیں۔ ان کے زیادہ حالات شال طبقہ کے سلسلہ میں درج ہوں گے
گنائی طبقہ کا ایک مقتدر خاندان موضع مچھ بھون (مٹن) میں رہتا ہے۔ جو تحصیل اسلام آباد کے مشہور ترین مقام پہلگام کے رستہ میں ہے۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ آنجہانی کے ابتدائے عہد میں اس خاندان کا ایک نامور شخص قادر گنائی تحصیلداری کے عہدہ پر رہا ہے سر والٹر لارنس مصنف کتاب ویلی آف کشمیر و سابق کمشنر بندوبست کشمیر نے انکی خدمات اور خاندانی وجاہت کا انکو سارٹیفکیٹ بھی دیا تھا۔ زیارت بابا بام الدین بومرزور کی تعمیر و مرمت آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہے ۱۹۵۳ء میں وفات پا گئے۔ مٹن کے مشہور علم دوست خواجہ مختار گنائی جو حال ہی میں ذیلدار ہوئے ہیں۔ آپ ہی کے فرزند ہیں۔ خواجہ سعد اللہ گنائی ذیلدار۔ خواجہ قدوس گنائی نمبردار اور خواجہ سیف الدین گنائی انسپکٹر پولیس اس خاندان کے درخشندہ ممبر ہیں۔ اور وسیع زمینداری رکھتے ہیں۔ موضع ساگام تحصیل اننت ناگ میں محمد گنائی نمبردار و سفید پوش کا خاندان بہت مشہور ہے۔ سیر " میں بھی ایک گنائی خاندان نمبردار ہے۔
۱۸۹۱ء کی مردم شماری میں گنائی فرقہ کی تعداد ۳۷۸۹ تھی۔ اور اس کو برہمن کاشتکار فرقہ لکھا گیا ہے۔ لیکن راقم الحروف لکھ چکا ہے۔ کہ گنائی برہمن ہی نہیں تھے بلکہ اس طبقہ میں اور کئی قومیں بھی شامل ہیں۔ ۱۹۱۱ء میں اس فرقہ کی تعداد صوبہ جموں و کشمیر میں ۴۲۴۶ تھی۔ اور ۱۹۳۱ء میں اب یہی تعداد ۴۱۵۹۲ ہے۔ جس میں ۱۴۷۳۲ مرد اور ۲۶۸۰۰ عورتیں ہیں۔
اس طبقہ کے چند گھر لاہور وغیرہ مقامات میں بھی ہیں۔ انکا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔

ٹوپ گرو یا ٹوپیگرو

کشمیر میں یہ ایک ایسا گروہ ہے۔ جس میں قاضیوں اور صوفیوں کے فرقوں کی طرح کئی گوتیں اور ذاتیں شامل ہیں۔ آج ٹوپ گرو یا ٹپ گر اس کو کہا جاتا ہے۔ جو ٹوپیاں بنائے۔ مثلاً ایک شخص کی ذات ٹون یا بٹ ہے۔ وہ اگر ٹپ گر کا کام کرتا ہے۔ تو وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ اسی طرح ڈار۔ ملک۔ سہرو۔ رینہ وغیرہ کئی ذاتوں کے لوگ جو ٹوپیگرو کا کام کرتے ہیں۔ ٹپ گر ہی کہلاتے ہیں۔

لیکن صاحب روضۃ الابرار نے دیگر تواریخوں کے حوالے سے اس نام کی اصل وجہ پر بھی کچھ روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں مولانا محمد عابد سری نگر کے ایک متقی بزرگ تھے۔ ان کے سر کی ٹوپی عام دستور کے مطابق سر سے ذرا اونچی ہوتی تھی۔ یہی ٹوپی پہنے ہوئے ایک مرتبہ اپنے مرشد کے پاس گئے۔ چونکہ ٹوپی نئی قسم کی تھی۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا۔ "ٹوپیگرو آمد۔"

دوسری وجہ میں لکھتے ہیں۔ اس خاندان کے ایک فاضل کو حاکم وقت نے سبز چوغہ اور کلاہ بطور علامت بزرگانہ عطا کئے۔ کلاہ چونکہ کشمیری ٹوپی سے مختلف قسم کا تھا۔ جب آپ نے پہنا تو کلاہ کی وجہ سے عرف عام میں ٹوپیگرو کے نام سے مشہور ہو گئے۔

ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے۔ کہ ٹوپ کشمیری زبان میں نئے غنچہ یا پھول کو گرو پھٹنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ "بزرگے از ایشاں غنچہ شگوفہ را بر سر کلاہ خود داشت بنا بریں بہ ایں عرف اشتہار یافت"[1]۔

---

[1] روضۃ الابرار صفحہ ۶۶ مطبوعہ ۱۳۰۲ھ

چوتھی وجہ اس نام کی یہ بتائی جاتی ہے۔ کہ چونکہ اس خاندان میں نسلاً بعد نسلاً بزرگ اور فاضل بلکہ علامہ دہر پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اور وہ اپنے مرشدوں کے عطیہ جات کلاہ کلاں کا استعمال کیا کرتے ہیں۔ وہ کلاہ ایسے تھے۔ جیسے قزلباش پہنا کرتے ہیں۔ اس لئے ٹوپیگرؔ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ٹوپیگرؔ کا لفظ بلکہ لقب خالص کشمیری اصطلاح ہے۔

ٹوپیگرد خاندان کو بقول صاحب روضۃ الابرار کوئی شیخ صدیقی کہتا ہے۔ کسی کے خیال میں وہ بچھ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی قاضی موسیٰ شہید کی اولاد بتاتا ہے لیکن تحقیق اور صحیح یہ ہے۔ کہ محمدؐ عابد خود یا ان کے کوئی بزرگ کشمیری پنڈت تھے کسی مسلمان اہل اللہ کی توجہات سے اسلام قبول کر لیا۔ اور دینی و دنیوی ایسی برکات حاصل کیں کہ ان کی اولاد "علم و فضل" کا گہوارہ بنی رہی۔

اس خاندان نے بڑے بڑے نامور علما پیدا کئے ہیں۔ آج سے قریباً پونے تین سو سال پہلے خواجہ محمدؐ ٹوپیگرد بہت مشہور عالم گزرے ہیں۔ صرف و نحو میں استاد کامل تھے۔ کشمیر بلکہ بیرونجات کے اکثر اہل علم ان کی درس گاہ میں حصول تعلیم کے لئے آتے تھے۔ اور صرفی و نحوی بن کر واپس جاتے تھے۔ انہوں نے بہت سی عربی و فارسی کتابوں کی شرح لکھی ہے۔ آج سے پچاس سال پیشتر امرتسر میں مسجد میاں محمدؐ جان مرحوم کے امام بابا غلام رسول (قاسمی)[۱] تھے۔ ان کے کتب خانہ میں شرح ملاں جامی بہت پرانے اوراق پر مصنف روضۃ الابرار نے دیکھی تھی جس پر اخیر میں "در ۱۰۸۷ھ خود مصنف نوشتہ بود" کے الفاظ درج تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج سے ۲۶۳ سال پیشتر خواجہ محمدؐ ٹوپیگرو زندہ تھے۔ اور محمدؐ عابد

۱؎ مصنف روضۃ الابرار مولانا محمد الدین فوقؔ مرحوم نے خود اپنی کتاب میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے

جو اس خاندان کا پہلا مشہور بزرگ ہے۔ وہ تو ان سے بھی پیشتر گزرا ہے۔
بارھویں صدی ہجری ایک اور مشہور ٹوپیگرو اخوند ملا مقیم کا نام پیش کرتی ہے ان کا اصل نام عبداللہ تھا۔ باپ کا نام خواجہ محمد فاضل ٹوپیگرو تھا۔ جن کے متعلق وقائع نظامی[۱]۔ باغ سلیمان[۲]۔ پنج گنج[۳]۔ تاریخ اعظمی[۴] وغیرہ میں تفصیلات سے لکھا ہے۔ محمد فاضل کشمیر کے مشہور تاجر تھے۔ مال و دولت اور علم و فضیلت میں امتیاز خاص رکھتے تھے۔ حج کو جاتے ہوئے اورنگ آباد دکن میں وفات پا گئے۔ ملا مقیم ان کے فرزند علامۂ دہر تھے۔ حضرت قاضی شاہ دولت حسینی بخاری نقشبندی چشتی کے مرید اور شیخ نورالدین ولی سے نسبت اویسی رکھتے تھے۔ نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ ناظم کشمیر کے زمانہ میں براہ پکلی پشاور گئے۔ پھر دوسری دفعہ عنایت اللہ خاں نائب ناظم کے عہد میں براہ جموں لاہور تک پہنچے۔ اور ۱۱۷۰ھ میں سری نگر میں انتقال کر گئے۔ ان کے فرزند اخوند نورالہدیٰ بھی وحید العصر اور فرید الدہر تھے۔ ان کے علاوہ شیخ الوقت بابا محمد اشرف فتح کدلی ٹوپیگر اور خواجہ مختار شاہ ٹوپیگر بھی اسی خاندان کے جواہر بے بہا گزرے ہیں۔ غرض یہ خاندان "ایں خانہ تمام آفتاب است" کا صحیح مصداق تھا۔

۱؎ مصنفہ مفتی نظام الدین محمد۔
۲؎ مصنفہ میر سعد اللہ شاہ آبادی۔
۳؎ مصنفہ خواجہ بہار الدین متو۔
۴؎ مصنفہ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری۔

پُٹلو

ابتدائے عروج اسلام میں کشمیر کے دیگر فرقوں کی طرح یہ فرقہ بھی مسلمان ہو گیا۔ جب یہ فرقہ ہندو تھا۔ اس وقت بھی اس کا نام پٹلو ہی تھا۔ پٹلو کشمیری زبان میں بُت کو کہتے ہیں۔ اردو کا لفظ "پتلا" بھی بُت کے معنوں ہی میں بالعموم مستعمل ہوتا ہے۔ چونکہ اس طبقہ کا تعلق بتوں سے رہا ہے۔ یا تو یہ بُت خانوں کا پجاری ہوگا۔ یا مسلمانوں کے عہد سے قبل مورتیاں بنا کر بُت فروشی کرتا ہوگا۔ ظہور اسلام کے ساتھ ہی کسی ابراہیم نما پٹلوُ نے بُت فروشی پر بُت شکنی کو ترجیح دے کر اسلام قبول کر لیا ہوگا۔

سری نگر میں پٹلوُ خاندان کے چند افراد کشمیری مسلمانوں میں اور ویری ناگ میں چند گھر کشمیری پنڈتوں کے ایسے ہیں۔ جو پٹلوُ کہلاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ فرقہ ہندوؤں کے ورن اول برہمن سے نکلا ہے۔

امرتسر میں کشمیری مسلمان اس کثرت سے آباد ہیں۔ کہ ایک مرتبہ نواب خواجہ سلیم اللہ مرحوم نواب ڈھاکہ نے امرتسر کے جلسہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ میں اس کو کشمیر ثانی کا خطاب دیا تھا۔ ولیم مورکرافٹ[1] اپنے سفر نامہ میں امرتسری کشمیریوں کے متعلق لکھتا ہے۔ "سکھوں کے کشمیر میں آنے سے پیشتر ہی (یعنی ۱۸۱۹ء سے پہلے ہی) بعض کشمیری خاندان افغانوں کے ظلم سے تنگ آ کر پنجاب میں چلے آئے تھے۔ جنہوں نے پنجاب میں شال کی صنعت کو فروغ دیا"

انہی ایام میں پٹلو خاندان کی جو شاخ افغانی مظالم سے تنگ آ کر امرتسر آئی۔ اس

---

[1] سفر نامہ مورکرافٹ جلد اول صفحہ ۱۱۱ مطبوعہ ۱۸۳۷ء بمقام لندن

نے بہت قلیل عرصہ میں اپنی نجابت و شرافت اور تجارت و قابلیت سے بڑا اقتدار حاصل کرلیا۔ اس شاخ کے کچھ حالات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

کشمیر میں خواجہ عبداللہ احمد احراری کے مریدوں میں خواجہ فیروز ایک نامور مرید تھا۔ خواجہ حیدر چرخی اسی کے فرزند تھے۔ تحصیل علوم کے بعد جب درجۂ کمال پر پہنچے۔ تو (بعہد جہانگیر) گورنر کشمیر نے قضا کا عہدہ ان کے سپرد کیا۔ آپ نے معذرت چاہی جب اس نے جبر کیا تو بھاگ گئے۔ اور جب دوسرا گورنر آیا تو پھر کشمیر آئے۔ بزمانہ شاہجہان ۱۰۵۰ھ میں سری نگر میں وفات پا گئے۔

ایسے حق گو اور حق پرست جید عالم کے مریدوں میں ملا عبدالشکور پتلو بھی تھے جن کے متعلق روضۃ الابرار میں درج ہے ؎

بُود در علم عقلی و نقلی ملا عبدالشکور علامہ

ملا عبدالشکور نامی گرامی تاجر تھے۔ اس پر بھی دینیات کا یہ شوق تھا۔ کہ کئی طلباء کو ہر روز منقولات و فقہ کا باقاعدہ درس دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عالمگیر نے علمائے کشمیر کے لئے صوبیدار کشمیر کے پاس کثیر رقم ارسال کی۔ آپ کو بھی عالم دین ہونے کی حیثیت سے بلایا گیا۔ آپ چونکہ خود امیر تھے اور مستغنی المزاج بلکہ اپنی گرہ سے لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ آپ نے روپیہ لینے سے انکار کر دیا۔

۱۱۱۳ھ میں آپ انتقال کر گئے۔ ملا اشرف نے جو آپ کا استاد زادہ اور خواجہ حیدر چرخی کا فرزند تھا۔ عربی میں آپ کا ایک دردناک مرثیہ لکھا۔ انہی کی اولاد سے شیخ عبدالوہاب و خواجہ محمد خلیل شاہ ۱۲۳۰ھ میں کشمیر سے امرتسر آئے۔ جہاں انہوں نے تجارت پشمینہ کو وہ رونق دی کہ ولائت تک اس کا چرچا ہو گیا۔

پی پرنٹ نام ایک فرانسیسی تاجر نے وہاب شاہی پشم کو شیخ عبدالوہاب ہی کے کارخانے کی معرفت فرانس تک پہنچایا۔ چونکہ یہ کارخانہ بہت مشہور ہو رہا تھا۔

آغا قمر علی کرمانی (ایران) نے بھی اپنے ملک سے پشم کا نمونہ آپ کے کارخانہ میں بھیجا۔ آپ نے پٹ کرمانی کے نام سے اس پشم کو بہت فروغ دیا۔ یہی پٹ کرمانی بعد میں وہاب شاہی پشم کے نام سے مشہور رہی ہے۔

شیخ عبدالوہاب کے فرزند اول خان بہادر شیخ غلام حسن لاولد فوت ہو گئے وہ امرتسر کے آنریری مجسٹریٹ و میونسپل کمشنر بھی تھے۔ دوسرے فرزند شیخ غلام صادق بھی خان بہادر کے خطاب یافتہ تھے۔ اخیر عمر تک آنریری مجسٹریٹ و میونسپل کمشنر رہے۔ امرتسر کی اسلامیہ انجمن۔ انجمن حمائت اسلام۔ مسلم کشمیری کانفرنس اور دیگر کئی اسلامی و قومی انجمنوں کے ہمیشہ معاون رہے۔ یتامیٰ و بیوگاں کے مربی و محسن تھے تجارت کے ذریعہ انہوں نے عزت و شہرت حاصل کی۔ اور مسلمانوں کو ہمیشہ تجارت ہی کا شوق دلاتے رہے۔ ۱۸۵۴ء میں پیدا ہوئے۔ اور بعمر ۶۷ سال ۱۹۲۱ء میں اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے۔ تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں آپ سے یادگار ہیں۔ فرزندوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

شیخ صادق حسن بی۔ اے بیرسٹر ایٹ لاء ممبر لجسلیٹو اسمبلی۔ شیخ محمد صادق بیرسٹر ایٹ لاء ممبر پنجاب کونسل۔ شیخ احمد صادق میونسپل کمشنر و ڈائریکٹر فرم خان بہادر شیخ غلام حسن اینڈ کمپنی۔

شیخ عبدالوہاب مرحوم کے بھائی خواجہ محمد خلیل شاہ کا صرف ایک ہی فرزند تھا۔ شیخ محمد شاہ نام۔ ان کی دو صاحبزادیاں ہیں۔ جن کی شادیاں شیخ صادق حسن و شیخ محمد صادق سے ہو چکی ہیں۔

اشبری

اشبری یا ایشہ بری جھیل ڈل کے کنارے شمال کی طرف نشاط باغ سے تھوڑی دُور ایک گاؤں ہے۔ جس سے قریباً تین ہزار فٹ کی اونچائی پر زگاسر لشیوری کا تیرتھ ہے۔ کلہن اور کشمیر کے دوسرے مصنفوں نے اس تیرتھ کو غیر معمولی طور پر ہندوؤں کا مقدس مقام قرار دیا ہے۔

جس بلندی پر دیوی کا استھان ہے۔ وہاں چونکہ اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس لئے گاؤں کے پاس بہت سے مندر بنا دیئے گئے۔ انہی میں ایک مندر ایشیشور کے نام سے ہے۔ جس کو راجہ سندیمت نے اپنے گرو ایشان کے لیے بنوایا تھا۔ اس کا ابتدائی نام ایش بردر تھا۔ اب مرور ایام سے بگڑ کر اشبری ہو گیا ہے۔ یہاں بساکھی کے دن پنڈتوں کا ایک عظیم میلہ لگتا ہے۔

ہندوؤں کا زمانہ تھا۔ اس لئے گاؤں میں سب ہندو ہی رہتے تھے۔ اور چونکہ مندروں کی یہاں کثرت تھی جن کے آثار اب بھی گاؤں کے نواح میں پائے جاتے ہیں۔ اور پھر یہ گاؤں بھی ایک دیوی کے استھان کے ساتھ ہی تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے قیاس غالب یہ ہے کہ یہاں پجاری پنڈتوں کی آبادی زیادہ ہوگی۔

اشبری سے نقل مکان کر کے جو لوگ شہر میں آ گئے۔ وہ پنڈت تھے یا ہندوؤں کے کسی اور فرقہ سے سب اشبری کہلانے لگے۔ چنانچہ اب اشبری ایک علیحدہ قبیلہ ہے۔ جس میں ہندو بھی ہیں۔ اور مسلمان بھی۔

جب کشمیر میں اسلام کا دور آیا۔ تو اشبری قبیلہ سے بھی کئی لوگ مسلمان ہو گئے لیکن مسلمان ہو جانے پر بھی ان کا عرف عام اشبری ہی قائم رہا۔

مسلمان اشبریوں نے تجارت کے ذریعہ خوب نام پیدا کیا۔ خواجہ نورالدین اشبری کی تجارتی کوٹھی کشمیر کے علاوہ دہلی میں بھی تھی۔ جو اس وقت مغل حکومت کا دارالسلطنت تھا۔ کشمیر میں موئے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو زیارت ہے۔ اُس کی بنا اسی خواجہ نورالدین اشبری سے شروع ہوتی ہے۔

خواجہ قاسم شاہ اشبری بھی اس طبقہ میں نامور گزرا ہے۔ اس قبیلہ کے ایک اور نامور تاجر خواجہ اکبر شاہ مرحوم سری نگر کے رئیس آج (۱۹۳۳ء) سے قریباً دس سال پیشتر زندہ تھے۔ جو شال مہاراجہ کشمیر کی طرف سے گورنمنٹ ہند کو بطور خراج دیئے جاتے ہیں۔ ان کا ٹھیکہ انہی کو ہر سال ملا کرتا تھا۔ ان کے دو صاحبزادے ہیں۔ ایک خواجہ انور شاہ جو اپنے والد مرحوم کی طرح تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔ دوسرے خواجہ غلام محمد جو محکمۂ پولیس میں ملازم ہیں۔

شال

شال پشمینہ کا رواج کشمیر میں ہندو عہدِ قدیم سے چلا آتا ہے۔ چنانچہ کشمیری زبان میں شال کو پوٗمبر کہتے ہیں۔ جو سنسکرت کے دو الفاظ اُپ اور اُمبر کا مرکب ہے۔ اُپ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو پوشاک کے اوپر پہنا جاتا ہے۔ اور امبر کے معنی پوشاک ہے۔ اوپ آمبر کا لفظ مرورِ ایام کی بدولت اب پومبر ہو گیا ہے۔

شال کا لفظ کشمیر میں ۹۴۷ھ مطابق ۱۵۴۲ء میں میرزا حیدر دوغلات کے زمانہ میں اس کے ایک ہمراہی نغز بیگ (جس کو اہل کشمیر نفد بیگ کہتے ہیں) کی وساطت سے آیا ہے۔ یہ شخص اور خوبیوں کے علاوہ صنعت وحرفت میں

بھی صاحب کمال تھا۔ اس نے ایک مرتبہ میرزا حیدر کے لئے ایک جوڑہ پشمینہ سادہ جس کا عرض ۱½ گز تھا۔ تیار کر کے میرزا کی نذر کیا

میرزا نے کہا یہ کیا ہے۔ وہ بولا شال ہے۔ میرزا نے کہا شال یا دوشال نغز بیگ نے کہا۔ حضور دوشال لفظ شال کے معنی کاشغری زبان میں تختہ کلاں (Sheet) کے ہیں۔ اور دوشال دو تختہ کو کہتے ہیں۔ شال یا دوشال کی یہی وجہ تسمیہ ہے۔[۱]

جن لوگوں نے شال پشمینہ کی تجارت میں نام پیدا کیا۔ وہ بھی شال ہی کہلانے لگے۔ ایسے تاجروں میں خواجہ ثناء اللہ شاہ شال ملک التجار گزرے ہیں۔ ان کی اصل ذات گنائی ہے۔ جس نے کشمیر میں شیخ یعقوب صرفی۔ ملا فیروز گنائی اور بابا داؤد خاکی جیسے فاضل اجل اور عالم متبحر صلحا پیدا کئے ہیں۔[۲]

خواجہ سعد الدین شال جو اس وقت شال فیملی کے سرکردہ بزرگ ہیں۔ خواجہ ثناء اللہ شاہ مرحوم ہی کے فرزند ہیں۔ خواجہ ثناء اللہ مرحوم کی تجارتی کوٹھیوں کا جال کشمیر کے علاوہ پنجاب اور کلکتہ و بمبئی تک پھیلا ہوا تھا۔

سُود

کہا جاتا ہے۔ کہ یہ خاندان آسودہ حال تھا۔ اس سے آسود اور آسود سے سود نام ہو گیا۔ لیکن یہ وجہ قابل اعتماد معلوم نہیں ہوتی۔ ہندوؤں میں ایک ذات سود ہے۔ راقم الحروف نے چند سود صاحبان کو خطوط لکھے اور اس نام کی وجہ دریافت

---

[۱] ملاحظہ ہو رسالہ شال مصنفہ پنڈت تاراچند ترسل رئیس سری نگر کشمیر۔

[۲] ان کے حالات کے لئے مشاہیر کشمیر مصنفہ راقم الحروف ملاحظہ ہو۔

کی۔لیکن کوئی اطمینان بخش جواب نہ ملا بہر حال علم اس خاندان کی میراث تھا۔اس خاندان کے بعض افراد حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کے خلفاء میں درجہ اختصاص رکھتے تھے۔

خوارق السالکین میں شیخ محمد صادق سود کی حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ خط وکتابت بھی رہی ہے۔چنانچہ مکتوبات امام ربانی میں اکثر مکتوبات شیخ محمدؐ صادق سُود کے نام درج ہیں۔علوم عقلیہ وفنون نقلیہ میں آپ کو کامل دسترس تھی۔باوجود دنیاوی وجاہت کے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈال کر طلباء کو خود درس دیا کرتے تھے۔ ۱۰۶۵ھ میں بعہد شاہجہان انتقال فرماگئے۔ان کے علاوہ خواجہ محمدؐ عارف سُود بھی جو بابا علی پانپوری اور شیخ ابراہیم عرف ٹھگ بابا کے مرید تھے۔روحانی فیوضات کا گوہر بے بہا ہو گزرے ہیں۔

خواجہ قائم سود۔خواجہ محمدؐ عابد۔عبد العظیم۔عبد الکریم وغیرہ کئی مشاہیر اس خاندان میں گزر چکے ہیں۔پٹھانوں۔سکھوں اور ڈوگروں کے زمانہ میں بھی علی الترتیب شیخ فخر الدین اور مولانا صدر الدین نے اپنے علم و ورع کے لحاظ سے اپنے خاندان کے عالم باعمل ہونے کا ثبوت دیا ہے۔شیخ فخر الدین کے مزار پر جو کتبہ ہے۔اس کا پہلا شعر یہ ہے۔؎

رفت زیں خاک داں بہ خُلد بریں قطب اقطاب شیخ فخر الدین

اپنے زمانہ کے ولی اللہ اور عارف باللہ تھے۔مولانا صدر الدین کے شاگردوں میں سری نگر۔شاہ آباد۔ترال اور دیگر ملحقات کشمیر کے کئی نامور لوگ ہیں۔مثلاً میر واعظ صاحب ہمدانی۔میر واعظ اسلام آباد مولوی غلام محی الدین مرحوم۔مولوی حسین شاہ زیرک وکیل اسلام آباد حسین شاہ وفائی وغیرہ وغیرہ۔

آپ کے تین فرزند اس وقت موجود ہیں۔اور تینوں علمائے ورثہ کو سنبھالے ہوئے ہیں۔یعنی درس تدریس کا کام کرتے ہیں۔لیکن سب سے بڑے فرزند مولوی نور الدین متخلص بہ قاری فارسی۔عربی کشمیری اور اردو میں مہارت تامہ

رکھتے ہیں۔ اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ (افسوس ہے۔ مولوی نورالدین ستمبر ۱۹۳۲ء میں ایک ماہ کی بیماری کے بعد انتقال کر گئے)۔ مولانا قاری کے باقی دو بھائیوں کے نام مولوی بدرالدین اور مولوی نجم الدین ہیں۔

ملک

تاریخ حسن میں لکھا ہے۔ کہ "یہ کسی خاص قبیلہ کا نام نہیں ہے۔ ملک خطاب شاہی ہے۔ سلاطین کشمیر کے عہد میں تمام رؤسا مصاحب۔ جاگیردار اور افسرانِ فوج بالعموم اسی خطاب سے مخاطب کیے جاتے تھے۔ محافظانِ راہ ہندوستان و ترکستان کو بھی سرکار کشمیر سے یہی خطاب ملا کرتا تھا۔ یہ قبیلہ بھی اقوام شیخ کی شاخ ہے۔ جو مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے ہندو تھا۔

تاریخ گلشن کشمیر نے بھی اس معزز گروہ کے فرائض وحقوق کے سوا اور کسی بات پر روشنی نہیں ڈالی۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ یہ لوگ زمانہ قدیم میں نہ صرف راستوں کی نگرانی کرتے تھے۔ بلکہ بادشاہوں کے پاس حالات ضروری بھی پیش کیا کرتے تھے۔ شاہ آباد کے موجودہ ملک خاندان کے آباؤ اجداد (حبیب اللہ ملک و نورشاہ ملک وغیرہ) اس وجہ سے کہ شاہی راستہ انہی کے علاقہ میں سے ہو کر گذرتا تھا۔ مغل بادشاہوں کے حضور میں تقرب و رسوخ کامل رکھتے تھے۔ شاہ آباد ویری ناگ کا موجودہ ذیلدار ملک غلام قادر ذیلدار انہی کی ذریات سے ہے۔ کشتوار اور بانہال کے علاقوں کی حفاظت انہی کے اجداد کے سپرد تھی۔ شوپیاں کے ملک محمد ملک و محمد علی خاں وغیرہ شوپیاں کی شاہی سڑک اور بادشاہی فوج اور لاؤ لشکر کی رسد رسانی اور رعایائے ملحقات کی محافظت کے ذمہ دار تھے۔ کھل نارہ واؤ کے ملک (اسداللہ ملک و

کامگار ملک وغیرہ) اور علاقہ آڈو ن کے ملک (مختار ملک وغیرہ) اپنے اپنے علاقوں کے ذمہ دار تھے - اور بونہ کوٹ کھوئی ہامہ کے ملک (صابر ملک و دلاور ملک وغیرہ) لداخ وسکردو میں امن قائم رکھنے پر مامور تھے - جاگیر داران بونہ کوٹ اب بھی بہ حیثیت جاگیردار موجود ہیں - کامگار ملک کا انتقال ہو چکا ہے - دلاور ملک موجود ہے - ملک اس خاندان کا قدیمی خطاب ہے -

پونچھ کا راستہ جو پنجاب کو جاتا ہے - ان چھوٹے چھوٹے راجوں کے سپرد تھا - جو اس کے گرد و نواح میں رہتے ہیں - کرناہ اور مظفر آباد کی طرف جو جاگیردار اور وظیفہ خوار تھے - وہ راجہ یا سلطان کہلاتے تھے - ان سب میں راجگان وچھنہ وکھا ورہ جن کو راجگان بمبہ وکھکہ بھی کہتے ہیں - مستقل منصب دار اور نیم آزاد حکمران خیال کئے جاتے تھے - ملک اقوام کا کام صرف حفاظت راہ ہی نہ تھا - بلکہ ان کے ذمے اس علاقہ کے وقائع واخبار کی اطلاع حکام کو دینا بھی ضروری تھی - چنانچہ مصنف لب التواریخ لکھتا ہے "ورسیدن اخبار و وقائع آں راہ ہا بہ سرکار مقرر اند ملک بہ ملک مے باشند" بلکہ آئندہ و روندہ کو پروانہ راہداری بھی انہی سے ملا کرتا تھا -

معلوم ہوتا ہے کہ ملک فی الواقعہ کسی ذات یا گوت کا نام نہیں تھا - بلکہ در اصل یہ ایک خطاب ہے - اور اس کی مزید اور مستند اور مصدقہ تحقیقات کے لئے ہم کو ساڑھے تیرہ سو سال پیچھے جانا پڑیگا - چنانچہ اس خطاب کی روایت اس طرح ہے - کہ جب بابل کے بادشاہ بخت نصر نے بنی اسرائیل کو ملک شام سے جلاوطن کر دیا - تو ان کی نسل کا کچھ حصہ عرب میں اور کچھ حصہ کوہ غور اور کوہ فیروز (خراسان وافغانستان کے علاقہ) میں آباد ہو گیا اور اپنی کثیر تعداد کی وجہ سے تمام ملک میں پھیل گیا - اور رفتہ رفتہ تمام کوہستانی ملک پر قابض ہو گیا - عرب کے بنی اسرائیلیوں

میں سے ایک مدت کے بعد خالد بن ولید پیدا ہوئے۔ شارع اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شجاعت وصولت کے کارنامے دیکھ کر ان کو سیف اللہ کا لقب عطا فرمایا۔ چونکہ کفار مسلمانوں کو تنگ کر رہے تھے۔ اس لئے اپنی جمعیت کو طاقت دینے کے لئے خالد نے اپنے مدت کے بچھڑے ہوئے بھائیوں کو جو کوہ غور اور کوہ فیروزہ میں جا کر آباد ہو گئے تھے یاد کیا۔ اور ہر چند خالد اب عربی تھے۔ اور ان کے دوسرے بھائی افغان وغیرہ اور مذہب میں بھی اختلاف تھا یعنی خالد مسلمان تھے۔ اور وہ بنی اسرائیل مگر بقول ڈاکٹر اقبال ع خون آبائی رگ رگ سے نکل سکتا نہیں۔

نسل اور قوم سے چونکہ دونوں فرقے ایک تھے۔ اس لئے خون آبائی نے باوجود مذہب کے اختلاف کے جوش مارا اور قیس ابن عیص اپنے ہم قوم افغان بھائیوں کی ایک کثیر تعداد لے کر مدینہ پہنچے۔ قیس کا نسب ۳۶ واسطوں سے بنی اسرائیل کے بادشاہ ساول تک پہنچتا ہے۔ ساول حضرت مسیح سے قریباً ایک ہزار سال پیشتر بنی اسرائیلیوں کا بادشاہ تھا۔ غرض قیس مدینہ آیا اور مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس کا اسلامی نام عبدالرشید رکھا۔ اور فرمایا۔ تم طالوت یعنی ساول کی اولاد سے ہو۔ جن کو اللہ تعالٰے نے ملک کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ ہم بھی تم کو آئندہ ملک کے خطاب سے مخاطب کیا کریں گے اس روایت کے مطابق جس کو مصنف تاریخ ریاست پالن پور نے کئی مستند حوالوں سے نقل کر کے لکھا ہے۔ جس شخص کو دنیا میں سب سے پہلے ملک کا خطاب ملا۔ وہ قیس تھے۔ اور جنہوں نے اس دنیادی اعزاز کی بنا ڈالی ہے وہ ہمارے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

ریاست پالن پور (ملک کاٹھیاواڑ) کے اکثر مسلمان رئیس ملک کے نام

سے پکارے جاتے ہیں۔ یہ خطاب ان کے آباؤ اجداد کو سلاطین گوجرات نے دیا تھا۔ علاقہ پالن پور کے مقام وساڑہ کے رئیس حال کا نام ملک رستم خاں ہے پنجاب میں بھی گگے زیئی قوم کے افراد اپنے آپ کو ملک کہتے ہیں۔ اور پنجاب کے ہندوؤں میں بھی ملک کے لفظ کا رواج ہے۔ چنانچہ آج سے دس بارہ سال پیشتر جموں میں ملک جالا سہائے ایک نامی آدمی ہوگذرے ہیں۔ اور اسوقت بھی سرینگر کشمیر میں لالہ راس رام ملک بی۔ اے ہیڈ ماسٹر موجود ہیں۔ پنجاب کے ضلع شاہ پور کی ٹوانہ قوم بھی ملک کہلاتی ہے۔ مثلاً ملک عمر حیات خاں۔ ملک خدا بخش خاں۔ ملک مبارز خاں وغیرہ وغیرہ بنگال کے ہندو بنگالیوں میں بھی ایک قوم ملک کہلاتی ہے۔ جیسا راجہ سبودھ چندر ملک اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک ایک اعزازی لفظ ہے۔ جس کی ابتدا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں انہی کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی۔ اور بعد میں بادشاہان وقت کی طرف سے خوش نصیب اور کارکن لوگوں کو بلا امتیاز مذہب و ملت یہ اعزاز ملتا رہا اور پھر ان اعزازی اور خطاب یافتہ لوگوں کی نسل اسی نام سے مشہور ہوگئی۔

سنہ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق ملک مسلمانوں کی تعداد ریاست جموں و کشمیر میں ۵۵۰۰۹ تھی۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں اس کی تعداد ۵۷۹۵۹ ہے جس میں ۳۱۲۱۱ مرد اور ۲۶۷۴۸ عورتیں ہیں۔ کشمیر میں ملک بھی دیگر اقوام کشمیر کی طرح دیہات میں زراعتی کاروبار کرتے ہیں۔ ان میں راجپوت بھی ہیں۔ افغان بھی ہیں۔ بٹ بھی ہیں۔ ڈار بھی ہیں۔ اور کشمیر کی اور کئی معزز اقوام بھی ہیں۔ لیکن اب ملک خطاب کی وجہ سے سب ملک کہلا رہی ہیں۔ کشمیر کے علاوہ جموں۔ کشتواڑ بھدرواہ راجوری وغیرہ کے علاقوں میں بھی اس طبقہ کی معقول تعداد ہے۔ جموں میں ملک مقبول احمد جو محکمہ زمینداره بنک میں اسسٹنٹ رجسٹرار ہی کے معزز عہدہ پر ہیں۔ ملک طبقہ ہی سے ہیں۔ پنجاب کے بعض ملک خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔

متّو[1]

نقل ہے کہ خواجہ داؤد جو علوم ظاہری سے آراستہ تھے۔ سماع اور وجد کے قائل نہ تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ وہ کسی تقریب پر نوشہرہ (سرینگر) کے حدود میں خواجہ حبیب اللہ نوشہروی کے پاس گئے۔ جو ایک روشن ضمیر بزرگ اور سماع و سرود کے سخت پابند تھے۔ خواجہ نوشہروی نے خواجہ داؤد پر ایک نظر مرحمت دنگاہ مکرمت ڈال کر بیہوش و بے خود بنا دیا۔ جب تھوڑی دیر کے بعد اس کو ہوش آیا۔ تو حرکات دیوانگی اس سے ظاہر ہونے لگیں۔ اسی دن سے اس کا اور اس کی اولاد کا نام متّو مشہور ہوگیا۔ متّو کشمیری زبان میں دیوانہ کو کہتے ہیں۔ اس خاندان میں سے مولوی عبدالحکیم۔ ملّا عبدالکریم۔ مولوی ہدایت اللہ۔ ملّا امیرالدین۔ مولوی عبدالقدوس اور مولوی غلام محی الدین ورع و تقوےٰ۔ فتویٰ نویسی اور درس و تدریس میں خاص طور پر مشہور تھے۔ ان میں ملّا امیرالدین اور ملّا ہدایت اللہ صاحب تصانیف کثیرہ گذرے ہیں۔

زمانہ حال میں بھی مولوی محمد شاہ سعادت مفتی متو خاندان کے ایک مشہور اہل علم بزرگ ہیں۔ برسوں تک میونسپل کمشنر رہے ہیں۔ عدالت سشن کے اسیسر ہیں۔ سرینگر کے عربی مدرسہ میں اُستاد ہیں۔ لیکن اہل علم طبقہ میں ان کی

---

[1] اس عرف کی اصل کوئی قریشی بتاتا ہے کوئی برہمن۔ کسی کے خیال میں متو و مٹو ایک ہی بات ہے۔ لیکن اتفاق کسی پر نہیں۔ البتہ یہ تحقیق ہے کہ اس خاندان کی رشتہ داریاں اعلیٰ خاندانوں بلکہ حضرت سادات سے بھی چلی آتی ہیں۔

تصانیف خصوصاً ان کے "مؤرخ" ہونے کی وجہ سے ہے۔ آپ نے ایک مبسوط تاریخ کشمیر گلشن کشمیر کے نام سے لکھی ہے۔ اس کے علاوہ اور کئی چھوٹی چھوٹی تاریخی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں سے چند ایک طبع بھی ہو چکی ہیں۔ لیکن تاریخ گلشن کشمیر۔ سوانح سکندر بت شکن۔ حالات شیخ یعقوب صرفی اور کئی اور کتب ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکیں۔ راقم مولف نے آپ کی علم دوستی کی بدولت آپ کے کتب خانہ سے بہت کچھ علمی و تاریخی مواد حاصل کیا ہے۔

اسلاف کو زندہ رکھنے والے اس قسم کے لوگ بار بار پیدا نہیں ہوتے ؎

یادر کھو فسانہ ہیں یہ لوگ یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ

نانچُو یا مانچی

علم و عمل، فضل و کمال اور دینی و دنیوی ترقیوں کے لحاظ سے مانچو کشمیر کا ایک نامور خاندان ہے۔ اس خاندان کے جد اعلیٰ میر سید محمد ہمدانی رح کے زمانہ میں مسلمان ہوئے۔ مولوی محمد شاہ سعادت مفتی نے چشمۂ نور کے نام سے مانچو خاندان کے حالات میں ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے خواجہ رفیع اور اس خاندان کے دوسرے نامور لوگوں کے ساتھ مانچو اور

مولوی محی الدین سرائے بلی نے اپنی کتاب تاریخ کبیر کشمیر میں خواجہ رفیع کے ساتھ مانچی کا لفظ لکھا ہے۔ امرتسر میں ایک کشمیری خاندان ہے جس کے ایک نوجوان فرزند خواجہ غلام غوث سوز اپنے آپ کو مانچھی لکھا کرتے تھے۔ قریباً بیس سال ہوئے۔ عین جوانی میں انتقال کر گئے۔ مانچھی یا مانچی کی وجہ تسمیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس کی اصل نہند تجی ہے

یہ مہنت جی کالی دیوی کے استھان پر خانقاہ معلیٰ کی دیوار کے نیچے لب دریا بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت امیر ہمدانی رح کی نشست گاہ بھی یہیں تھی۔ آخر کشش روحانی سے ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ انہی مہنت جی کی اولاد مانٹجی یا متھجی یا مانجو کہلاتی ہے۔

کشمیر کی طرح امرتسر میں بھی اس قوم کے افراد نے تجارت کو سب سے افضل روزگار سمجھا ہے۔ خواجہ غلام غوث سوز مرحوم بھی تاجر ہی تھے۔ یہ قوم عرف عام میں ماتھجی کہلاتی ہے۔

بزمانہ مخدوم شیخ حمزہ خواجہ علی ماٹجو بزمانہ شیخ یعقوب صرفی خواجہ یوسف ماٹجو (وفات سنہ ۱۰۱۱ھ بمقام بارہ مولا) خواجہ موسیٰ ماٹجو مرید خواجہ محمد طاہر رفیق عشائی۔ لالہ ماٹجو مرید شاہ قاسم حقانی (وفات سنہ ۱۰۶۲ھ) خواجہ عبدالرحیم ماٹجو (بزمانہ جہانگیر) وفات سنہ ۱۰۹۶ھ۔ خواجہ عبدالرشید ماٹجو (وفات بعمر ۸۱ سال سنہ ۱۱۳۶ھ) خواجہ محمد صادق ماٹجو (وفات سنہ ۱۱۵۰ھ بعمر ۶۶ سال) خواجہ محمد رفیع ماٹجو خواجہ احسن اللہ ماٹجو (وفات سنہ ۱۲۹۸ھ) اس خاندان کے وہ درخشندہ ستارے تھے۔ جن کی چمک آج بھی ان کی ذریات میں موجود ہے۔ ان میں کئی نامور تاجر تھے۔ کئی ذی علم شاعر تھے۔ کئی صاحب کمال صوفیا تھے۔ خواجہ محمد رفیع ماٹجو علامہ امان اللہ شہید کاشمیری کی وساطت سے دہلی آئے۔ اور خان دوران نواب صمصام الدولہ کے حضور پہنچے۔ اور یہ شعر پڑھا ؎

بہ ایں محیط کرم گرچہ آشنا شدہ‌ام کفم چو کاسۂ گرداب از گہر خالیست

خان دوران نے ایک ہزار روپیہ نقد اسی وقت انعام میں دیا۔ خواجہ رفیع بعہد راجہ سکھ جیون ناظم کشمیر اپنے وطن واپس آ گئے۔ اور سنہ ۱۲۷۰ھ میں انتقال کر گئے۔

بعہد مہاراجہ رنبیر سنگھ و بہ نظامت وزیر پنون ۱۲۸۰ھ میں اسی خاندان میں مولوی نور الدین پیدا ہوئے۔ جنہوں نے علم الفقہ مولوی مقبول شاہ مفتی فتح کدلی ابن ملا محمد انور ماگچو اور علم الفرائض و فتوائے نویسی مولوی غلام محی الدین مفتی اور قرآن شریف ایک بزرگ درویش عزیز بٹ۔ علم فارسی اخوند غلام احمد امام خانقاہ نقشبندیہ۔ اور خوشنویسی کا علم خواجہ ولی الدین عشائی سے حاصل کیا۔ مولوی نور الدین ماگچو بعمر ۷۰ سال ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ کو سرینگر میں فوت ہو گئے۔ تاریخ وفات کا ایک مصرع یہ ہے ع نور دیں از روئے احسن در ارم مسکن گزید۔

آپ کے تین فرزندوں میں دو فرزند صاحب حیات ہیں۔ سب سے بڑے مولوی احمد شاہ (پیدایش ۱۳۰۸ھ) جو عربی و فارسی تعلیم کے بعد اپنی خداداد قابلیت سے ایم۔ اے۔ ایل ٹی۔ اور منشی فاضل کے امتحانات پاس ہیں۔ اور اس وقت سرینگر ڈویژن کے اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز ہیں۔ آپ کے دوسرے بھائی کا نام غلام محی الدین ہے۔ ۱۳۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ بی اے پاس ہیں۔

پیرزادہ

پیر یا پیرزادہ کسی خاص فرقہ یا قوم کا نام نہ تھا۔ بلکہ اگر ایک سید ہے اور اس کے کچھ مرید ہیں۔ تو وہ بھی پیر ہی کہلاتا ہے۔ جیسے پونچھ کے سید حسام الدین شاہ وہ پیر حسام الدین شاہ کہلاتے ہیں۔ یا مظفرآبادی سید حسام الدین شاہ وہ بھی پیر حسام الدین شاہ کے نام ہی سے مشہور ہیں۔ ایک قریشی بھی اگر کچھ مرید رکھتا ہے تو وہ بھی پیر ہے۔ دیگر اقوام کے لوگ شیخ یا مغل کوئی ہوں۔ وہ بھی اگر اپنے عقیدتمندوں کی کچھ جماعت

رکھتے ہیں۔ اور حلقہ اور بیعت کا سلسلہ ان کے ہاں جاری ہے۔ تو وہ بھی پیر ہی کہلاتے ہیں۔ گویا فرقہ پیراں یا پیرزادگان کسی خاص نسل یا ذات سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ اس میں بہت سی اقوام شامل ہوتی ہیں۔

تاریخ حسن میں لکھا ہے کہ قبولیت اسلام کے بعد جو لوگ ورد و وظائف اور ریاضت شاقہ میں منہمک رہے۔ اور جن کے ارادتمندوں اور عقیدت کیشوں میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ وہی پیر کہلانے لگے۔ ان بزرگوں کی اولادوں نے کاروبار دنیوی سے بے نیاز ہو کر مریدوں کی نذر و نیاز ہی کو اپنا ذریعہ معاش بنایا۔ یہانتک کہ رفتہ رفتہ یہ ایک قوم کہلانے لگے۔ چنانچہ اب کئی اصحاب اپنی قوم کی جگہ پیر یا پیرزادہ کا لفظ لکھوایا کرتے ہیں۔ پیرزادگان کشمیر میں چند خاندان ایسے بھی ہیں۔ جو اخبار کشمیری کے مضامین، کشمیری کانفرنس کے وظائف۔ انجمن نصرت الاسلام اور دیگر اسلامی انجمنوں کے مدارس کی برکات اور ہمدردان ملت کی تقریروں اور تحریروں کی بدولت اُس پیری مریدی کو جو ارادت و ہمت کے اوصاف سے محروم ہو۔ اسلام کی ذلت و بدنامی کا باعث اور علم و تجارت ہی کو مسلمانوں کی ترقی و فلاح کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں۔ اسوقت بیشتر پیرزادے سرکاری مدارس میں عربی مدرس ہیں۔ کئی دوسرے سرکاری محکموں میں ملازم ہیں۔ سررشتہ تعلیم میں جو پیرزادگان مشہور ہیں۔ انمیں چند نام حسب ذیل ہیں۔ پیرزادہ غلام رسول بی اے ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول سرینگر، پیر محمد یوسف قادری ہیڈ ماسٹر اسلامیہ مڈل سکول اسلام آباد۔ پیر غلام رسول منشی فاضل سکنہ ڈورزنیہ گیر ہائی سکول سرینگر۔ پیرزادہ نجم الدین دیوانی منشی فاضل مڈل سکول بنڈی پورہ۔ سرینگر کے پیرزادگان میں ٹنکی کدل کے پیرزادہ منشی غلام احمد مہجور پیری مریدی کا سلسلہ ترک کر کے ایک عرصہ سے محکمہ بندوبست میں نامور پٹواری کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ نہایت علم دوست اور ذی علم ہیں۔ فارسی شاعری کے علاوہ اُردو شاعری میں بھی بہت اچھا شعر کہتے ہیں۔ ذوق سخن کے علاوہ فن تاریخ سے بھی

ہ۔ امیرا کدل سرینگر کے پیر حسام الدین اور مالشیمہ بازار کے پیر علی محمد اور ہری سنگھ ہائی سٹریٹ کے پیر قمر الدین کا نام بھی
جنرل مرچنٹ ہیں۔ ۱۲

آپکو بے حد دلچسپی ہے کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں حیات رحیم" چھپ چکی ہے۔ ایک کتاب آپ نے پٹواریوں کے متعلق پٹواری کے نام سے لکھی ہے۔ جو ابھی غیر مطبوعہ ہے۔ لیکن ان سب سے فائق تر اور مفید تر کتاب جو آپ نے ترتیب دی ہے۔ وہ شعرائے کشمیر کا تذکرہ ہے۔ جسکی دو تین جلدیں راقم مؤلف کی نظر سے بھی گزر چکی ہیں۔ افسوس ہے۔ یہ کتاب بھی اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی۔ آپکے پاس پرانی قلمی کتابوں کا بھی کافی ذخیرہ ہے۔ انہی قدیم کتب اور اسی تذکرہ کے سلسلہ میں ترجمان حقیقت ڈاکٹر مسٹر اقبال ایم اے پی ایچ ڈی بیرسٹرایٹ لا (لاہور) اور نواب حبیب الرحمان خاں شروانی سابق صدر الصدور امور مذہبی (حیدرآباد دکن) سے بھی آپکی خط کتابت رہی ہے۔ بلکہ علامہ سر اقبال نے آپ کو ایک مرتبہ لاہور بلوایا بھی تھا۔ لیکن آپ بوجہ عدیم الفرصتی آنہ سکے تھے۔ اُن پیرزادگان کشمیر کی تعداد جنہوں نے اپنی ذات پیر یا پیرزادہ لکھوائی ہے۔ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق صوبہ جموں میں ۳۳۔ صوبہ کشمیر میں ۴۰۴۶۔ فرانٹیر میں ۱۸۶۔ اور کل ریاست میں ۶۱۶۵ تھی۔ اب ۱۹۳۱ء میں فرقہ پیرزادگان کی تعداد ۶۱۶۵ کی بجائے ریاست میں ۷۴۸۰ ہے۔ جس میں ۴۲۵۸ مرد اور ۳۹۹۵ عورتیں ہیں۔

باباشاہ

باباشاہ کشمیر میں کسی خاص قبیلہ کا نام نہ تھا۔ بلکہ یہ عرف عام تھا۔ جو اعمال و افعال پر موقوف سمجھا جاتا تھا۔ اعمال صالحہ اور افعال شائستہ ہوتے تو بابا اور بعض لوگ شاہ بھی کہلائے جاتے تھے۔ بلکہ بقول صاحب تاریخ حسن "احفاد وذریت آنہا نیز بہمیں لقب نامزدے شوند۔"

— — — — — — — — — کشمیر کی تاریخوں میں اکثر مشائخ وسادات کے ساتھ بابا کا لفظ درج ہے۔ جو ان کی بزرگی پر دلالت کرتا

لیکن پیر حسن شاہ مصنف تاریخ حسن لکھتے ہیں "اکنوں شاہ گفتن بہ نسبت پیرزادہ مروج شدہ است - فی الحال شاہ لقب عام است"۔

جس طرح فرقہ پیرزادگان میں قریشی۔ سید اور مسلمانوں کی دیگر اقوام کے پیرزادے شامل ہیں۔ اور وہ سب پیر ہی کہلاتے ہیں۔ اسی طرح بابا یا شاہ طبقہ میں مسلمانوں کی قریباً تمام اقوام۔ بٹ۔ گنائی۔ سید قریشی۔ افغان وغیرہ شامل ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بابا یا شاہ گروہ میں جو سیّد ہے وہ سیّدوں میں اور جو قریشی ہے وہ قریشیوں میں شامل ہو رہا ہے۔ باوجود اس کے کشمیر میں ان کی مردم شماری ۱۹۱۱ء کے مطابق ۱۱۲۶۷ تھی۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں بابا کے نام کی بجائے شاہ طبقہ کی مردم شماری بتائی گئی ہے۔ جس کی کل تعداد ۱۰۳۳۳ مردوں اور ۹۰۲۷ عورتوں سمیت ۱۹۳۶۰ ظاہر کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بابا کی جگہ اب شاہ کا لفظ زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔

سرینگر میں بابا مسعود نوری کی ذریات کشمیر کے علاوہ پنجاب اور ہندوستان میں بھی ہے۔ شیخ الحدیث مولانا انور شاہ مرحوم جو دارالعلوم دیوبند اور ڈابھیل (سورت) کے صدر مدرس اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ اور لاہور کے پیر عبدالغفار شاہ مرحوم بابا مسعود نوری کی ذریات ہی سے تھے۔ گو بابا اُن کا عرف عام ہی تھا۔

سوپور میں محمد احسن قاضی جو اس علاقہ میں مشہور عرائض نویس ہے۔ بابا خاندان ہی سے ہے۔ انکے دادا مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں عہدہ قضا پر تھے۔ اس زمانہ سے بابا کا لفظ جاتا رہا۔ اب قاضی کے نام سے مشہور ہیں۔

سوپور میں بھی ایک بابا خاندان ہے۔ اس کے مورث اعلیٰ ملا حسین بخاری آزاد خان حاکم کشمیر کے زمانہ میں آئے۔ اور مسلمانان سوپور نے ان کو سید محمد یوسف بخاری کے مزار کی تولیت سپرد کر کے پھر واپس نہ جانے دیا۔ ملا آیت اللہ اور ملا قدرت اللہ شاہ ان کے نامور فرزند تھے۔ بابا کا لقب اس خاندان میں سب سے پہلے ملا عبداللہ

کو ملا۔ پیر عبدالغنی بابا جو زیارت گاہ یوسفی کے متولی ہونے کی وجہ سے یوسفی بھی کہلاتے ہیں۔ انہی کی اولاد سے ہیں۔ مدرسہ معین الاسلام کے بانیوں میں ہیں۔ یہ بڑے خلیق اور خدمت گذار اسلام کے حقیقی خادم اشاعت علوم کے حامی محمد یوسف آپکا ایک فرزند ہے۔ جو محکمہ تعلیم میں ملازم ہے۔ زیارت بابا یوسف بخاری کی مسجد کی آمدنی میں آپ نے بہت اضافہ کردیا ہے۔

بابا فرقہ کی نسبت لارنس صاحب اپنی کتاب وادئ کشمیر میں لکھتے ہیں۔ کہ اس فرقہ کے لوگوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ حضرت مخدوم شیخ علی ہجویری عرف داتا گنج بخش لفظ بابا کی نسبت لکھتے ہیں "بابا شیخ کلاں را گویند" اس سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ بڑی عمر کے بزرگ کو بھی بابا کہتے ہیں۔ جیسے کہ سالہا سال سے اب تک رواج چلا آتا ہے۔ اور شیخ کلاں سے شیخ الشیوخ کا مطلب بھی لیا جا سکتا ہے۔ یعنی بہت بڑے بزرگ۔ بہرحال یہ صاف ظاہر ہے کہ بابا نہایت قابل تعظیم لفظ ہے۔ لیکن آج اس "نہایت قابل تعظیم لفظ" کو جس کا تعلق دینی خدمات کیساتھ تھا۔ "خواجہ" کے لفظ نے جو آجکل امارت و شرافت کا مظہر ہے شکست دے دی ہے۔

مخدومی

کشمیر کے مخدومی تین طبقوں پر منقسم ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے۔ جو حضرت مخدوم شیخ حمزہ سلطان العارفین کے بھائی بابا علی رینہ کی ذریات سے ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے۔ جو حضرت مخدوم صاحب کا ارادتمند و معتقد چلا آتا ہے۔ تیسرا طبقہ محلہ کلاشپورہ میں رہتا ہے۔ ہم یہاں ان تینوں طبقوں کے کچھ حالات لکھتے ہیں:۔

گوت اور ذات کے لحاظ سے طبقۂ اول کے مخدومی یعنی وہ جو بابا علی رینہ کی

اولاد سے ہیں۔ رینہ ہیں۔ رینہ کی تفصیلات کشمیر کے قدیم مسلمان راجپوتوں کے ذکر میں لکھی جا چکی ہیں۔

طبقۂ دوم کسی خاص ذات یا گوت سے تعلق نہیں رکھتا۔ حضرت مخدوم صاحب کے ارادتمندوں میں بٹ گنائی۔ ڈار۔ سید۔ قریشی۔ افغان سب قسم کے مسلمان شامل ہیں۔ اور وہ بھی مخدومی کہلاتے ہیں۔ مثلاً راقم الحروف کے خاندانی پیر سید عبدالغنی بخاری چوڈارہ تحصیل بڈگام کے رہنے والے فرقہ سادات سے ہیں۔ لیکن حضرت مخدوم صاحب کے سلسلۂ مخدومیہ سہروردیہ میں چونکہ شامل ہیں۔ اس لئے مخدومی کہلاتے ہیں۔ طبقۂ اول زیارت حضرت مخدوم صاحب کے اِردگرد قلعہ ہری پربت کی دیوار کے اندر رہتا ہے۔ جہاں اس کے اپنی سکنی مکانات ہیں۔ ان لوگوں کا کام یہ ہے کہ زیارت پر جاکر نوبت داری کرتے۔ اور زائرین سے نذر نیاز لیتے ہیں

بابا علی رینہ کے فرزند بابا ابوالحسن مخدومی اپنے باپ کے بعد بڑے پایہ کے بزرگ گذرے ہیں۔ کسب فیوضات آپ نے والد ہی سے حاصل کیا۔ شہر اور دیہات میں آپ کی ذریات کثرت سے پھیلی ہوئی ہے۔ مدفن آپ کا حضرت مخدوم صاحب کے احاطہ مزار ہی میں ہے۔

ایک اور بزرگ نور بابا مخدومی جو شیخ داؤد بٹہ مالو کے نواسہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کشمیر کی ممتاز ہستیوں میں تھے۔ دہلی جاکر شیخ الاسلام علامہ امان اللہ شہید کاشمیری سے بھی استفادہ علوم کیا۔ جب حج کو گئے۔ تو میں شیخ ابوالحسن مہدی مدنی سے سند حدیث حاصل کی۔ ۱۱۹۵ھ سال وفات ہے۔ اپنے نانا شیخ داؤد بٹہ مالو کے مزار میں دفن ہیں۔

بابا علی رینہ کی ذریات سے ایک اور بزرگ سرینگر میں بابا نظام الدین مخدومی کے نام سے تھے۔ جنہوں نے آداب طریقت اپنے چچا بابا مقصود مخدومی سے

سیکھے۔ اور علم شریعت اخوند ملا سلیمان کلو سے پڑھا۔

نقیر اللہ کانٹھ گورنر کشمیر (عہد افاغنہ) کے عہد میں شیخ عبداللہ مخدومی ایک نامور مصنف گذرے ہیں۔ سکھوں کے زمانہ میں بھی طبقہ اول کے مخدومیوں میں شیخ عبداللہ ایک بزرگ تھے۔ جن کی خدمت میں شیخ احمد تارہ بلی جیسے فاضل علماء اخذ فیوضات کے لئے جاتے رہے ہیں۔ اسی صدی میں آج سے قریباً پچاس سال پیشتر بابا افضل مخدومی (سال وفات ۱۳۰۵ھ) مخدومی برادری کے ایک صاحب علم و بزرگ زندہ تھے۔ غرض مخدومی قبائل میں ذی علم لوگ ہوتے رہے ہیں۔ اب بھی پیر حفیظ اللہ مخدومی اور پیر شہاب الدین مخدومی اس طبقہ میں وقعت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ راقم الحروف نے بابا علی رینہ کی تصنیف تذکرۃ الصالحین جو اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ سب سے پہلے پیر حفیظ اللہ مخدومی کے پاس ہی دیکھی تھی۔

مخدومیوں کا تیسرا طبقہ مخدوم منڈو محلہ کلاشپورہ سرینگر میں رہتا ہے۔ مخدوم منڈو اس مقام کا نام ہے۔ جہاں قریباً بیس سال تک حضرت مخدوم نشست فرمائے ہیں۔ ان کے خلفاء میں خواجہ محمد امین کلو نام ایک دولتمند خلیفہ تھا۔ جب اس نے اپنی تعمیرات اپنی اولاد میں تقسیم کیں۔ تو وہ مکان جہاں اب منڈو ہے۔ حضرت مخدوم کو لنگر کے لئے دے دیا۔ لنگر کی خدمتیں مختلف خدام کے متعلق تھیں۔ دیگ صاف کرنے اور اس کے دھونے کی خدمت ایک خادم بابا علی نام کے سپرد تھی جس کا نام اس خدمت کی وجہ سے بابا علی دیگ شوئی مشہور ہوگیا۔ کلاشپورہ کے تمام مخدومی اپنے آپ کو بابا علی دیگ شوئی کی اولاد سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس طبقہ کا گذارہ بھی نذر نیاز کے حصول پر ہی ہے۔

خواجہ محمد امین کلو نے براری ہنبل کے متصل ایک باغ بھی آپ کی نذر کیا۔ جس کا نام حضرت کے نام پر بابا ڈیمب مشہور ہوگیا۔ حضرت مخدوم باغ میں سبزی وغیرہ کی

گذاشت کیا کرتے تھے۔ اور اس کی فروخت کی آمدنی ان کی ذاتی گذر اوقات کا ذریعہ تھی۔
کشمیر کے دیگر خاندانوں کی طرح طبقہ مخدومیاں کے بھی کئی لوگ انقلاب روزگار کی وجہ سے پنجاب چلے گئے۔ چنانچہ لاہور۔ امرتسر۔ گوجرانوالہ۔ فیروزپور میں چند ایک مخدومی خاندان موجود ہیں۔ جن کا ذکر پنجاب کے اہل خطہ کے سلسلہ میں ہوگا۔

رِیشی

کشمیر میں ریشی نامہ ایک بہت پرانی تصنیف ہے۔ اس میں کشمیر کے تمام مشہور ریشی صاحبان کے حالات اور ریشی کی وجہ تسمیہ درج ہے۔

ریشی نامہ اور کشمیر کی مختلف تواریخوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ریشی اصل لفظ رکھی ہے۔ کہ "در اصطلاح سنسکرت تارک الدنیا و مشغول بہ یاد خدا را گویند بجائے رکھی لفظ ریشی در زبان کشمیری مستعمل است" تاریخ خواجہ اعظمی میں اس کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں درج ہے۔ "ریشی کسے را گویند کہ از زمرہ زاہداں و عابداں در ریاضت سخت وصلب تر باشد۔ و خود را از اولاد و ازدواج فارغ دارد۔ دست از جمیع آرزوہا وہوا و ہوس بردارد و چہ جائے ملک و مال"۔

دوسرے لفظوں میں ریشی وہ ہے۔ جو اس رباعی کا صحیح معنوں میں مصداق ہو[۵]

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند فرزند و عیال و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی دہر دو جہانش بخشی دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

مصنف تاریخ حسن نے بھی لکھا ہے۔ ریشی ابتدا میں کسی خاص قوم یا فرقہ کا نام نہ تھا

---

[۵] تاریخ کبیر کشمیر مصنفہ حاجی محی الدین صاحب مسکین سرائے بلی کاشمیری مرحوم ۱۲

سر والٹر لارنس نے اتنا ہی لکھا ہے۔ یہ لوگ قدیم ہندوؤں سے نکلے ہوئے ہیں"۔ بعض تاریخوں میں ریشی کی وجہ ریشہ ظاہر کر کے بتایا گیا ہے۔ کہ چونکہ یہ لوگ محاربہ نفس و شیاطین میں جہاد اکبر سے کام لیتے تھے۔ اور شمشیر ریاضت اور عبادت کثیر المشقت سے اپنے بدن کو ریشہ ریشہ کر دیتے تھے۔ اس لئے ریشی کہلائے۔ لیکن اصل وجہ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ یہی ہے کہ زمانہ قدیم میں ان کا نام رکھی تھا۔ جب اس فرقہ کے لوگ اسلام میں آئے تو رکھی کی بجائے ریشی کہلانے لگے۔

سلطان قطب الدین شہاب الدین اور سلطان سکندر بت شکن کے زمانہ میں بھی مسلمان ریشیوں کے تاریخوں میں نام ملتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیخ الشیوخ شیخ نور الدین ولی رح جنہوں نے سلطان سکندر بت شکن اور بڈشاہ بادشاہ کشمیر دونوں کا زمانہ دیکھا ہے۔ اس فرقہ کے پیشوا اور سرخیل تھے۔ حضرت شیخ نور الدین ولی اور ان کے خلفاء سے کشمیر میں اشاعت اسلام کو بہت بڑی مدد ملی ہے۔

شیخ نور الدین ولی کے والد کا اسلامی نام شیخ سالار دین تھا۔ ان کے متعلق تاریخوں میں لکھا ہے۔ کہ وہ تپا سنز کی چوتھی پشت میں تھے۔ اور تپا سنز ؎ از احفاد

؎ تپا سنز کا بیٹا زنگا سنز اس کا بیٹا ہنر سنز اس کا بیٹا اگر سنز اس کا فرزند سلر سنز جس کا اسلامی نام سالار دین تھا۔ زنگا سنز ذوالقدر خاں ذوالچو کے زمانہ (۱۳۲۳ء) میں تاتاریوں سے لڑائی کرتا ہوا مارا گیا۔ ذوالچو نے اس کی جاگیر موضع ردپو دن کو خاک سیاہ کر دیا۔ اس کا فرزند ہنر سنز پہاڑوں میں چھپتا رہا۔ سلر سنز اسی کا بیٹا تھا۔ کشمیر میں اس خاندان میں سب سے پہلے تپا سنز ہی آیا تھا۔ جس کو راجہ کشمیر نے اس لحاظ سے کہ وہ راجگان کشتواڑ کے متعلقین سے تھا۔ جاگیر دی تھی۔ کشمیر کی تاریخوں میں تپا سنز۔ زنگا سنز وغیرہ الفاظ درج ہیں۔ لیکن صحیح لفظ سین ہے۔ راجگان کشتواڑ مندھی گیت [illegible]

راجہائے کشتوار است۔" شیخ سالار دین قبول اسلام کے بعد طبقہ ریشیاں کا مال مویشی چرایا کرتے اور اس طریق سے قوت لایموت حاصل کیا کرتے تھے۔

یاسمن ریشی نے ان کی شادی سدرہ ماجی ایک بیوہ عورت سے کرا دی۔ سدرہ ماجی بھی ایک خاندانی لڑکی تھی۔ بلکہ لکھا ہے کہ "وے ہم از نسل وقبیلۂ راجپوتاں بودہ است۔" پھر دوسری جگہ لکھا ہے کہ "ایں دختر از قوم راجہ ہاست۔" اس شادی کی وجہ سے شیخ سالار دین کیموہ میں رہنے لگے۔ وہیں ۷۵۷ھ میں شیخ نورالدین پیدا ہوئے۔

ان کے سال انتقال بلکہ پیدائش کے سال میں بھی مورخین کا اتفاق نہیں ہے۔ تاہم اس بات پر سب متفق ہیں کہ ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔ اور سلطان زین العابدین بادشاہ معہ خدم وحشم و وزراء امراء ان کے جنازہ میں شامل ہوا تھا۔ مزار آپ کا چرار شریف میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء ومریدین میں کئی قسم کے اصحاب شامل تھے۔

ایسے لوگ بھی تھے جو راجگان کشتوار کی اولاد سے تھے۔ مثلاً بابا زین الدین جو شیخ نورالدین ولی کے خلیفہ دوم تھے۔ ان کے متعلق لکھا ہے۔ کہ "ولادت وے

(بقیہ حاشیہ ۳۵۳) سب کا ایک ہی خاندان ہے۔ یہ سب راجے چندربنسی خاندان گوڑ (بنگال) سے تعلق رکھتے ہیں۔ راجہ سنور سین کا بیٹا راجہ روپ سین (۱۲۵۹ء میں) پنجاب چلا آیا۔ اور اس نے اپنے نام پر روپر آباد کیا۔ کشتواڑ۔ منڈی سکیت اسی کی ذریات سے ہیں۔ ان سب راجگان کا خاندانی نام سین تھا۔ منڈی سکیت میں اب تک سین نام موجود ہے۔ کشتواڑ میں راجہ رحیم اللہ سنگھ نے اسلام قبول کرکے سین کی جگہ سنگھ کا رواج دیدیا۔ راجہ مختار خاں جو گورنر کشمیر رہے ہیں۔ راجہ رحیم اللہ سنگھ کی ساتویں اور راجہ اقبال خاں جو پولیس کشمیر میں ایک معزز عہدہ پر ہیں راجہ مذکور کی آٹھویں پشت میں ہیں۔ اس خاندان کی ایک شاخ علاقہ کانگڑہ میں بھی بستی ہے (۱۹۰۳ء) از تاریخ کبیر و تاریخ خواجہ اعظمی وغیرہ ۱۲

از کشتوار است و از قوم راجپوتاں بود و زیا سنگھ (جیا سنگھ ہوگا) نام داشت"۔ شیخ نور الدین ولی نے ان کا اسلامی نام زین الدین رکھا۔ عیش مقام میں ان کا مزار ایک بلند جگہ پر واقع ہے۔ اور مٹن سے پہلگام جاتے ہوئے دائیں ہاتھ پر دور ہی سے نظر آتا ہے۔

اسی طرح بابا لطیف الدین کا اصل نام لدے رینہ تھا۔ وہ قوم سے راجپوت تھے بلکہ تاریخ کبیر واعظی میں لکھا ہے "سردار زادہ ہائے بود"۔ شیخ نے ان کا اسلامی نام لطیف الدین رکھا۔ یہ خلیفہ ثالث تھے۔

ان کے مریدوں اور خلیفوں میں ایسے لوگ بھی تھے۔ جو برہمن تھے۔ چنانچہ تاریخوں میں بومہ سادھے نام ایک مرتاض برہمن کا ذکر درج ہے۔ جس کو عروج روحانی میں کمال حاصل تھا۔ عمر کے آخری حصہ میں شیخ رہ کے دست مبارک پر مسلمان ہوا۔ نام اس کا بام الدین رکھا گیا۔ قبول اسلام کے بعد بارہ سال تک زندہ رہا۔ عمر اس کی سو سال کے قریب تھی۔ شیخ نور الدین ولی رح کے مریدوں میں ایسے لوگ بھی تھے۔ جو میر اور بٹ اور دیگر اقوام ہنود سے تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً بابا رجب دین ریشی (اصل نام شکور میر) بابا فخر الدین (اصل نام فخر میر برادر بابا رجب میر) بابا حسین ریشی (اصل نام میر حسین) بابا حنیف الدین (اصل نام حیدر بٹ وفات ۸۹۰ھ) یہ میر یا بٹ اقوام سے تھے۔ لیکن جب یہ حضرت شیخ کے دامن سے وابستہ ہوئے۔ تو کیا راجپوت کیا سردار زادے۔ اور کیا میر اور کیا بٹ سب ریشی کہلانے لگے۔ ان کے علاوہ گروہ ریشیاں میں بابا نصر الدین بابا دریا دین نہایت خدا رسیدہ بزرگ گزرے ہیں۔ یہ سب لوگ آبادیوں سے دور رہتے اور جنگلوں اور بیابانوں کی ہدا وار پر گذارہ کیا کرتے تھے۔

اس زمانہ میں ایک گروہ ریشیوں کا ایسا بھی ہے جو حضرت شیخ نور الدین ولی رح کی زیارت گاہ کا خادم اور منتظم اور متولی کہلاتا ہے۔

ریشی فرقہ کی زیادہ تر آبادی جنوبی کشمیر یعنی ضلع اسلام آباد ہی میں ہے۔ اسی ضلع

کی تحصیل کولگام میں رشی فرقہ کی کثیر تعداد زراعت پیشہ ہے۔ بلکہ کئی دیہات میں ان کی نمبرداریاں بھی ہیں۔ اور مجید رشی ذیلدار بھی اس تحصیل میں اسی گروہ کا ایک سرکردہ اور معزز شخص ہے۔

۱۸۹۱ء میں کشمیر میں رشی فرقہ کی آبادی ۶۲۹۰ تھی۔ ۱۹۱۱ء میں بتفصیل ذیل ۷۸۸۵ تھی۔ صوبہ جموں میں ۴۵۹ - کشمیر میں ۲۰۴ ۷ فرنٹیر میں ۲۲ - ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق ان کی کل تعداد ریاست کے دونوں صوبوں میں ۱۰۲۸۸ ہے۔ جس میں ۵۶۷۲ مرد اور ۴۶۱۶ عورتیں ہیں۔

صوبہ جموں میں تو رشی فرقہ کی معقول تعداد ہے۔ البتہ پنجاب میں صرف چند ایک گھر ہی ہیں۔ جن کا ذکر باب پنجم میں کیا جائیگا۔

قاسمی خاندان

کشمیر کے دارالحکومت سرینگر میں ایک بزرگ حضرت شیخ محمد کے نام سے گزرے ہیں۔ ان کے پانچویں فرزند شیخ اسمٰعیل بہائی احمد اکدلی کے فرزند دوم شیخ قاسم بہائی رحمۃ اللہ

---

[1] ان کے ایک بھائی شیخ سعدالدین بہائی کے متعلق میر سعداللہ شاہ آبادی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے ~ عارفِ وقت بود مرد ولی۔ سعد بابائے احمد اکدلی۔ ابوالبرکات خاں ناظم کشمیر انکا معتقد تھا۔ اسی نے ان کیلئے دو طبقہ خانقاہ بنوائی۔ جو شیخ امام الدین گورنر خالصہ کے زمانہ میں توپ کے گولوں سے شہید ہوگئی۔ بہائی لفظ کی وجہ تسمیہ میں مختلف روایتیں بیان کیجاتی ہیں کوئی کہتا ہے ان سب بھائیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی اسلئے وہ بہائی کہلانے لگے۔ کوئی اس لفظ کو انکی باہمی برادرانہ محبت پر محمول کرتا ہے لیکن بہرحال وجہ کوئی ہو اصل لفظ بھائی یا بہائی نہیں۔ بلکہ بوئی ہوگا۔ جو کشمیری زبان میں بھائی کا مترادف ہے۔ بوئی سے بگڑ کر بہائی ہو گیا ہوگا۔

کی اولاد قاسمی پیرزادگان کے نام سے موسوم ہے۔ چنانچہ آپ کے فرزند پیر ہدایت اللہ اور آپ کے فرزند شیخ عنایت اللہ قاسمی ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ قاسمی خاندان کا جو مختصر سا شجرہ ہمیں ملا ہے۔ اس میں شیخ عنایت اللہ قاسمی تک کو مدفون احمد اکمل سرینگر لکھا ہے۔ شیخ عنایت اللہ کے دو فرزند تھے (۱) بابا پیر امیر الدین قاسمی (۲) بابا پیر صدیق اللہ قاسمی۔ ان دونوں کا مدفن امرتسر درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قاسمی خاندان میں سب سے پہلے یہی دونوں بھائی کشمیر سے ہجرت کرکے امرتسر[1] آئے تھے۔ یہ خاندان کیا کشمیر اور کیا امرتسر ہر جگہ علم و فضل کے گہوارہ میں پرورش پاتا رہا ہے۔ بابا پیر صدیق اللہ کے دونوں فرزند مولانا پیر احمد اللہ قاسمی و منشی عبدالرحمان قاسمی بھی اسلاف کا نمونہ تھے۔ لیکن جو شہرت بابا پیر امیر الدین قاسمی کے فرزندان مولانا پیر عبدالعزیز قاسمی اور مولانا مفتی پیر غلام رسول قاسمی اور پیر عبدالقدوس قاسمی نے حاصل کی ہے۔ اس نے قاسمی خاندان کی علمی فضیلت کو چار دانگ عالم میں مشہور کر رکھا ہے۔ مفتی پیر غلام رسول قاسمی کے تلامذہ میں پنجاب۔ کشمیر۔ سندھ۔ بنگال۔ افغانستان۔ ایران۔ بخارا۔ بدخشاں تک کے طلبا شامل تھے۔ آپ کے ایک شاگرد مولانا عطاء اللہ کاشمیری مرحوم۔ مولانا محمد ہدایت اللہ خاں جونپوری کے ارشاد کے مطابق اُن کے مدرسہ میں طلبا کو پڑھاتے رہے ہیں۔ ایک مرتبہ جب مولوی سید سبحان اللہ خاں رئیس گورکھپور کو صاحب کمال عربی اُستاد کی ضرورت پڑی۔ اور انہوں نے مولانا محمد ہدایت اللہ خاں کو اسی مطلب کے لئے جونپور میں خط لکھا۔ تو مولانا جونپوری نے مولانا قاسمی ہی کو وہاں بھیجا۔ جہاں وہ دو سو روپیہ ماہوار پر مولانا محمد سبحان اللہ کو پڑھاتے رہے۔ افسوس عین شباب ہی میں آپ ۱۳۱۳ھ میں وہیں انتقال کر گئے۔

مفتی غلام رسول قاسمی ۸ ر دسمبر ۱۹۰۲ء مطابق ۷ ر رمضان ۱۳۲۰ھ کو بعمر ۶۲ سال امرتسر میں رحلت فرما گئے۔ جنازہ کے ہمراہ ۴۰۔۵۰ ہزار مخلوق تھی۔

[1] تاریخ کبیر کشمیر کے مصنف نے بھی اس کی تصدیق کی ہے ۱۲

آپ کے دو فرزند ہیں (۱) پیرزادہ محمد زبیر قاسمی (۲) پیرزادہ محمد ہادی قاسمی - دونوں صاحب اولاد ہیں -

مولانا کے برادر اعظم پیر عبدالعزیز قاسمی کے دو فرزند تھے (۱) مولانا مفتی پیر غلام مصطفےٰ جو نہ صرف آپ کے برادرزادے تھے - بلکہ عزیز شاگرد بھی تھے - اور آپ کے بعد مسند افتاء کو سنبھالنے کی وجہ سے آپ کے جانشین بھی تھے - آپ نے بھی اپنے نامور چچا کی طرح فقہ و مسائل کی کئی کتابیں تصنیف کی ہیں - آپ کے دو فرزند ہیں پیرزادہ احمد حسن قاسمی دوسرے پیرزادہ محمد بہار الحق قاسمی جو صاحب تصانیف اور ایک زبردست واعظ بھی ہیں -

پیر عبدالعزیز قاسمی مرحوم کے دوسرے فرزند مولانا الحاج حکیم پیر غلام محی الدین قاسمی تھے - جن کے دو حسب ذیل فرزند شملہ فارن آفس میں ملازم ہیں (۱) پیرزادہ بابو محمد ابراہیم قاسمی منشی فاضل (۲) پیرزادہ بابو محمد یوسف قاسمی -

مولانا مفتی پیر غلام رسول مغفور کے تیسرے بھائی پیر عبدالقدوس مرحوم کے ایک ہی فرزند ہیں - جن کا نام مولانا پیر سلام الدین قاسمی ہے - اور جو جامع مسجد میاں جان محمد مرحوم امرتسر کے خطیب ہیں - پنجاب میں اس خاندان کے افراد صرف امرتسر و شملہ ہی میں ہیں -

سرینگر میں بھی اس خاندان کا بہت کم نشان ملتا ہے - سرینگر کے متصل گاؤں سُورہ میں مولوی جلال الدین واعظ ہیں وہ قاسمی ہیں - مولانا پیرزادہ محمد بہار الحق قاسمی کے ننھیال کا سلسلہ حضرت بابا مسعود نروری رح کی اولاد سے ملتا ہے چنانچہ ان کی والدہ مرحومہ کا ایک چچازاد بھائی محلہ زورہ میں مسعودی خاندان سے اس وقت موجود ہے -

درابو

سرینگر میں درابی یار ایک محلہ کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ اس محلہ سے جو کوئی کسی دوسرے محلہ یا دوسرے گاؤں میں گیا۔ وہ درآبو کہلایا۔ لیکن اس سے زیادہ مستند روائت یہ ہے۔ کہ تحصیل بڈگام میں دربہ گام کے نام سے جو گاؤں ہے۔ اس مقام کے رہنے والے جب شہر میں آئے۔ تو وہ درابو کہلائے۔ درآبی یار جس محلہ کا نام ہے۔ وہ محلہ انہی لوگوں کے درآبو کہلانے سے درابی یار مشہور ہے۔

درآبی۔ دراب اور درآبو کے انتساب سے کشمیر اور کشمیر سے باہر بہت لوگ مشہور ہیں۔ کشمیر کے دیہات میں یہ سب زمینداری کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ پٹھانوں کے عہد حکومت میں ایک شخص دربہ گام سے شہر (سری نگر) میں آیا۔ محلہ نروره میں ایک پشمینہ فروش کے پاس وہ ملازم ہوگیا۔ رفتہ رفتہ وہ پنجاب میں اپنے آقا کا گماشتہ بن گیا۔ اور تجارت کو فروغ دے کر فرخ آباد تک پہنچا۔ اور آخر خود ایک عظیم کارخانہ کا مالک بن گیا۔

خواجہ خلیل درابو اور خواجہ سخی اس خاندان کے بانیوں میں تھے۔ خواجہ سخی جو شیخ طیب رفیقی کے عقیدتمندوں اور درویش کرم اللہ شاہ آبادی کے نظر یافتگان میں تھے۔ مشائخ و علماء کے بے حد قدر شناس تھے۔ ان کے فرزند خواجہ سعدالدین درابو نے تجارت کے علاوہ شاعری میں بھی بڑا نام پیدا کیا۔ سائل تخلص تھا۔ جب ۱۲۷۲ھ میں حضرت سلطان مخدوم شیخ حمزہ کی زیارت کے دروازے کی مرمت کی گئی تو آپ نے ایک بے عدیل تاریخی قطعہ لکھا۔ جس کے تین شعر حسب ذیل ہے۔ ؎

تعال اللہ چنیں باید درِ عالی جناب ما — بہ تاب و آب آب و تاب بُرد از مہر عالمتاب

بحالِ ماکہ کحلِ دیدہ از خاکِ درت داریم ۔ نگاہ بس بود اے ذرّہ پرور آفتاب ما
ملک دستِ دعا برداشت من آمین کناں گفتم ۔ الٰہی باد در بر باب زیں در فتح باب ما
۱۲۷۲ھ

خواجہ سلام الدین درابو۔ خواجہ محمد امین درابو۔ خواجہ امیر الدین درابو۔ اس خاندان میں ذوقِ سخن سے مالامال ہیں۔ لکھنؤ کے خواجہ عزیز الدین عزیزؔ بھی جو فارسی زبان کے مسلم الثبوت شاعر تھے۔ درابو خاندان ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا ذکر اسی کتاب میں یو۔پی کے اہل خطہ خاندانوں کے سلسلہ میں درج ہے۔

ترنبو

ترنبو ایک پھل ہوتا ہے۔ جو لوگ اس کی تجارت کیا کرتے تھے۔ وہ ترنبہ کی نسبت سے ترنبو مشہور ہو گئے۔ یہ پھل گریز کی طرف پیدا ہوتا ہے۔ اور وہاں لوگوں کی بالعموم یہی خوراک ہے۔ سوپور میں خلیل جو ترنبو لسہ جو ترنبو۔ حاجی اکبر جو ترنبو اس طبقہ کے مشہور آدمی ہیں۔ ترنبو قبیلہ کے لوگ بالعموم تجارت پیشہ ہیں۔

عالمگیر کے زمانہ میں خواجہ صابر ترنبو ایک نامور مالدار تاجر گزرا ہے کشمیر کے علاوہ اس کی ایک کوٹھی آگرہ میں بھی تھی۔ اور وہ کوٹھی دار کہلاتا تھا۔

ترنبو قبیلہ میں ایک شیخ نعمت اللہ ترنبو حضرت میرزا اکمل الدین کامل بیگ خاں بدخشی کے مرید گزرے ہیں۔ ان کا مقبرہ حضرت شیخ یعقوب صرفی کے مزار کے احاطہ میں ہے۔

سری نگر کے ترنبو طبقہ میں خواجہ خلیل ترنبو (سن وفات ۱۲۴۲ھ) اور عبد الصمد ترنبو (سن وفات ۱۳۱۷ھ) نامور اہل اللہ گزرے ہیں۔

واندر

واندر یا وندر کشمیر میں بندر کو کہتے ہیں۔ معلوم نہیں اس قبیلہ کے کسی شخص سے کیا حرکت ہوگئی ہوگی۔ کہ نہ صرف وہ خود ہی اس نام سے موسوم ہوگیا۔ بلکہ اس کی اولاد و احفاد بھی واندر ہی کہلا رہی ہے۔ تاریخ میں جس شخص کا نام سب سے پہلے واندر کے عرف کی حیثیت سے آتا ہے۔ وہ خواجہ اسحاق وندر تھے ان کا سن انتقال ۱۷ ار صفر ۱۱۷۶ھ ہے۔ یہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ تاریخ کبیر کشمیر میں ان کے متعلق لکھا ہے۔ "در علم قرأت عالمے بود فاضل و کامل و بہ یمن ہمتش علم قرأت تازگی و رونقے جدید پدید آورد کہ پیش از وے مفقود شدہ بود" ہدیۃ الفقراء و تحفۃ الفقراء ان کی دو منظوم کتابیں علم قرأت میں ہیں۔ مصنف تاریخ کبیر کشمیر لکھتے ہیں۔ "چوں رحلت کرد در مزار وندرو ہا کہ مقبرہ اسلاف وے بود دفن کردہ شد"۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وندر بہت قدیم نام ہے۔ جو ان کے اسلاف کے ساتھ چلا آتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی نام پر ان کا خاندانی قبرستان "مزار وندرو" مشہور ہے۔ خواجہ اسحٰق وندرو شیخ محمد اکبر ہادی نواسہ میر عبدالسلام اندرابی کے خسر تھے شیخ ہادی ۱۱۵۳ھ میں پیدا ہوئے۔ علم قرأت میں اپنے خسر کے شاگرد تھے۔ ۱۲۴۳ھ میں انتقال کر گئے۔

آج کل سوپور و بارہ مولا میں واندرو قبیلہ کے لوگ عزیز واندرو وغیرہ بزازی اور نان پزی کا کام کرتے ہیں۔

سادُھو

سادُھو کشمیر کے ایک ہوشیار۔ زمانہ شناس اور زیرک طبقہ کا نام ہے۔ اس طبقہ میں کئی ذاتیں ہیں۔ مثلاً مور۔ بدُجی۔ ماڑو۔ شیخ۔ مانک۔ قاضی۔ شاہ مشہدی وغیرہ۔ جس طرح سکھوں اور پٹھانوں کے عہد میں کشمیر سے اور کئی اقوام ترک وطن پر مجبور ہو کر پنجاب کے اکناف واطراف میں پھیل گئیں اسی طرح طبقہ سادھواں بھی سکھوں کے عہد میں لاہور چلا آیا۔

تکیہ سادھواں جس کا پہلا نام محلہ علاؤل خاں تھا۔ انہی کے نام پر تکیہ سادھواں آج تک مشہور چلا آتا ہے۔ یہاں ایک وسیع قبرستان تھا۔ اس وقت بھی مسجد تکیہ سادھواں کے اردگرد چند ایک پرانی قبریں موجود ہیں۔ اور پیر عبدالغفار شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار[1] بھی یہیں ہے۔ جن کا ۱ ارجمادی الثانی ۱۳۴۸ھ کو اسی مسجد میں وضو کرتے ہوئے انتقال ہو گیا تھا۔

لاہور میں طبقہ سادھواں کی آبادی صرف تکیہ سادھواں ہی میں ہے۔ یہاں ان کی تعداد ۲۰۰ نفوس کے قریب ہوگی۔ پشاور۔ امرتسر۔ گوالیار۔ بھوپال۔ کلکتہ اور دہلی میں بھی اس طبقہ کے لوگ کم وبیش پائے جاتے ہیں۔ لاہور کا مشہور شہ زور اسلام مورتی جس کا اصل نام تھا اسی طبقہ سے تھا۔ چند سال ہوئے اپنی شہ زوری کے کرتب دکھاتے ہوئے گورکھپور میں اس کا انتقال ہو گیا۔

ہندوستان کی دُور دراز ریاستوں میں یہ لوگ نکل جاتے تھے۔ اور تجارت اور شہ زوری اور اپنے دوسرے علوم وفنون کے ذریعہ کافی روپیہ کما کر لاتے تھے۔

[1] پیر محمد اشرف صاحب آپ کے صاحبزادے اب سجادہ نشین ہیں۔

مولوی فقیر اللہ جو آج سے ۳۰ - ۳۵ سال پیشتر لاہور کے نامور کتب فروش تھے۔ اور جنہوں نے تاریخ خواجہ اعظمی چھاپ کر خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کاشمیری کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا ہے۔ اسی طبقہ سے تھے۔ حاجی نور محمد بھی اس گروہ میں ایک نامور بزرگ گزرے ہیں۔ زعفران شیخ اور احمد شیخ بھی دو قابل اور خوشحال ہستیاں تھیں۔ اس طبقہ میں بعض من چلے اصحاب نے فقیری اور امیری دونوں میں خوب نام پیدا کیا ہے۔ قدرت اللہ شاہ جو کلکتہ اور لاہور میں شہزادوں کی سی زندگی بسر کرتا رہا ہے۔ اور مدنے شاہ اور ٹاٹ شاہ ایسے لوگوں میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔

ٹاٹ شاہ کے نام کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے بدن پر ہمیشہ چیتے کی کھال پہنا کرتے تھے۔ گوالیار کا ایک جنگل ان کا مسکن تھا۔ مہاراجہ گوالیار ایک دفعہ اسی جنگل میں شکار کو گئے۔ اور ٹاٹ شاہ کو دور سے چیتا سمجھ کر گولی چلا دی۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔ مہاراجہ کو بہت افسوس ہوا۔ اور ان کے بیٹے کو بہت سا روپیہ دے کر اپنے افسوس کا عملی اظہار کیا۔

یہ سب لوگ بالعموم کشمیری زبان جانتے ہیں۔ بلکہ اور بھی کئی مقامی و غیر مقامی زبانوں سے واقف ہوتے ہیں۔ انہوں نے خاص خاص استعارات کیلئے اپنی ایجاد کردہ زبان میں خاص خاص الفاظ مقرر کر رکھے ہیں۔ جو عوام کی سمجھ میں نہیں آتے۔ لیکن ان الفاظ کے ذریعے وہ تیسرے آدمی کے متعلق آپس میں کوئی رائے قائم کر لیتے ہیں۔

ان میں تعلیم بہت کم ہے۔ تاہم زمانہ کی روش کے مطابق اب ان میں بھی حصولِ علم کا چرچا ہے۔ اور جو چند ایک پڑھ گئے ہیں۔ ان میں ایک دو نے اپنی فطری ذکاوت و ذہانت سے بہت جلد ترقی کے مدارج طے کر لئے ہیں۔

فصل ہشتم

چند مسلمان اقوام کا مختصر بیان

کاک ہندوؤں کی مشہور ذات ہے۔ جس کا ذکر باب اول میں کیا جا چکا ہے۔ مسلمانوں میں بھی اس قوم کے کئی نامور اہل علم و عمل بزرگ گزرے ہیں۔ جن میں بیتی کاک۔ شمسی کاک۔ شالہ کاک۔ ایبہ کاک یعنی شیخ ابراہیم کاک وغیرہ بہت مشہور تھے۔ ابراہیم کاک کو کاکا صاحب بھی کہتے ہیں۔ خواجہ طاہر رفیق عشائی فتح کدلی کے مرید تھے۔ کمالات علمی میں مرد یکتا اور بحث و مناظرہ میں فرد کامل تھے۔ تاریخ کبیر میں لکھا ہے۔ در بحث دقائق و حقائق معنوی چناں بود۔ کہ عاقلان عصر و فاضلانِ دہر از تقریر و بیانش حیران مے شدند۔ لیکن جہاں بربط و عود اور ساز و سرود کا شور سنتے بہ ایں علم و فضل بے خود ہو کر ناچنا شروع کر دیتے۔ حضرت خواجہ اس بات سے ناراض رہتے۔ ایک مرتبہ شیخ ایبہ کاک کے ہمسایہ میں ساز و سرود کی محفل کسی تقریب پر تھی۔ شیخ پہلے تو مرشد کے خوف سے خاموش رہے لیکن بعد میں بے اختیار ہو کر حجرہ کے دریچہ ہی میں رقص کرنے اور شور مچانے لگے۔ حضرت خواجہ نے خفا ہو کر فرمایا "ایبہ کاک را از خانقاہ بدر کنید" ایبہ کاک یہ سنتے ہی جامہ کو پارہ پارہ کر کے خانقاہ سے باہر نکل گیا۔ اور کہنے لگا۔ "آزاد شدم آزاد شدم"۔

اس کے بعد اس نے ساری عمر جنگلوں اور بیابانوں اور ویرانوں میں گزار دی۔ حضرت خواجہ نے اپنے مریدوں کو اس کی خبر گیری کی تاکید کر رکھی تھی۔ شالہ کاک کا اصل نام محمد صالح تھا۔ تاجرزادہ تھا۔ عیش و عشرت اور ناز و نعمت میں پلا تھا۔ حسن صورت و سیرت میں لاجواب تھا۔ ایبہ کاک کی "ایک نظر پُر اثر" نے تنعم و محبت دنیا اور اہل و عیال سے آزاد کر دیا۔ دونوں کی وفات ۲۹ صفر ۱۰۲۷ھ کو ایک ہی دن ہوئی۔

ایتو اصل ذات رینہ ہے۔ ملک احمد ایتو رینہ اس قبیلہ کا مشہور شخص گزرا ہے۔ ایتو یا ایٹو کے معانی معلوم نہیں ہو سکے ہیں فرقہ کی تعداد ۱۸۹۱ء میں ۶۳۴۵ سنہ ۱۹۱۱ء میں جموں میں ۲۰۶۷ اور کشمیر میں ۵۰۰۵ اور کل ۷۰۷۲ تھی سنہ ۱۹۳۱ء میں اس قوم کی کل تعداد ۹۹۲۹ ہے۔ ان میں ۵۳۰۷ مرد اور ۴۶۲۲ عورتیں ہیں۔

کاٹھجو یہ خاندان عالم اور علم نواز رہا ہے۔ تجارت اس کا خاص مشغلہ تھا۔ خواجہ محمد اسمٰعیل کاٹھجو سلطان العارفین حضرت مخدوم شیخ حمزہ رح کے مریدوں میں تھے۔ اور صاحب ولائت تصور کیے جاتے تھے۔ خواجہ جمال الدین کاٹھجو نامی تاجر تھے۔ جن کی سر بفلک عمارتیں محلہ بلبل لنگر میں دیر تک دستبرد زمانہ سے محفوظ تھیں۔ حاجی بابا محمد قادری کاٹھجو صاحب عز و جاہ تاجر تھے۔ یک لخت طبیعت نے پلٹا کھایا۔ اور سید شاہ نعمت اللہ قادری حصاری کے مریدوں میں داخل ہو کر روحانیت میں کمال حاصل کیا۔ اور چند سال تک مدینہ منورہ میں روضۂ مبارک پر جاروب کشی کرتے رہے۔ بابا شیخ عثمان کاٹھجو سید شاہ ابوالحسن قادری سے فیض حاصل کر کے سلسلۂ قادریہ کے نامور سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ چاروں صاحب سجادہ گزرے ہیں۔ ان کی کثیر التعداد اولاد سری نگر کے محلہ بلبل لنگر۔ صفاکدل اور چھتہ بل میں رہتی ہے۔ پیشہ پیری مریدی اور دیہات کی گرداوری ہے۔ خواجہ یوسف کاٹھجو سنہ ۱۰۷۰ھ میں کاٹھجو خاندان کے ایک نامور بزرگ گزرے ہیں۔ وہ صاحب

کشف و کرامات تھے۔ لیکن بسرِ اوقات کے لئے زراعتی کاروبار کیا کرتے تھے۔ شیخ داؤد عرف بتہ مالوان کے مریدوں میں تھے۔

جہاز کشمیر میں پشمینہ کی تجارت کبھی بڑے عروج پر رہی ہے۔ بلکہ اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں کشمیر کے علاوہ لاہور میں بھی اس تجارت کا بڑا زور تھا۔ اور سکھوں کے عہد میں امرتسر۔ نور پور (کانگڑہ) اور جلال پور جٹاں (گجرات) اس تجارت کا خاص مرکز رہے ہیں۔

کشمیر کی تجارت صرف پنجاب اور ہندوستان ہی سے تعلق نہ رکھتی تھی۔ بلکہ فرانس اور انگلستان میں بھی تاجرانِ کشمیر کی کوٹھیاں موجود تھیں۔ انہی تاجروں میں ایک تاجر نے جب پشمینہ کا مال جہاز میں بھر کر فرانس بھیجا۔ تو جہاز ہوا کی ناموافقت اور طوفان کے زور کی وجہ سے اصلی رستہ ترک کر کے کسی اور طرف چلا گیا۔ کشمیر میں جہاز کے غرق ہونے کی افواہ مشہور ہو گئی۔ لیکن کافی عرصہ گزرنے کے بعد وہ جہاز طوفانِ باد کے تھپیڑے کھاتا ہوا فرانس کے کسی ساحل پر جا لگا۔ وہاں سے جب کشمیر میں جہاز کے صحیح سلامت منزل مقصود پر پہنچ جانے کی اطلاع آئی۔ تو بڑی مسرت کا اظہار کیا گیا۔

کشمیر نام رکھنے میں تو عجیب خطہ ہے۔ لوگوں نے اس تاجر کا نام جہاز والے رکھ دیا۔ اب صرف جہاز رہ گیا ہے۔ جہاز خاندان کے افراد سری نگر کے علاوہ امرتسر میں بھی ہیں۔ جن میں خواجہ عبدالرحیم جہاز ایک نامی تاجر اور رئیس تھے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب ان کے فرزند خواجہ عبدالرشید جہاز تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔ سری نگر میں خواجہ خلیل جو جہاز افسر محلہ کلال دوری[1] اپنے نامور اسلاف کی یادگار ہیں۔

---

[1] آپ کے والد زندہ ہے۔

کامگار کشتواڑ۔ بھدرواہ اور کشمیر کے بعض علاقوں میں جو قوم کامگار کے نام سے مشہور ہے۔ اُن کے بزرگ ریاست کے کارپردازوں اور اہل کاروں میں درجۂ اختصاص رکھتے تھے۔ اپنی کارکردگی اور اہل کاری کی وجہ سے کامگار مشہور ہوگئے۔ اب بھی اس گروہ کے لوگ اہلِ قلم مشہور ہیں۔

پستنگ جہانگیر کے زمانہ میں مُلا علی علوم عقلی و نقلی میں سرافراز و ممتاز تھے۔ جہانگیر جب کشمیر آتا تھا تو مُلا علی بزم جہانگیری کا رکن اعظم ہوتا تھا۔ بادشاہ کے دربار میں اس کا بڑا اعتبار و امتیاز تھا۔ چونکہ پست قد تھا۔ بادشاہ نے ایک دن مُلا پستنگ کہ کر پکارا بس نام ہی پستنگ ہوگیا۔ مُلا علی شاعر بھی تھا۔ اور برجستہ شعر کہتا تھا۔ ۱۰۲۶ھ میں انتقال کر گیا۔

کلو اس قبیلہ کی اصل ذات عشائی ہے۔ کوئی بزرگ اوراد و اذکار میں رہنے کی وجہ سے بہت کم سخن تھے۔ بلکہ عموماً خاموش ہی رہتے تھے۔ اسی کم سخنی و خاموشی کی وجہ سے کلو (گونگے) مشہور ہوگئے۔ صاحب غیاث اللغات نے کلو کے معنی کلاں تر اور رئیس محلہ لکھے ہیں۔ سری نگر میں خواجہ نور محمد ملک التجار کلاشپوری، خواجہ ابوالفتح کلو کلاشپوری اخوند ملا سلیمان۔ ملا عبد الخالق وغیرہ اس خاندان کے نامی اہل علم و فضل گزرے ہیں۔ مولوی ہدایت اللہ متو ابن ملا کرم اللہ متو جو بعہدِ شاہانِ درانیہ ۱۱۷۵ھ سے ۱۲۰۶ھ تک کشمیر کے قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام تھے۔ اخوند ملا سلیمان کلو کی درسگاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔

سوپور میں کلو خاندان نے نامور طبیب پیدا کئے ہیں۔ جن میں حکیم جمیل، حکیم محمد حسین حکیم ولی اللہ۔ حکیم غلام نبی وغیرہ کئی نامی طبیب تھے۔ اب بھی اس خاندان میں حکیم عبدالغنی حکیم غلام محمد کلو (صاحب تصانیف طبیہ غیر مطبوعہ) حکیم غلام محی الدین و حکیم احمد اللہ اپنے مشہور طبی خاندان کی یادگار ہیں۔

صوفی لارنس صاحب کی تحقیق کے مطابق "اس طبقہ کے بزرگ برہمن تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے مختلف پیشے اختیار کر لئے"۔ شمالی کشمیر کے صوفیوں نے راقم الحروف کو بتایا ہے۔ کہ ہمارے بزرگ صوفیائے کرام کے ساتھ رہنے کی وجہ سے صوفی کہلائے۔ ہماری ذاتیں مختلف ہیں۔ لیکن اب لفظ صوفی نے سب ذاتوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

شمالی کشمیر کے صوفی زیادہ تر زراعت پیشہ ہیں۔ اور اپنے ہاتھ سے کاشت کرتے ہیں۔ موضع سم پورہ سب کا سب صوفی طبقہ سے آباد ہے۔ وہاں نمبردار بھی سبحان صوفی ہے۔ موضع نپز پورہ میں نصف سے زیادہ صوفی آباد ہیں۔ اور سب زراعت کرتے ہیں۔ سوپور میں کئی لوگ تاجر پیشہ اور دکاندار ہیں۔ جن میں عبداللہ صوفی اور اکبر صوفی اخباری اور علمی مذاق رکھنے کی وجہ سے خاص طور پر مشہور ہیں

کشمیر میں نان بائیوں کو بھی صوفی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے۔ کہ کسی صوفی نے نان بائیوں (کلچہ بنانے اور فروخت کرنے) کا کام اختیار کر لیا۔ جس سے وہ بھی نان بائیوں میں شمار ہو گئے۔ لیکن نام ان کا صوفی ہی رہا۔ اب حالت یہ ہے۔ کہ ہر نان بائی صوفی کہلاتا ہے۔

۱۸۹۱ء کی ریاستی مردم شماری نے صوفی طبقہ کو زمینداروں میں لکھا ہے اور اس کی تعداد ۱۱۰۰۳ بتائی ہے۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہ تعداد اب ۱۱½ ہزار سے کیا کم ہوگی۔ پنجاب میں امرتسر۔ لدھیانہ۔ لاہور بلکہ پشاور تک بھی اس قبیلہ کے لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔

ملیار۔ واندر اور ڈم ہانز کشمیر میں جو لوگ (آلو بینگن۔ ٹماٹر۔ کدو۔ خربوزہ۔ تربوز۔ مرچ۔ ٹینڈے۔ پیاز وغیرہ) سبزی کی کاشت کرتے ہیں۔ ان کو ملیار کہتے ہیں۔ پنجاب میں ملیار کا ہم معنی ارائیں

ہم پیشہ لفظ راعین ہے۔ سوپور میں ملیاروں کے محلہ کا نام آرم پورہ ہے۔ سنسکرت زبان میں ملیار کو آرامک کہتے تھے۔ اسی سے آرم پورہ بنا ہے۔

وانڈر وہ لوگ کہلاتے ہیں جو سری نگر سے دوسرے مقامات پر سبزی بیچنے کے لئے جایا کرتے ہیں۔ واندروں کے مرد سودا فروخت کرتے ہیں۔ اور ملیاروں کی عورتیں ڈل میں جو زمین پانی پر بنائی جاتی ہے۔ اس میں اس قدر سبزی پیدا ہوتی ہے۔ کہ شہر کے علاوہ باہر بھی بھیجی جاتی ہے۔ ڈل کی آبی زمین میں جو لوگ سبزی کی کاشت کرتے ہیں۔ ان کو ڈم ہانز کہتے ہیں۔ وہ سبزی خود فروخت نہیں کرتے۔ بلکہ واندروں کے پاس بیچ دیا کرتے ہیں۔

طوسی شاہنامہ کے مصنف فردوسی طوسی اور حسن بن صباح کے ہم سبق نظام الملک طوسی وزیر سلجوقیان کو سب جانتے ہیں۔ وہ طوس (ایران) کے رہنے والے تھے۔ اسی طوس سے جو لوگ کشمیر آئے۔ وہ بھی اپنے وطن کے نام پر طوسی ہی مشہور رہے ان میں مولانا داؤد طوسی جو مولانا شمس الدین کاشمیری کے شاگرد تھے۔ اور حضرت مخدوم حمزہ سلطان العارفین کے مریدوں میں تھے۔ نہایت عالم ہوئے ہیں۔ شاہجہان وجہانگیر کے زمانہ میں ملا حاجی طوسی نے تنجیم و اصطراب کے علم میں بڑا نام پایا ہے آپ ملا جوہر نانت کے شاگرد اور حضرت ایشاں خواجہ خاوند محمود کے مرید تھے۔ طوسی کاشمیری خاندان امرتسر میں بھی موجود ہے۔

بنگالی شیخ ناصر بنگالی بابا نصیب الدین غازی کاشمیری کے صحبت یافتوں میں تھے۔ علم و عمل میں شہرہ آفاق لیکن قہر و غضب میں مظہر جلال تھے زبان کج مج تھی۔ ان کی گفتگو کم سمجھ میں آتی تھی۔ گردن پست اور دستار بہت بڑی باندھتے تھے۔ مشکوٰۃ شریف ہمیشہ ہاتھ میں رکھتے تھے۔ اہل تشیع کی مخالفت میں بہت مشہور تھے۔ ۳۰ رصفر ۱۰۵۷ھ کو انتقال کر گئے۔ ان کے فرزند عالم بابا

بھی صاحب ورع و تقوے اور فرد یگانہ تھے۔ اہل تشیع کی مخالفت وراثۃً میں پائی تھی۔ تیر اندازی اور بندوق کے نشانہ میں ان کی بڑی شہرت تھی۔ چونکہ بنگال کے رہنے والے تھے بنگالی مشہور ہو گئے۔ اب بھدرواہ اور سرینگر میں اسی نام پر بنگالی مسلمانوں کی ایک قوم مشہور ہے۔

مہتہ یہ خطاب یا لقب ہے۔ صوبہ جموں میں بعض ٹھاکر بھی مہتہ کہلاتے ہیں۔ جو ٹھاکر مہتہ مسلمان ہو گئے۔ وہ بھی اپنے خاندانی لقب مہتہ ہی سے مشہور رہے۔ آج سے قریباً ایک سو سال پیشتر مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں مہتہ گگ بھدرواہ میں ایک مشہور شخص گزرا ہے۔ مہتہ صدرالدین جو پانچ چار گاؤں کا نمبردار ہے اور اچھی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی مہتہ گگ کی اولاد سے ہے۔

چہ او چہ او۔ چھو یا چھو کے تلفظ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ لیکن معانی کے لحاظ سے ان الفاظ میں کوئی فرق نہیں۔ چہ او کا مفہوم و مطلب جیو یا جی بتایا جاتا ہے۔ جو ادب و تہذیب کا ایک لفظ ہے۔ چہ او خاندان میں خواجہ عبدالقادر کلاشپوری خانیاری۔ قاضی خواجہ عبدالکریم کلاشپوری۔ فصاحت خاں راضی وغیرہ کئی نامور مشاہیر گذر چکے ہیں۔ جن کے حالات تذکروں میں مفصل درج ہیں۔

شالباف شالباف اُن کو کہتے ہیں جو پشمینہ کی بافت کا کام کرتے ہیں کشمیری زبان میں اس صنعتی و حرفتی گروہ کا نام کھنڈ واؤ ہے کھنڈ حصہ یا ٹکڑہ کو کہتے ہیں۔ واؤ بنانے والا یعنی ٹکڑہ ٹکڑہ کو بافت کرنے والا۔ عام شالبافوں کے لیے شالباف یا کھنڈ واؤ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مگر مختلف قسم کی چیزوں کے بنانے والوں کے مختلف نام ہیں۔

مثلاً سادہ باف سادہ پشمینہ بنانے والا

حاشیہ باف - حاشیہ بیل بوٹے دار بنانے والا۔
رفوگر - عملی بیل بوٹے دار قسم کا کام شال پر کرنے والا۔
پُرزگر - پشمینہ کو صاف کرنے اور شکن نکالنے والا۔

پشمینہ دھوبی - یہ لوگ صرف پشمینہ ہی دھوتے ہیں۔ عام دھوبی پشمینہ کا دھونا نہیں جانتے۔ ان لوگوں کی بھی مختلف ذاتیں اور گوتیں ہوتی ہیں۔ لیکن ان کے کاروبار اور پیشہ کی وجہ سے ان کی اصل ذاتوں کی شہرت قایم نہیں رہتی۔

خطیب بھدرواہ اور علاقہ کشتواڑ میں کشمیری مسلمانوں کا ایک طبقہ خطیب کے نام سے مشہور ہے۔ اس فرقہ کے بزرگ کشمیر سے آئے تھے اور خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ یہاں آکر بھی کچھ عرصہ تک یہی شغل رہا۔ لیکن بعد میں دوسرے کاروبار کی مصروفیتوں نے اِدھر زیادہ توجہ نہ ہونے دی۔ اور اب یہ حالت ہے کہ کاروبار تو تجارت کا کرتے ہیں۔ لیکن نام خطیب مشہور ہے۔ اس قوم نے تجارتی ترقی میں اچھا نام پیدا کیا ہے۔ خالد خطیب بھدرواہ میں ایک مشہور تاجر گذرا ہے۔ اب اُس کا فرزند قادر خطیب اپنے خاندان کا سرگروہ ہے

ہاپت عرصہ ہوا اسلام آباد کے علاقہ میں ایک نہتے شخص نے ایک جنگل میں ایک ہی دن میں دو ہاپت مارے۔ ہاپت کشمیری زبان میں ریچھ کو کہتے ہیں۔ اس کی اس عدیم النظیر بہادری کی وجہ سے اس کا نام ہاپت پڑ گیا۔ اور جو اصل ذات تھی۔ رفتہ رفتہ وہ نہ صرف اور لوگوں کو بلکہ اس کی اولاد کو بھی فراموش ہو گئی۔ اس واقعہ کے طویل عرصہ کے بعد۔ ہاپتوں کے ایک گاؤں میں جب سرکاری اہل کار جنس مالیہ لینے کے لئے آیا۔ تو سب نے کہا۔ کہ ہماری فصلیں برباد ہو گئی ہیں۔ ہاپت ایک ایک دانہ تک کھا گئے ہیں۔ اب ہم مالیہ کے لئے جنس کہاں سے لائیں۔ اہل کار نے باقی لوگوں سے شہادتیں لیں۔ اس گاؤں میں تقریباً سب ہاپت قبیلہ کے

لوگ ہی آباد تھے۔ سب نے شہادتیں اور قرآن کا حلف اٹھایا۔ کہ واقعی ہماری فصلیں ہاپت کھا گئے ہیں۔ ہم مالیہ ادا کرنے کے ناقابل ہیں۔ اہل کار اصل راز سے ناواقف تھا اور اس کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ سب لوگ خود ہی ہاپت ہیں۔ وہ اپنا سا منہ لیکر واپس چلا گیا۔ یہ قبیلہ اسلام آباد کے علاقہ شانگس نوگام میں رہتا ہے۔ اور زمینداری کرتا ہے۔

سینٹان بھدرواہ کے علاقہ میں ایک ایسا جانور پایا جاتا ہے۔ (ممکن ہے اور مقامات پر بھی ہو) جو بارش کے موقع پر بادل کے گرجنے اور رعد کے کڑکنے پر اپنی ٹانگیں آسمان کی طرف اور سر زمین کی طرف کر دیتا ہے۔ یہی حرکت بھدرواہ میں ایک کشمیری نے بھی خدا جانے مذاق کے طور پر یا بارش کے موقع پر کی۔ لوگوں نے دیکھ لیا۔ اور اس کا نام سینٹان مشہور کر دیا۔ جو بارش کے موقع پر ٹانگیں آسمان کی طرف کر دینے والے جانور کا نام ہے۔ سینٹان کے نام پر بھدرواہ میں یہ ضرب المثل بھی مشہور ہے۔ "امبر ہتھے چھنٹیاں۔ دے ڈھک" یہ ضرب المثل اس موقع پر بولتے ہیں۔ جب کوئی چھوٹے درجے کا آدمی اپنی حیثیت کو فراموش کر کے کوئی متکبرانہ دعوے کرے۔

غرض اس شخص کی اس حرکت سے اب اس کی اولاد سینٹان کہلاتی ہے۔

مانچھو مانچھو کشمیر میں میٹھے شہد کو کہتے ہیں۔ اس خاندان کے ایک بزرگ باوجود صاحب ثروت ہونے کے نہائت حلیم الطبع اور شیریں زبان و شیریں کلام تھے۔ عوام الناس نے ان کو مانچھو کہنا شروع کر دیا۔ اب اصل ذات تو لوگ بھول گئے ہیں۔ صرف مانچھو کے نام ہی سے یہ قبیلہ مشہور ہے۔ سعد اللہ مانچھو اور امیرالدین مانچھو جو محلہ بلبل لنگر میں رہا کرتے تھے۔ اس خاندان کے نہائت فیاض رئیس گزرے ہیں۔

الماس یوسف نام ایک شخص تھا۔ وہ بہت جلد جلد گفتگو کیا کرتا تھا۔ اور اس کی زبان پر چند کلمات کے بعد بے ساختہ الماس الماس کے الفاظ آ جایا

کرتے تھے۔ اس کا نام الماس ہی مشہور ہو گیا۔ اور اس کے بعد اس کی تمام اولاد کو سب لوگ الماس ہی کہنے لگے۔ چنانچہ اب الماس کے نام سے ایک اچھی خاصی قوم موجود ہے اصل ذات گنائی ہے۔

کلرو حاکم کشمیر نے ایک شخص کا اس کے سخت ترین گناہ کی پاداش میں اس کا پوست کھچوا دیا۔ یعنی اس کا چمڑا اس کے بدن سے اتروا دیا۔ پوست کو کشمیری زبان میں کلرو کہتے ہیں۔ اس شخص کی اولاد اب کلرو کے نام ہی سے مشہور ہے۔

شونٹھو اس خاندان کا کوئی بزرگ بڑے غور و فکر کے بعد اور بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اس لئے اس کا نام ہی شانتو مشہور ہو گیا۔ اور اس کی اولاد و احفاد سالہا سال گزر جانے کے باوجود اب تک اسی نام سے مشہور ہے۔ اس خاندان میں میرزا بابا سونٹھو (یکے از خلفائے حاجی عبد السلام قلندر) اور خواجہ احمد اللہ سونٹھو اور چند اور ہستیاں نہائت نامور گذریں علامۂ زمان ملا امدائت اللہ متو۔ بعہد شاہان درانیہ نے اپنی تاریخ میں بابا محمد میرزا یا میرزا بابا سونٹھو کے تذکرہ میں شونٹھو کے معنی یا اس کی وجہ تسمیہ احتیاط کرنے والا ہی بتائی ہے۔

کنو کنو ایک قسم کی گھاس ہے۔ جس سے کشمیر کے زمیندار عموماً جوتے بناتے ہیں جن کو پولہ ہروُ کہتے ہیں۔ اور شہر سری نگر میں ہندو عورتیں ان کو زیادہ پہنتی ہیں اس خاندان میں محمد اشرف یکتا اور علامہ امان اللہ (وفات ۱۱۵۲ھ) اور خواجہ خیر الدین بلدیری نامور عالم گزرے ہیں۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری خواجہ خیر الدین بلدیری کے حالات میں لکھتے ہیں۔ کہ "از سوداگرزادہائے ایں شہر بود"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ علم اور تجارت اس خاندان کا خاص جوہر تھا۔ ملا صدر الدین وفائی اور خواجہ اعظم نے اپنی اپنی تاریخوں میں کنو کے متعلق لکھا ہے "کنو نام گیاہے است کہ ہندو زناں از

پولہامے سازند۔

اس خاندان کا جد اعلیٰ بلدیمر میں رہتا تھا۔ اور یہی کنو گھاس جس سے جوتے بنائے جاتے ہیں بیچ کر گزارہ کیا کرتا تھا۔ لیکن اس خاندان کے افراد نے علم اور تجارت کی نعمت سے فیض یاب ہو کر ایسے ایسے نامور فرزند پیدا کئے۔ کہ موٴرخوں نے اپنی تاریخوں اور تذکرہ والوں نے اپنے تذکروں میں فخر و مباہات کے ساتھ اُن کا ذکر کیا۔

لاُلو وجہ تسمیہ پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ لیکن یہ ایک مشہور قبیلہ ہے جس کے کثیر التعداد افراد محلہ نامڈ کدل دسری نگر، میں سکونت پذیر ہیں۔ بلکہ لاُلو محلہ اور لالی مسجد بھی اسی قوم کے نام سے موسوم ہیں۔ خواجہ عطار گنائی کے بنیرہ شیخ حسن گنائی قبیلہ سے ہونے کے باوجود صرف اس وجہ سے شیخ حسن لاُلو کے نام سے مشہور ہو گئے۔ کہ وہ لالی مسجد کے امام تھے۔ شیخ حسن حضرت ابو الفقرا، بابا نصیب الدین غازیؒ کے خلفا میں سے تھے۔ آپ نے ملا ابو الفتح کلو کلاشپوری کی درسگاہ سے دینیات۔ فقہ۔ ادب۔ حدیث کا علم حاصل کیا تھا۔ پیری مریدی کا سلسلہ لاُلو قبیلہ میں آپ ہی سے قائم ہوا۔ شیخ عبد الولی گنائی لالو پیر بزرگ شاہ گنائی کلال دوری۔ لاُلو خاندان ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور شیخ حسن کی اولاد سے تھے۔

چرخی یا ٹنٹو اس طبقہ کے مورث اعلیٰ خواجہ حیدر کوجواری خواجہ فیروز جیسے عالم باعمل اور فاضل اجل تھے۔ انہوں نے قوت حلال حاصل کرنے کے لئے چرخہ گردانی کا مشغلہ اختیار کیا۔ چرخہ چلانے کو کشمیر میں ٹنٹو کہتے ہیں۔ اس لئے آپ کا اور آپ کی اولاد کا نام ہی ٹنٹو مشہور ہو گیا۔ اس خاندان میں خواجہ حیدر علامہ کے علاوہ محمدؐ افضل اسکم۔ ملا اشرف۔ عبد الشکور خطیب وغیرہ کے علمی و عملی کارنامے خواجہ محمدؐ اعظم دیدہ مری کی تاریخ واقعات کشمیر اور تکملۃ التواریخ میں بالتفصیل درج ہیں۔

وکیل عہد مغلیہ میں ملا عبدالسلام ایک نامور عالم کشمیر میں گزرا ہے۔ مراد الدین خاں اس کا برادر عینی تھا۔ اس کی وساطت سے دربار میں منصب وکالت محکمہ جات حاصل کیا۔ "و جاہ و حشمے چناں بہم رسیدش کہ در محکمہ ہا پالکی سوار مے رفت"۔ بعمر اکیاسی ۱۸ شوال ۱۱۷۱ھ کو انتقال کر گیا۔ اور وکیل کے نام سے موسوم رہا۔ اس کی اولاد و احفاد بھی وکیل ہی کہلائی۔

پخنہ دھنی ہوئی روئی کو پخنہ کہتے ہیں۔ جو لوگ اس کی تجارت کرتے تھے۔ وہ اسی نام سے موسوم ہو گئے۔ سوپور میں احسن جو پخنہ اور قادر جو پخنہ اس طبقہ کے نامی رئیس اور تاجر تھے۔ اب بھی غلام محمد پخنہ تجارت اور زراعت کا کاروبار کر رہا ہے یہیں سے ایک شاخ عرصہ ہوا پونچھ چلی گئی تھی۔

حقانی شاہ قاسم حقانی پیر شمس الدین شامی (رفیق میر سید علی ہمدانی رح) کی پانچویں پشت میں تھے۔ چونکہ بے خوف حق گو تھے بلکہ ع چھاؤں میں تلوار کی وہ جائے کہ آتے تھے حق۔ اس لئے حقانی کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کے حالات میں بابا یعقوب حقانی نے کتاب معارف الحقانی لکھی ہے۔ عالم، مفسر اور محدث تھے۔ شیخ یعقوب صرفی کے صحبت یافتوں میں تھے۔ شاہ قطب الدین حقانی بابا یعقوب حقانی۔ ظفر بابا حقانی اس خاندان کے نامور عالم تھے۔

گنگو گنگو کی وجہ تسمیہ گنگو خاندان کے ایک معزز بزرگ نے یہ بتائی ہے۔ کہ ہم مولانا خواجہ عبدالقدوس گنگوہی کی اولاد سے ہیں۔ جن کا انتقال بقول صاحب اخبار الاخیار ۹۴۵ھ اور بقول صاحب گلزار ابرار ۹۵۰ھ میں ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مغلوں کے زمانہ میں مولانا گنگوہی کے خاندان سے کوئی بزرگ اہل و عیال سمیت کشمیر آئے۔ اُن کی اولاد جو شہر میں ہے۔ وہ تجارت کرتی ہے۔ جو دیہات میں ہے۔ وہ زراعت کا کام کرتی ہے۔ تحصیل بڈگام میں موضع گنگی پورہ اسی قوم کے نام پر آباد ہے

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانہ میں خواجہ امیر دین گنگو ایک نامی رئیس و تاجر تھا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ و موجودہ مہاراجہ ہری سنگھ کے عہد میں بھی خواجہ غلام محی الدین گنگو اپنی قدیم وضعداری کے پابند تھے۔ فروری یا مارچ ۱۹۳۴ء میں لاولد انتقال کر گئے۔

کان چٹو آزاد خاں حاکم کشمیر (۱۷۸۳ء لغایت ۱۷۸۵ء) نے کسی قصور پر اپنے ایک ملازم کے کان کاٹ کر اس کو سرینگر سے علاقہ کامراج میں جلاوطن کر دیا۔ اس کی اولاد اب کان چٹو ہی کہلاتی ہے۔

گگرو چوہا۔ یہ طبقہ سوپور میں ہے۔ اور تجارت اور دکانداری کی وجہ سے آسودہ حال ہے۔

داند بیل۔ اصل ذات وائیں ہے۔ پیشہ بقالی اور دکانداری ہے۔ یہ طبقہ بھی صرف سوپور ہی میں ہے۔

برور بلی۔ اصل ذات بٹ ہے۔ تحصیل اوتر مچھی پورہ میں براری پورہ ایک خاص گاؤں بھی اس قوم کے نام پر آباد ہے۔ یہ لوگ زراعت پیشہ ہیں۔

سیہہ کشمیر میں شیر کو کہتے ہیں۔ کشمیر میں اس قوم کے لوگ کم اور بھدرواہ اور علاقہ بھدرواہ میں زیادہ ہیں۔ اس قوم کے ایک نہتے بزرگ نے شیر کو ہلاک کر دیا تھا۔ اسی پر اس کا نام سیہہ مشہور ہو گیا۔

دیو بھدرواہ اور کشتوار کے مسلمان کشمیریوں میں یہ طبقہ کافی شہرت رکھتا ہے بقول بعض کسی دیو ہیکل کشمیری کی ذریات دیو کے نام سے مشہور ہے۔ دیو سنسکرت میں سورج کو بھی کہتے ہیں۔

پیلان ایک دوا کشمیر میں پیل کے نام سے نہایت تلخ اور ترش ہے۔ ایک شخص کے کلام میں اسی قسم کی تلخی و ترشی تھی۔ وہ پیلان کے نام

ہی سے مشہور ہوگیا۔ یہ ذات بھدرواہ کے کشمیری مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔

زکو محلہ بابا یوسف سوپور میں صرف چار پانچ گھر ہیں۔ اصل لفظ زگی ہے یعنی ذہین اور دانا۔

ٹھول کشمیری میں انڈے کو ٹھول کہتے ہیں۔ بھدرواہ کے مسلمانوں میں جس نے انڈے بیچنے کا کام شروع کیا۔ اس کی اولاد اب ٹھول کہلاتی ہے۔

کھنجوال علاقہ کنڈی سے میدانی علاقوں میں آنے والے

حاجن۔ علاقہ حاجن (متصل پٹن کے رہنے والے)

اینٹو ان اُٹ یعنی ہٹی کی ہنڈیا کے ڈھکنے بیچنے والے۔ سوپور میں چند ایک گھر ہیں۔

بچہ کشمیر میں ناچنے والے چھوٹے چھوٹے خوبصورت لڑکوں کو بچہ کہتے ہیں۔ اب اس نام سے سوپور میں ایک مشہور تاجر اور شریف خاندان موجود ہے۔

شوشہ۔ بھیڑ بکری کا شوشہ یعنی بھیھڑے بیچنے والے۔

ریسرے۔ کانجل۔ شنائی۔ وار مسلمانوں کی زمیندارہ ذاتیں ہیں۔ اصل وجہ معلوم نہیں انکی آبادی تحصیل بڈگام میں ہے

چنگ اس قبیلہ کا کوئی بزرگ یہودیوں کی قسم کا چنگ بجایا کرتا تھا۔ وہ اور اس کی اولاد چنگ کے نام ہی سے مشہور ہوگئے۔ چنگ اور چنگال غالباً ایک ہی طبقہ ہے۔

شورہ۔ شورگرڈ۔ پانزی۔ سانبری یا سامری اور کئی ایسے طبقے میں جنکے اصل حالات صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکے۔ یہ اقوام سرینگر کے علاوہ بھدرواہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔

فصل نہم

کشمیر کی متفرق اقوام

دیدہ مری

اس خاندان سے خواجہ خیر الزمان خاں کہ ملک التجار کشمیر تھا۔ اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ اور جاہ و ثروت اور نجابت و شرافت اور لیاقت و کارکردگی کے لحاظ سے عالمگیر کا منظور نظر تھا۔ "خیر الزمان خاں" عالمگیر ہی کا دیا ہوا خطاب ہے۔ اصل نام کچھ اور تھا۔ عالمگیر کے ساتھ اس کو مصاحبت و مجالست اور مکالمت و مخاطبت کا شرف حاصل تھا۔ خیر الزمان خاں نے اس عزت افزائی کے شکریہ میں اپنے مکان کے نزدیک ایک عالیشان مسجد معہ حمام تیار کی۔ وہ مسجد ۱۳۰۱ھ تک موجود تھی۔

خواجہ خیر الزمان خاں کے اسلاف جب پہلے پہل کشمیر آئے[1]۔ تو سرینگر کے ضلع دیدہ مر میں اقامت گزین ہوئے۔ اور اسی نام سے دیدہ مری مشہور ہو گئے۔ دیدہ مر کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس مقام پر نورجہاں بیگم نے ایک باغ نور باغ کے نام سے اور ایک مسافر خانہ مسافروں کے قیام

[1] اصل وطن بخارا یا اطراف بخارا بتایا جاتا ہے ۱۲

کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ چونکہ کشمیری زبان میں دیدی کسی بزرگ عورت کو کہتے ہیں۔ اور مر جگہ یا عمارت وقفنہ و رفاہ عام کو۔ اس لئے یہ مقام دیدہ مر کے نام سے موسوم ہوگیا بعد میں اس خاندان کے کئی لوگ عالی کدل اور فتح کدل وغیرہ مقامات پر چلے گئے لیکن وہ سب دیدہ مری ہی کہلاتے رہے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں خواجہ محمد اعظم جو اپنی تصنیف تاریخ خواجہ اعظمی یا واقعات کشمیر اور اشجار الخلد۔ اور ثمرات الاشجار وغیرہ کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ اسی خاندان کے ایک عالم باعمل بزرگ تھے۔ مولانا عبداللہ شہید۔ شیخ مراد بیگ۔ میرزا کامل بیگ۔ خواجہ مراد منو اور خلیفہ عبداللہ وغیرہ نامی علماء وصلحا سے علوم حاصل کرتے رہے۔ شاعر بھی تھے۔ ان کے کئی اشعار ان کی تاریخ اور ان کی دوسری تصانیف میں درج ہیں یوم عاشورہ ۱۱۷۹ھ کو سری نگر میں فوت ہو گئے۔

اس خاندان کے ایک نامور فرد خواجہ ظہیر دیدہ مری کا کشمیر میں یہاں تک سیاسی اقتدار تھا۔ کہ احمد شاہ ابدالی (۱۱۵۳ھ لغایت ۱۱۶۶ھ) نے جن لوگوں کی کوشش سے تخت کشمیر حاصل کیا تھا۔ ان میں خواجہ ظہیر کسی اور سے کم نہ تھا۔ انہی خدمات کی وجہ سے خواجہ ظہیر کو ناظم کشمیر (علی قلی خان) کی مدار المہامی بھی ملی۔

امرتسر کے رئیس الامراء خان بہادر حاجی خان محمد شاہ مرحوم آنریری مجسٹریٹ میونسپل کمشنر۔ فیلو پنجاب یونیورسٹی خواجہ احمد شاہ دیدہ مری کے فرزند تھے۔ ان کے حالات "تذکرہ حضرات کشمیر" میں جو ۱۳۰۱ھ کی تصنیف ہے۔ درج ہیں امرتسر میں ایک وسیع و رفیع سرائے ان کی یادگار ہے۔ خان بہادر حاجی غلام حسن جو امرتسر کے مشہور مخیر رئیس تھے۔ انہی کے خلف تھے۔ اس زمانہ کے لفٹنٹ گورنر پنجاب سر چارلیس ایچیسن نے ان کے مکان واقعہ امرتسر پر معہ اراکین و مصاحبین ان کی ضیافت قبول کی تھی۔

خان بہادر خواجہ غلام صادق بی۔اے بیرسٹرایٹ لاء جو بلدیہ امرتسر کے اگزیکٹو افسر ہیں۔ آپ ہی کی یادگار ہیں۔

ٹرک

ٹرک قوم گو اب کشمیر میں ایک معمولی زمیندارہ مفلوک الحال قوم ہے۔ لیکن ایک زمانہ میں تین ترکستانی شاہزادے ۴۲ سال تک کشمیر میں حکومت کرتے رہے ہیں پھر راجہ جے سنگھ کے زمانہ میں کشمیر پر ترکوں کا حملہ ہوتا ہے۔ پھر راجہ سہدیو کے زمانہ میں ذوالقدر خاں عرف زوالچو کشمیر کو اس بیدردی سے تباہ کرتا ہے۔ کہ قدرت آخر اس سے انتقام لینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ مسلمان حملہ آوروں مثلاً تیمور اور محمود غزنوی کو بھی کشمیر میں ترک ہی کہتے تھے۔ غرض ؎

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں　　کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دُور کی

ترکوں کا ملازم یا گماشتہ رہنے کی وجہ سے پنڈتوں کا ایک طبقہ ابھی تک ٹرک یا ترکی کہلا رہا ہے۔ انہی ترکوں کی ذریات سے زمانۂ قدیم میں پکھلی (ہزارہ) میں بھی ترکوں کی معقول آبادی تھی۔ وہاں سے ایک شاخ دربند گئی۔ ایک پکھلی سوا ایک دھمتوڑ میں۔ اور ہر شاخ اپنے وطن کے نام پر مشہور ہوئی۔ چنانچہ دھمتوڑی ترک۔ سوچ ترک اور دربندی ترک کے نام سے ترکوں کی اب تین قسمیں ہیں۔ سوچ ترک کی شاخ کا کوئی شخص بھیڑی تحصیل مانسہرہ سے کرناہ میں چلا گیا۔ وہاں اس کی کافی اولاد موجود ہے۔ اسی کی نسل سے ہدائت اللہ نام ترک راجہ شیر احمد خاں والئے کرناہ کے ساتھ کولگام کی تحصیل میں جہاں راجہ مذکور کو جاگیر ملی تھی۔ اپنے چند اور ترک بھائیوں کے ہمراہ آیا۔ چنانچہ علاقہ مرازمیں اس وقت ترکوں کے پانچ چھ گھر ہیں۔ جن میں سوچ

ترکوں کا ایک گھر چک امر چھہ میں ایک براز نو میں اور ایک گھر درہنڈی ترکوں کا نون مئی میں ہے۔ جاگیر کٹھائی کے موضع مایاں اور موضع بجھامہ میں بھی ترکوں کی آبادی ہے بارہ مولا کے متصل ایک گاؤں لڑی ڈورہ کے نام سے نارڈواؤ میں ہے۔ وہاں سب ترک ہی آباد ہیں۔ یہاں کا نمبردار بھی (دوست محمد خاں) ترک ہی ہے۔ بنڈپورہ میں بھی ایک دو گھر ترکوں کے سنے جاتے ہیں۔ ان کی زیادہ تعداد ضلع مظفر آباد میں ہے جہاں ۲۲۷۱ نفوس کی تعداد ہے۔ جن میں ۱۲۲۱ مرد اور ۱۰۵۰ عورتیں ہیں۔

اعوان

اعوان کی وجہ تسمیہ اسکے ابتدائی حالات۔ اعوانوں کی اقسام ان باتوں کا ذکر "اقوام پونچھ" کی تحت میں کسیقدر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ یہاں تحصیل حاصل ہے۔ ناظرین "تذکرہ اقوام پونچھ" میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست جموں و کشمیر میں اعوانوں کی مردم شماری ۲۷۵۸۸ نفوس کی بتائی گئی ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ اس میں زیادہ تعداد پونچھ و جموں کے اعوانوں کی ہے۔ کشمیر میں اعوان پائے تو جاتے ہیں۔ لیکن اس قدر نہیں کہ ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہو۔

کشمیر میں جن مقامات پر اعوان پائے جاتے ہیں۔ ان میں سری نگر خاص کے علاوہ بڈیارہ اور کنچھتر خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان کا سلسلہ انساب مزمل علی کلکان بن عون قطب[۱] شاہ کی اولاد سے ملتا ہے۔ یہ لوگ بہ لحاظ اقتدار ظاہری و باطنی اور حسب اصطلاح ملک "صاحبزادہ" کے لقب سے ملقب ہیں۔ سری نگر میں صاحبزادہ شاہ احمد فتح کدلی اور صاحبزادہ شاہ محمد میر عالم بڈیاروی اور صاحبزادہ محمد یونس و محمد حنیف کن چھتریاں بہت بابرکت نفوس ہیں۔

[۱] باب الاعوان ایڈیشن سوم صفحہ ۲۱۲

سری نگر کے محلہ ملک یارشاہ میں حافظ محمد یٰسین ہیں۔ ان کے متعلق باب لاعوان میں (ص ۲۲۲ پر) لکھا ہے۔ وہ اعلیٰ پایہ کے بزرگ ہیں۔ فارسی و عربی علوم میں وحید العصر اور تاریخ و فقہ کی واقفیت میں نادر المثال ہیں۔ متقدمین و متاخرین ہر دو کے متعلق ان کی تحقیق بے نظیر ہے۔

تحصیل اُوڑی (کشمیر) میں ایک معزز قطب شاہی اعوان خاندان عرصۂ دراز سے آباد ہے۔ اوڑی سے پونچھ کو جاتے ہوئے لب سڑک ایک موضع بلکوٹ آتا ہے۔ وہاں مولوی غلام مرتضےٰ بیگ رہتے ہیں۔ ایک چھوٹے سے پہاڑی موضع میں مولانا کے پاس ایک مختصر سا عربی فارسی اور اردو زبان کا کتب خانہ بھی ہے۔ سردار محمد رحیم بیگ شہید آپ کے پردادا تھے۔ جن کی اس علاقہ میں بہت شہرت ہے۔ اس خاندان کی ایک شاخ بارہ مولا کی تحصیل میں رہتی ہے۔ جن میں سردار غلام محی الدین بیگ سفید پوش سردار سعد اللہ بیگ سردار محمد سلیمان بیگ اور مولوی محمد اسحٰق بیگ مولوی فاضل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس خاندان کی یہ خصوصیت ہے۔ کہ زراعت پیشہ ہونے کے باوجود سب لکھے پڑھے بالخصوص پشت ہا پشت سے علومِ دینی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ زمانۂ سلف میں حکومت کی طرف سے اس خاندان کو سردار کا خطاب ملا تھا۔ اور مغل خاندان سے رشتہ داری کی وجہ سے بیگ بھی مشہور ہو گئے۔ اسی لئے یہ دونوں الفاظ آپ کے خاندان کے ساتھ شامل چلے آتے ہیں۔

خاندان خواجہ حیات مغل

مغل اقوام میں میر بیگ ۔ میرزا ۔ بچھ وغیرہ کئی اقوام شامل ہیں ۔ لیکن کشمیر اور پنجاب میں ایک گروہ ایسا بھی ہے ۔ جس کی قومیت مغل ہی کے نام سے مشہور ہے اور یہ فرقہ اپنی ذات یا گوت مغل ہی لکھواتا اور بتاتا ہے ۔ چنانچہ کشمیر کی تاریخوں میں دو بزرگ ایسے ملتے ہیں ۔ جن کے ناموں کے ساتھ مغل کا لفظ موجود ہے مثلاً حاجی مغل اور صوفی موسیٰ مغل ۔ حاجی مغل کے متعلق لکھا ہے ۔ کہ وہ شیخ سیف الدین کے تربیت یافتوں میں ایک صاحب علم و عمل بزرگ تھے سید محمد امین بخشی کا مدرسہ ان کی اقامت گاہ تھی ۔ بعد وفات اسی مدرسہ کے صحن میں دفن ہوئے ۔ صوفی موسیٰ مغل کے متعلق صاحب تاریخ کبیر کشمیر صفحہ ۱۵۵ پر لکھتے ہیں " از قوم مغل بود ۔ از خراسان آمدہ در کشمیر رسیدہ مرید حضرت مخدوم حمزہ شدہ ۔ آوازے خوش و دلکش داشت ۔ پس بخدمت مؤذنی مامور گشت ۔ آواز خوشش ہر گرا از مرداں و زناں بگوش رسیدے بے اختیار بہ رقص اندر آمدہ بیہوش افتادے "

اسی مغل قوم میں سے عہد مغلیہ میں خواجہ حیات مغل کے نام سے ایک بزرگ تھے جن کے نام پر تحصیل اونتی پورہ میں موضع حیات[1] پورہ اب تک موجود ہے ۔ ان کے والد یا دادا سب سے پہلے کشمیر آئے ۔ ان کے فرزند اسلم مغل کے دو بیٹے تھے ۔ ایک خواجہ اعظم دوسرے شکور المعروف مکلی مغل ۔ خواجہ اعظم کے فرزند خواجہ قدوس کی اولاد سرینگر میں موجود ہے ۔ خواجہ قدوس کے تین پوتے اسمعال خواجہ ۔ جمال خواجہ ۔ رمضان خواجہ تھے ۔ تینوں کی اولاد در اولاد موجود ہے ۔ خواجہ غلام محمد رفیق اور ان کے بھائی خواجہ عبد الغنی رمضان خواجہ کے فرزند خواجہ بنیر کے صاحبزادے ہیں ۔ خواجہ رفیق گورنر کشمیر کے دفتر

[1] تحصیل ہندواڑہ میں مغل قوم کے نام پر موضع مغلپورہ اور تحصیل اننت ناگ میں موضع مغل باغ موجود ہے ۱۲

میں ملازم ہے اور ملکی و قومی جذبات کے ساتھ علمی و تاریخی ذوق بھی رکھتا ہے۔
خواجہ اعظم کے دوسرے بھائی مکلی مغل کی اولاد اپنی قومیت کے نام پر مشہور ہے۔ اور وہ تحصیل وانتی پورہ کے علاوہ تحصیل بڈگام اور سرینگر وغیرہ میں موجود ہے۔ بلکہ مکلی مغل کے منجھلے فرزند صالح مغل کے بڑے لڑکے صدیق مغل کی اولاد ضلع راولپنڈی میں بھی آباد ہے۔

قاضی

قاضی کوئی ذات یا گوت نہیں ہے بلکہ ایک عہدہ کا نام ہے۔ جو سابقہ زمانہ میں شاہان وقت کی طرف سے صاحبان علم و فضل کو ملا کرتا تھا۔ ان کی اولاد میں قضا کا کام رہے یا نہ رہے۔ لیکن قاضی کا لفظ ان کے ساتھ دائمی طور پر وابستہ ہو جاتا تھا چنانچہ پنجاب اور کشمیر اور دوسرے ممالک میں جو خاندان قاضی کے لقب سے ملقب ہیں۔ وہ اپنے بزرگوں کے کارناموں کی طفیل ہی قاضی کہلائے جا رہے ہیں۔
کشمیر میں بھی مختلف خاندانوں میں قاضی القضاۃ ہوتے رہے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ قاضی میر موسیٰ شہید کے خاندان کی شہرت ہے۔ اس خاندان کی کشمیر میں بھی بڑی کثرت ہے۔ اور پنجاب میں بھی اس کی ذریات سے بڑے بڑے خاندان موجود ہیں۔

سرینگر کے قاضی سیف الدین بی اے۔ بی ٹی اور ان کے بھائی قاضی غلام الدین بی اے منشی فاضل اور قاضی غلام الدین نیز خواجہ مختار شاہ کوٹھی دار سرینگر کشمیر جن کے جانشین اسوقت قاضی غلام رسول ہیں۔ قاضی موسیٰ شہید کی ذریات سے ہیں۔ ولنہ تحصیل بارہ مولا میں قاضیوں کا ایک خاندان ہے۔ قاضی شمس الدین

قاضی عبدالغنی اور قاضی قمرالدین تینوں بھائی اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور قاضی موسیٰ شہید کی اولاد و احفاد سے ہیں۔

سری نگر میں پنڈتوں کے چند خاندان بھی قاضی کہلاتے ہیں۔ جیسے پنڈت دیارام قاضی۔ پنڈت گنیش کول قاضی۔ پنڈت ہمت رام قاضی۔ سکھا شاہی اور ڈوگرہ عملداری کے ابتدا میں زر قضایا کی اجارہ داری جب مسلمانوں سے چھین کر پنڈتوں کو دے دی گئی تو پنڈت بھی قاضی ہی کہلانے لگے

کشمیر کے قاضیوں کا ایک خاندان بھدرواہ میں ہے۔ اس کی ذات مغل ہے۔ مگر وہ خاندان قاضی کے نام ہی سے مشہور ہے۔ اس خاندان کے کئی افراد زرگری کا کام کرتے ہیں۔ بھدرواہ کے انہی قاضیوں کا ایک لڑکا غلام محمد نام ۱۹۳۱ء میں پرتاپ کالج کی سیکنڈ ایئر کلاس میں پڑھا کرتا تھا۔

قاضیوں کا ایک خاندان کرناہ میں ہے۔ اس کی اولین سکونت سوپور میں تھی پانچ پشتوں سے موضع کنڈی میں آباد ہے۔ ان کی اصل ذات قریشی بتائی جاتی ہے۔ سب سے پہلے قاضی عبدالکریم کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں قضا کا عہدہ ملا۔ قاضی عبدالرحمٰن ذیلدار کرناہ اور قاضی احمد شفیع رئیس کرناہ انہی کے پوتے ہیں۔ کنڈی میں اس برادری کے پانچ چھ اور گھر ہیں۔ اور سب زمیندار ہیں۔

جموں میں قاضیوں کا جو خاندان ہے۔ وہ مسلمانان جموں کی بارہ تیرہ ہزار آبادی میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ قاضی امیرالدین اس خاندان کے بزرگ ہیں۔ ان کے فرزندوں میں قاضی فیروزالدین بی۔ اے۔ قاضی شمس الدین۔ قاضی تاج الدین اور قاضی حفیظ الدین بی۔ اے وغیرہ معزز عہدوں پر ممتاز ہیں۔ اصل ذات انکی بٹ ہے رام نگر (جموں) کے قاضی خاندان کی گوت بٹ ہے۔ اس خاندان میں قاضی امام الدین رنجیع افسر نے سب سے پہلے نام پیدا کیا۔ افسوس ہے۔ وہ عین شباب ہی میں

انتقال کر گئے۔ ان کے چھوٹے بھائی قاضی محمد نظام الدین بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی اس وقت راجوری میں منصف درجہ اول ہیں۔

کشمیر کے متو خاندان میں شیخ الاسلام علامہ امیرالدین قاضی ۱۲۲۱ھ سے ۱۲۳۵ھ تک کے درمیان گزرے ہیں، جن کے پاس عہدۂ قاضی القضاۃ تھا ۱۲۵۸ھ میں فوت ہو گئے۔ مفتی ہدایت اللہ متو جنہوں نے کشمیر کی ایک تاریخ بھی لکھی ہے۔ جو شیخ الاسلام کے عہدہ پر بھی تھے۔ علامہ امیرالدین قاضی کے والد تھے۔ لیکن یہ خاندان چونکہ پہلے ہی ایک اور عرف متو کے نام سے مشہور تھا۔ اس لئے قاضی کا عرف اس خاندان کے نام پر آگے نہ چل سکا۔

بمبہ

عنوان صدر قوم کا نام کشمیر کے مؤرخوں اور مصنفوں کے مختلف قیاسات کی بدولت اب تک ایک معمہ بنا ہوا ہے۔

پیر حسن شاہ مؤلف تاریخ حسن اس قوم کی اصل بنی اُمیہ سے بتاتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ بنی اُمیہ کے خاندان پر جب زوال آیا۔ تو اس قوم کا ایک شخص بدخشاں سے ہوتا ہوا ذوالقدر خاں عرف ذوالچو (۷۲۳ھ) کے ہمراہ کشمیر پہنچا۔ چونکہ بنی اُمیہ کا لفظ زبانوں پر آسانی سے نہ چڑھ سکتا تھا۔ اس لئے بمبہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ ایک اور جگہ مختصر طور پر یہ بھی لکھا ہے "بمبہ راجہ ہائے پہاڑ از قوم بنی اُمیہ اولاد مروان ہستند"۔

پنڈت سر گوپال کول اپنی تاریخ گلدستۂ کشمیر میں لکھتے ہیں "لفظ برہمن سے بمہ اور لفظ کھتری سے کھکھہ نکلا ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی ان کے یہ نام بدستور قائم ہے۔" دوسری وجہ اس نام کی یہ لکھی ہے۔ کہ بمبی خاں کھکھہ خاں دو بھائی تھے۔

ترکستان ان کا وطن تھا۔ کشمیر کے قدیمی باشندوں کو لوٹ مار کر مسلمان کرتے رہے"۔

ریاست جموں و کشمیر کے سرکاری کاغذات (رپورٹ ہائے مردم شماری سنہ ۱۸۹۱ء و سنہ ۱۹۱۱ء و سنہ ۱۹۳۱ء وغیرہ) میں بمبہ قوم کو مسلمان راجپوتوں کی بڑی بڑی ذاتوں میں شامل کیا گیا ہے۔

کشمیر کے قدیم مؤرخین نے بمبہ کا تلفظ بنبہ۔ بنبو و بمبہ لکھا ہے۔ اس خاندان کا جو شجرہ[1] کتابی صورت میں چھپا ہوا ہے۔ اس میں بھی اس قوم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ظاہر کر کے بنی اُمیہ بتایا گیا ہے۔

مصنف تاریخ راجپوتان پنجاب نے جلد اول کے ۲۶ لم صفحہ پر پٹھانیہ راجپوتوں کے خاندان کا جو شجرہ دیا ہے۔ اس کی چونتیسویں پشت میں راجہ کشتری پال گزرا ہے۔ اس کے اٹھارہ بیٹوں میں سے اس نے اس کے دو بیٹے بمبہ و کھکھہ بھی درج کیے ہیں۔ اور پھر کیفیت میں لکھا ہے۔ کہ بمبہ خاندان بمبہ اور کھکھہ خاندان کھکھہ کا بانی ہوا ہے۔

خود بمبہ قوم کے افراد اپنی اصلیت کے متعلق سوائے اس کے اور کچھ نہیں بتاتے کہ وہ بنی اُمیہ قوم سے ہیں۔ بنی اُمیہ سے بگڑ کر بمبہ بن گیا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں تاریخ حسن اور اپنا شجرہ مطبوعہ پیش کرتے ہیں۔

لیکن ان سب مؤرخوں اور ان سب تاریخوں سے قدیم تر ایک مؤرخ پنڈت کلہن کشمیر میں گزرا ہے۔ جس نے بعہد راجہ جے سنگھ آج سے قریباً آٹھ نو سو سال پیشتر راج ترنگنی کے نام سے سنسکرت زبان میں کشمیر کی تاریخ لکھی ہے۔ جس کا ترجمہ انگریزی و اردو میں بھی ہو چکا ہے۔ اس میں اس نے بمبہ کو بومب لکھا۔ اور کھش قبیلہ کا قرابت دار بتایا ہے۔

[1] مصنفہ میر محمد علی قانونگو پنشنر مظفر آباد و بابو خدا بخش خان بمبہ (راولپنڈی) مطبوعہ سنہ ۱۹۲۰ء۔

اس قوم کے رؤسا اور جاگیرداروں کے پاس شاہان مغل اور شاہان افاغنہ وغیرہ کے فرامین ہیں لیکن ان میں بمبہ یا بنبو کا لفظ ہی درج ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور نہ فرامین اور سندات میں اس قسم کے ذکر اذکار ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری نے بھی جو بعہد محمد شاہ بادشاہ دہلی ۱۱۴۸ھ میں کشمیر کا نامور مؤرخ گزرا ہے۔ اور جس نے کئی اقوام کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس قوم کی اصلیت کے متعلق قطعی خاموشی اختیار کی ہے۔ اور اس قوم کے افراد کا ذکر کر کے صرف "مشہور بہ قوم بنبو ہستند" پر ہی اکتفا کیا ہے۔

بمبہ قوم کے اخلاق و عادات اور اس کے جنگی و ملکی کارناموں کی طرف اگر دیکھا جائے۔ جن کی تفصیلات سے کشمیر کی تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ تو بلاشبہ یہ ایک شجاع عالی نسب۔ بلند حوصلہ۔ سیر چشم۔ اولوالعزم اور وسیع الاخلاق قوم معلوم ہوتی ہے۔

راقم مؤلف نے ۱۹۳۳ء میں بمبہ قوم کے چند چیدہ رؤسا اور جاگیرداران سے ملاقات کی۔ ملاقات کے بعد کئی خطوط لکھے۔ افسوس ہے۔ کہ سلطان رحمت اللہ خاں جاگیردار کہوڑی کے سوا کسی نے جواب تک بھی نہ دیا۔ راقم مؤلف کو معلوم ہوا ہے۔ کہ اس خاندان کے بعض افراد کے پاس اس قسم کے نہائت قدیم کاغذات ہیں۔ جن سے بمبہ قوم کی اصلیت و حقیقت روشن ہو سکتی ہے۔ اس لئے جب تک وہ کاغذات نظر سے نہ گزر جائیں۔ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا دشوار ہے۔[1]

---

[1] راقم مؤلف کو افسوس ہے کہ خط و کتابت کے ذریعہ بمبہ قوم کے اصلی کاغذات دستیاب نہ ہو سکے۔ اس لئے ارادہ ہے۔ کہ بشرطِ زندگی کشمیر جا کر ان کی اصلیت کے متعلق پھر کاغذات اور تاریخوں کی چھان بین کی جائے۔ اس قوم کے جنگی و ملکی کارناموں نے کشمیر قدیم کے سیاسی انقلابات میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔

بمبہ قوم بارہ مولا کی حدود سے شروع ہو کر دریا کے دائیں کنارے ضلع ہزارہ اور علاقہ کاگان کی سرحد تک چلی جاتی ہے۔ بلکہ اس کے کچھ افراد ضلع راولپنڈی اور علاقہ پونچھ میں بھی آباد ہیں۔ سلاطین شہمیری کے زوال پر جب چک قوم نے کشمیر کا قبضہ حاصل کر لیا۔ تو سرحد پر بمبہ قوم کے سردار سلطان مظفر خان نے بھی ۹۶۲ھ میں ایک نئے شہر مظفر آباد کا بانی بن کر اپنی علیحدہ پہاڑی حکومت قائم کر لی۔

کشمیر کو غیر ملکیوں کے حملوں سے بچانا یا ان کے ساتھ مل کر کشمیر کو تباہ کرنا بمبہ قوم کے اختیار میں تھا۔ اس لئے کہ ہر وہ حملہ آور جو پکھلی اور مظفر آباد کے رستے کشمیر آنا چاہتا تھا۔ بمبہ قوم کے سرداروں کے ساتھ ساز باز رکھنے پر مجبور تھا۔

موجودہ تمام بمبے جن کے سردار سلطان اور راجہ کہلاتے ہیں۔ اور دیگر افراد خان کے لقب سے ملقب ہیں۔ سب سلطان مظفر خان بانی مظفر آباد کے فرزند سلطان ہیبت خان ثانی کی اولاد سے ہیں۔

بمبہ قوم میں ذیل کے سلاطین اور راجگان نہائت نامور گزرے ہیں۔ ان میں بعض قطعی طور پر آزاد و خود مختار تھے۔

سلطان محمود خان۔ سلطان مرزا شہید۔ سلطان حسن علی خان۔ سلطان زبردست خان۔ سلطان اکبر علی خان۔ سلطان ناصر علی خان۔ راجہ شیر احمد خان۔ راجہ کام بخش خان۔ راجہ صفدر علی خان۔ سلطان ہدائت اللہ خان۔ راجہ عنائت اللہ خان۔ راجہ محمد سکندر خان۔ سلطان قطب الدین خان۔

اس خاندان میں موجودہ جاگیردار حسب ذیل ہیں :-

(۱) سلطان محمد رحمت اللہ خاں جاگیردار کھوڑی ضلع مظفر آباد کشمیر۔

(۲) سلطان محمد فیروز الدین خاں جاگیردار دوپٹہ ضلع مظفر آباد کشمیر۔

(۳) سلطان محمد متولی خاں جاگیردار بجھامہ ضلع مظفر آباد کشمیر۔

(۴) سلطان حسن علی خاں جاگیردار بوئی ضلع ہزارہ۔

(۵) راجہ شیر علی خاں جاگیردار راجپور ضلع بارہ مولا کشمیر۔

(۶) راجہ غلام محمد خاں جاگیردار زچلڈارہ ضلع بارہ مولا کشمیر۔

(۷) راجہ محمد فیروز الدین خاں جاگیردار یاڑی پورہ تحصیل کرنگام کشمیر۔

ان سلاطین و راجگان کے ماتحت کئی گزارہ خوار اور معافی دار ہیں بعض ملازمت پیشہ بھی ہیں۔ چند ایک تعلیم حاصل کر کے وکیل بھی بن گئے ہیں۔ لیکن اس قوم کے افراد کی عمومیت و اکثریت زراعت پر گزارہ کرتی ہے۔ بالعموم تمام برادری علم سے بے بہرہ ہے۔ تاہم چند نام جو قابلِ ذکر ہیں۔ حسب ذیل ہیں :-

(۱) خان مظفر خاں بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی وکیل مظفر آباد۔

(۲) راجہ امیر اللہ خاں وکیل مظفر آباد۔

(۳) راجہ احمد علی خاں وکیل بارہ مولا۔

(۴) خان حبیب اللہ خاں برادر سلطان صاحب کھوڑی۔

(۵) خان زبردست خاں و مظفر خاں گزارہ خواران جاگیر دوپٹہ۔

(۶) خان زبردست خاں برادر راجہ شیر علی خاں جاگیردار راجپور۔

(۷) خان ولی محمد خاں برادر زادہ راجہ محمد فیروز الدین خاں یاڑی پورہ۔

(۸) خان نصر اللہ خاں خلف خان ولی محمد خاں یاڑی پورہ۔

(۹) راجہ عبدالرحمٰن خاں رینج افسر برادر زادہ راجہ محمد فیروز الدین خاں یاڑی پورہ۔

قوم بمبہ کی تعداد ۱۸۹۱ء میں ۹۹۹ تھی۔ ۱۹۱۱ء میں ۱۴۶۲ تھی جس میں ۸۲۳ مرد اور ۶۳۹ عورتیں تھیں۔ تازہ مردم شماری ۱۹۳۱ء کے مطابق بمبہ قوم کی تعداد صوبہ جموں میں ۶۶ اور صوبہ کشمیر میں ۳۵۳۶ کُل ۳۶۰۲ ہے۔ جس میں ۱۸۳۶ مرد اور ۱۷۶۶ عورتیں ہیں۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج سے ڈیڑھ سو سال قبل اس قوم کی بہت زیادہ تعداد تھی۔ کیونکہ تاریخوں میں صاف لکھا ہے۔ کہ ۱۷۹۹ء میں سردار عبداللہ خاں الکوزئی ناظم کشمیر نے ان کی تالیفِ قلوب اور اپنی طاقت بڑھانے کے لئے بمبہ قوم کے تین ہزار پیادہ و سوار جوان فوج میں بھرتی کئے۔ جس قوم کے جوانوں کی تعداد جو فوج میں بھرتی ہونے کے قابل ہوں تین ہزار ہو۔ اس کی کل تعداد زن و مرد سمیت پندرہ بیس ہزار سے کم نہیں ہو سکتی۔

خاندان میر واعظ

تاریخ کبیر کشمیر کے مصنف مولوی محی الدین سرائے بلی مرحوم نے جو خاندان میر واعظ کلاں کے فیض یافتہ تھے۔ اس خاندان کے بزرگ میر واعظ مولانا محمد یحیٰی کی زبانی اپنی تاریخ کے صفحہ ۳۰۰ پر واعظ صدیق اللہ کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ وہ سید غلام شاہ آزاد خانیاری کے مرید تھے۔ ان کے جدامجد حضرت میر محمد ہمدانی رح کے ہمراہ کشمیر میں آئے تھے۔ اور قصبہ ترال میں مقیم ہو گئے تھے۔" کشمیر میں اسی امر کے متعلق چند اصحاب کو صحیح کیفیت کی تکلیف بھی دی گئی۔ بعض نے خاموشی اختیار کی۔ اور دو ایک اصحاب نے جواب تو لکھے لیکن بالکل متضاد۔ اور پھر سارا بوجھ "واللہ اعلم بالصواب" پر ڈال دیا۔
بہرحال کشمیر کے میر واعظ کلاں کا خاندان اسی واعظ صدیق اللہ ترالی کی ذریات سے ہے۔

جواب ترال کی بجائے سری نگر کے محلہ راجوری کدل میں رہتا ہے۔ واعظ صدیق اللہ کو ان کی کثرت عبادت و ریاضت کی وجہ سے صدیق بائیو اور صدیق بابا بھی کہتے تھے۔ بائیو کا لفظ کشمیری میں مذہبی ادب و احترام کی علامت ہے۔ جیسے لل دِد کے گرو کو بھی سدھ بائیو کہتے تھے۔ صدیق بائیو جب سری نگر آئے۔ تو اپنے ارادت مندانہ تعلقات کی وجہ سے سید غلام شاہ آزاد سجادہ نشین زیارت خانیار کے پاس ہی ٹھیرے تھے۔ بلکہ کہا جاتا ہے۔ کہ بائیو کا لقب بھی سید غلام شاہ آزاد ہی نے ان کی خدمات (متعلقہ حمام۔ مسجد۔ خانقاہ) دیکھ کر عطا کیا تھا۔

اس خاندان کے بزرگ عرصہ دراز تک ترال میں زراعت پر بسر اوقات کرتے رہے ہیں۔ اب بھی ان کے تعلقات وہاں موجود ہیں۔

عہد افاغنہ میں صدیق بائیو بمقام ترال ۱۱۵۵ھ میں انتقال کر گئے جس شخص نے اس خاندان میں سب سے پہلے ترال سے اور پھر پانپور سے ترک وطن کر کے سری نگر میں طرح اقامت ڈالی ہے۔ وہ آپ کے فرزند واعظ عبدالسلام تھے محلہ قلمدان پورہ میں آپ نے سکونت اختیار کی اور دیر تک مردمانِ شہر کو وعظ و نصیحت سے مستفیض کرتے رہے۔ یہیں آپ نے انتقال کیا۔ ان کے فرزند واعظ غلام رسول المعروف لسہ بابا اور ان کے فرزند واعظ مولوی محمد یحییٰ کشمیر میں ایک بارسوخ مذہبی پیشوا رہے ہیں۔ ان کے فرزندوں میں مولانا رسول شاہ میر واعظ نے انجمن نصرت الاسلام اور اسلامیہ مڈل سکول (جو آج ہائی سکول ہے۔) جاری کر کے مسلمانانِ کشمیر پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

مولانا رسول شاہ میر واعظ اور ان کے بعد ان کے بھائی مولانا احمد اللہ میر واعظ

لہ انتقال ۱۳۰۸ھ بمقام سری نگر بعد زیارت بیت اللہ شریف۔

کے انتقال پر ہزارہا مسلمان جنازہ میں شامل ہوئے۔ عربی۔ فارسی اور اردو میں مرثیے لکھے گئے۔ اس وقت متذکرہ صدر دونو مرحوم میرواعظوں کے چھوٹے بھائی مولوی عتیق اللہ جو سالہاسال تک انجمن نصرت الاسلام سری نگر کے مستعد سکرٹری رہے ہیں۔ میرواعظ ہیں۔ لیکن وہ چونکہ دائم المریض ہیں۔ اس لئے ان کے برادر زادے اور مولانا رسول شاہ مرحوم میرواعظ کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف میرواعظ ان کی نیابت ادا کر رہے ہیں۔

مولانا محمد امین جو سری نگر کے اخبار اسلام کے ایڈیٹر ہیں۔ اسی خاندان سے ہیں۔

مولانا احمد اللہ میرواعظ ہمدانی اور مولانا محمد یوسف میرواعظ کلاں آپس میں قرابت دار ہیں۔ اور پانچ چار پشت اوپر جاکر ان کا ایک ہی خاندان ہے۔ پہلے ان دونو میرواعظوں کے وعظ جامع مسجد میں ہوا کرتے تھے۔ لیکن بعض مسائل میں جب ان کا اختلاف فسادات تک پہنچ گیا۔ تو چوہدری خوشی محمد ناظر سابق گورنر کشمیر نے مولانا میرواعظ کلاں کے وعظ کے لئے جامع مسجد اور میرواعظ ہمدانی کی وعظ خوانی کے لئے صحن خانقاہ معلٰی مقرر کر دیا۔ چنانچہ اس زمانہ سے دونو میرواعظوں کے الگ الگ مقامات پر الگ الگ وعظ ہوتے ہیں۔

دیوانی

خواجہ اسحٰق ختلانی کو صاحب فتحیات کبرویہ نے دیوانی خاندان کا مورث اعلیٰ قرار دیا ہے۔ خواجہ اسحٰق ۸۲۶ھ میں بعمر ۹۱ سال بحکم شاہرخ مرزا بن تیمور شہید کر دیئے گئے۔ جسد مبارک ختلان میں ہے۔

ان کی تیسری پشت میں خواجہ صبغۃ اللہ کشمیر میں صاحب اقتدار بزرگ

گزرے ہیں۔ صاحب جامع الادوار لکھتے ہیں۔ ہرات سے کشمیر آئے۔ سلطان سکندر کا زمانہ تھا۔ اس نے بڑی عزت کی۔ بلکہ کوئی منصب بھی عطا کیا۔ خانقاہ ہمدانیہ میں دفن ہیں۔ خواجہ فتح اللہ ان کے فرزند تھے۔ ان کو دفاتر سلطان اعلیٰ مقرر کیا۔ اسی دن سے اس خاندان کا لقب دیوانی چلا آتا ہے۔

زمانہ قدیم میں اس نامور خاندان میں خواجہ محمد ہاشم ان کے فرزند خواجہ ضیاء اللہ دیوانی اور ان کے علاوہ خواجہ نور اللہ دیوانی۔ خواجہ قاسم۔ خواجہ نور شاہ۔ منور شاہ دیوانی اور خواجہ عیسیٰ رئیس الملک گذرے ہیں۔ اس خاندان کا تعلق خاندان نقشبندیہ اور خاندان میر واعظ کلاں سے بھی ہے۔ خواجہ عبدالرسول جو خواجہ شاہ نیاز نقشبندی کے پوتے تھے۔ خواجہ منور شاہ رئیس کشمیر کے داماد تھے۔ خواجہ حسن شاہ نقشبندی متولی و جاگیردار زیارت نقشبندیہ (والد خواجہ نور شاہ وزیر وزارت) خواجہ منور شاہ ہی کی صبیہ کے بطن سے تھے۔

دیوانی خاندان کا پٹھانوں کے عہد میں بڑا اقتدار رہا ہے۔ اس کا کچھ ذکر در خاندان کے حالات میں درج ہے۔ سرینگر کے دیوانی خاندان میں خواجہ قاسم شاہ دیوانی پولیس کے ڈپٹی انسپکٹر رہ چکے ہیں۔ اب پنشن پر ہیں۔ ڈاکٹر خواجہ منور شاہ دیوانی جو ۳۳ء میں شوپیاں میں تعینات تھے آپ ہی کے فرزند ہیں۔

اس خاندان کے ایک نامور بزرگ خواجہ طاہر دیوانی کے چار فرزند تھے۔ کچھ واقعات ایسے پیش آئے کہ چاروں بھائی سرینگر سے نقل مکان کر کے کھوئی ہامہ چلے گئے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ خواجہ عبید اللہ۔ خواجہ سیف اللہ۔ خواجہ عبدالصمد۔ خواجہ حبیب اللہ۔ چاروں بھائی نہایت عابد و زاہد اور صاحب روحانیت تھے۔ یہیں سے ان کے ساتھ خواجہ کی بجائے پیر کا لفظ شروع ہوتا ہے۔

خواجہ عبید اللہ کے پانچ فرزند تھے۔ مولوی نور الدین۔ مولوی ولی الدین۔ مولوی نصر الدین۔ مولوی جلال دین مولوی جمال دین۔ ان میں مولوی نور الدین خوشنویس تھے۔ مولوی نصر دین کے بیٹے غلام دین کی شادی میر واعظ مولانا غلام رسول المعروف لسہ بابا کے ہاں ہوئی تھی۔ یہیں سے ان کے تعلقات خاندان میر واعظ کلاں کے ساتھ شروع ہوتے ہیں۔ مولوی جلال الدین بڑے نورانی بزرگ ہیں۔ دُرِ مختار اور خزینۃ الروایات کی شرحیں بھی آپ نے لکھی ہیں۔ سب بھائیوں میں صرف یہی زندہ ہیں۔ مولوی ولی الدین کے فرزند مولوی شمس الدین کے صاحبزادگان پیر ضیاء الدین پیر حسام الدین اور پیر نجم الدین نے اپنی علمی خدمات اور اپنے اخلاق حسنہ سے اپنے خاندان کی وقعت کو اور بھی جلا دے دی ہے۔ خصوصاً پیر نجم دین قومی و اصلاحی کاموں سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ انجمن خدام الخلق سرینگر اور انجمن فلاح المسلمین کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ شعر شاعری کا بھی شوق ہے۔ عشرت تخلص ہے۔ اپنے دوست نازک صاحب کو ان کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں ؎

بجا ہے گر کہوں نازک ہی قسمت نارسا میری
کہ میرا بے خطا ہونا ہی جب ٹھہرے خطا میری

عبث مصروف ہو آچارہ سازو فکر درماں میں
بڑھیگا درد جب حد سے بنے گا خود دوا میری

مرا نخل تمنا پھر زمانے میں پھلے پھولے
خبر پہنچائے اس گل تک اگر باد صبا میری

خواجہ سیف اللہ کے بزرگ ترین فرزند پیر حفیظ اللہ مرحوم کے صاحبزادے پیر بہاؤ الدین جو اس وقت جامعہ بنڈپورہ کے امام ہیں۔ اور خواجہ عبد الصمد کی اولاد سے پیر محمد یحییٰ بقید حیات ہیں۔ خواجہ حبیب اللہ کے فرزند حافظ عزیز اللہ اور حافظ عبید اللہ تھے۔ دونوں نہایت صالح بزرگ تھے۔ اور اونہ گام میں رہتے تھے۔ حافظ عزیز اللہ کے دو فرزند ہیں۔ پیر غلام

محی الدین و پیر قطب الدین دونوں احمدی ہیں۔ اور بڑے مرتاض، و رعابد و زاہد پیر غلام محی الدین اب آنکھوں سے معذور ہیں۔ مولانا سید اسماعیل غزنوی امرتسری مولوی قاری نور الدین مرحوم مصنف کتب متعددہ اور پیر نجم الدین دیوانی عشرت آپ کے دامادوں میں ہیں۔ منشی غلام محمد خادم آپ کے ہم زلف ہیں۔

حافظ عبید اللہ کے فرزندوں میں جو بوٹنگو زینہ گیر میں رہتے ہیں۔ پیر احمد شاہ و پیر محمد شاہ قابل ذکر ہیں۔ غرض اس خاندان نے سرینگر سے نکل کر اپنی خاندانی شہرت کو دینی و دنیوی لحاظ سے برابر قایم رکھا ہے۔

کاؤسہ

اس قوم کے بزرگ کشمیر میں کب آئے۔ اور کاؤسہ کی وجہ تسمیہ[1] کیا ہے۔ اس پر کسی مؤرخ نے قلم فرسائی نہیں کی۔ البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس خاندان کے بزرگ باہر سے کشمیر میں آئے تھے۔ اس خاندان کا عروج شاہجہان کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل کشمیر کی تاریخوں میں موجود ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ملا یوسف کاؤسہ کسی ندیم شاہجہانی کی وساطت سے بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور سلطان روم کے مراسلہ کا جواب لکھنے پر مامور ہوا۔ ملا مذکور نے اس خوبی اور فصاحت و بلاغت سے جواب لکھا کہ بادشاہ نے خوش ہو کر منشیان حضور میں داخل کر لیا۔

کاؤسہ خاندان میں سربرآوردہ بزرگ زبردست علماء اور جلیل القدر افراد پیدا ہوتے رہے ہیں۔ شیخ عابد کاؤس۔ اخوند ملا عبد السلام۔ خواجہ حکیم کاؤسہ۔ خواجہ مدین کاؤسہ اسی خاندان کے معزز اصحاب تھے۔ سکھوں کے زمانہ میں

[1] کاؤسہ خاندان کے بعض افراد اپنے آپ کو کیکاؤس وغیرہ شاہان ایران کی اولاد سے بتلاتے ہیں ۱۲

گاؤکشی کا الزام لگا کر دیوان چونی لعل گورنر اور سردار گورکھ سنگھ قلعہ دار نے باہمی عداوتوں کے باوجود خواجہ مدین اور اس کے داماد امہ کلو کو عذاب شدید سے قتل کرا دیا۔ ان کا گھر بار لوٹ لیا۔ اور ان کی جاگیر ضبط کرلی۔ حالانکہ خواجہ مدین کا قصور صرف یہ تھا۔ کہ دونوں افسروں کی باہمی چپقلش سے جو خلل ملک میں پیدا ہو رہا تھا۔ اس کی اطلاع اس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو دے دی تھی۔ خواجہ مدین اور اس کے داماد کے دردناک واقعہ قتل کے بعد جب دربار خالصہ کو اصل حالات معلوم ہوئے۔ تو بطور اظہار ناراضگی ناظم اور قلعہ دار دونوں کشمیر سے واپس بلوا لئے گئے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ مہاراجہ رنبیر سنگھ بلکہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ بھی اس قدیمی خاندان کی عزت افزائی کرتے رہے۔ زمانہ حال میں خواجہ صمد شاہ کوٹھی دار۔ خواجہ محمد شاہ کاؤسہ۔ خواجہ احمد شاہ کاؤسہ خواجہ عزیز دین کاؤسہ اس خاندان کے باوقعت رئیس ہو گزرے ہیں۔ حال ہی میں خواجہ قمر الدین کاؤسہ خلف خواجہ احمد شاہ کاؤسہ مرحوم تحصیلداری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ خواجہ صمد شاہ مرحوم کی اولاد میں سے خواجہ غلام محی الدین کاؤسہ مرچنٹ اور بنکر ہیں[1]۔

چک

لارنس صاحب اپنی کتاب ویلی آف کشمیر میں لکھتے ہیں "چک ذات کے متعلق بہت سے شکوک موجود ہیں۔ اور گو صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکتا۔ کہ ان کی اصل کیا تھی۔ مگر قرائن سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کشمیر کے ہندوؤں سے مسلمان نہیں ہوئے بلکہ ان کا نسب چیلاس کی درد قوم سے جا کر ملتا ہے

[1] تحصیل پلوامہ میں کاؤسہ باغ کے نام سے ایک چھوٹا سا گاؤں بھی ہے ۱۲

تاریخ حسن میں لکھا ہے کہ اس قوم کے بزرگ عہد سلاطین کشمیر میں علاقہ دردستان سے وارد کشمیر ہوئے۔ ابتدا میں کوکہ اور بعد میں مدار المہامی کے عہدوں پر سرافراز رہے۔ پھر ان کی طاقت یہاں تک بڑھ گئی۔ کہ سلاطین سے رشتہ داریاں ہونے لگیں۔ آخر ۹۶۰ھ میں یہ لوگ خود سر ہوگئے۔ اور ۳۵ سال تک کشمیر میں حکومت کرتے رہے[1]۔ تاریخ گلشن کشمیر میں بھی لکھا ہے۔ کہ "چک ایک قوم کا نام ہے۔ جو قدیم الایام سے علاقہ دردستان اور گلگت میں بود و باش رکھتی تھی" ان حوالوں سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقعہ یہ لوگ کشمیر کے قدیم ہندوؤں سے کوئی نسلی اور مذہبی تعلق نہ رکھتے تھے۔ دردستان میں جہاں درد قوم آباد ہے۔ اس زمانہ میں بدھ مذہب کا زیادہ رواج تھا۔ اور اب بھی مسلمان شیعوں کے علاوہ ان اطراف میں بدھ مذہب ہی کا زیادہ زور ہے۔ اس قوم میں سے سب سے پہلے جو شخص وارد خطہ ہوا۔ اس کا نام لنگر چک ہے۔ جو قدیم راجگان کشمیر کی آخری یادگار راجہ سہدیو کے عہد (۱۳۰۱ء لغایت ۱۳۲۴ء) میں کشمیر میں داخل ہوا۔ یہ شخص موضع برشال علاقہ دردستان کا باشندہ تھا۔ راجہ نے اس پر مہربانی کی۔ اور لنگر چک نے ترہہ گام (تحصیل اوتر مچھی پورہ) میں سکونت اختیار کی۔

پانڈو چک حسین چک اور کاجی چک جن کا نام نامی تاریخ کشمیر میں آفتاب کی طرح چمک رہا ہے۔ اسی کی اولاد میں ہیں۔ دوسرا قبیلہ ہمت چک کا ہے۔

---

[1] اصل عبارت تاریخ حسن۔ جد آنہا لنگر چک از دردستان آمدہ در عہد سلاطین احفاد او بکوکہ گی و مدار المہامی مستقل بودہ اند در ۹۶۰ھ خود سر شدہ مدت سی و پنج سال در کشمیر شاہی کردہ اند ۱۲

یہ لوگ لنگر چک کے بعد گلگت سے وارد کشمیر ہوئے۔ ان لوگوں نے موضع کوپہ وارہ میں سکونت اختیار کی۔ انہیں لنگر چک کے قبیلہ سے سوائے ہم قومی کے کوئی نزدیکی رشتہ نہ تھا بلکہ ہمیشہ ایک دوسرے کی مخالفت پر ڈٹے رہتے تھے۔ چک ابتدا سے ہی سپاہی پیشہ تھے۔ کشمیر پہنچ کر بھی انہوں نے جلادت وشجاعت کے پورے جوہر دکھلائے۔ یہانتک کہ ان کی بہادری اور بے مثال شمشیر زنی کی تمام ملک میں دھاک بندھ گئی۔ سلطان حسن شاہ کے عہد میں یہ لوگ شاہی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ ذاتی قابلیت اور لگاتار کوششوں سے بادشاہوں کو اپنی لڑکیاں دے کر اس قوم نے وہ عروج پایا۔ کہ رفتہ رفتہ شاہان کشمیر کو بھی معزول کر کے ۱۵۵۵ء میں خود سلطنت کی مالک بن گئی۔ لنگر چک کی اولاد نے اسلام قبول کرنیکے بعد شمس عراقی کی بیعت اختیار کر کے شیعہ مذہب اختیار کر لیا۔ جس سے تاریخ کشمیر میں تغیر عظیم واقعہ ہوا۔ چکوں کے دوسرے فرقہ نے بھی مذہب اسلام تو اختیار کر لیا۔ لیکن انہوں نے اہل سنت کا طریقہ ہمیشہ کے لئے قائم رکھا۔ تریہ گام میں جو کشمیر میں اس قوم کا اصل وطن ہے۔ اب چک قوم کا کوئی آدمی نظر نہیں آتا۔ چکوں نے کشمیر کی شان وشوکت خصوصاً تحصیل ہندواڑہ کے علاقہ زینہ گیر اور متصلہ وملحقہ دیہات کو تباہ کرنے میں بڑا حصہ لیا ہے۔

کشمیر اور صوبہ جموں میں اس قوم کے خال خال آدمی پائے جاتے ہیں۔ اور انہوں نے زندگی بسر کرنے کے لئے مختلف کاروبار اختیار کر رکھے ہیں۔ چنانچہ زراعت کے علاوہ بعض چک جموں میں قصابوں کا کام بھی کرتے ہیں۔ یہ اُس قوم کا حال ہے۔ جو سولھویں صدی عیسوی میں پہلے بادشاہ گر رہی۔ پھر خود بادشاہ بنی۔ اور اکبر جیسے جلیل القدر شہنشاہ کا مقابلہ کرتی رہی۔ آج ڈپٹی پبلسٹی مشیر جموں میں چودھری نظام الدین چودھری بانار قصاباں کے نام سے مشہور قصائی چک قوم کے ایک ہونہار لڑکے نے بی۔ اے کا امتحان پاس کر لیا ہے۔

کھکھہ وہتمال

کشمیر کے ضلع مظفر آباد کی ان دو مشہور قوموں کے جو شجرہ ہائے نسب نظر سے گذرے ہیں۔ ان میں باہم بہت کچھ فرق ہے لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان اقوام کو قریباً سب نے نومسلم اور راجپوت اور نسب کے لحاظ سے چندربنسی تسلیم کیا ہے۔ راقم مؤلف کے سامنے اس وقت آٹھ قسم کے شجرے اور حالات اس قوم کے موجود ہیں۔ اور نسبی سلسلہ میں قریباً سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

ایک شجرہ جو راجہ مل (اسلامی نام مل خاں) سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں اس کے چار بیٹے دکھائے گئے ہیں۔ جوہد خاں۔ کھکھہ خاں۔ کالا خاں۔ اس کے علاوہ ایک تحریر ایسی ہے۔ جس میں لکھا ہے "اس قوم کا سلسلہ سکندر ذوالقرنین سے ملتا ہے۔ کھکھہ قوم کے لوگ ہتمال قوم کے بانی کے چھوٹے بھائی کی اولاد سے ہیں"۔

ایک شجرہ میں بتایا گیا ہے راجہ مل خاں بابر کے زمانہ میں ہوا ہے۔ پنجاب میں نمک کی کانیں اسی نے دریافت کی تھیں۔ ملک دکن بھی اسی نے آباد کیا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ ترنولی خاں (تنولی قوم کا بانی) راجہ بیر خاں۔ راجہ کالا خاں۔ راجہ کھکھہ خاں۔ راجہ جوہد خاں۔ ایک اور شجرہ میں راجہ مل کو پانڈو کی بارھویں پشت میں بیان کر کے اس کے چار بیٹے (بیر خاں۔ کالا۔ کھکھہ۔ جوہد) بیان کیے گئے ہیں۔

ایک اور شجرہ میں جو ہتمال راجگان کے پاس محفوظ ہے۔ راجہ مل کو پانڈو کی ۷۹ ویں پشت میں لکھ کر اور مسلمان بتا کر اس کے پانچ فرزند مندرجہ ذیل ظاہر

کئے گئے ہیں۔ (۱) راجہ بیر خاں یا دیر خاں۔ راجہ موجہ خاں۔ راجہ حیدر خاں۔ راجہ ننکادلی یا ترنولی۔ راجہ کالا خاں۔ پھر اسی شجرہ میں راجہ حیدر خاں کی ناویں اور پانڈو کی ۵۹ ویں پشت میں راجہ نصر اللہ خاں کے دو فرزند راجہ ہتم خاں یا حاتم خاں اور راجہ کھکھ خاں بتائے گئے ہیں۔ اخبار راجپوت گزٹ لاہور (۲۲ اپریل ۱۹۱۲ء) کا ایک پرچہ بھی اس وقت زیرِ نظر ہے۔ جس کے صفحہ ۱۵ پر ایک استفسار کے جواب میں راجہ ل کو تو مسلم نہیں بلکہ ہندو بتا کر اس کے مندرجہ ذیل پانچ فرزند لکھے گئے ہیں۔ ترنونی (ترنولی)، برم عرف ویر۔ جوند (جوہد) کھلا (کالا) کھکھ۔ اور ان پانچوں بھائیوں کی اولاد کو مسلمان بنایا گیا ہے۔

تاریخ راجپوتان پنجاب کے مصنف نے صفحہ ۲۲۶ پر سب سے زیادہ کمال کیا ہے۔ وہاں پانڈو کے بیٹے ارجن کی ۳۶ ویں پشت میں ایک راجہ کشتری پال گزرا ہے۔ اس کے ۱۸ فرزند تھے جن میں ۹ فرزندوں کے نام پر نو قبیلے بن گئے۔ انہی میں دو فرزند کھکھ و بمبہ بھی تھے۔ کھکھ سے کھکھ اور بمبہ سے بمبہ خاندان کی ابتداء ہوئی۔ ایک مختصر سا شجرہ[1] کھکھ خاندان کا اور ملا ہے۔ جس میں پانڈو کی نسل سے راجہ چتر سین کا نام اور اس کے بعد راجہ کتین کا نام لکھ کر دو تو میں ۳۲ راجگان (دہلی) کی سلطنت (۴۷۹ ا سال) کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان کے بعد راجہ اندر پال اور اس کی آٹھویں پشت میں راجہ سری پت کا نام لکھ کر اس کے حسب ذیل تین بیٹے دکھائے گئے ہیں۔

---

[1] یہ شجرہ معہ مختصر حالات اقوام راجپوت جنجوعہ کی ایک قلمی تاریخ داستان پاستان سے لیا گیا ہے۔ یہ کتاب راقم کی نظر سے نہیں گزری۔ یہ خلاصہ ڈاکٹر مرزا شیر علی بیگ مغل برلاس مقام ڈھوک مغل پورہ ڈاک خانہ کلر تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی نے بھیجا ہے۔

(۱) مہاجن (۲) کھیم کرن (۳) راجہ دھروپت۔ اسی دھروپت کا بیٹا راجہ مل تھا جس کی اسلام قبول کرنے کا واقعہ بھی اس طرح درج ہے۔

شہاب الدین غوری نے ۵۹۱ھ مطابق ۱۱۹۴ء میں راجہ سری پت کو معہ اس کے اہل وعیال کے متھرا سے بے دخل کرکے کوہستان نمک (پنجاب) میں آباد کیا۔ ۱۲۰۶ء میں یہ انتقال کرگیا۔ اس کے تین بیٹوں میں راجہ دھروپت جو اولاد نرینہ کے لئے بے چین رہتا تھا۔ گدی پر بیٹھا۔ آخر ایک بزرگ درویش نے فرزند پیدا ہونے کی بشارت دی۔ لیکن ساتھ ہی کہا کہ وہ لڑکا جوان ہوکر مسلمان ہو جائے گا۔ راجہ نے کہا۔ کچھ ہو۔ نام تو چلے گا۔ اور سلسلہ تو قائم رہے گا۔ چنانچہ راجہ کے ہاں جب ولی عہد پیدا ہوا تو نام اس کا مل رکھا گیا۔ جب باپ کی فوتیدگی کے بعد گدی نشین ہوکر وہ ایک مکتب کے پاس سے گزرا تو استاد اپنے شاگردوں کو ذیل کے اشعار

بتے چوں برآرد مہمات کس | کہ نتواند از خود براند مگس
نہ نیروئے دستش نہ افتد زپار | اگر لغگنی برنہ خیزد زجار

پڑھا رہا اور ان کے معانی ومطالب سمجھا رہا تھا۔

راجہ پر ان اشعار اور ان کے معانی کا بڑا اثر ہوا۔ اس نے اصنام پرستی چھوڑ کر توحید پرستی قبول کرلی۔ اور اسلام قبول کرکے اپنا نام راجہ مل کی جگہ راجہ مل خاں رکھا۔

لارنس صاحب نے بھی اپنی کتاب ویلی آف کشمیر میں کھکھ اور بمبہ خاندانوں کا مختصر ساذکر کرکے دونو کو ایک قوم بتایا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ ان خاندانوں کا تعلق منا تحت خاندان بمبہ سے بھی ہے۔

سلہ اس وقت بھی راجہ شیر علی خاں بمبہ جاگیردار راجپور کشمیر کے برادر خورد خان زبردست خاں بمبہ راجہ بلند اقبال خاں مرحوم مظفرآباد والئے نامبلہ کی صبیہ سے بیاہے ہوئے ہیں۔ موجودہ راجہ نامبلہ راجہ محمد افضل خاں آپ کے خسر پورہ ہیں۔

البتہ راج ترنگنی میں جہاں کھش قبیلہ کا کہیں کہیں ذکر آیا ہے۔ وہاں سٹین صاحب مترجم راج ترنگنی نے اپنی حاشیہ آرائیوں سے کھش قبیلہ کو کھکھ ہی ثابت کیا ہے۔ پنڈت کلہن مصنف راج ترنگنی کے زمانہ میں اور اس سے پیشتر بھی کھش قوم راجپوری (راجوری) اور پرنوتس (پونچھ) اور کشمیر پر حکمران رہی ہے۔ بلکہ درہ پیر پنجال سے پار بانہال کی طرف دریائے چندر بھاگا (چناب) کی وادی میں بھی کھش قوم کے قلعہ اور مقبوضات تھے۔

آج سے آٹھ سو سال پیشتر بھی کھش قوم بارہ مولا سے پنجاب کو آتے ہوئے دریائے وتستہ (موجودہ نام جہلم) کے کنارے آباد تھی۔ چونکہ اس وقت تحصیل اوڑی کے اسی کنارہ پر اور پونچھ کی اطراف میں بھی کھکھ قوم پھیلی ہوئی ہے۔ اس لئے سٹین صاحب کا خیال ہے۔ کہ وہ قوم جس کا نام زمانۂ قدیم میں کھش تھا۔ آجکل کھکھ ہی کہلاتی ہے۔

کشمیر کی ضخیم قلمی تاریخ۔ تاریخ حسن شاہ کھوئی ہامی اور دیگر تواریخوں کے حوالہ سے راقم مؤلف نے اپنی کتاب "شباب کشمیر" میں جو بڈشاہ بادشاہ کشمیر کے متعلق ہے لکھا ہے کہ کھکھو خاں و ہاتھو خاں دونو مسلم راجپوت بھائیوں کو ان کی وفاداری کے صلہ میں بڈشاہ نے جاگیریں عطا کیں۔ موجود کھکھ وہتمال خاندان انہی دونو بھائیوں کی اولاد سے ہیں۔ یہ ۸۲۶ھ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور اس لحاظ سے اس واقعہ کو سوا پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ شباب کشمیر کا سن تصنیف ۱۹۲۹ء ہے لیکن اب ۱۹۳۱ء میں پنڈت زونراج کی زینہ ترنگنی[1] کا جو ترجمہ زین العابدین بڈشاہ کی حکومت کے متعلق دیکھا گیا ہے۔ تعجب ہے۔ کہ اس میں کھکھ وہتمال کسی کا بھی ذکر نہیں۔ قریباً تمام شجروں میں راجہ جہد اور راجہ کھکھ کو راجہ مل کی اولاد سے ظاہر کیا گیا

---

[1] زینہ ترنگنی سنسکرت زبان میں ہے۔ انگریزی میں اس کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔ اس کا اور دیگر راج ترنگنیوں کے اردو ترجمہ کا حصل محقق کاشمیری "دولت کشمیریہ" کے نام سے لکھ رہے ہیں۔

ہے۔ راجہ مل کو تمام جنجوعہ قوم جو راجہ جودہ کی اولاد سے ہے، راٹھور تسلیم کرتی ہے۔ اس لئے یہ خاندان گوت کے لحاظ سے راٹھور ہے۔

راقم مؤلف کے نزدیک ککھہ و ہتمال خاندان کا کوئی شجرہ غلطیوں سے خالی نہیں البتہ اس امر کے تسلیم کرنے میں واقعات تائید کرتے ہیں۔ کہ ہتم خاں اور ککھہ خاں دونو بھائی تھے۔ ہتم خاں کی اولاد ہتمال کہلائی اور ککھہ خاں کی اولاد ککھہ کے نام سے موسوم ہوئی ہتمال ککھہ خاندان میں شادی کر لیتے ہیں۔ مگر ککھوں کو لڑکیاں دینے سے اکثر گریز کرتے ہیں۔ تحصیل اوڑی میں ہتمال و ککھہ خاندان کے جاگیرداروں و رئیسوں کی معقول تعداد ہے۔ جن میں سے چند نام ذیل میں درج ہیں:۔

راجگان ہتمال (تحصیل اُوڑی کشمیر) (۱) راجہ محمد افضل خاں جاگیردار نامبلہ (۲) راجہ محمد زمان خاں جاگیردار کھلانہ (۳) راجہ محمد حسین خاں جاگیردار اُوڑی (۴) راجہ شاہ زمان خاں جاگیردار بونیار۔

راجگان ککھہ (تحصیل اوڑی کشمیر۔ یہ سب راجگان چکار کہلاتے ہیں۔) (۱) راجہ محمد افضل خاں جاگیردار سلماں (۲) راجہ محمد خاں جاگیردار اندراسیری (۳) راجہ علی بہادر خاں جاگیردار اندراسیری (۴) راجہ رحمت اللہ خاں جاگیردار اندراسیری (۵) راجہ علی اکبر خاں جاگیردار سلام آباد۔

(راجگان و گزارہ خواران ککھہ تحصیل مظفر آباد) (۱) راجہ صفدر علی خاں جاگیردار کماربانڈی (۲) راجہ فتح محمد خاں جاگیردار ڈنہ کچیلی (۳) راجہ میر زمان خاں جاگیردار ڈنہ کچیلی (۴) راجہ بدرالزمان خاں جاگیردار بندروا (۵) راجہ محمد اکبر خاں جاگیردار کوٹ (۶) راجہ حسین خاں جاگیردار کچیلی (۷) راجہ محمد ایوب خاں و راجہ پہلوان خاں گزارہ خوارن کچیلی (۹) راجہ اکرم خاں جاگیردار کچیلی (۱۰) راجہ سید خاں جاگیردار سنواڑ پال (۱۱) راجہ سکندر خاں ڈنہ (۱۲) راجہ تہور خاں بگان (۱۳) راجہ محمد عظیم خاں ڈنہ (۱۴) راجہ غازی خاں نگران

(۱۵) راجہ یارو خاں نکران (۱۶) راجہ قطب الدین خاں شتراں (۱۷) راجہ ابراہیم خاں مقام چنڈاں گراں (۱۸) راجہ فتح علی خاں مقام کوٹ کوین (۱۹) راجہ محمد نظیر خاں مقام چنال بگ (۲۰) راجہ محمد اکبر خاں کمار بانڈی (۲۱) راجہ رستم خاں گزارہ خوار شتراں (۲۲) راجہ سیف علی خاں مقام منائی۔

ان میں سب سے بڑی جاگیر راجہ محمد افضل خاں نامبلہ کی ہے۔ جو کاہچرائی اور نذرانہ سمیت ۸۹۹۰ روپے اور بعد وضع نذرانہ ۷۵۷۹ روپے کی ہے۔ سولہ دیہات آپ کی جاگیر میں ہیں۔ جو پونچھ اور دھورہ اور اوڑی کی حدود تک پھیلے ہوئے ہیں۔ راجگان ہنمال وکھکہ میں راجہ بیرہ خاں بعہد راجہ سکھ جیون اور اس کی اولاد سے سربلند خاں۔ سرافراز خاں اور غلام علی خاں اپنے علاقوں میں خود مختار تھے۔ بلکہ کشمیر کے پرگنہ کروہن دبانگل میں بھی ۷۵ ہزار خرواران کی جاگیر تھی۔ کھکہ اور ہنمال

لے راجہ سربلند خاں کی اولاد سے موجودہ راجہ محمد افضل خاں ہے۔ ان کا نسب نامہ ان کے شجرہ کے مطابق حسب ذیل ہے۔ محمد افضل خاں بن راجہ بلند اقبال خاں بن راجہ فیروز دین خاں بن راجہ عطا محمد خاں بن راجہ مظفر خاں بن راجہ سربلند خاں۔ راجہ محمد افضل خاں کے حسب ذیل اور تین بھائی ہیں۔ سربلند خاں۔ زبردست خاں۔ امین اللہ خاں۔ راجہ عطا محمد خاں نامبلہ والا کے دو بھائی اور تھے۔ ایک راجہ جبار خاں جس کی اولاد سے۔ راجہ محمد حسین خاں موجودہ جاگیردار اوڑی اور ان کے بھائی ولی محمد خاں ہیں۔ دوسرے راجہ نواب خاں کھلانہ والے جن کا فرزند راجہ محمد زمان خاں کھلانہ کا موجودہ جاگیردار ہے۔ ان کے دو بھائی اور ہیں۔ پیر محمد خاں۔ محمد عظیم خاں۔

لے ان کی اولاد و احفاد کثیر تعداد میں بونیار و دھورہ کی طرف پھیلی ہوئی ہے۔ راجہ شاہ زمان خاں موجودہ جاگیردار بونیار آپ کے فرزند راجہ محمود خاں کی چوتھی پشت میں ہے۔

بھی ہبہ قوم کی طرح کسی زمانہ میں بڑے زوروں پر رہے ہیں۔
مردم شماری کے کاغذات میں ہتمال طبقہ کی آبادی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ممکن ہے۔ ہتمال اور کھکھ کو ایک ہی قبیلہ سمجھ کر صرف کھکھ کے نام سے اس کی آبادی لکھ دی گئی ہو۔ ۱۸۹۱ء میں کھکھ قوم کی تعداد ۱۰۶۱۴ اور ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں اس کی تعداد ۷۸۳۹ بتائی گئی ہے۔ جس میں ۴۳۳۱ مرد اور ۳۵۰۸ عورتیں ہیں۔ ان کی ذات سرکاری کاغذات میں راجپوت ہے۔ اور جو اس قوم کے حالات کے رو سے بالکل صحیح ہے۔
کھکھ و ہتمال قوم کے کئی خاندان ضلع مظفر آباد کے علاوہ پونچھ، تحصیل کوٹلی (جموں)، میں بھی آباد ہیں۔ پونچھ کے کھکھ خاندان کا ذکر اقوام پونچھ کے سلسلہ میں ہوگا۔

گوجر

یہ قوم خاص کشمیر کی رہنے والی نہیں ہے۔ اپنے پیشہ کی وجہ سے یہ لوگ ہمالیہ اور کوہ شوالک کے دامن میں بھیڑ بکریاں اور بھینس چراتے پھرتے ہیں۔ اور اب کچھ عرصہ سے کشمیر کے خاص میدانی علاقوں میں بھی یہ لوگ جایا کرتے ہیں۔ بلکہ ایک حیثیت سے تو انہوں نے کشمیر کو اب وطن ہی قرار دے لیا ہے۔ جنگل کاٹ کر ان لوگوں نے بھینسوں کی پرورش اور اپنی رہائش کے لئے چھوٹے چھوٹے گھر بھی بنا لئے ہیں۔ یہ سب لوگ مسلمان ہیں۔ ان کی زبان کا نام ہندکی ہے۔ جو کشمیری سے بالکل مختلف ہے۔ ان کا قد لمبا ہوتا ہے۔ ان کے خط و خال جیسا کہ لارنس صاحب لکھتے ہیں۔ کچھ ایسے اچھے نہیں ہوتے۔ ان کو بھینسوں کی پرورش کا خاص شوق ہے۔ کبھی کبھی زمینداری بھی کر لیتے ہیں۔ مگر سوائے کئی

بافراط پیدا کرنے کے اور کسی اناج کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

گوجروں میں یہ ایک رسم ہے۔ کہ جمعہ کے دن ان کے ہاں جس قدر دودھ ہوتا ہے وہ سب خیرات میں دے دیتے ہیں۔ یہ عموماً راست باز اور فیاض ہوتے ہیں۔ ان کی عورتوں میں مکھن کی فروخت کا حساب رکھنے کا یہ دستور ہے۔ کہ جس قدر مکھن فروخت ہو اسی قدر گرہیں اپنے دوپٹہ میں ڈال لیتی ہیں۔ گوجروں کا سب سے پیارا نام محمدؐ ہے۔ اور ان میں جو شخص اپنے قبیلہ میں ممتاز ہو۔ اس کو بھائی کا لقب دیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ عموماً بستیوں سے دور رہتے ہیں۔ اس لیے ان کے مستقبل کی نسبت بہت مایوسی ہے۔ اور غالباً ان میں کوئی بھی خواندہ نہیں ہے۔ کم از کم کشمیر اور پونچھ کے گوجروں میں علم بالکل نایاب ہے۔

لارنس صاحب فرقہ گوجراں کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ چونکہ یہ ایک سادہ طبیعت اور ایماندار فرقہ ہے۔ اور ان کے وجود سے ملک کو کئی طرح کے فائدے پہنچتے ہیں۔ اس لیے ریاست کا فرض ہے۔ کہ وہ گوجروں کی آئندہ بہتری و فلاح میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔

ان گوجروں میں بعض وزارت پہاڑ یعنی ضلع مظفر آباد کے رہنے والے ہیں جن کو ڈنڈس کہتے ہیں۔ بعض ہزارہ کے ضلع سے آئے ہیں۔ جن کو ترک گوجر کہتے ہیں۔ وہ گوجر جو ضلع جہلم سے کشمیر میں آئے ہیں۔ بابا کہلاتے ہیں۔ گوجروں نے ہر چند ابھی تک کشمیری لباس کو اختیار نہیں کیا۔ لیکن کئی لوگ اب زبان اور لباس میں خالص کشمیریوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ گوجر لوگ آپس ہی میں شادیاں کرتے ہیں۔ کچھ تعداد ان کی ریاست پونچھ (دامن کشمیر) اور علاقہ ہزارہ جات افغانستان سے بھی آکر ان کے ساتھ شامل ہو گئی ہے۔

رپورٹ مردم شماری ریاست جموں وکشمیر بابت ۱۹۱۱ء میں اس مضمون

کا ضروری خلاصہ درج ہے۔ جو مسٹر ڈی۔ آر۔ بھنڈرکار آف پونانے ہندوؤں کے چار ورنوں (برہمن۔ چھتری۔ ویش۔ شودر) اور خصوصاً فرقہ گوجراں کی نسبت بمبئی یونیورسٹی کے وسیع ہال میں پڑھا تھا۔ چنانچہ آپ نے اقوام عالم کی تمام قوموں کا ملاپ بیان کرتے ہوئے گوجروں کی اصلیت اور اُن کی بتدریج وسعت کی ٹوہ لگائی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ قوم نہ صرف بہت ہی پرانے وقتوں کی ہے۔ بلکہ اس کے افراد وسط ایشیار کے جنوبی حصّہ کے علاوہ ایشیا اور یورپ کے ملحقہ ساحل پر بھی آباد تھے۔ اسی مضمون سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عرب میں جُفر یا حَفَر اور یہودیوں میں گھیسر قوم جو ہے۔ وہ گوجروں ہی کے نام سے ملتی جلتی ہے۔ گورجستان واقعہ ایشیار کوچک جو کسی زمانہ میں اپنی زنانہ خوبصورتی کے لئے شہرۂ آفاق تھا۔ گوجر قوم ہی کے لوگوں سے کبھی آباد تھا۔ قدیم گوجر ہندو تھے۔ یا کسی اور مذہب کے پیرو۔ اس کے متعلق کچھ علم نہیں۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنوبی ہندوستان میں یہ لوگ چھٹی صدی اور دسویں صدی عیسوی کے وسط میں داخل ہوئے اور اسی زمانہ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے ہندو مذہب اختیار کرلیا۔ اب بھی راجپوتوں۔ برہمنوں۔ ویشوں اور شودروں میں ان کی اصلیت یا خون کا پتہ ملتا ہے۔ چنانچہ گوجر گور نگر برہمنوں میں گوجر و بنہ ویشوں میں اور گوجر سوتر۔ ترکھان۔ سنار اور کمہار وغیرہ شودروں میں پائے جاتے ہیں۔ سلسلہ کوہ شوالک اور علاقہ سپار لکشہ جہاں سے گوجر قوم دراصل وارد میدان ہوئی۔ شمال مغربی ہمالیہ ہی کے حصہ ہیں۔ یہ قوم میدان میں آتے ہی پنجاب۔ اضلاع متحدہ راجپوتانہ۔ وسط ہند۔ بنگال۔ مدراس اور بمبئی وغیرہ ہندوستان کے تمام علاقوں میں پھیل گئی۔ مقامات۔ گوجرات۔ گوجرانوالہ۔ گوجرخان جو واقع پنجاب کے نام گوجر باشندگان ہی سے مشتق ہیں۔ ہر چند اب ان علاقوں میں گوجر صرف زراعتی زندگی ہی بسر کرتے ہیں۔ تاہم یہ مقامات ان کی بڑی مستحکم پناہ گاہیں

رہ چکے ہیں۔ صوبہ بمبئی کے علاقہ گجرات کے اصلی گوجر ہندو قوموں میں خون کے میل ملاپ سے اپنی علیحدگی کو بالکل زائل کر بیٹھے ہیں۔

ریاست کشمیر اور جموں کے گوجر خصوصاً ان کے خانہ بدوش گروہ اصلی جماعت کے بچے کھچے لوگ ہیں۔ اور پنجاب اور ہندوستان کے گوجروں سے علیحدہ نہیں ہیں۔ یہ سب کے سب مسلمان ہیں۔ رنبیر سنگھ پورہ۔ رامپور راجوری۔ پونچھ اور چند مقامات کشمیر میں ان لوگوں نے زراعت کو اپنا پیشہ قرار دے لیا ہے۔

گجر ہندوستان کی ایک اہم قوم ہے۔ اس کے تمدن و معاشرت اس کے رسم و رواج اور اس کی بود و باش پر اکثر اہل قلم حضرات نے خامہ فرسائی کی ہے۔ ہر دسویں سال مردم شماری کی رپورٹ میں ان کا ذکر خاص طور پر ہوتا ہے علاوہ ازیں انگریز اور ہندوستانی محققین ان کے حالات کا کھوج نکالتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ سطور مسبوق الذکر میں سر والٹر لارنس اور مسٹر ڈی آر بھنڈرکار کی تحقیقات کے نتائج لکھے جا چکے ہیں۔ علاوہ دیگر محققین کے خود گجر قوم کے مصنفین نے اپنی قوم کی تاریخیں[1] لکھی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک غیر مطبوعہ قلمی نسخہ تاریخ گجراں[2] کے حوالہ سے ہم بھی چند سطور یہاں درج کرتے ہیں

اس تاریخ میں ان کا سلسلہ حضرت اسحاق تک پہنچا کر بتایا گیا ہے۔ کہ حضرت اسحاق سے دسویں پشت امران تک یہ لوگ ملک شام میں رہے۔ وہاں سے یونان چلے آئے۔ یہاں ان کی نسل سے ارغوس نام ایک شخص بڑا صاحب

لہ (۱) تاریخ گجراں مصنفہ چودھری محمد حسین (۲) تاریخ گجراں مصنفہ خان بہادر مولوی عبد الملک سابق بشیر مال بہاولپور جو غیر مطبوعہ ہے

لہ مصنفہ شیخ جمال گجر و حافظ عبد الحق محقق سیالکوٹی ۱۲

رتبہ ہوا۔ مصنف صاحبان نے اُس کی اُنیسویں نسل میں فیلقوس اور بیسویں میں سکندر اعظم کا ذکر کیا ہے۔ پھر سکندر اعظم کے بیٹے کی دو بی بیوں کے بطن سے دس بیٹے بتائے ہیں۔ (۱) اتسکانئیس جس کی نسل سے ۳۲ گوتیں گوجروں کی مشہور ہوئیں (۲) جارہیئس جس کی نسل سے ۲۴ گوتیں مشہور ہوئیں (۳) سکانئیس جس کی اولاد نے ۱۸ گوتیں پیدا کیں۔ (۴) اگوشانئیس۔ جس کی نسل سے ۲۲ گوتیں مشہور ہوئیں۔ (۵) تومانئیس جس کے فرزندوں کے نام پر ۱۲ گوتوں نے جنم لیا۔ (۶) طالقطیئس جس کی نسل سے ۱۱ گوتیں ہوئیں۔ سکندر اعظم کے یہ چھ پوتے ہندوستان میں آئے۔ اور اس کے باقی چار پوتے (۱) اگدارئیس (۲) کارئیگس (۳) اگیولیئس (۴) تروسیئس۔ خراسان اور گرجستان کی طرف چلے گئے۔ جہاں اب تک اُن کی اولاد صاحب اقتدار ہے۔ سکندر اعظم کی اولاد سے جو چھ شاہزادے ہندوستان آئے۔ ملک گجرات کاٹھیاواڑ انہی کے نام پر آباد ہوا۔

گجر کی وجہ تسمیہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ شاہزادے بڑے بہادر اور شجاع تھے خصوصاً فن جنگ گرز کے پہلوان تھے۔ اس لئے پہلے گرزی کے نام سے موسوم ہوئے۔ گرزی کا لفظ گرُجی بنا۔ گرجی سے گرُجر اور گرُجر سے گوجر مشہور ہو گیا۔

ان کی سکونت و وطنیت کے ساتھ ساتھ ان کا مذہب بھی تبدیل ہوتا رہا۔ شام میں حضرت اسحاق کے مذہب پر رہے۔ یونان میں آکر عیسائی ہو گئے۔ ہندوستان میں آئے۔ تو ہندوؤں سے رشتہ ناطہ کرنے کی وجہ سے ہندو مت کے پیرو ہو گئے۔ مسلمانوں کے زمانہ میں ان کے بہت سے قبائل گجرات کاٹھیاواڑ کے علاقہ ہی میں صوفیائے کرام کی تبلیغ و صحبت کی بدولت مسلمان ہو گئے۔ جب ان کے بعض قبائل نے جنوبی ہند کا میدان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے سامنے ۔ ۔ ۔ تنگ دیکھا۔ تو پنجاب میں گوجرانوالہ۔ گوجرخان۔

کالہ گجراں - گوجرہ اور اکبر کے زمانہ میں شہر گجرات[1] کو آگر آباد کیا - جو گجر ابھی تک قدیم ہندو مت ہی پر قائم ہیں - ان کی آبادی زیادہ تر گجرات دکن اور دہلی کے نواحات اور یو - پی کے صوبہ میں ہے -

اکبر کے زمانہ میں بھی بہت سے گوجر خانہ بدوشوں کی طرح ادھر اُدھر پھرا کرتے تھے - اور ڈاکے ڈکیے پر حملے بھی کر دیا کرتے تھے - اکبر نے ان کے نام پر گجرات کا شہر آباد کرا کر ان کو اجتماعی زندگی بسر کرنے کی طرف توجہ دلائی - اور ساتھ ہی ان کی دستبرد سے مسافروں اور رہگذروں کو بھی آرام ملا -

معلوم ہوتا ہے جب اس گروہ کی زیادہ تعداد ہو گئی - تو جس کام پر جس کا جی چاہا اُس نے اسی کو اختیار کر لیا - زیادہ آبادی نے زراعت کرنے اور مال مویشی کے پالنے کو ترجیح دی - چنانچہ جو گجر میدانی علاقوں میں آباد ہیں - وہ زمینوں کے مالک اور زرعی کاروبار میں مصروف ہیں - جو کوہستانی علاقوں میں رہتے ہیں جیسے پونچھ - کوہستان جموں کے علاقے - اور کشمیر کے بعض بلند مقامات اُن کا گزارہ مال مویشی اور بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ کی پرورش اور مکھن - دودھ وغیرہ کی فروخت ہے - کامل میدانی اور نیم میدانی[2] علاقوں کے گجروں میں تو علم و تہذیب بھی ہے - کئی ایک ان میں اعلیٰ عہدوں تک پہنچ چکے ہیں - اہل قلم ہیں - اور سرکاری خطاب یافتہ ہیں - لیکن جو گجر پہاڑوں میں رہتے ہیں - اور گرمیوں کے ایام بلند سے بلند

---

[1] ضلع گجرات میں گجر قوم بہت خوشحال ہے - ان میں کئی سرکاری خطاب یافتہ اور ذی حیثیت بزرگ ہیں -

[2] سری رنبیر سنگھ پورہ صوبہ جموں کے علاقہ میں حکیم محمد حیات سکنہ چوہالہ او ڈیلی علاقہ گلاب گڈھ ریاست جموں میں چودھری علی محمد ذیلدار اپنی قوم کے معزز افراد اور اہل علم اور اہل قلم ہیں -

مگر سرسبز و شاداب پہاڑوں میں بسر کرتے ہیں۔ تاکہ ان کے مال مویشی چارہ اور سبزہ سے سیراب ہوسکیں۔ وہ علوم دینی و دنیوی سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اور زمانہ کے حالات سے قطعاً بے خبر۔ راقم الحروف نے گجر قوم کے زن و مرد کو پونچھ اور کشمیر کے دس دس گیارہ گیارہ ہزار فٹ بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر مال مویشی چراتے دیکھا ہے۔ مرد جوان اور بلند قامت ہیں۔ عورتیں بھی تومند اور شجاع ہیں۔ لیکن یہ سب لوگ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ عموماً بہت غلیظ رہتے ہیں۔ اور کپڑے ناصاف رکھتے ہیں۔ یہ قوم جموں۔ پونچھ اور کشمیر کے پہاڑوں میں بہت کثرت سے ہے۔ سردیوں میں میدانی علاقوں میں اور گرمیوں میں بلند پہاڑوں پر جن کو ہلاق اور ڈہوک کہتے ہیں۔ رہتی ہے۔

سر والٹر لارنس نے اس قوم کی سادہ طبعی اور ایماندارانہ سپرٹ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حکومت کشمیر[1] اس قوم کی بہتری و فلاح یعنی ان کی دنیاوی ترقی کے وسائل میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ ریاست کے ارباب حل وعقد نے تو آج تک اس مشورہ پر عمل نہ کیا۔ کاش اس قوم کے وہ لوگ جو میدانی علاقوں میں رہتے ہیں۔ اور اہل علم اور ذی فہم ہیں۔ اپنی اس کثیر التعداد برادری کو خواب غفلت سے جگا کر عزت و وقار سے زندگی بسر کرنے کی طرف توجہ دلائیں۔ اور علم کے فوائد سے ان کو آگاہ کریں۔

۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق مسلمان گجروں کی تعداد ریاست جموں و کشمیر و پونچھ میں ۴۰۲۷۸۱ ہے۔ جس میں مرد ۲۱۶۹۵۸ اور عورتیں ۱۸۵۸۲۳ ہیں۔

کتاب "راجپوت گوتیں" کا مصنف[2] چوتھے باب کے صفحہ ۱۴

---

[1] ؟
[2] چودھری علی محمد خاں بی۔ اے۔ ایل۔ ایل حال نیشنل افسر مال رئیس اٹک گوہر ریاست پٹیالہ

پر مشرقی میدانوں کی راجپوت گوتوں کا ذکر کرتا ہوا اُن میں ایک ذات بڈگوجر بھی لکھتا ہے۔ جو دہلی۔ رہتک۔ حصار۔ گوڑگانواں کے اطراف میں پائی جاتی ہے۔ لیکن اس کتاب سے یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ گوجر اور پھر گوجر سے بڈگوجر نام کس طرح ہو گیا۔ بہرحال یہ کوئی نِک نیم۔ (Nick Name) عرف یا آل معلوم ہوتا ہے۔

گوجروں کے نام پر کشمیر میں چند گاؤں بھی ہیں۔ تحصیل اننت ناگ میں ایک گاؤں خلن گوجراں (آبادی ۲۱۶ نفوس) اور دوسرا بونہ کوٹ گوجراں (آبادی ۱۹۴ نفوس) کے نام سے آباد ہیں۔ تحصیل سرینگر میں فقیر گوجری کے نام سے ایک موضع ہے۔ جس میں ۱۵۲ نفوس رہتے ہیں۔

باب چہارم

کشمیر کی ادنٰی اقوام

دیباچہ

ہر ملک اور ہر قوم کی طرح کشمیر میں بھی ادنٰے ذاتیں ہیں ۔ اور جس طرح ہندوستان کی دیگر اقوام چوہڑے ۔ چمار ۔ میگھ ۔ ڈوم وغیرہ کی اصلیت کی بابت جب ہر طرف سے مایوسی ہوتی ہے ۔ تو آخر انہیں شودر یا ہندوستان کی قدیم اقوام کا بقیہ کہدیا جاتا ہے ۔ یہی حال کشمیر کی ادنٰی اقوام کا ہے ۔ یہ لوگ عام طور پر زمینداری اور بعض چھوٹے چھوٹے کاموں میں مصروف رہتے ہیں مثلاً باغوں کی حفاظت ۔ بھیڑ بکریوں کا چرانا ۔ کشتیوں کا چلانا ۔ گانا بجانا ۔ دیہاتوں کا چوکیدارہ اور بھیک مانگنا ۔ اور چمڑے وغیرہ کا کاروبار کرنا ۔ اور غلاظت اٹھانا ۔ یہ اصل میں پیشے ہیں ۔ لیکن ان کے کاروبار ہی پر ان کی ذاتیں بن گئی ہیں ۔

اوسط درجہ کے زمیندار ان طائفہ داروں کو اپنے سے ادنٰے سمجھ کر ان

سے شادی وغیرہ نہیں کرتے - مگر حقیقت یہ ہے - کہ ادنیٰ اقوام میں سے بعض قومیں ایسی ہیں - جو زمینداری بھی کرتی ہیں - چنانچہ فقیر جو ایک پیشہ ور گداگر قوم ہے - اور ملاح یا ہانجی جن کا کام کشتیاں چلانا ہے - کشمیر میں ایک مقامات پر زراعت کرتے دیکھے گئے ہیں - بلکہ بقول لارنس صاحب فقیر قوم تو کئی گاؤں کی مالک ہے - ان کے مقابل کبھی یہ بھی دیکھا گیا ہے - کہ زمیندار اپنا کاروبار چھوڑ کر ہانجیوں کا کام شروع کر دیتے ہیں - اور چنگ نوازی کے ذریعے بھیک مانگ کر بسر اوقات کرتے رہتے ہیں - اب فقیر اور ہانجی زمینداروں کا کام کرنے سے زمیندار اور زمیندار لوگ ہانجیوں اور گداگروں کا کام کرنے سے ہانجی اور فقیر جیسی ادنیٰ اقوام میں شامل ہو گئے ہیں - اس سے معلوم ہوتا ہے - کہ نسلی طور پر کوئی رذیل نہیں ہے - بلکہ جو فرق ہے - وہ محض پیشہ اور کام کے لحاظ سے ہے - لیکن یہ پیشہ اور کام جب نسلوں تک جاری رہے - تو آخر طبیعت ثانیہ بن کر اپنا اثر دکھاتے رہتے ہیں - جب کوئی شخص ادنیٰ کام کی وجہ سے ادنیٰ ذات اختیار کر لیتا ہے - تو اس کے بعد اس کے بیٹے پوتے بھی اسی ذات سے موسوم ہو جاتے ہیں - اور پھر وہ اپنی اصلی ذات پر خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو - بہت مشکل سے بحال ہو سکتے ہیں -

پنجاب کے رنگ اور آب و ہوا میں یہ اثر خاص اب تک موجود ہے - کہ ادنیٰ اقوام مثلاً چوہڑے - میراسی وغیرہ فوراً پہچانے جا سکتے ہیں - ان کے خط و خال ان کی گفتگو - ان کا لباس - ان کی رنگت بہت سی ایسی باتیں ہیں - جو عام انسانوں سے ان کو خاص طور پر ممتاز کرتی ہیں - مگر کشمیر میں اس امتیاز و اختصاص کی کوئی پہچان نہیں ہے - وہاں لباس میں کوئی فرق نہیں ہے - اور رنگت بھی قریباً ایک ہی قسم کی ہے - اور اس دقت کو لارنس صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں -

مگر باوجود اس دقت کے وہ کہتے ہیں۔ کہ ساری اقوام تو نہیں البتہ ڈوم۔ گلہ بان اور واتل اپنے ظاہری خط و خال اور لباس سے فوراً پہچان لیے جاتے ہیں۔ واتل اور واتلنیاں بھی بالعموم اپنی سیاہی مائل رنگت سے پہچان لیے جاتے ہیں۔ ڈوم ایک زرعی پیشہ آدمی کی نسبت کچھ سیاہی مائل ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں جلد جلد پھرنے والی ہیں۔ اور اس کے عام اطوار میں چالاکی و چستی پائی جاتی ہے۔ گلہ بان چنداں خوبصورت بھی نہیں ہوتے۔ اور نہ ان میں خاص طور پر کسی کاہلی یا چالاکی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ مگر گھوڑوں کی چوری کے فن میں وہ لاثانی ہیں۔

ادنیٰ ذاتوں میں جو نام مشہور ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔ ڈوم۔ گلہ بان۔ چوپان۔ بانڈ۔ ہانجی۔ واتل۔ اب ہر ایک کا الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

ڈوم

لارنس صاحب لکھتے ہیں۔ ڈوم ہندوؤں کی شودر قوم سے نکلے ہیں۔ اور یہ اپنی اصلیت چھپانے کے لئے اپنا شجرۂ نسب پرانے ہندو راجاؤں کے ساتھ ملاتے رہتے ہیں۔

پنڈت کلہن نے بھی اپنی راج ترنگنی میں ڈوموں کا ذکر کیا ہے۔ اور اس موقع پر جبکہ راجہ چکرورمن نے پانچ چھ ہزار تانتروں کو قتل کرنے کے بعد تیسری مرتبہ (۹۳۶ء میں) تخت کشمیر حاصل کیا ہے۔ پنڈت کلہن لکھتا ہے۔ راجہ جب سلطنت کو اپنے دشمنوں سے صاف کر چکا تو غرور و تکبر نے اسے بدی پر مائل کر دیا۔ اور سب سے زیادہ جس شخص کو اس کے دربار میں رسوخ تھا۔ وہ رنگ نامی ایک ڈوم تھا۔ جو گانے بجانے کا کام کرتا تھا۔ راجہ کے دربار میں رنگ نے

سب کے رنگ بے رنگ کردیئے تھے۔ اور محلات میں رنگ کی لڑکیوں ہنسی اور ناگ لتا کا وجود رانیوں کو سانپ کی طرح ڈس رہا تھا۔ پنڈت کلہن لکھتا ہے۔
ان ڈوم رانیوں کی محبت میں راجہ اس قدر اندھا ہو گیا تھا۔ کہ وہ تمام درباریوں اور برہمنوں اور معزز رانیوں کو اُن کا پس خوردہ کھانا کھلایا کرتا تھا۔ اور جن لوگوں کی آنکھیں حب جاہ و اعزاز نے اندھی کردی تھیں وہ کھاتے تھے۔ اور راجہ کی حضوری حاصل کرتے تھے۔ پنڈت کلہن نے ڈوموں کی نسبت سوپاک کا لفظ بھی لکھا ہے۔ جس کے معنی غالباً ناپاک کے ہیں۔ ایک زمانہ میں تو ڈوموں کا ایسا عروج ہو گیا تھا۔ کہ راجہ نے ایک منظورِ نظر ڈومنی کو پٹ رانی کا خطاب دے کر محلات میں داخل کرلیا تھا۔ ڈوموں نے ہندو عہدِ قدیم میں سیاسیات میں بھی بڑا حصّہ لیا ہے۔

پنڈت کلہن کی تاریخ کے اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈوم ہر چند عروج پر پہنچے ہوئے تھے۔ ان کی لڑکیاں رانیوں کا اعزاز رکھتی تھیں۔ اور ان کے مرد دربار میں وزراء امراء کا کام کرتے تھے۔ لیکن اس اعزاز نے ان کی رذالت پر کوئی اثر نہ ڈالا اور رعایا ان کی کمینی حرکات سے ہمیشہ ناخوش رہی۔ چند روز کی عزت ان کے دائمی شودرپن کو دُور نہ کرسکی۔

زمانۂ حال میں اس قوم کا کیا حال ہے؟ اس پر لارنس صاحب نے کچھ روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ اس ذات کے لوگ کشمیر میں درجہ اختصاص رکھتے ہیں خصوصاً دیہات میں ان کا ہونا بہت ضروری سمجھا گیا ہے۔ بلکہ گاؤں کے چوکیدار عموماً ڈوم ہی ہوتے ہیں۔ جو ایک پہلو سے ریاست کی طرف سے وہاں پولیس کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ مگر بعض ان میں کھیتی باڑی کا کام بھی کرتے ہیں۔ اس قوم میں تغلب یا خیانت کی شکائت ضرور پائی جاتی ہے۔ اور ان پر چنداں اعتبار کرنا مناسب بھی نہیں ہے لیکن یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ کہ باوجود اس کے وہ اپنے دیہات سے

مالیہ کی رقم سری نگر کے شاہی خزانہ میں لاکر ادا کیا کرتے ہیں۔ اور ایک کوڑی تک کی بھی خیانت نہیں کرتے۔ اہل دیہہ ان سے اکثر نالاں رہتے ہیں۔ کیونکہ چوکیدار کی حیثیت سے زمینداروں کو لوٹنے اور تنگ کرنے کے ان کو بہت سے موقعے ملتے رہتے ہیں۔

۱۹۱۱ء کی رپورٹ مردم شماری کشمیر کے رو سے ڈوموں کی آبادی ۵۲۰۹۹ ہے۔ جس میں سے جموں اور کشمیر اور سرحدی اضلاع (لداخ گلگت) میں مسلمان ڈوموں کی تعداد ۴۸۵۲۸ ہے۔ اور ہندو ڈوموں کی تعداد جموں میں ۳۶۷۸۲ اور کشمیر میں صرف تین ہے۔ ہندو اور مسلمان ڈوموں کے علاوہ سکھ ڈوم بھی ہیں جو صرف جموں ہی میں ہیں۔ اور جن کی تعداد صرف اکیس ہے۔

۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں ڈوموں کی تعداد ۲۹۳۴۴ بتائی گئی ہے جس میں ۴۸۰۰ ۱ مرد اور ۱۵۹۲۹ عورتیں ہیں۔ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں جموں کے آریہ ڈوموں کی تعداد صرف نو تھی لیکن ۱۹۱۱ء کی نسبت ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں ۱۷۷۰ ڈوموں کی جو کمی پائی جاتی ہے۔ وہ سب آریہ سماج کی حیرتناک مذہبی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں بیس سال کے عرصہ میں ۱۷۷۰ ڈوم آریہ ہو چکے ہیں۔

گلّابان

یہ لوگ گھوڑوں کی پرورش کرنے میں خاص طور پر مشہور ہیں بعض کے خیال میں یہ ڈوموں سے نکلے ہیں۔ خواہ یہ صحیح ہو یا غلط مگر ان کی کالی رنگت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کشمیر کے زمینداروں سے نہیں ہیں۔

یہ لوگ دراصل پہلے پہل ٹٹو اور گھوڑے چرانے پر مقرر تھے۔ مگر بعد کو انہیں

معلوم ہوا۔ کہ چرانے کی نسبت چرانا زیادہ مفید ہے چنانچہ یہ رفتہ رفتہ ایک مجرم فرقہ کی حیثیت اختیار کرتے گئے۔ اور پٹھانوں کے زمانہ میں ان کی لوٹ کھسوٹ کی بڑی دھاک بیٹھ گئی۔ افغانوں کے زوال اور سکھوں کی حملہ آوری کے دنوں میں گلہ بان بڑے بڑے جتھے بنا کر پھرا کرتے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر بڑے بڑے لٹھ ہاتھوں میں لئے ادھر اُدھر غارتگری کرتے رہتے تھے۔ یہ نہ صرف کسانوں کے خرمن ہی لوٹ لیتے تھے۔ بلکہ کسی وقت ایک برات پر حملہ کر کے دلہن کو بھی لے بھاگتے تھے۔ گلہ بانوں کی بہادری اور ان کے مظالم کی بہت سی داستانیں مشہور ہیں۔ اور تاریخ کشمیر حصہ سوم میں بھی صفحہ نمبر ۴۰ و ۴۱ پر گلہ بانوں کے جور و ستم کا ذکر ہے۔ منجملہ اور سنگدل ڈاکو گلہ بانوں کے خیرہ گلہ بان کا نام خاص طور پر مشہور ہے۔ کرنیل میاں سنگھ ناظم کشمیر (۱۸۳۳ء تا ۱۸۴۱ء) نے بڑی دقتوں اور کوششوں کے بعد آخر اس فرقہ کے سرکردہ خیرہ گلہ بان کو جس کے ہمراہ ہر وقت دو تین سو سوار رہا کرتے تھے۔ معہ اس کے ہمراہیوں کے گرفتار کر لیا۔ اور خیرہ کو معہ اس کے فرقہ کی قریباً نصف تعداد کے بڑے بڑے عذاب دے کر سولی پر لٹکایا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اس فرقہ کی اصلاح بلکہ اس کے تباہ کرنے میں بہت کوشش کی رگوناتھ پورہ سے بہت سے گلہ بان گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈلوائے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ان لوگوں کو بونجی (گلگت) میں زمین دے کر وہاں آباد کرایا۔ مگر ان مراعات کے باوجود بھی بہت سے گلہ بان کشمیر میں واپس آ گئے۔

یہ لوگ ابھی تک اپنے آبائی پیشہ پر قائم ہیں کشمیر میں گھوڑوں اور ٹٹوؤں کی جہاں کہیں چوری ہوتی ہے اس میں ننانوے فیصدی چوری اسی فرقہ سے ہوتی ہیں۔ چرائے ہوئے یابوؤں کو یہ لوگ علاقہ پونچھ اور دور دراز علاقوں میں لے جاتے ہیں۔ جہاں ان کو بڑی آزادی اور بیباکی سے فروخت کر دیتے ہیں۔ ان گلہ بانوں کو گاؤں کے لوگ ایک ڈاکو اور دھاڑوی سے کم نہیں سمجھتے۔

چوپان

کشمیر میں گڈریوں کو چوپان یا پوہل کہتے ہیں۔ جو رنگت کے لحاظ سے تو زمینداروں سے الگ نہیں ہیں۔ مگر قومیت اور پیشہ کے لحاظ سے یہ بالکل ایک الگ قوم ہے ان کی شادیاں بالعموم آپس ہی میں ہوتی ہیں۔ مگر کبھی کبھی گلہ بانوں کے ساتھ بھی تعلقات پیدا کر لیتے ہیں۔ چوپان عموماً خوش طبیعت اور پھرتیلے جوان ہوتے ہیں ان کو سیٹی بجانے میں کمال حاصل ہے۔ اور غضب یہ کہ سیٹی کی آواز سے اپنے ریوڑ کو جدھر چاہتے ہیں۔ موڑ لیتے ہیں ان کا پیشہ بھیڑ بکریوں کو چرانا ہے۔ جن کو وہ اونچے اونچے پہاڑوں اور جنگلوں میں لے جاتے ہیں۔

ان کی بود و باش چونکہ بلند پہاڑوں اور کریوں پر ہوتی ہے۔ اس لئے اترنے چڑھنے اور ہمیشہ چلنے پھرنے کی وجہ سے یہ لوگ بڑے مضبوط اور طاقتور ہوتے ہیں ان لوگوں کو پہاڑ کی بعض کارآمد بوٹیاں بھی معلوم ہوتی ہیں۔ اور جڑی بوٹی کی پہچان میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ اور کشمیر کے دیسی طبیبوں کو اکثر بوٹیاں دیتے رہتے ہیں۔

جن زمینوں میں چوپان لوگ اپنی بھیڑیں اور بکریاں چراتے ہیں۔ وہ مشترکہ طور پر ان کی اپنی ملکیت ہوتی ہیں۔ موسم سرما اور بہار کے آغاز میں پہاڑوں سے اتر کر اپنے گاؤں میں چلے جاتے ہیں۔ اور وہاں کاشتکاری کرتے ہیں۔ چوپان اور شیر گوجر ذات کے لحاظ سے وگے کہلاتے ہیں۔

بانڈ

بانڈ جن کو بانڈ بگت بھی کہتے ہیں۔ کشمیر میں اسی نظر اور اسی حیثیت سے دیکھے جاتے ہیں۔ جس طرح پنجاب کے میراسیوں۔ بھانڈوں اور ڈوموں کو اہل پنجاب دیکھتے ہیں۔ مگر ان کا گانا بجانا۔ لباس۔ بالوں کی تراش خراش اہل پنجاب سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ کشمیر کے بانڈ اپنے لمبے بالوں اور ادھر اُدھر چل پھر کر روزگار کمانے کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان کی شادیاں عموماً آپس ہی میں ہوتی ہیں۔ مگر خاص حالات میں زمینداروں سے بھی تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ ایام سرما میں جب کہ کشمیر میں کوئی فصل اور کوئی روزگار نہیں ہوتا۔ یہ لوگ پنجاب۔ پشاور اور سرحدی اضلاع تک جا پہنچتے ہیں۔ اور وہاں اپنے کشمیری ہموطنوں اور دیگر مقامی لوگوں کو محظوظ کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

پنجاب میں یہ لوگ ہمیشہ آتے ہیں۔ اور اہل پنجاب کی طرح دو چار یا پانچ سات تک نہیں بلکہ ان کی ایک ایک ٹولی (جماعت) کی تعداد پندرہ بیس سے کبھی کم نہیں دیکھی گئی۔ پنجاب میں ان کے تماشے بڑے شوق سے دیکھے جاتے ہیں۔ دو تین خوبصورت لڑکے بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جن کے لمبے لمبے بال کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جنھوں نے ناچنے گانے والی عورتوں کا سا لباس پہنا ہوا ہوتا ہے۔ ان کا ساز و سامان ایک ڈھول چار پانچ سارنگیوں اور متعدد طوطیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور سب یک زبان اور ہمنوا ہو کر ایک طوفان بے تمیزی پیدا کر دیتے ہیں۔ ان کا ساز اور پشواز بہت قیمتی ہوتا ہے۔ لارنس صاحب لکھتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ ایک بانڈ کی پشواز وغیرہ دیکھی جس کی قیمت دو ہزار روپیہ تک تھی۔ ان کی حرکتیں

عموماً پسندیدہ ہوتی ہیں۔ اور بڑے بے خوف ہو کر نقلیں کرتے ہیں۔ کشمیری پشتو۔ فارسی پنجابی بلکہ انگریزی تک کے گیت ان کو نوک زبان ہوتے ہیں۔ اور محفل کو خوب گرماتے ہیں۔

بانڈ کشمیر میں عموماً شادیوں پر کثرت سے بلائے جاتے ہیں فصل کی درو کی وقت بھی زمینداروں سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور عید بقر عید کے موقع پر رؤسا و امراء سے بھی انعام اکرام لے لیتے ہیں۔

کشمیری بانڈ دو قسموں پر منقسم ہیں۔ ایک مسلمان جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ان کی آبادی موضع بہے میں جو تحصیل اونتی پورہ میں واقع ہے۔ کثرت سے ہے۔ اور وہاں کے بعض بانڈ بڑے امیر بن گئے ہیں۔ اور کئی ایک ان میں سے تجارت پیشہ بھی ہیں۔

موضع بہے کا کریم بانڈ جو گوت کے لحاظ سے کریم بٹ کہلاتا ہے۔ اپنے فن گانے بجانے اور ظرافت و خوش طبعی میں صاحب کمال ہے۔ وہ سرحد اور پنجاب کے بڑے بڑے رئیسوں اور نوابوں اور خوانین تک پہنچتا ہے۔ اس کے پاس کئی سرٹیفیکیٹ کشمیر پنجاب اور سرحد کے معززین کے موجود ہیں جن میں اس کے کسب و کمال کی تعریف کی گئی ہے۔ وہ اپنے علاقہ کا بہت بڑا تاجر بھی ہے اور اپنی ہوشیاری و زمانہ شناسی کی وجہ سے لاہور کے اہل اخبارات سے بھی میل جول رکھتا ہے۔ ترہیگام کے متصل ایک موضع گلگام ہے۔ وہاں کے بانڈ بھی اپنے فن کے لحاظ سے بہت مشہور ہیں۔

دوسرے بانڈ کشمیری پنڈتوں سے نکلے ہیں۔ ان کا نام اکن گام بگت ہے۔ جو موضع اکن گام کے رہنے والے ہیں۔ ان کی نسبت یہ مشہور ہے۔ کہ دیوی ماتا نے ان کے ایک بزرگ پر ظاہر ہو کر یہ کہا کہ اے اکن گام پنڈت تو ہمارے سامنے کچھ

بھجن گاکر ہمیں خوش کر۔ اس نے جواب میں لاعلمی ظاہر کی مگر دیوی کے دوبارہ اصرار کرنے پر اس نے مجبوراً تیر کمان اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور سارنگی کی طرح اس کو بجانا شروع کیا۔ اس کے بعد دیوی نے حکم دیا۔ کہ جب کبھی وہ دیوی مذکورہ کی شان میں بھجن گائے۔ تو اپنے وطن کے دیودار درخت کے نیچے بیٹھ کر گایا کرے۔ اس حکم سے چونکہ یہ مترشح ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ گانے بجانے کو اپنی روزی کمانے کا ذریعہ ہی تصور نہ کرلیں۔ اس لئے اکن گام بگت دوسرے ڈوموں کی طرح اپنے وطن سے باہر نہیں جاتے۔ بلکہ کشمیر میں بھی عام طور پر نہیں پھرتے۔ اکن گام بگت کے بیٹے اور پوتے کچھ عرصہ تک تو دیوی جی کے اس فرمان پر عمل کرتے رہے۔ لیکن آخر طعن و تشنیع سے مجبور ہو کر انہوں نے اس کام کو چھوڑ دیا۔ بڑا بگت ابھی زندہ تھا۔ دیوی نے ناراض ہو کر اس کو اندھا کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دیوی نے اس پر رحم کیا۔ وادیے لار کے حاکم کو حکم دیا کہ اکن گام بگت کو اپنے مکان میں لے جاؤ۔ اور اس کی حفاظت کرو۔ حاکم لار اس کو اپنے مکان پر لے گیا۔ اور چند دنوں کے بعد اکن گام بگت کی بینائی بالکل بحال ہو گئی۔ اس زمانہ سے لے کر اب تک اس کی اولاد اپنے پیشہ پر قائم ہے۔ اکن گام پنڈت اپنی اولاد کو سوائے گانے بجانے کے اور کوئی تعلیم نہیں دیتے۔ اور جہاں تک ان سے ہو سکتا ہے۔ دیوی کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بگت بڑے شگفتہ طبیعت ہوتے ہیں۔ اپنی خوش مذاقی سے زمینداروں کو بہت خوش رکھتے اور ان سے معقول فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کے دو سردار ہوتے ہیں۔ جن کے ماتحت دو پارٹیاں ہوتی ہیں۔ ان سرداروں کی طفیل یہ پارٹیاں آپس میں کشمکش نہیں کرنے پاتیں۔

ہانجی

کشمیر میں ہانجیوں کو ہتہ۔ ہانجی۔ ہانجی اور ہانز کہتے ہیں۔ ان کی آبادی زیادہ تر سری نگر۔ بارہ مولا۔ سوپور۔ اسلام آباد۔ کھوئی ہامہ اور دریا۔ اور جھیل ولر کے متصلہ دیہات میں پائی جاتی ہے۔ یہ اس ملک کی ایک بڑی ضروری اور نمایاں قوم ہے۔ ان کا پیشہ بہت قدیم سے چلا آتا ہے۔ اور تاریخ ظاہر کرتی ہے۔ کہ راجہ پرورسین (عہد حکومت سنہ ۱۰ء لغائت سنہ ۶۲ء) کے زمانہ میں یہ قوم سنگدیپ یعنی لنکا سے آئی تھی۔ چنانچہ لارنس صاحب اپنی کتاب ویلی آف کشمیر میں بھی لکھتے ہیں "راجہ پرورسین ان کو سنگدیپ یعنی لنکا سے کشمیر میں لایا تھا"۔ راج ترنگنی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سنگل یعنی سیلون اور دوسرے جزائر راجہ پرورسین کے وزیر موراگ کے قبضہ میں تھے۔ مکمل تاریخ کشمیر میں راجہ کے وزیر کو فاتح لنکا لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کی حکومت اس زمانہ میں ہندوستان اور پنجاب کے بعض حصص کے علاوہ لنکا تک بھی پھیلی ہوئی تھی۔ یا کم از کم لنکا کا راجہ ان کے زیر اثر تھا۔ اور چونکہ سنگدیپ میں جزائر کثرت سے ہیں۔ اس لئے وہاں ایسے لوگوں کی آبادی یقیناً کثرت سے ہو گی۔ جو کشتی چلانے کے کام میں بخوبی ماہر ہیں۔ اور کشمیر میں بھی چونکہ دریا اور جھیلوں کی وجہ سے بطور سیر یا بطور کاروبار کشتیوں کی ضرورت تھی۔ اس لئے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ راجہ اور اس کا وزیر لنکا سے کشتی چلانے والوں کی ایک خاص تعداد لے آئے ہوں۔ اس حساب سے اس قوم کو کشمیر میں آئے ہوئے قریباً دو ہزار سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔

لارنس صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ہانجی لوگ ہندوؤں کے ویش فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اس کا ثبوت (قیاسی) یہ دیتے ہیں۔ کہ جب کسی ہانجی سے کشتی اچھی طرح نہیں چلائی جا سکتی۔ تو اس کو شُودر ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے" اس سے وہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ برہمن اور کھشتری تو علمی و فوجی دلچسپیوں کے دلدادہ ہیں۔ ویش ہی ایک ایسا فرقہ ہے۔ جو تجارت یا ہر قسم کا کاروبار کر سکتا ہے۔ اس لئے یہ لوگ غالباً اسی فرقہ (ویش) سے نکلے ہونگے لیکن جب کسی ہانجی سے پوچھا جائے۔ کہ تمہاری اصل کیا ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو خاندان نوح سے ظاہر کرتا ہے۔ بعینہٖ یہ معاملہ اسی طرح ہے۔ جس طرح پنجاب اور ہندوستان کے بعض خاندان عروج حاصل کرنے پر اپنا سلسلہ نسب جب تک کسی بادشاہ یا راجپوت راجہ یا کسی بہت بڑے مذہبی ریفارمر سے نہیں لا لیتے ان کو چین نہیں آتا۔

لارنس صاحب نے ایک "معتبر ہانجی" کی زبانی لکھا ہے۔ کہ ان کی اصلیت غالباً ہندوستان کی جپسی (آوارہ گرد۔ بنجارہ۔ خانہ بدوش) قوم سے بھی ہو سکتی ہے۔ اس قوم میں سے کوئی بوڑھا جو اپنے گھرانے کا باپ ہو۔ ایک بڑی خود مختار حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس کے لڑکے لڑکیاں جو کچھ کماتے ہیں۔ سب اپنے باپ کے آگے لا رکھتے ہیں۔ بیٹا بغیر باپ کی مرضی کے شادی نہیں کر سکتا۔ اور اکثر والدین اپنی اولاد کی شادی کے خلاف ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ کشتیاں ہی ان کا مکان اور کشتیاں ہی ان کی دوکان ہوتی ہیں۔ اور کشتیوں ہی میں وہ مسافروں کو بھی بٹھاتے ہیں۔ اور چونکہ از دیاد اولاد سے بہت سی جگہ ان کو اپنے ہی لئے درکار ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اپنا نقصان گوارا نہ کرنے کے لئے شادی بیاہ کے (خصوصاً صغر سنی میں) زیادہ طرفدار نہیں ہوتے۔

ہانجیوں میں کئی قسمیں ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل آٹھ بہت مشہور ہیں۔ ڈمب ہانز۔ گاڈی ہانز۔ بھات۔ وآر۔ ڈونگہ ہانجی۔ مار ہانز۔ گاڈہ ہانجی۔ کہ ہانجی۔

ڈمب ہانز وہ ہانجی جو آدھے خشکی اور آدھے تری پر جھیل ڈل کے کنارے رہتے ہیں۔ اور عموماً سبزی ترکاری کی کاشت پر گذارہ کرتے ہیں۔ ڈمب ہانز کہلاتے ہیں۔

گاڈی ہانز ان ہانجیوں کو جو جھیل دریا میں جال کے ذریعہ سنگھاڑے اکٹھے کرتے رہتے ہیں گاڈی ہانز کہتے ہیں۔ ڈمب اور گاڈی ہانز تمام ہانجیوں میں درجہ اختصاص رکھتے اور قدرو منزلت سے دیکھے جاتے ہیں۔

. . . . . جو ملاح غلہ یا لکڑیاں یا میوہ لاد کر کشتیوں کو ادھر اُدھر لے جاتے ہیں۔ اور کرایہ کا کاروبار کرتے ہیں۔ ان کو بھات اور وآر کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے ہانجی اپنی قوم میں دوسرے درجہ پر شمار ہوتے ہیں۔

ڈونگہ ہانجی اپنی برادری میں یہ ہانجی نہایت کم درجہ رکھتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ یہ ڈونگوں یا چھوٹی چھوٹی کشتیوں (شکارہ) کے ذریعہ مسافروں کو دریا سے پار اتارا کرتے ہیں۔ ان کی بداخلاقی۔ کائیں کائیں اور کھینچا تانی کی کچھ کیفیت دیکھنی ہو۔ تو امیرا کدل میں چلے جائیے۔ جہاں بے انتہا شور و غوغا سے یہ لوگ دریا سے آر پار جانے والے مسافروں کو حیران اور ششدر کر دیتے ہیں۔ کسی مسلمان کو گھاٹ کی طرف آتے دیکھا۔ تو کھان صاحب۔ کھان صاحب کا شور و غل پیدا کر دیا۔ کسی ہندو کو دیکھا۔ تو لالہ جی اور پنڈت جی کا شور بلند کر دیا۔

ہارآنز۔ جو نالہ مار کے قرب وجوار میں کشتیاں چلانے کا کام کرتے ہیں۔ ان کی بابت لارنس صاحب لکھتے ہیں۔ کہ یہ ڈونگہ ہانجیوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔

گاڈ ہانجی۔ وہ ہانجی ہیں جو ماہی گیری کا کام کرتے ہیں۔ ان کی اخلاقی حالت ڈونگہ ہانجیوں سے ملتی جلتی ہے۔ مگر بدزبانی میں ان سے کئی گنا بڑھے ہوئے ہیں۔ ڈونگہ اور گاڈ ہانجیوں کی شوخ طبعی اور بدزبانی تمام ملک میں مشہور ہے پنجاب کی بعض قوموں کی طرح اس قوم کے لوگ بھی عورتوں کی لڑائی میں مطلق دخل نہیں دیتے۔ بلکہ تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ اور ان کی گندہ زبانی کو شوق سے سنتے رہتے ہیں۔ اگر لڑتے لڑتے شام ہو جائے۔ تو صبح کو از سرِ نو لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔

ہٰکہ ہانجی وہ ہانجی کہلاتے ہیں جو دریا میں سے لکڑیاں نکالتے رہتے ہیں ان کی تعداد دوسرے ہانجیوں کی نسبت بہت کم ہے۔

ہانجی عام طور پر بڑے قوی۔ چالاک اور چست ہوتے ہیں۔ اور بچپن ہی سے کشتیوں کو چلانے اور اپنے فن کے متعلق مشق شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے چپوؤں کی شکل پان کی طرح ہوتی ہے۔ اور پان کی شکل دل سے ملتی جلتی ہے۔ بڑی بڑی کشتیوں میں سردی کے موسم میں چنداں تکلیف نہیں ہوتی۔ مگر چھوٹے شکاروں میں جن کی آڑ چٹائی سے کیجاتی ہے۔ باوجود ہر وقت چولہا گرم رہنے کے بھی سردیوں میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔

لہ اب ان میں کئی ایک دوکانداری بھی کرتے ہیں۔ اور دیہاتوں میں سوختنی لکڑیوں کے ٹھیکے بھی لیتے ہیں۔

ہانجی اخلاقی حیثیت سے نہایت گری ہوئی قوم ہے۔ جھوٹ فریب اور فساد ان کے نزدیک بالکل معمولی بات ہے۔ مسافروں کو ان سے ہمیشہ محتاط رہنا چاہئیے۔ بالعموم یہ بڑے چالاک اور مستغنی ہوتے ہیں۔ چھوٹے بڑے رذیل اور باعزت ہر قسم کے کام یہ لوگ بخوبی کر سکتے ہیں۔ جس طرح انگریزوں کو عموماً اپنے بہرہ اور خانساماں سے یہ شکایت رہتی ہے کہ اگر ان کو کچھ روپیہ خرید و فروخت کے لئے دیا جائے۔ تو اس میں ضرور خرد بُرد کر جاتے ہیں۔ یہی عادات کشمیر کے اکثر ہانجیوں میں بھی ہیں۔ اور طبیعت ثانیہ ہو جانے کی وجہ سے اسکو وہ چنداں بُرا نہیں سمجھتے۔

ہانجیوں کا جو فرقہ راجہ پرورسین کے زمانہ میں آج سے قریباً دو ہزار سال پہلے لنکا سے کشمیر میں آیا تھا۔ باوجود عرصہ دراز تک کشمیر میں رہنے کے اُس کی رنگت اور اس کے خط و خال اب تک اس کو ایک علیحدہ قوم ثابت کر رہے ہیں۔ مگر اس قوم کے علاوہ بھی چونکہ کشمیر کی اکثر اقوام نے اپنی ضرورتوں اور زمانہ کے حالات سے مجبور ہو کر کشتی رانی کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس لئے جزائر سنگلدیپ کے ملاح اور کشمیر کے ہانجی ایک ہی کام اور ایک ہی پیشہ کی وجہ سے آپس میں ایسے خلط ملط ہو گئے۔ کہ ناطے۔ بیاہ کی رشتہ داریوں نے ان سب کو ایک ہی برادری میں منسلک کر دیا۔

راجہ پرورسین کے زمانہ سے پیشتر کشمیر میں کشتی رانی کے کام اور ملاحوں کے پیشہ کا کوئی وجود ثابت نہیں ہوتا۔ یہ راجہ جب سنگلدیپ کے ملاحوں کی ایک جماعت کو ہمراہ لایا۔ تو کچھ عرصہ کے بعد ہندوؤں کی بعض اقوام نے بھی وہ شودر تھیں یا دیش یا کوئی اَور۔ کیونکہ اس زمانہ میں کشمیر میں ہندوؤں کے سوا کوئی اَور قوم آباد نہ تھی۔ ان کی دیکھا دیکھی اس کام کو شروع کر دیا۔ اور

اس طرح سنگلدیپ کے ملاحوں اور کشمیر کے ہانجیوں کی ایک ہی مشترکہ قوم ہانجی کے نام سے موسوم ہونے لگی۔

جب ۷۲۵ھ میں کشمیر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اور اسلام اس ملک میں کثرت سے پھیلا۔ تو ہندو زمیندار اقوام اور عام ہندوؤں اور سنگلدیپی ہانجیوں کی اقوام بھی مسلمان ہو گئیں۔ اور جس طرح زمینداروں نے اسلام قبول کر کے اپنے زراعتی کاروبار کو جاری رکھا۔ اسی طرح ہانجیوں نے بھی مسلمان ہونے کے بعد کشتی رانی سے کنارہ کشی نہ کی۔

مسلمانوں کے زمانہ حکومت میں بھی کئی زمیندار لوگ ہانجیوں سے تعلقات رکھنے اور ان میں ناطہ بیاہ کرنے کی وجہ سے ہانجی ہی کہلانے لگے۔ بلکہ ۱۹۳۲ء میں راقم الحروف کو نگین باغ سرینگر کے ہانجیوں میں کئی ایک ایسے ہانجی ملے جن کے رشتہ دار اب تک زمینداری کاروبار کر رہے ہیں۔ بلکہ ان میں کئی ایک اچھے اور معزز زمیندار ہیں۔ اسی موقعہ پر راقم الحروف نے ہانجیوں کی ذاتوں اور گوتوں اور قوموں کے متعلق جب تحقیقات کی۔ تو کئی ایسی ذاتیں معلوم ہوئیں جو ابھی تک ہندوؤں میں موجود ہیں۔ اور نہایت معزز ہیں۔ مثلاً شتنگلو۔ ملہ۔ کاکجرو۔ تھر۔ وغیرہ کئی ایسی ذاتیں پائی گئیں۔ جو مسلمان زمینداروں میں نہایت معزز سمجھی جاتی ہیں۔ اور جن میں اس وقت بھی کئی ذیلدار اور کئی اعلیٰ عہدہ دار ہیں مثلاً گگرو۔ ڈار۔ گٹ راج۔ تپلو وغیرہ ہانجیوں کی ایک ذات کا نام پنجابی ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے۔ کہ کسی شخص نے جو پنجاب کا رہنے والا تھا کسی ہانجن کے عشق میں مبتلا ہو کر ہانجیوں ہی کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس کی اولاد اب تک پنجابی کے نام سے موسوم ہے۔ اور ہانجیوں کے گروہ میں شامل ہے۔

ہانجیوں میں وآنہ اور خانقاشی اقوام بھی شامل ہیں۔ وانہ ایک تاجر پیشہ قوم ہے۔ اور خانقاشی قوم کا تعلق ایک ایسی زیارت سے ہے۔ جس کو سارے کشمیر کی زیارتوں پر فوقیت حاصل ہے۔ اور جس کو زیارت شاہ ہمدان کہتے ہیں۔ ایک ذات کا نام پیر ہے۔ جس کے متعلق مشہور ہے۔ کہ ایک پیر صاحب ایک ہانجن پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ ہانجن تو پیر صاحب کے ہاں نہ جا سکی۔ البتہ پیر صاحب ہانجن کے گھر چلے آئے۔ اور ہانجیوں ہی میں شامل ہو کر کشتی رانی کا کام کرنے لگے۔ ہانجیوں کی پیر قوم انہی پیر صاحب کی ذریات سے ہیں۔

علاوہ ازیں ہانجیوں میں مندرجہ ذیل ذاتوں کے لوگ بھی شامل ہیں۔ بڈیاری۔ چارسے۔ ڈگے۔ کاوا۔ دونو۔ کل و لو۔ وانگنو۔ بکنو۔ بٹخ۔ گینو۔ گگو۔ ٹنڈا۔ چوپا۔ اٹرو۔ فوٹھنڈا۔ ابنار۔ ہکان۔ ٹیٹھرو۔ سپلو۔ کوبو۔ کورو۔ ڈنڈا۔ پالا۔ ننگو۔ وانلو۔ اوتا۔ بڈا۔ زینہ داری۔ کندرو۔ بلاکی۔ ہکرو۔ گبن۔ راہ۔ مکروہ۔ کھار۔ کیرج۔ یکو۔ ترنبو۔ شنفو۔ تھاڑو۔ نالخہ۔ چپل۔ ونبو۔ بٹوا۔ بچلو۔ چھچڑلو۔ چٹھہ یا چاٹھہ۔ چوتا۔ درابو۔ دوشابہ۔ ڈگ۔ ڈگو۔ ڈلو۔ ڈگ ہانجی۔ ڈگ سیرو۔ ڈار ہانجی۔ ففرو۔ فدنگ۔ گورا۔ گاڈا۔ گاڈہ ہانجی۔ گنجو۔ گاسی۔ گگانی۔ گاشرو۔ گلو۔ گوپچو۔ گگرا۔ لنگو۔ گگالہ۔ ہررو۔ ہنڈو۔ جانڈا۔ خان ہانجی۔ جمری۔ کرنادی۔ کاکاپورہ۔ کانجی۔ کھندرو۔ کھر۔ کالاوتھا۔ کالو۔ کچلو۔ کرازی۔ کھترو۔ کلاش۔ پچو۔ لٹو۔ ماکرو۔ منڈو۔ مانڈی جی۔ مٹا ہانجی۔ مٹامار۔ سکین۔ مہاجن۔ منڈلو۔ نالخہ۔ مارواری۔ ناقہ۔ ناراچور۔ نخنہ۔ پلاڈر۔ رداٹو۔ سالارو۔ ان سب ذاتوں یا آلوں کا کھوج نکالنا اور ان کی اصلیت دریافت کرنا طول امل بھی ہے۔ اور مشکل بھی۔

البتہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ ہانجیوں کی بہت سی ذاتیں پنڈتوں اور مسلمانوں کی ذاتوں سے ملتی ہیں۔ اور یہ بھی مسلمہ امر ہے۔ کہ ہانجی کوئی ذات نہیں بلکہ پیشہ ہے۔ جس قوم کے جس شخص نے کسی وجہ سے ہانجیوں میں شمولیت اختیار کر لی۔ یا کشتی رانی کا کام

شروع کر دیا۔ وہ ہانجی ہو گیا۔

ہانجیوں کی تعداد لارنس صاحب نے ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۲۳۸۸۷[1] لکھی ہے۔ لیکن ۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں اس قوم کی تعداد ۱۸۲۷۵ پائی گئی ہے جس میں ۱۰۲۳۶ ہانجی جموں میں ہیں۔ اور باقی کشمیر میں آباد ہیں۔ بیس سال کے عرصہ میں کسی معقول وجہ کے بغیر ۱۵۵۷۰ ہانجیوں کا کم ہو جانا ایک نہائت تعجب خیز امر ہے۔ مگر معلوم ایسا ہوتا ہے۔ کہ ہانجیوں میں سے جو لوگ تجارتی کاروبار کی وجہ سے مالدار اور صاحب اقتدار ہو گئے۔ وہ ہانجیوں کا پیشہ ترک کر دینے کی وجہ سے اپنی قدیم اصلی قوم میں واپس چلے گئے۔ بعض ایسے بھی ہیں۔ جنھوں نے تعلیم حاصل کر کے کوئی اور کاروبار شروع کر دیا ہے۔ وہ بھی اس قبیلہ سے جو اپنی بداخلاقیوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے بہت بدنام ہے۔ علیحدہ ہو گئے ہیں۔

ہانجی آبی دنیا کی رونق و زینت ہیں۔ وہ پانی کے کیڑے ہیں۔ رات دن کے چوبیس گھنٹے ندی۔ نالوں۔ دریاؤں اور جھیلوں ہی میں بسر کرتے ہیں غالباً کوئی ہانجی کاشتکاری اور زراعتی کاروبار نہیں کرتا۔ اور نہ کسی ہانجی کی کوئی زمین ہے۔ بلکہ جو لوگ زمیندار اقوام سے آکر اپنے تعلقات کی وجہ سے ہانجیوں میں شامل ہو گئے تھے۔ وہ بھی اپنی اراضیات سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان کے سکنی مکان ان کی کشتیاں اور ہوس بوٹ ہی ہیں۔ ان میں شنگو اور پتلو قوم کے بعض ہانجی بڑے مالدار گزرے ہیں۔ ایک ایک ہانجی کے دس دس بارہ بارہ ہوس بوٹ اور اتنی ہی کشتیاں تھیں۔

ہانجیوں کو ہوس بوٹ۔ بچن بوٹ اور شکارہ کا سالانہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ ٹیکس بالعموم ہر سال بڑھتا ہی رہتا ہے۔ جن گھاٹوں پر ہانجیوں کو بوٹ وغیرہ لگانے کا

[1] رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء میں ہانجیوں کی صحیح تعداد ۳۳۸۸۷ درج ہے۔

ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ منشی باغ۔ سنوار باغ۔ چنار باغ۔ نسیم باغ۔ نگین باغ۔ ڈل گیٹ۔ گگڑی بل۔ گاندربل۔ ہانجیوں کے متعلق اگر سیاحوں اور مسافروں کو کچھ شکایات ہوں تو ڈائرکٹر وزیٹرس بیورو کشمیر (مہتمم دربار) سے ملنا پڑتا ہے۔

ہانجیان سری نگر میں اب کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ جو اپنے فرقہ کی برائیوں کو ندامت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی کوششوں سے اس قوم میں اب کچھ اصلاحی کام بھی ہو رہے ہیں۔ بعض ہانجی دینداری کی طرف بھی مائل ہیں۔ چند ایک قومی کاموں میں بھی حصہ لے رہے ہیں۔ سری نگر میں دو مجلسیں بھی ہانجیوں کی فلاح و اصلاح کے لیے قائم ہیں۔ ایک انجمن بہبودیٔ ہانجیان جو ۱۹۳۲ء سے قائم ہے۔ دوسری بوٹمین ایسوسی ایشن جو ۱۹۳۳ء سے قائم ہے۔ ہانجی طبقہ کے کارکنوں میں عبدالخالق بڈیاری غفار چاپرے[1]۔ عبدالسلام المشہور امیر البحر اور محمد جو ڈگے خاص طور پر مشہور ہیں۔

واتل

پنجاب میں جو کام بھنگی۔ چوہڑے۔ چمار اور دھتر کرتے ہیں۔ وہی کام کشمیر میں واتلوں سے لیا جاتا ہے۔ واتل کشمیر کی ایک خانہ بدوش قوم ہے۔ ان کی سوشل طور پر دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو مردہ کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ کیونکہ مذہب اسلام سے رغبت رکھتے اور مسجدوں میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ مگر دوسری قسم کے واتل سب قسم کے مُردار کھا جاتے ہیں۔ اس لئے اُن کو مسجدوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

واتل حقیقتاً ایک خانہ بدوش فرقہ ہے۔ جو اگر کسی جگہ بستی بنا کر مقیم بھی ہو جائے تو چند سالوں کے بعد آبائی فطرت اس پر غالب آجاتی ہے۔ اور اپنی بستیوں کو چھوڑ کر یہ لوگ پھر خانہ بدوش ہو جاتے ہیں۔ یہ اکثر چمڑے صاف کرتے ہیں۔ اور بعض جوتے

[1] غفار چاپرے کا لڑکا محمد اقبال پرتاب کالج سری نگر میں پڑھ رہا ہے

اور چپلیاں بناتے ہیں۔ جن کو اعلیٰ ذات کے واتل کہتے ہیں۔ ادنیٰ قسم کے واتل چمڑے کی ٹوکریاں بنا کر مہتروں یعنی چوہڑوں کا کام کرتے ہیں۔ اس قسم کے واتلوں کے ساتھ مسلمان کبھی کھانا نہیں کھاتے۔ بلکہ جس طرح پنجاب میں چوہڑوں کے مکانات قصبوں اور دیہاتوں سے الگ کچھ فاصلہ پر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے گھر بھی عام زمینداروں کے گھروں سے کسی قدر فاصلہ پر ہوتے ہیں۔ جہاں یہ مردہ گائے بھینس اور بھیڑ بکری کے چمڑوں کو بناتے اور مرغیاں (فروخت کرنے کے لیے) پالا کرتے ہیں۔

لارنس صاحب لکھتے ہیں۔ کہ واتل عورتیں دیکھنے میں خوبصورت ہوتی ہیں۔ اور بالعموم شہروں میں آکر ناچنے۔ گانے اور فاحشہ عورتوں کا کام بھی کرتی ہیں۔ اور اس کی تصدیق رپورٹ مردم شماری سے بھی ہوتی ہے۔ بلکہ اس میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ لفظ واتلانی فاحشہ عورت کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ کشمیر کے تمام واتل ماہ جولائی میں لالہ باب کے مندر میں جو نسیم باغ کے قریب ہے۔ جمع ہوتے ہیں۔ اور وہاں نہ صرف اپنی برادری کے سود و بہبود کے متعلق ہی بحث مباحثہ کرتے ہیں۔ بلکہ رشتہ ناطہ کی بات چیت بھی وہیں طے ہوتی ہے۔ لالہ بابی واتل لال بیگ کو نہیں مانتے۔ اس سالانہ جلسہ میں ان واتلوں کو ذات برادری سے خارج کیا جاتا ہے جو ان کے آبائی رسوم کے خلاف ہوتے ہیں۔ خارج شدہ واتل کچھ روپیہ تاوان دے کر برادری میں پھر شامل ہو جاتے ہیں۔ اور مردہ نہ کھانے کا حلف اٹھا لیتے ہیں۔ جس سے مسلمانوں میں بھی ان کی آمد و رفت ہو جاتی ہے۔ مردم شماری کشمیر ۱۹۱۱ء کے مطابق واتلوں کی تعداد کشمیر میں ۵۲۳۵ اور جموں میں ۱۲۳۲ ہے۔ چوہڑے جنہوں نے اپنے آپ کو مسلمان لکھوایا ہے۔ کشمیر میں ۵۵۶ اور جموں میں ۱۳۰۵ ہیں۔ اور جنہوں نے اپنے آپ کو ہندو لکھوایا ہے۔ ان کی تعداد جموں میں ۱۶ ہے۔

پنجاب میں عام طور پر چوہڑوں کی نکاح خوانی کی رسم مسلمان مولوی ہی ادا کرتے

ہیں۔ اور جیسا کہ سنا گیا ہے چوہڑوں سے رسم عقد خوانی کے وقت کلمے پڑھائے جاتے ہیں۔ کشمیر میں بھی ایسا ہی رواج ہو رہا ہے۔ اور جس طرح پنجاب میں مسلمانوں کو یہ شکایت ہے۔ کہ بعض نیم ملا محض طمع نفسانی کے لئے غیر اسلامی میت کا اسلامی طریق پر جنازہ پڑھاتے یا غیر مسلم لوگوں کی نکاح خوانی کرتے ہیں۔ اسی طرح کشمیر میں بھی یہ شکائت عام ہو رہی ہے۔ کہ بعض نیم مولوی محض پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے وانٹلوں کا جو مردار کھاتے ہیں۔ جنازہ اور عقد نکاح پڑھاتے ہیں۔ کشمیر میں بعض واتل جو چمڑہ کی گرانی کی وجہ سے کچھ خوشحال ہو گئے ہیں۔ واتلوں کی بجائے موچی کہلانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے۔ کہ مُردار مال مویشی کا چمڑہ خود اتارتے اور خود ہی رنگتے ہیں۔ مردار مویشی کا چمڑہ اتارتے اور خورد و نوش کے وقت لباس بھی ایک ہی رکھتے ہیں۔ اور مردار کی چربی کو بھی کفش سازی کے وقت عموماً استعمال کرتے ہیں۔ ان حالات کے باوجود ان میں سے جو خوشحال ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان موچی کہتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں سے میل جول رکھا جائے مسلمان مولوی ہمارے مراسم شادی غمی میں بھی شامل ہوں۔ لیکن مسلمان کہتے ہیں۔ کہ ہم ملاقات اور راہ و رسم کا برادرانہ قدم آگے بڑھانے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ بشرطیکہ یہ خوشحال واتل اصلی اور صحیح معنوں میں شریعت اسلامیہ کے پابند یعنی مسلمان ہو جائیں۔

پنڈتوں کا ایک گروہ بھی واتل کہلاتا ہے۔ اس کی کیفیت باب اول میں جہاں کشمیری پنڈتوں کی ذاتوں کا ذکر ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

تحصیل خاص سرینگر میں واتل باغ کے نام سے ایک گاؤں بھی آباد ہے۔ جہاں مردم شماری ۱۹۲۱ء کے مطابق ۲۵۰ نفوس کی آبادی ہے۔

باب پنجم (۵)

نیپال - دہلی و یوپی - ممالک متوسط بنگال و بہار صوبہ سرحد اور پنجاب کے بعض کشامرہ خاندان

دیباچہ

وطن کی محبت بڑی چیز ہے بلکہ حب وطن کو من الایمان کہا گیا ہے۔ اور ترک وطن کے باوجود کشمیری وہ ہندو ہے یا مسلمان وہ لاہور میں ہے یا لکھنؤ میں اپنے قدیم وطن کشمیر کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ اور حُب وطن صرف اسی بات کو نہیں سمجھتا۔ کہ وطن کی محبت میں وطن سے باہر ہی نہ نکلے۔ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی غیر معمولی ترقی و ذہانت کا ثبوت دینے کے لئے صعوبات سفر کی پروا نہیں کرتا۔ وہ دریاؤں کو تیرتا۔ پہاڑوں کو چیرتا اور میدانوں کو پھاندتا ہوا دنیا کے ہر گوشہ میں نکل جاتا ہے۔ اور اپنی قابلیت و ذہانت سے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرتا ہے۔ اور دہلی و لکھنؤ میں شاہان وقت کا اعتماد حاصل کر کے کہتا ہے ؎

نیا مرزبوم کے گلشن میں ہے
اور سینچے لکھنؤ میں جب وزیرِ گل بنے

پنجاب اور بنگال میں "کشمیری" نے وطن سے باہر نکل کر جو عزت و وقعت حاصل کی اُس کا ثبوت آج بھی وہ آنکھیں جنہوں نے تعصب کی پٹی اتار رکھی ہے۔ برابر دیکھ رہی ہیں۔ اور ان حالات میں اگر ایک کشمیری مستانہ وار حسب ذیل اشعار کے مضامین کا کوئی نعرہ لگاتا ہے تو کچھ بے جا نہیں کرتا ؎

جوش قومی ہے جو شیخ و شاب میں وہ ہم سے ہے — آج جو رونق ہے کچھ پنجاب میں وہ ہم سے ہے
دیکھ لو ہر بزم قومی کو اگر باور نہ ہو — انجمن وہ کیا جہاں کشمیر کا عنصر نہ ہو

کشمیر ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ لیکن اس مختصر سی سرزمین نے بڑے بڑے نامور فرزند پیدا کئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی شہرت و عظمت کی سمائی اس ملک کے ارض و سما میں جب نہیں ہو سکی۔ تو وہ تجارت کے ذریعہ یا شاہان وقت کے دامن سے وابستہ ہو کر یا مقامی حکام کے ظلم و تشدد کا نشانہ بن کر یا آفات سماوی و ارضی کی تکالیف اُٹھا کر غرض جس حیثیت سے بھی خاک وطن کے یہ روڑے وطن سے باہر نکلے۔ آسمان شہرت پر ایک روشن ستارہ بن کر چمکے۔ اور کیوں نہ چمکتے؟ ؎ ذوق

مثل انجم ضو فشاں ہوتا نہ کیونکر اے فلک — ذرۂ خاک وطن۔ گردِ رہِ منزل نہ تھا

کشمیر کے یہ ستارے آج بہار و بنگال میں بھی ہیں۔ نیپال کی دور دراز ریاست میں بھی ہیں۔ ہندوستان کے دل یعنی ممالک متوسط میں بھی ان کو تھوڑی ہی بہت جگہ مل گئی ہے۔ مملکت آصفیہ میں بھی ان کی قابلیتوں کے جوہر ان کی شہرت کو چار چاند لگا رہے ہیں۔ صوبہ سرحد اور افغانستان میں تو یہ ہزارہا بلکہ لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ گو جدید وطن کے تمدن و معاشرت نے ان پر افغانی رنگ چڑھا دیا ہے۔ پنجاب اور دہلی اور لکھنؤ اور بنارس و آگرہ میں بھی ان کی معقول تعداد ہے۔

اسی سلسلہ میں سب سے پہلے نیپال کے کشمیری مسلمانوں کے حالات لکھے جاتے ہیں۔ جو خواجہ محمد اسحاق و محمد آفاق از نیو جنرل مرچنٹس شہر کھٹمنڈو دارالحکومت نیپال نے ارسال کئے ہیں۔

نیپال کے کشمیری مسلمان

قریباً اڑھائی تین سو سال کا زمانہ گزرتا ہے کہ کشمیر کی ایک تجارتی جماعت براہ لاسہ یا لہاسہ میں جو تبت کا دارالسلطنت ہے پہنچی۔ کچھ آدمی وہاں مقیم ہو گئے۔ کچھ نیپال تک جا پہنچے جن کی آب و ہوا کشمیر و تبت کے مقابلہ میں معتدل تھی۔ کشمیریوں نے جو کشمیر و تبت کی سردی اور برف کے ستائے ہوئے تھے۔ خطہ نیپال کو موافق و مرغوب پا کر یہیں بود و باش اختیار کر لی۔ اس زمانہ میں نیپال بھی تبت کی طرح چین کا ایک صوبہ تھا۔ اس لئے کئی لوگ آگے بڑھتے بڑھتے چین تک بھی پہنچ گئے۔ جس زمانہ میں کشمیر سے یہ تجارتی گروہ نیپال اور نیپال سے آگے گیا ہے۔ وہ زمانہ کشمیر میں مغلوں کی حکومت کا تھا۔ چونکہ کشمیر میں حکومت کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ اس لئے شہروں اور قصبوں کے اکثر لوگ فارسی دان تھے۔ بلکہ اپنے آپ کو اہل فارس کا ہم پلہ سمجھتے تھے۔ جب یہ ذی علم و مقتدر لوگ ایک جدید تہذیب و تمدن لے کر نیپال پہنچے۔ تو وہاں کے لوگوں نے اپنے ملک کا دامن ان کے لئے کشادہ کر دیا۔ بلکہ حکومت نے ایسی مراعات دے کر وہاں آباد کیا۔ کہ اُس زمانہ میں خود اس ملک کی رعایا ان حقوق سے محروم تھی۔ اس زمانہ کے متعدد شاہی فرامین ہنوز نیپال کے کشامرہ کے پاس موجود ہیں۔ منجملہ ان کے بعض فرمان تار کے پتے پر لکھے ہوئے ہیں۔ جن پر مٹی کی مہریں ثبت ہیں۔ جو اس زمانہ کے چینی و نیپالی

تمدن وتہذیب کی مظہر ہیں۔
جماعت کشامرہ کے ورود سے پیشتر نیپال چھینی صوبہ ہونے کی وجہ سے گوشۂ جمود وخمول میں ہندوستان اور باہر کے حالات سے بالکل نابلد تھا۔ اس جماعت کے آنے سے ہندوستان اور کشمیر کے حالات سے ان لوگوں کے کان آشنا ہونے لگے۔ کشمیر سے لداخ وہاں سے لہاسہ۔ لہاسہ سے نیپال آج بھی ایک دشوار سفر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن آج سے ڈھائی سو سال پہلے ان پہاڑی راستوں کی صعوبتوں اور دشواریوں پر نظر ڈالنے سے کشمیر کی اس تاجر جماعت کی اولوالعزمی بخوبی ذہن نشین ہو سکتی ہے۔ کشمیر سے نیپال کا راستہ بھی اسی جماعت نے دریافت کیا تھا۔ یہ جماعت زیادہ تعداد میں کپڑا (پٹو۔ ریشم۔ پشمینہ) اور کم تعداد میں بساط خانہ کی چیزیں لایا۔ اور یہاں سے مشک۔ سونا اور چارلے جایا کرتی تھی۔
حکومت کی مراعات اور وار جبلنگ کے جدید رستہ نے کشامرہ کی آمد و رفت کا سلسلہ ایسا بند کیا۔ کہ جو کشمیری جہاں تھا۔ وہیں رہ گیا۔ کشمیری فرقہ و قبائل جو نیپال میں موجود ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔ سادات۔ خجوال۔ حریف۔ متو۔ گاگی۔ انزن۔ بابا۔ مسلی۔ عشائی۔ تیر۔ جہاز۔ جو قبائل موجود تھے۔ مگر اب زمانہ نے نیپال میں ان کا نام مٹا دیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں۔ لون۔ خلق وار۔ برکے۔ خطیب۔ بیگ وغیرہ۔
فرقۂ سادات میں نقشبندیہ خاندان حضرت خواجہ خاوند محمود کی چھٹی پشت سے خواجہ سید محمد کے فرزند خواجہ سید حسین شاہ کشمیر سے نیپال آئے۔ اب ان کے صاحبزادے سید یوسف شاہ کشمیری مسجد کے پیش امام ہیں۔ آپ کی پیدائش نیپال ہی کی ہے۔ آپ کے ایک برادرزادہ سید غلام شاہ نقشبندی عظیم آباد پٹنہ میں

ہیں۔ جن کا ذکر اہل خطہ بہار کے سلسلہ میں آئے گا۔ یہاں ایک کشمیری بازار بھی ہے جس میں کبھی تاجر پیشہ کشمیری مسلمانوں کی کثرت تھی۔ پرانی یادگاروں میں ایک قبرستان کشمیری تکیہ کے نام سے موسوم ہے۔ منجملہ اور قبروں کے دو بزرگ حاجی سکین شاہ و شاہ غاث شاہ اسی قبرستان میں آرام فرما ہیں۔ مسلمانوں میں پہلا قدم انہی دو بزرگوں کا نیپال میں آیا ہے۔ یہ قبرستان قریباً دو ڈھائی سو سال سے کشمیریوں کے قبضہ میں ہے۔ ایک مسجد جامعہ ایک باغ اس تکیہ سے ملحق ہے۔

کشمیریوں نے نیپالی زبان اور نیپالی تمدن اختیار کر کے رفتہ رفتہ سرکاری عہدے بھی لینے شروع کر دیئے۔ اور بعض تو بڑے بڑے جلیل القدر عہدوں پر پہنچے۔ اور گو بہت سے خاندان مٹ گئے ہیں۔ اور اب صرف نیپال میں پچاس ساٹھ گھر کشمیریوں کے آباد ہیں۔ لیکن ان حالات میں بھی دیگر مسلمانوں کی نسبت معزز و ذی حیثیت سمجھے جاتے ہیں۔ اکثر تجارت پیشہ ہیں۔ کچھ معافی دار ہیں۔

نیپال کے سرکاری سکول میں ابھی تک ایک کلاس فارسی کی ہے۔ فارسی کا چرچا یہاں کشمیریوں کی بدولت ہی ہے۔ اور سکول میں بھی انہی کی کوشش سے اس کا اجرا رہا ہے۔ اور ابتدا سے لے کر آج سے پانچ سال قبل تک فارسی مدرسی کا عہدہ کشمیریوں ہی کی میراث تھا۔ مگر خواجہ غلام محمد کے انتقال کر جانے سے یہ عہدہ نہ صرف کشمیریوں کے ہاتھ سے بلکہ عوام مسلمانوں کے قبضہ سے بھی نکل گیا۔

عرصہ دراز سے نیپالی کشمیریوں کی کشمیر میں آمد و رفت بند تھی پہلی مرتبہ سنہ ۱۳۴۷ھ میں خواجہ محمد اسحاق از ان چند دوستوں کے ہمراہ کشمیر آئے۔

اس سفر میں وہ بمقام لاہور راقم الحروف سے بھی ملے۔ راقم نے ان کو چند تعارفی خطوط لکھ کر دیئے۔ ان خطوط سے ان کو بہت آرام ملا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں "کشمیر پہنچکر آپ کے مرحمتی خطوط کی بدولت نہایت عافیت سے قیام کے دن گذارے۔ اور بہت سے یگانوں کا پتہ ملا۔ چنانچہ برج برارہ (برج بہارہ) میں میں نے اپنے خاندان والوں کو پایا۔ نحیف کے اجداد سے مفتی ضیاء الدین پانچ پشت میں تھے۔ ان کی قبر کی زیارت سے مشرف ہو۔ میرے ایک ہمراہی متو نے زینہ کدل میں اور ایک ہمراہی گانی نے کریم آباد میں اپنے متعلقین سے ملاقاتیں کیں"۔

نیپال میں کشمیریوں کے علاوہ عام مسلمانوں کے ایک سو گھر ہیں۔ یہ مسلمان اطراف ہندوستان سے غدر دہلی (۱۸۵۷ء) یا اور وجوہات کی بنا پر نیپال آکر آباد ہو گئے تھے۔ چالیس سال قبل یہاں کے مسلمانوں کی جو مردم شماری ہوئی تھی۔ آج مسلمانوں کی تعداد جن میں یہاں کے کشمیری بھی شامل ہیں۔ نصف بالنصف سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ مسلمان خواب غفلت میں ہیں۔ اور گذشتہ اقتدار حاصل کرنے کی کوئی فکر نہیں۔ سرکاری دفاتر ان کے وجود سے بالکل خالی ہیں۔ ان کی علمی قابلیت اور نسلی ارتقائی حالت نہایت خراب ہے۔ چونکہ خود بھی اپنے مستقبل سے لاپرواہ ہیں۔ اس لئے حکومت کی نظروں میں بھی ان کی چنداں وقعت نہیں۔

ممالک متوسط کے اہل خطہ مسلمان

محمد جو وانی امرتسر کا ایک اولوالعزم کشمیری تاجر تھا۔ اس کے بزرگ کشمیر سے امرتسر آئے تھے۔ قریباً ۹۰ سال کا ذکر ہے۔ کہ وہ تجارتی سلسلہ میں امرتسر سے

ممالک متوسط جا پہنچا۔ اور دس بارہ سال کے عرصہ میں خدا نے اس کی تجارت کو اتنا فروغ دیا۔ کہ اس نے امرتسر کی بجائے وہیں طرح اقامت ڈال لی۔

بسنہ ضلع رائے پور سے بابو غلام محمد صاحب بٹ سوداگر چرم نے جو بسنہ ہی میں رہتے ہیں۔ راقم الحروف کو اپنے ۲۶ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء کے گرامی نامہ میں خواجہ محمد جوائیں اور دیگر کشامرہ ممالک متوسط کے کچھ حالات لکھے تھے۔ جن کو اب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بسنہ ضلع رائے پور میں ایک موضع ہے۔ جہاں ہندی بھاشا کا رواج ہے یہاں دیگر مسلمانوں کے علاوہ چار گھر کشمیری مسلمانوں کے بھی آباد ہیں کشمیری مسلمان یہاں آکر کس طرح آباد ہو گئے۔ اس کی کچھ کیفیت لکھی جاتی ہے۔

یہاں ایک بہت بڑے زمیندار تھے۔ جن کو راجہ صاحب کہتے تھے بعلاوہ اور لوگوں کے خواجہ محمد جوائیں کے تجارتی تعلقات ان کے ساتھ بھی تھے۔ وہ ہر سال یہاں آیا کرتے تھے۔ اور تجارت کے ذریعہ کافی روپیہ کما کر بیجا یا کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ان کے تعلقات یہاں اسقدر وسیع ہو گئے۔ کہ آخر انہوں نے امرتسر کی بجائے بسنہ ہی کو اپنا وطن بنالیا۔ خواجہ محمد جوائیں نے رفتہ رفتہ ۳۷ مواضعات حاصل کر لئے۔ اگر اس کی زندگی وفا کرتی۔ تو کچھ تعجب نہ تھا کہ وہ بھی یہاں کا ایک اعلیٰ زمیندار ہو کر راجہ یا نواب کے لقب سے ملقب ہو جاتا۔ لیکن وہاں کے جدید بندوبست کے دوران میں (جس کو آج قریباً تیس سال گذر چکے ہیں) وہ گاؤں جن پر ان کی طرف سے منیجر اور مال گذار مقرر تھے۔ کسی نہ کسی طرح ان کی اولاد کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اور صرف وہ ۱۳ دیہات ان کے قبضہ میں رہ گئے۔ جن پر ان کی اولاد براہ راست کاشتکاری کیا کرتی تھی۔ آج بابو غلام رسول وائی اپنے دادا کی گدی پر متمکن ہیں۔ آپ کے چھ صاحبزادے

اور ایک صاحبزادی ہے۔ ان سب کو آپ نے ایک ایک گاؤں دیا ہوا ہے
ان کے علاوہ تین خاندان اور بھی یہاں کشمیری مسلمانوں کے ہیں۔ اور وہ
سب تجارت پیشہ ہیں۔ اور خدا کے فضل سے مرفع الحال ہیں +

بنگال کے اہل خطہ مسلمان

ڈھاکہ میں خواجہ نصرت جنگ نائب ناظم تھے۔ دہلی میں اکبر شاہ ثانی کی برائے نام بادشاہی تھی۔ پنجاب اور کشمیر میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی۔ کہ اُس خاندان کے دو بھائی جن کی اولاد آج ڈھاکہ میں "نوابی خاندان" کہلا رہی ہے۔ سکھوں کے ظلم سے تنگ آ کر کشمیر سے نکلے .... یہ سب بھائی اہل علم تھے اور صاحب عمل۔ دہلی میں فریاد لے کر پہنچے۔ مگر اُس زمانہ (۲۲ و ۱۸۲۳ء) کی دہلی میں کیا رہا تھا۔ مایوس ہو کر یہ مختصر سا لُٹا ہوا قافلہ بنگال آیا۔ اور سلہٹ میں (جو اس وقت بنگال ہی میں شامل تھا) فروکش ہوا۔

اس خاندان کے مفصل حالات تاریخ ڈھاکہ اور مشاہیر کشمیر میں درج ہیں۔ اس لئے یہاں مختصر سا ذکر کیا جاتا ہے۔

دونوں بھائیوں نے صاحب علم ہونے کے باوجود تجارت کا سلسلہ شروع کیا۔ اور اس کو یہاں تک فروغ دیا کہ ایک بھائی سلہٹ میں رہا۔ اور ایک ڈھاکہ میں۔ سلہٹ (جو اب آسام میں شامل ہے) والا سلسلہ بھی ابھی تک قائم ہے۔ اور وہاں مولوی خواجہ عبدالقادر نام ایک شخص اچھے خاصے زمیندار صاحب علوم بلکہ صاحب تصانیف رئیس اس خاندان میں گذرے ہیں۔ ان کے واحد صاحبزادے

خان بہادر مولوی محمد یحییٰ تھے۔ کئی برس ہوئے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ جائداد کی آمدنی ساٹھ ہزار سالانہ ہے۔

دوسرے بھائی کا نام خواجہ احسن اللہ تھا۔ ان کے لڑکے خواجہ علیم اللہ عرف علی میاں بڑے ہوشیار اور حکام رس تھے۔ انہوں نے برہما کی پہلی لڑائی میں سرکار کمپنی کو بڑی مدد دی۔ وہ بنگال کے نامور زمینداروں میں تھے۔ اور بڑے کثیر الاولاد تھے ۱۸۵۴ء میں انتقال کر گئے۔ انہوں نے سب لڑکوں میں خواجہ عبد الغنی کو جو بڑے زیرک تھے۔ جانشین کر کے باقی سب کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ خواجہ عبد الغنی پہلے خان بہادر پھر نواب پھر خاندانی نواب پھر کے۔ سی ایس۔ آئی۔ پھر سب کچھ ہوئے۔ خواجہ علیم اللہ نے اپنے تمام بھائیوں کو کسی طرح راضی کر کے ایک وقف قائم کیا تھا۔ جو اب تک موجود ہے۔ اور جس کی آمدنی آجکل تقریباً پانچ لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ اس خاندان میں اسی زمانہ سے ایک خاندانی وقف بھی ہے۔ جس سے تمام برادری بقدر وراثت حصہ پاتی ہے یہ وقف بھی پونے دو لاکھ کی سالانہ رقم سے کم نہیں۔

نواب سر عبد الغنی کے متعلق تاریخ ڈھاکہ میں لکھا ہے کہ ان سا با اقبال مسلمان بنگالہ میں کوئی پیدا نہ ہوا۔ ان کی ذات سے سارے بنگال کی عزت تھی۔ نواب عبد الغنی ۱۸۹۶ء میں انتقال کر گئے۔ نواب سر خواجہ احسن اللہ ان کے فرزند تھے۔ جو باپ کی زندگی ہی میں کے۔ سی۔ آئی۔ ای ہو گئے تھے۔ خاندانی جائداد کے علاوہ مرتے وقت ان کی ذاتی جائداد کی آمدنی قریباً پانچ لاکھ سالانہ تھی۔ جس سے ان کی اولاد ذکور وانا ث حصہ پا رہی ہے۔ اس خاندان میں سب سے پہلے نواب سر احسن اللہ نے کشمیر کی طرف کچھ توجہ کی۔ جنہوں نے خانقاہ نقشبندیہ کی تعمیر و مرمت میں پانچ چھ ہزار روپے کی اعانت کی۔ سن ۱۹۰۱ء میں آپ انتقال

کر گئے۔ نواب سر خواجہ سلیم اللہ آپ کے جانشین نے مسلمانان بنگال و ہند کی فلاح و بہبود میں بڑا حصہ لیا۔ وہ اپنے خاندان میں سب سے پہلے امرتسر تک آئے۔ جہاں آپ نے اپنے صدارتی خطبہ ایجوکیشنل کانفرنس میں اپنے کشمیری النسل ہونے پر فخر کا اظہار کیا۔ اور امرتسر کو کشمیری آبادی کی کثرت کے لحاظ سے کشمیر ثانی کا خطاب دیا۔ یہیں آپ نے اپنی کشمیری برادری کے ساتھ اپنا فوٹو کھچوایا۔ جس کی پچاس کاپیاں برادران اہل خطہ کو تقسیم کرنے کے لئے راقم مؤلف کے نام بھجوائیں۔ آپ کا نام معہ خطاب اس طرح تھا "نواب بہادر نواب سر خواجہ سلیم اللہ جی سی آئی ای کے سی ایس آئی"۔ آپ عین عالم شباب میں بماہ جنوری ۱۹۱۵ء انتقال کر گئے۔ پیدائش ۱۸۷۴ء میں ہوئی تھی۔ گورنر بنگال بھی آپ کے جنازہ میں شامل تھے۔ اگر آپ کی زندگی وفا کرتی۔ تو کچھ شک نہیں کہ مہاراجہ بنارس کی طرح آپ بھی ہز ہائی نس نواب ڈھاکہ کہلا کر ایک جدید ریاست کی بنا ڈال جاتے۔

نواب سر سلیم اللہ کی چار بیگمات تھیں۔ جن سے ۴ لڑکیاں اور پانچ لڑکے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ ان کے جانشین لفٹنٹ نواب خواجہ حبیب اللہ ہیں۔ جو تین چار سال ہوئے مسلم کشمیری کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے لاہور بھی تشریف لائے تھے۔ آپ وائسرائے کی کونسل کے ممبر ہیں۔ اور قومی و اسلامی کاموں میں دلچسپی لیتے رہتے ہیں

اس نامور خاندان کے چند مشہور افراد حسب ذیل ہیں :۔

نواب زادہ خواجہ نصر اللہ خلف نواب سر سلیم اللہ مرحوم۔

خان بہادر نواب خواجہ محمد یوسف مرحوم۔

ۃ اصل میں آپ سادات بخاری ہیں پٹنہ سے انکے باپ خواجہ محمد مہدی آئے تھے جو سر عبدالغنی کے داماد تھے ۱۲

نواب زادہ خواجہ محمد افضل خلف نواب خواجہ محمد یوسف مرحوم۔
خان بہادر خواجہ محمد اعظم سابق ممبر بنگال لیجس لیٹو کونسل۔
آنریبل خواجہ ناظم الدین احمد ایم اے کنٹب بارایٹ لا سی۔ آئی۔ ای منسٹر ایجوکیشن بنگال۔
آنریبل خان بہادر سید عبد الحفیظ چودھری ممبر سٹیٹ کونسل (نواسہ سر احسن اللہ مرحوم)
خواجہ محمد اسمٰعیل رئیس اعظم ڈھاکہ۔

ڈھاکہ کے اس مشہور خاندان میں اُردو فارسی کے کئی نامور شاعر بھی گذرے ہیں جن میں نواب سر احسن اللہ شاہین۔ ان کے استاد خواجہ عبد الغفار اختر۔ خواجہ اسد اللہ کوکب۔ خواجہ عبد الرحیم صبا بنگال کے ممتاز شاعروں میں تھے۔ اب بھی نواب زادہ خواجہ محمد افضل اور خواجہ بیدار اور کئی اصحاب موجود ہیں۔

اس خاندان کے افراد کی تعداد زن و مرد ملاکر ۲۵۰ کے قریب ہے۔
اس خاندان کو کشمیر سے آئے ہوئے ایک سو سال گذر چکا ہے۔ چونکہ ڈھاکہ یا سلہٹ میں اُس زمانہ میں اور کوئی کشمیری خاندان نہ تھا۔ اس لئے ان کو مقامی مسلمانوں کے ساتھ رشتے ناطے کرنے پڑے۔ اصل گوت کا ڈھاکہ میں اس خاندان کو اب کوئی پتہ نہیں۔ البتہ سرینگر میں اس خاندان کے باندڑے ہونے

لہ اس خاندان میں نواب سر سلیم اللہ مرحوم اور ان کے جانشین نواب خواجہ حبیب اللہ کے علاوہ خان بہادر خواجہ محمد اعظم موصوف کے والد خواجہ شہزادہ مرحوم سے راقم مؤلف کو نیاز حاصل ہے۔ خان بہادر محمد اعظم ۱۹۱۳ء میں بمقام سیالکوٹ کشمیری مسلم کانفرنس کے صدر ہو کر تشریف لائے تھے آپ کے دونوں فرزند خواجہ محمد عادل و خواجہ محمد اجمل صاحب اولاد ہیں ۱۲

کی روایات ابھی تک قائم ہیں - بانڈے خاندان کے حالات مغل اقوام کے سلسلہ میں لکھے جا چکے ہیں - اب یہ خاندان چونکہ بہت پھیل چکا ہے اس لئے شادی بیاہ کا سلسلہ آپس ہی میں ہوتا ہے - گو خاندان سے باہر بھی کم وبیش مثالیں ملتی رہتی ہیں -

ڈھاکہ میں خواجہ غلام نبی پشمینہ کے ایک مشہور کاشمیری تاجر ہیں - وہ تیس پینتیس سال سے ڈھاکہ ہی میں مقیم ہیں - وہیں انہوں نے شادی کر لی ہے - اصل وطن لاہور ہے -

کلکتہ میں بھی چند کشمیری خاندان موجود ہیں - آج سے کچھ عرصہ پیشتر "مسیح جی" خواجہ غلام محی الدین کی تجارتی کوٹھی کلکتہ میں ایک مشہور تجارتی فرم تھی - اور غالباً اب بھی ہو گی - خواجہ غلام محی الدین کے عزیز کلکتہ میں یا پھر ٹینیا میں بھی موجود ہیں -

راقم مؤلف جب ۱۹۱۸ء میں ڈھاکہ گیا - تو کلکتہ میں ملک غلام مصطفےٰ امرتسری تاجر پشمینہ کے پاس ٹھہرا - ان کی وساطت سے میں کلکتہ کے ایک نامور تاجر چرم عبد الغنی صاحب سے جو صدر دین لین میں رہتے تھے ملا - جیسا کہ انہوں نے خود فرمایا - وہ چار پشت سے کلکتہ میں رہتے ہیں - ان کے بزرگ کشمیر سے آئے تھے - مجھ سے مل کر انہوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا - اور مسلم کشمیری کانفرنس اور کشمیری اخبار کو معقول مدد دی - اور میری تمام تصانیف خرید کر میری حوصلہ افزائی فرمائی[۱] -

---

[۱] افسوس ہے یہ نوجوان قومی ہمدرد چند سال سے انتقال کر چکا ہے - انکے بھائی ملک غلام حسن جو کلکتہ ہی میں زیادہ تر رہتے ہیں - اپنے بھائی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں ؟

صوبہ سرحد کے اہل خطہ مسلمان

صوبہ سرحد اور افغانستان میں کشمیر کے مہاجر مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے۔ کشمیر کے پیر عبد الغنی شاہ بخاری مخدومی سکنہ چھوڈارہ تحصیل بڈگام جو ہر دوسرے تیسرے سال پنجاب میں آتے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ فرماتے تھے۔ کہ "پشاور کی تحصیل چارسدہ کے ایک موضع میں پندرہ بیس گھر ڈار قوم کے آباد ہیں۔ جو ہمارے مرید ہیں اور جہاں ہم آج سے دس برس پیشتر تک جاتے رہے ہیں۔ ان میں اور پٹھانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ زبان کشمیری سے قطعاً نابلد طرز ماند و بود۔ افغانی۔ پنجابی زبان سے ناواقف ع زبان یار من ترکی و من ترکی نمے دانم کا مسئلہ تھا۔ خاطر تواضع ضرور کرتے تھے۔ لیکن اجنبیت و بیگانگی نے جو بے لطفی و بدمزگی کر رکھی تھی اس کی وجہ سے اب وہاں کا جانا متروک ہے"۔

خاص پشاور میں کئی جلیل القدر خاندان اہل خطہ مسلمانوں کے ہیں۔ ایک مرتبہ پشاور کے اہل خطہ مسلمانوں نے پشاور میں مسلم کشمیری کانفرنس کے سالانہ جلسہ کے انعقاد کی کوشش بھی کی تھی لیکن اس زمانہ میں سرحدی صوبہ صحیح معنوں میں "سرزمین بے آئین" تھا۔ اس لئے اجازت نہ ملنے کے باعث یہ جلسہ نہ ہو سکا۔

پشاور میں حاجی صفدر علی سوداگر قالین قصہ خوانی۔ حاجی جان محمد سوداگر سرکی دروازہ۔ ملک محبوب علی رئیس۔ میاں[1] عبد العزیز بیرسٹرایٹ لا

[1] میاں عبد العزیز بیرسٹرایٹ لا پشاور کے خاندانی حالات ان کے برادر مرحوم کپتان عبد الرحمٰن بے شہید کے سلسلہ میں "مشاہیر کشمیر" میں درج ہیں سانگو والا محلہ غلام صمدانی بلارہ مولا کے رہنے والے تھے ۱۲

آغا سید اعجاز حسین رضوی[1] اور کئی اور اصحاب کے نامی خاندان موجود ہیں۔
پشاور کے خواجہ فضل الٰہی ٹاک پنشنر سب انسپکٹر پولیس مسلم کشمیری کانفرنس لاہور کے مشہور ہمدردوں میں ہیں۔

دہلی اور یوپی کے اہل خطہ

پنجاب سے جو لوگ بہ سلسلۂ تجارت وغیرہ دہلی اور مرادآباد وغیرہ شہروں میں گئے۔ وہ شیخ تھے یا مغل یا کسی اور طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ سب پنجابی کہلائے۔ اب ان کی ذریات وہاں پنجابی قوم سے موسوم ہے۔ بلکہ مرادآباد میں پنجابی کانفرنس کے نام سے ان کی ایک انجمن بھی ہے۔ اسی طرح جو لوگ کشمیر سے باہر نکلے وہ پنجاب میں رہے یا لکھنؤ اور دلّی میں وہ سب کشمیری کہلائے۔

دلّی میں مغلوں کے زمانہ میں کشمیریوں کی آمدورفت شروع ہوتی ہے۔ بلکہ اسی زمانہ میں کئی لوگوں نے دلّی ہی کو اپنا وطن بنالیا۔ کئی قابل اور زیرک کشمیری اکبر او جہانگیر اور شاہجہان اور عالمگیر کی علمی قدر دانیوں کی بدولت کھچے چلے آئے۔ فرخ سیر کے زمانہ میں محمد مراد بخش کے نام سے دہلی میں ایک کاشمیری گذرا ہے۔ جس نے رفتہ رفتہ یہاں تک ترقی کرلی تھی۔ کہ بادشاہ نے اس کو رکن الدولہ اعتقاد خاں کا خطاب اور ہفت ہزاری دہ

[1] آغا سید اعجاز حسین رضوی لیڈر شیعہ کمیونٹی صوبہ سرحد کے خاندانی حالات ان کے والد مرحوم آغا سید فضل علی شاہ کے تذکرہ میں "مشاہیر کشمیر" میں درج ہیں۔

ہزار سوار کا منصب عطا کیا - اور مراد آباد اس کی جاگیر میں دے کر نام اس کار کن آباد رکھا -

محمد شاہ کے اواخر عہد میں دہلی کے ایک اور کاشمیری خاندان میں خواجہ فرید الدین احمد سنہ ۱۱۶۱ھ مطابق سنہ ۱۷۴۷ء میں پیدا ہوئے - یہی خواجہ فرید الدین احمد آگے چل کر نواب دبیر الدولہ امین الملک خواجہ فرید الدین احمد خاں بہادر مصلح جنگ وزیر اعظم اکبر شاہ ثانی کہلائے -

سنہ ۱۱۹۱ھ میں ان کی اولاد سے خواجہ فخر الدین احمد اور خواجہ مصلح الدین احمد دو بھائی موجود تھے - ان دونو کے والد کا نام نواب خواجہ قاسم علی خاں عرف نواب خواجہ شرف الدین احمد خاں تھا - وہ نواب خواجہ ہاشم علی خاں اور وہ نواب زین العابدین احمد خاں اور وہ نواب دبیر الدولہ کے فرزند تھے - سر سید احمد خاں بانی علی گڑھ کالج عزیز النساء بیگم دختر نواب دبیر الدولہ کے بطن سے تھے - اس طرح سر سید احمد خاں اور ان کی اولاد میں بھی کشمیری خون موجود ہے -

ملا ابو الفیض گنائی کشمیر کے معزز طبقہ سے تھے وہ دہلی آئے اور دہلی ہی کی خاک میں مل گئے - ان کے متعلق تاریخ کبیر کشمیر (۳۰۳ صفحہ) میں درج ہے "بہ ہنر خط و انشاء فرد یکتا بود - و در خدمت حاجی محمد تلمذ نمودہ و از مولانا حسام الدین در شاہجہان آباد ہم استفادہ نمود" - دہلی فوت شد -

مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور دہلی کا ذکر شعراء کے اکثر تذکروں میں ہے - آپ کے آباؤ اجداد کشمیر ہی سے آئے تھے - مفتی قوام الدین خلف مفتی شریف الدین نے مفتی صدر الدین کو اپنے خاندان کا ایک فرد لکھا ہے - صاحب تذکرہ روضۃ الابرار ان کو بانڈے لکھتے ہیں - بہر حال یہ ثابت ہے - کہ آپ کشمیری تھے - آزردہ تخلص تھا - ذوق - مومن - غالب - صہبائی - شیفتہ سب ان کی قادر الکلامی کے قائل تھے سنہ ۱۲۰۴ھ

میں دہلی ہی میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۶ر جولائی ۱۸۶۸ء مطابق ۱۲۸۵ھ کو دہلی ہی میں انتقال کر گئے۔

غدر ۱۸۵۷ء میں جب مفسدوں نے جہاد کے فتویٰ پر آپ سے زبردستی مہر کرانی چاہی۔ تو آپ نے مہر کے ساتھ یہ الفاظ بھی لکھ دیئے "فتویٰ بالجبر" مفسدوں نے اس لفظ کو بالخیر سمجھ کر چنداں پروانہ کی۔ ہنگامہ غدر فرو ہونے کے بعد جب بادشاہی کاغذات سے یہ فتویٰ نکلا۔ تو گرفتار ہو گئے۔ تمام جائداد بھی ضبط ہو گئی۔ جواب طلب ہوا تو آپ نے فتویٰ بالجبر ثابت کر کے رہائی پائی۔

مرزا غالب نے ایک دیوانی مقدمہ میں جو صدر الصدور کی عدالت میں دائر تھا۔ جب بطورِ دعویٰ یہ شعر پڑھا ؎

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے یہ ہم رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

تو مفتی صدر الدین خاں نے قرض کا روپیہ اپنے پاس سے ادا کر کے ان کو رہا کرا دیا۔

گیارہویں صدی ہجری کے نامور شاعروں میں دہلی کے سید انشاء اللہ خاں انشاء اپنی شاعرانہ لطافت و نزاکت اور بذلہ سنجیوں کی وجہ سے خاص طور پہ مشہور تھے مولانا محمد حسین آزاد نے آبحیات میں اور دیگر تذکرہ نویسوں نے اپنے تذکروں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کے آباو اجداد کشمیر سے آئے تھے۔ آبحیات کے صفحہ ۲۵۹ پر لکھا ہے یہ نجف کے ہیں۔ خطۂ کشمیر کے سادات صحیح النسب سے ہیں۔ وہاں کسی زمانہ میں سمرقند سے آئے تھے۔ ان کے والد حکیم میر ماشاء اللہ خاں جب مرشد آباد میں نواب سراج الدولہ کی رفاقت میں تھے۔ تو ۱۸ ہاتھی دروازہ پر جھومتے تھے۔ سید انشاء وہیں پیدا ہوئے۔ اور شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں دہلی آئے۔ بادشاہ کے مزاج میں یہاں تک رسائی تھی۔ کہ وہ ایک دم کے لئے بھی ان کی جدائی گوارا نہ کرتے تھے۔ دریائے لطافت کلیات انشاء اور کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں۔ ان کے والد مرشد آباد سے دہلی آ کر شاہی طبیبوں اور شاہی

امرا میں داخل ہوئے۔ یہیں سید انشار نے سنہ ۱۲۳۳ھ میں وفات پائی۔

دہلی میں شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں نواب عبد الاحد خاں خلف نواب مجید الدولہ عبد المجید خاں کاشمیری ایک نامور امیر گزرے ہیں۔

لکھنؤ میں تین قسم کے کشمیری ہیں۔ اول کشمیری پنڈت۔ جو لکھنؤ کے علاوہ فیض آباد۔ بنارس۔ الہ آباد۔ کانپور۔ گوالیار۔ جے پور۔ اودے پور اور سنٹرل انڈیا کی ریاستوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں جسٹس شمبھو ناتھ۔ آنریبل پنڈت اجودھیا ناتھ۔ آنریبل پنڈت بشمبر ناتھ۔ پنڈت دیا شنکر نسیم[1]۔ پنڈت دلا رام کول۔ پنڈت رتن ناتھ در سرشار مصنف فسانہ آزاد۔ پنڈت بشن نرائن در بیرسٹر ایٹ لا۔ پنڈت برج نرائن چکبست بہت مشہور گزرے ہیں۔ اب بھی ان میں بڑے بڑے قابل جوہر موجود ہیں۔ جن کے کچھ نام کشمیری پنڈتوں کے باب میں گوتوں و ذاتوں کے سلسلہ میں درج ہیں۔ چند نام حسب ذیل ہیں۔

پنڈت شام سندر در اکسائز کمشنر یوپی۔ پنڈت شام کشن در ایڈووکیٹ الہ آباد۔ پنڈت وشو ناتھ ٹھلل ایڈووکیٹ کانپور۔ پنڈت جگموہن مشران جج بستی رائے بہادر پنڈت مہاراج نرائن چکبست میونسپلٹی افسر کشمیری محلہ لکھنؤ۔ پنڈت برج موہن ناتھ چک بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ۔ پنڈت کشن لال کول سب جج سلطان پور۔ پنڈت مہیشور ناتھ کول بیرسٹر الہ آباد۔ پنڈت اقبال نرائن گورٹو وائس چانسلر الہ آباد یونیورسٹی۔ پنڈت رگھو نندن لعل در ڈپٹی کلکٹر بنارس۔ ڈاکٹر دہیا گیرتھ ناتھ

[1] مشہور مثنوی گلزار نسیم کے مصنف تھے۔ خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد اور شاہی فوج میں وکیل تھے۔ ان کے والد کا نام منشی گنگا پرشاد کول تھا۔ سنہ ۱۸۴۳ء میں بعمر ۳۲ سال انتقال کر گئے۔

کول علی گڑھ یونیورسٹی۔ رائے بہادر دیوان چند پنڈت نند لعل ہکو اوورشیئر۔ پنڈت شونا تھ ہکو سب جج ہردوئی۔ پنڈت دینا ناتھ سپرو انکم ٹیکس افسر الہ آباد۔ رائے صاحب پنڈت دھرم نرائن رازدان کانپور۔ پنڈت جگدیشور ناتھ کول سب جج فتح پور۔ پنڈت پردمن کشن کول سب جج سیتاپور۔

لکھنؤ میں دوسری قسم کے کشمیری شیعہ ہیں۔ جن کا نوابان اودھ کے زمانہ میں بڑا زور رہا ہے۔ اور اب بھی ان میں کئی رؤسا موجود ہیں۔ نواب میرزا محمد سجاد علی خاں اور نواب میرزا باقر علی خاں اور دیگر نوابان شیش محل ان کی بہترین یادگاریں ہیں۔ خواجہ محمد اسد اللہ اسد تخلص جو لکھنؤ کے مشہور شیعہ اخبار سرفراز کے ایڈیٹر اور لکھنؤ کے قابل شاعروں میں ہیں۔ کشمیری سے نسبت تو طن رکھتے ہیں۔ لکھنؤ میں اہل خطہ شیعہ صاحبان کی معقول تعداد ہے۔ انمیں کئی خاندان ایسے ہیں۔ جنکا شاہان اودھ کے زمانہ میں طوطی بولتا رہا ہے۔ بعض احباب کو ایسے خاندانوں کی تفصیلات کی تکلیف دی گئی۔ کوئی جواب نہ ملا۔

لکھنؤ میں تیسری قسم کے شیعہ سنی المذہب ہیں۔ اور ان کی لکھنؤ میں کثیر تعداد ہے۔ مندرجہ ذیل محلوں میں ان کی آبادی کثرت سے ہے۔ سرائے معالی خاں۔ احاطہ خانساماں۔ جوہری محلہ۔ کٹڑہ ابو تراب خاں۔ وزیر گنج۔ شجرہ خاندانی بھی بہت کم لوگوں کے پاس ہے۔ ذات گوت کا بھی چند ایک کے سوا کسی کو علم نہیں۔ نہ اس کا رواج ہے۔ اب پرانے لوگ بھی جن سے قوم کا پتہ چلتا۔ نہیں رہے۔

لکھنؤ میں کشمیری پنڈت بالعموم کشمیر کی افاغنہ حکومت کے مظالم سے تنگ ہو کر آئے۔ لیکن مسلمانوں کی آمد جس کا زمانہ نواب آصف[1] الدولہ کا عہد حکومت بتایا

---

[1] نواب آصف الدولہ نواب شجاع الدولہ بہادر کے بعد ۱۱۸۸ھ میں اودھ کے بادشاہ ہوئے۔ اور ۱۲۱۲ھ میں انتقال کر گئے۔

جاتا ہے۔ لکھنؤ میں تجارت کی وجہ سے تھی۔ ان لوگوں نے شاہان اودھ کے زمانہ میں انتہائی عروج حاصل کیا ہے۔ ان میں میر مصلح الملک ظہیر الدولہ نواب یحییٰ خاں مقیم جنگ بہادر محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کے وزیر رہے ہیں۔ نواب ظہیر الدولہ کی ذات منٹو تھی۔ باپ کا نام کمال الدین منٹو تھا۔ ان کے تین فرزند تھے۔ نواب عبد الباسط خاں۔ نواب عبد الرشید خاں۔ نواب محمد باقر خاں۔ ان کا ایک ہمشیرہ زادہ محمد ابراہیم خاں تھا۔ اس کو بادشاہ نے نواب شرف الدولہ بہادر کا خطاب دیا تھا۔ اسی زمانہ میں نواب قمر الدولہ کاشمیری اور خواجہ امام الدین خاں کاشمیری داروغہ کوٹھی ریزیڈنسی کشمیریوں میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

نواب معتمد الدولہ مختار الملک ضیغم جنگ جو بادشاہ لکھنؤ غازی الدین حیدر کے وزیر تھے۔ کشمیر کے رہنے والے تھے۔ نام سید محمد آغا میر تھا۔ لکھنؤ میں قریباً دو کروڑ کی لاگت سے عالیشان عمارتیں بنوائیں۔ غازی الدین حیدر کے بعد نصیر الدین حیدر نے بادشاہ ہوتے ہی ان کو معزول و نظر بند کر دیا۔ یہ بحمایت سرکار انگریزی دو کروڑ کا نقد و جنس لے کر کانپور چلے گئے۔ وہاں کوٹھیاں خرید کر ایک نیا شہر آباد کیا۔ جب تک جیتے رہے۔ پچاس ہزار ماہوار کا صرف رہا۔ ان کی اولاد (کانپور میں) اب تک امیرانہ ٹھاٹھ سے بسر کر رہی ہے[۱]۔

منتظم الدولہ نواب حکیم مہدی علی خاں کشمیر کے رہنے والے بڑے مدبر اور زبردست شخصیت کے مالک تھے۔ صاحب گل رعنا لکھتے ہیں "ابوالفضل اور سعد اللہ خاں کی ٹکر کے آدمی تھے"۔ ابتدا میں طبابت کی حیثیت سے نمودار ہوئے۔ نواب سعادت علی خاں اور نواب غازی الدین حیدر کے زمانہ میں ان کے جوہر چمکے۔ اس

[۱] لکھنؤ میں آغا میر کی ڈیوڑھی انہی کی یادگار ہے۔

[۲] گل رعنا مؤلفہ مولانا حکیم سید عبد الحی مرحوم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ مطبوعہ ۱۳۴۳ھ صفحہ ۴۴۳

زمانہ میں نواب معتمد الدولہ کاشمیری وزیر تھے۔ دونو ہم وطن تھے لیکن نبھ نہ سکی۔ وزیر کے خوف سے منتظم الدولہ پہلے شاہجہان پور گئے۔ پھر فرخ آباد اور وہیں کوٹھیاں بنگلے خرید کر عیش و آرام کرنے لگے۔ فرخ آباد میں ان کی سرائیں، مسجدیں اور پل ان کی بہترین یادگاریں ہیں۔ شاہجہان پور میں گیرہ ندی کا پل انہی نے بنوایا تھا۔ نصیر الدین حیدر جب بادشاہ ہوئے تو انہوں نے منتظم الدولہ کو فرخ آباد سے بلوا کر قلمدان وزارت سپرد کیا۔ نواب منتظم الدولہ نے لکھنؤ میں کئی سرائیں کئی مدرسے اور شفاخانے تعمیر کرائے۔ اور بیش قرار تنخواہوں پر ڈاکٹر اور حکیم نوکر رکھے۔ گومتی پر لوہے کا پل انہی کی یادگار ہے۔ ان کے شفاخانے (انگریزی و یونانی) اور بلغور خانہ (اپاہجوں اور محتاجوں کی پرورش گاہ) اب تک موجود ہیں۔ مدرسہ سلطانیہ میں ہر طالبعلم کے لئے پانچ روپیہ ماہوار کا وظیفہ مقرر کیا۔ ایک مدرسہ خاص اپنے ہم وطنوں یعنی کشامرہ کے لئے جاری کیا۔ اس کے متعلق صاحب گل رعنا (۳۵۰ صفحہ پر) لکھتے ہیں "اس سے منتظم الدولہ کو خاص طور پر دلچسپی تھی۔ ہر ہفتہ بچوں کا خود امتحان لیتے اور اپنے ہاں مدعو کر کے طرح طرح کے لذیذ کھانے اور میوے کھلاتے تھے"۔ لیکن ۱۲۴۸ھ میں بادشاہ کی آتش مزاجی کی وجہ سے فرخ آباد چلے گئے۔ محمد علی شاہ نے اپنے زمانہ میں ان کو بلایا لیکن نو ماہ وزارت کی تھی کہ آخر رمضان ۱۲۵۳ھ میں فوت ہو گئے۔

خواجہ غلام غوث خاں بے خبر جن کے جد مادری حضرت بابا داود خاکی کی اولاد سے تھے۔ باپ کی طرف سے بڈشاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد خواجہ حضور اللہ اور آپ کے نانا خواجہ خیر الدین انقلاب حکومت کے بعد سکھوں کے زمانہ میں لاسہ (تبت) اور وہاں سے نیپال چلے گئے۔ جہاں کشامرہ کی ایک معقول تعداد آباد تھی۔ وہیں ۱۲۴۰ھ میں خواجہ غلام غوث خاں پیدا ہوئے۔ لیکن چند سال کے بعد آپ کے والد اور نانا نیپال سے بنارس

آ گئے۔ اور وہیں انتقال کیا۔ خواجہ غلام غوث رفتہ رفتہ گورنر جنرل کے میر منشی ہو گئے ۱۸۸۵ء میں پوری تنخواہ پنشن میں ملی۔ اور خان بہادر ذوالقدر کا خطاب حاصل کیا۔ شاعری میں مرزا غالب سے بڑی عقیدت تھی۔ بنارس سے الہ آباد میں منتقل ہو گئے تھے۔ وہیں ۱۹۰۵ء میں وفات پا گئے۔

اطبائے لکھنؤ میں جن طبیبوں نے طب یونانی کا نام بلند کر رکھا ہے۔ اور اپنی قابلیتوں سے اس کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ ان کی صف اول میں بھی اہل خطہ اطبا ہی پیش پیش نظر آتے ہیں۔ تکمیل الطب کالج لکھنؤ کے بانی بھی یہی لوگ ہیں۔ اس سلسلہ میں شفاء الملک حکیم عبدالعزیز اور شفاء الملک حکیم عبدالحمید اور حکیم خواجہ کمال الدین اور حکیم خواجہ شمس الدین اور دیگر اہل خطہ لکھنوی اطبا نے ملک سے جو خراج تحسین حاصل کیا ہے، وہ ہمارے لئے باعث فخر و مباہات ہے۔

چند سال ہوئے لکھنؤ کے اہل خطہ اصحاب نے ایک کشمیری انجمن کی بنا بھی ڈالی تھی۔ ۱۹۱۸ء میں جب راقم مؤلف ڈھاکہ سے واپس آتے ہوئے ایک دن کے لئے لکھنؤ اترا۔ تو انجمن کے کئی عہدہ داروں اور ممبروں سے ملا تھا۔

لکھنؤ کے اہل خطہ اصحاب میں خواجہ عزیز الدین درابو اپنے علم و فضل اور اپنی بے نظیر فارسی شاعری کی وجہ سے ہندوستان کے تمام علمی طبقوں میں مشہور ہیں۔ آپ کے والد خواجہ امیر الدین درابو کشمیر سے تجارتی سلسلہ میں لکھنؤ آئے تھے یہ زمانہ واجد علی شاہ کا تھا۔ اور کشمیر کے شال اور پشمینہ کی تجارت لکھنؤ میں بڑے فروغ پر تھی۔ خواجہ عزیز الدین ایک مرتبہ کشمیر جاتے ہوئے دہلی میں مرزا غالب سے بھی ملے تھے۔ چار قابل فرزند چھوڑ کر ۱۳۳۳ھ میں بعمر اسی سال انتقال کر گئے۔ آپ کے فرزندوں میں خواجہ خلیل الدین و خواجہ امین الدین اچھے عہدوں

پر ملازم ہیں۔ ایک فرزند خواجہ رشید الدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ آپ کے چوتھے فرزند حافظ خواجہ وصی الدین نے جو ڈپٹی کلکٹری سے پنشن لے کر اب لکھنؤ میں آنریری مجسٹریٹ ہیں، چند سال ہوئے آپ کا کلیات طبع کرایا ہے۔

لکھنؤ کے خواجہ عبد الرؤف عشرت جن کے تاریخی مضامین ہندوستان کی ہر ادبی رسالہ کی زینت ہوتے ہیں۔ اور جنہوں نے تاریخ اور شاعری پر کئی کتابیں لکھ ڈالی ہیں بسنہ ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۶ سال کی ہے۔ لیکن اس ضعیفی کے عالم میں بھی آپ نے کشامرۂ لکھنؤ کے ابتدائی معاشرتی حالات کی قسط اول اس کتاب کے لیے راقم کو ارسال کی ہے۔ افسوس ہے۔ دوسری قسط جس میں کشامرۂ لکھنؤ کی تفصیل کا وعدہ تھا۔ آپ بوجہ علالت و نقاہت روانہ نہ کر سکے۔ علمی دنیا میں آپ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔

لکھنؤ کے قدیم نامور مطبع نامی کے مالک بھی اہل خطہ ہی تھے۔ خواجہ قطب الدین احمد نام تھا۔ حاجی اور حافظ تھے۔ یو۔پی میں لکھنؤ کے علاوہ بنارس۔ الہ آباد۔ آگرہ کانپور وغیرہ میں بھی اہل خطہ مسلمانوں کی کچھ تعداد موجود ہے۔

آغا حشر کاشمیری جن کے تصنیف کردہ ڈرامے آج ہندوستان کے ہر سینما میں دکھائے جا رہے ہیں۔ اور جو بجا طور پر شکسپیر ہند ہیں۔ اور انگریزی۔ فارسی اردو۔ سنسکرت اور ہندی زبانوں پر جنہیں کامل عبور ہے۔ کشمیر ہی سے نسبت وطن رکھتے ہیں۔ آپ نے عرصہ ہوا شکریہ یورپ کے نام سے ایک نظم انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں پڑھی تھی۔ اُس کا آخری دعائیہ بند مشہور عام ہے۔ آپ بنارس اور لکھنؤ اور کلکتہ بلکہ تمام ہندوستان میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے کشمیریوں کی عزت و وقعت بڑھانے اور ان کی خداداد قابلیتوں سے زمانہ کو روشناس کرانے کے لیے سب سے پہلے لفظ کاشمیری کو اپنے نام کا جزو بنایا۔

ان کے بعد آج مختلف رسالوں اور اخباروں میں کئی نام ایسے نظر آ رہے ہیں۔ جن کے ساتھ لفظ کاشمیری بھی لکھا ہوا ہوتا ہے۔ آپ کے بزرگ خاص سری نگر سے سکھوں کے عہد میں آئے تھے۔ بنارس میں قیام کیا۔ جہاں اور بھی کئی گھر اہل خطہ مسلمانوں کے ہیں۔ آپ کا خاندان شیخ الحدیث مولانا انور شاہ کاشمیری دیوبندی کے خاندان سے ملتا ہے۔

آپ آجکل لاہور میں قیام فرما ہیں۔ طبیعت ناساز ہے۔ شفاء الملک حکیم فقیر محمد چشتی کے زیر علاج ہیں۔ ۱۸ مئی کو راقم الحروف آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیر تک اودھ۔ بہار۔ بنگال کے کشامرہ حضرات کا تذکرہ رہا۔ آپ نے فرمایا بہار اور بنگال اور لکھنؤ کے مسلمانوں میں جس قدر معتقد رہستیاں ہیں۔ ان میں زیادہ تعداد اہل خطہ اصحاب کی ہے۔ لیکن اب بہت سے خاندان جن کے دروازوں پر ہاتھی جھومتے تھے۔ مٹ گئے۔ کچھ مٹتے جا رہے ہیں۔ ان سب لوگوں کے آباؤ اجداد زیادہ تر تجارتی سلسلہ کی وجہ سے ان ممالک میں آئے تھے۔ کچھ مصیبت زدہ بھی تھے۔ لیکن ان کی تعداد تھوڑی تھی۔ انہی لوگوں نے کشمیر کا شال دوشالہ اودھ کے بادشاہوں اور تعلقہ داروں اور مرشد آباد کے ناظموں اور بنگال کے راجوں مہاراجوں تک پہنچایا ہے۔ اور بڑی بڑی قیمتیں حاصل کی ہیں[1]۔

---

[1] مولوی سید عبدالحی مرحوم تذکرہ "گل رعنا" میں لکھتے ہیں۔ کہ کشمیر کے ایک ایک سہ گزی رومال کی قیمت شاہانِ اودھ نے پانچ پانچ ہزار تک دی ہے۔

صوبہ بہار کے اہل خطہ مسلمان

کشمیر کے صوفیا میں بابا نصیب الدین غازی ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کے پاس ایک مرتبہ میاں حسین نام ایک طالب جو قبیلۂ کوتوالاں سے تھے۔ مرید ہونے کے لیئے آئے۔ آپ نے فرمایا "از نصیب نصیب تو نیست بہ پٹنہ رو"۔ چنانچہ آپ پٹنہ گئے وہاں حاجی پور میں شاہ تمکین نام ایک بزرگ تھے۔ ان سے فیض حاصل کیا۔ چونکہ جوان تھے۔ اور خوبصورت تھے۔ آپ نے نکاح کرنے کا حکم دیا۔ میاں حسین نے مرشد کے حکم سے وہیں نکاح کیا۔ اور میاں یحیٰی نام ایک فرزند پیدا ہوئے جو پٹنہ کے صاحب کمال بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ واقع گیارہویں ہجری کے ابتدائی سالوں کا ہے۔

انہی ایام میں کشمیر کا ایک تاجر میاں محمد ہاشم حسینیؒ بغرضِ تجارت پٹنہ گیا۔ اور وہیں اپنے ہم وطنوں کی خبر پاکر میاں یحیٰی کے فقیرانہ دربار میں پہنچا۔ ان سے تربیت حاصل کرتا رہا۔ لیکن آخر واپس کشمیر آگیا۔ جہاں ۱۱۰۶ھ میں انتقال کر گیا۔

پٹنہ عظیم آباد میں اسی زمانہ سے کشمیری خاندانوں کی آمد شروع ہوتی ہے۔ ایسے ہی خاندانوں کی ذریات سے ۱۸۳۷ء میں خواجہ عطاء اللہ نام ایک بزرگ کشمیری پٹنہ میں رہتے تھے۔ وہ سرکار نواب ناظم بنگالہ کے معزز ملازم تھے۔ اور عظیم آباد (پٹنہ) کی جائداد نظامت و مسجد فخر الدولہ کے اوقاف کے محافظ و تحصیلدار

لہ از حیات فریاد صفحہ ۸۵ و ۸۶ مصنفہ خان بہادر سید علی محمد شادؔ عظیم آبادی مرحوم مطبوعہ ۱۹۲۶ء

تھے۔ انہی کے ذریعہ نواب ناظم بہادر نے شاہ الفت حسین فریاد کو ایک ہزار روپیہ خرچ دے کر مرشد آباد بلوایا تھا۔

ان کے بعد اسی کتاب سے خواجہ محمد شاہ شہرت کاشمیری کا سنہ ۱۸۶۳ء میں پتہ ملتا ہے۔

خواجہ محمد اسحاق آنزن نے نیپال کے کشمیری مسلمانوں کے جو حالات بھیجے ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہیں جن کے خاندانی تعلقات پٹنہ کے کشمیریوں کے ساتھ ہیں۔ مثلاً سید یوسف شاہ کاشمیری پیش امام مسجد کشمیری نیپال کے برادرزادے سید غلام شاہ نقشبندی اس وقت پٹنہ کی خانقاہ فخریہ غوثیہ کے سجادہ نشین ہیں۔ اس خانقاہ کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں "عظیم آباد بھی بہت زمانہ تک کشمیریوں کا خاص مسکن رہا ہے۔ مگر اس وقت ان کے پاس صرف یہی ایک خانقاہ اپنے اسلاف کی یادگار ہے۔ حضرت میر میرک اندرابی کی اولاد سے سید فخرالدین اندرابی کشمیر سے عظیم آباد آکر خاندان پیر دمڑیا میں منسوب ہوئے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ مولانا سید شمس الدین و سید قمرالدین ظفر۔ کلکتہ میں آپ نے انتقال کیا۔ سیالدہ سٹیشن کے قریب موتیوں کے باغ میں آرام فرما ہیں۔ اور وہاں بڑے پیر صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ سید فخرالدین دہلی پھرتے ہوئے عظیم آباد آئے تھے۔ وہاں بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی نے آپ سے ارادت و عقیدت کا اظہار کیا۔ چنانچہ اسی بنا پر غدر دہلی کے ایام میں آپ بھی پریشانیوں میں مبتلا ہوئے۔ اور انہی ایام میں نیپال و تبت تک بھی پہنچے۔

آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا شمس الدین اندرابی جن کا مزار رانی گنج ضلع بردوان میں ہے۔ بڑے عالم و بزرگ تھے۔ آپ کا سالانہ عرس بنگلہ پھاگن ۴ مطابق ۱۶ ار فروری کو نہائت دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ دوسرے

صاحبزادے سید قمر الدین اندرابی اپنی آبائی خانقاہ عظیم آباد میں مدفون ہیں۔ رتن پوری سادات سے بھی ایک خاندان پٹنہ میں آباد ہے۔ ان بزرگوں کے مریدین و معتقدین عظیم آباد۔ رانی گنج۔ نیپال۔ تبت اور دیگر مضافات میں بکثرت ہیں۔

اس وقت بھی پٹنہ میں ان مسلمانوں کے جن کے آباؤ اجداد کشمیر سے وطنی تعلق رکھتے تھے۔ کئی معزز خاندان موجود ہیں۔

چنانچہ آنریبل خواجہ محمد نور جج ہائی کورٹ پٹنہ میرے ایک عریضہ کے جواب میں مسوری سے ۲۵ مئی ۱۹۳۳ء کے گرامی نامہ میں ارقام فرماتے ہیں "میرے خیال میں پٹنہ میں واقفیت والے اصحاب گو یا اب معدوم ہیں۔ کشمیری خاندان ہی کیا مسلمان بالکل برباد ہو گئے ہیں۔ پٹنہ میں ایک محلہ ہی کشمیری کوٹھی کے نام سے تھا۔ اب بھی ہے۔ لیکن بالکل تباہ۔ آپ یہاں کے حالات دوسرے ایڈیشن کے لئے ملتوی فرمائیں۔ میں اس وقت مسوری میں ہوں۔ اور تفصیلی حالات معلوم نہیں ہیں"۔

راقم مؤلف جب اسی مئی کے مہینہ میں ہندوستان کے مشہور ڈرامالسٹ آغا حشر صاحب کاشمیری مقیم لاہور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو انہوں نے بھی کشامرہ اودھ کے متعلق فرمایا کہ یو۔پی کے کاشمیری خاندانوں کے حالات کے لئے دورہ کرنے کی ضرورت ہے۔ بڑے بڑے خاندان جن کی امارت وعظمت والیان ریاست سے کم نہ تھی۔ آج مٹ چکے ہیں"۔

اس موقع پر دہلی کے تین کاشمیری خاندانوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جن کی اولاد واحفاد کا بھی آج کوئی پتہ نہیں۔

محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں یادگار خاں ایک کشمیری نژاد نے یہاں تک عروج حاصل کر لیا تھا۔ کہ ۱۱۴۵ھ میں بادشاہ نے اس کو راجہ جے سنگھ سوائی اور

آپاجی راؤ سپہ سالار افواج مرہٹہ کے پاس چند شرائط طے کرنے کے لئے بھیجا۔
محمد شاہ کے بیٹے احمد شاہ کے عہد میں عاقبت محمود خاں کاشمیری کا نام تاریخوں میں آتا ہے۔ جب گجرات میں مرہٹے۔ اودھ میں صفدر جنگ۔ بنگال و بہار میں علی وردی خاں کے جانشین۔ وسط دوآب میں بنگش روہیل کھنڈ میں روہیلے۔ دکن میں نظام۔ پنجاب میں احمد شاہ درانی مغل سلطنت کے ٹکڑے کر رہے تھے۔ بلکہ کر چکے تھے۔ اور بادشاہ پھر بھی خواب غفلت میں مست تھا۔ تو اسی محمود خاں نے جو خان خاناں کی جگہ اب وزیر تھا۔ امرائے دربار کو جمع کر کے جو تقریر کی اس کے چند الفاظ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ "بادشاہ کی کمزوریوں اور عیش پرستیوں نے سلطنت کو اس قدر کمزور کر دیا ہے۔ کہ اب قیام سلطنت مشکل نظر آتا ہے اس پر بادشاہ کی متلون مزاجیوں سے تمام دربار ہر وقت خائف رہتا ہے اس لئے بہتر ہے۔ کہ کسی اور شاہزادے کو تخت پر بٹھایا جائے۔" چنانچہ ۱۷۵۴ء میں احمد شاہ کو معزول کر کے شاہزادہ عزیز الدین کو عالمگیر ثانی بنا کر تخت پر بٹھایا گیا۔

عالمگیر ثانی کے زمانہ میں عماد الملک کا اس قدر زور تھا۔ کہ بادشاہ اور ولی عہد دونوں اس سے ڈرتے تھے۔ جب عماد الملک نے ولی عہد کو جو عماد الملک کے خلاف تھا۔ گرفتار کرنا چاہا تو ولی عہد کچھ فوج لے کر ہانسی اور جھجر کی طرف چلا گیا۔ عماد الملک نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ ولی عہد کو واپس منگوائے۔ بادشاہ نے محمد سیف الدین خاں کاشمیری کو دس ہزار سوار دے کر شاہزادہ کے بلانے کو بھیجا۔ شاہزادہ نے کچھ عذر کیا مگر محمد سیف الدین نے سمجھایا کہ اگر تم نہ گئے تو عماد الملک بادشاہ کو سخت تکلیف دے گا۔ ناچار شاہزادہ دہلی چلا آیا۔

پنجاب کے چند اہل خطہ خاندان

خاندان میر صاحبان امرتسر امرتسر میں میر صاحبان کے دو نامور خاندان ہیں۔ ایک خاندان میر اسد اللہ رئیس و آنریری مجسٹریٹ مرحوم کا ہے۔ جن کا کبھی بڑا عروج تھا۔ اور جن کا تجارتی کاروبار ہندوستان اور ہندوستان سے باہر پھیلا ہوا تھا۔ ان کے ایک قابل فرزند میر کرامت اللہ تخلص میر سخن فہم سخنور اور صاحب تصانیف تھے۔ تاریخ گوئی میں انہیں بہت ملکہ تھا۔ ۱۹۳۱ء کے اوائل میں انتقال کر گئے۔ شمس العلماء مولانا آزاد دہلوی مصنف آب حیات و دربار اکبری وغیرہ کے شاگردوں میں تھے۔ اور راقم مؤلف کے محب دلی تھے۔

دوسرا خاندان میر غلام محمد مرحوم آنریری مجسٹریٹ کا ہے۔ جن کے تینوں فرزندوں نے خاندان کا نام روشن کر رکھا ہے۔ فرزند کلاں میر حبیب اللہ مرحوم تھے۔ جو آنریری مجسٹریٹ میونسپل کمشنر اور "خانصاحب" کے خطاب یافتہ تھے۔ ۱۹۱۸ء میں لاولد انتقال کر گئے۔ دوسرے فرزند "خانصاحب" میر عباد اللہ مرحوم سشن جج رہ چکے تھے۔ ان کے تین فرزند میر عنایت اللہ۔ میر نعمت اللہ۔ میر ضیاء اللہ بترتیب پولیس میں انسپکٹر و سب انسپکٹر تھے۔ میر عباد اللہ مرحوم کے سب سے چھوٹے فرزند میر مقبول محمود بی۔ اے بیرسٹر ایٹ لا ہیں۔ وہ کونسل کے ممبر ریاست پٹیالہ کے ہوم منسٹر ریاست جھالاوار کے مدار المہام اور دیوان والیان ریاست ہائے ہند میں ایک معزز عہدہ پر رہ چکے ہیں۔ فروری ۱۹۳۷ء کے آخری ایام سے آپ ریاست رامپور میں پولیٹیکل منسٹر کے عہدہ پر ہیں۔

اور ہز ہائی نس نواب رام پور کے ولائت جانے پر جو مجلس منتظمہ بنائی گئی ہے۔ اُس کے بھی آپ ایک ممبر ہیں۔

میر غلام محمود مرحوم کے تیسرے فرزند خان بہادر ڈاکٹر میر ہدائت اللہ اسسٹنٹ سرجن ہیں۔ جو برسوں تک میڈیکل سکول امرتسر کے پرنسپل بھی رہے ہیں۔ آپ کے صاحبزادوں میں میر سلیم محمود ولائت کے تعلیم یافتہ ہیں۔ ریلوے میں ڈی۔ ایم۔ او یعنی سول سرجن ہیں۔ دوسرے صاحبزادے میر اسلم محمود بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ہیں۔ جو پنجاب میں سب جج کے معزز عہدہ پر ہیں تیسرے صاحبزادے میر نعیم محمود لاہور میڈیکل کالج کی تعلیم سے فارغ ہو کر انگلستان گئے تھے۔ وہاں سے فن ڈاکٹری کی تکمیل کر کے دسمبر ۱۹۳۳ء کے اواخر میں واپس تشریف لائے ہیں۔ یہ دونو خاندان یعنی میر اسد اللہ مرحوم اور میر غلام محمود مرحوم میر نازک[۱] نیازی قادری کی اولاد سے ہیں جن کا سلسلہ میر علی بخاری بڈشاہی تک ملتا ہے۔ میر نیازی کی اولاد سے سب سے پہلے میر عبدالقادر بن میر

---

[۱] میر نازک نیازی کا سلسلہ میر علی بخاری بڈشاہی تک اس طرح ملتا ہے۔ میر نازک قادری بن میر حاجی محمد قاضی بن میر کمال الدین بن میر اسکندر بن میر اسحٰق بن میر علی بخاری بڈشاہی نیازی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے۔ کہ آپ کے والد آپ کو مخدوم شیخ حمزہ کاشمیری کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ فرزند بطور نیاز لایا ہوں۔ اور امیدوار ہوں کہ اس پر نظر رحمت فرمائی جائے۔ چنانچہ جناب مخدوم کی توجہ اور ان کی صحبتوں سے آخروی کامل ہوئے۔ سال وفات آپکا ۱۰۳۲ھ اور بقول صاحب روضۃ الابرار ۱۰۲۲ھ ہے۔ روم۔ شام اور ہندوستان کے سیاح تھے۔ صاحب روضۃ الابرار لکھتے ہیں "تشرفاء بخارائے این شہر (کشمیر) و مقتدائے دہر بود نسبتش قاضی میر محمد علی بخاری کہ جد طبقۂ قاضی شہید است مے رسد۔"

محمد عاصم اپنے فرزند میر محمد اسمٰعیل اور دوسرے بچوں کو ساتھ لے کر نواب منعم الدولہ بلند خاں صوبیدار کے ہمراہ جموں پہنچے۔ وہیں ۱۱۶۹ھ میں میر عبد الصمد میر عبد القادر کے ہاں پیدا ہوئے۔ میر عبد القادر کی دو لڑکیاں بھی تھیں۔ جو یکے بعد دیگرے خان بہادر حاجی محمد شاہ خاں رئیس اعظم امرتسر کی جدۂ محترمہ تھیں۔ میر عبد القادر ان سب کو لے کر ۱۱۸۱ھ میں امرتسر آئے۔ اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

باپ کے انتقال کے بعد بزمانہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ان کے چھوٹے بیٹے میر عبد الصمد نے تجارت و ریاست اور فیاضی و سخاوت میں بڑا نام پایا۔ بلکہ لکھا ہے۔ کہ "باعث آبادیئے قوم کشمیری در پنجاب شدہ" میر عبد الصمد ۱۲۶۶ھ میں لاولد وفات پا گئے۔ امرتسر میں میر صاحبان کا خاندان میر عبد الصمد کے برادر بزرگ میر محمد اسمٰعیل کے مندرجہ ذیل پانچ لڑکوں (۱) میر عبد الغنی (۲) میر عبد القدوس (۳) میر عبد الخالق (۴) میر غلام رسول (۵) میر عزیز الدین کی ذریات سے ہے۔

میر غلام محمود جو خان بہادر ڈاکٹر میر ہدایت اللہ اور ان کے بھائیوں کے والد تھے۔ میر محمد اسمٰعیل کے چوتھے فرزند میر غلام رسول کے صاحبزادے تھے۔ اور میر اسد اللہ جو میر امان اللہ و میر کرامت اللہ وغیرہ مرحومین کے والد تھے۔ میر محمد اسمٰعیل کے تیسرے فرزند میر عبد الخالق کے صاحبزادے تھے۔

صاحب روضۃ الابرار (صفحہ ۹۴ پر) لکھتے ہیں: "ایشاں را لقب میرے از میر محمد علی و حضرت میر نازک قادری بوراثت رسیدہ و ایشاں باوجود خویشی و قرابت بہ سادات دعوئے سیادت نمے کنند۔ بلکہ چنانچہ مذکور شد مغل ہستند۔ تفصیل ایں از گلزار خلیل وغیرہ معلوم مے شود۔"

خان بہادر ڈاکٹر میر ہدایت اللہ نے بھی ۱۶ جنوری ۱۹۳۲ء کے

گرامی نامہ میں راقم مؤلف کے استفسار کے جواب میں اطلاع دی ہے۔ کہ ہم قوم کے مغل ہیں۔ سادات نہیں ہیں"۔

خاندان میر ولی اللہ ایبٹ آباد قریباً سوا سو سال کا عرصہ گزرا ہے۔ کمال میر نام ایک بزرگ کشمیر سے ایبٹ آباد آئے۔ اور یہیں کے ہو گئے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ نواب میر۔ اور میر شرف الدین۔ مؤخر الذکر کی اولاد ضلع جہلم میں موجود ہے۔ نواب میر کے فرزند سلطان میر علوم عربی و فارسی میں جیّد عالم ہونے کی وجہ سے مولانا نہیں بلکہ صحیح معنوں میں علاّمہ تھے شاعر بھی تھے۔ اردو اور فارسی میں روانی کے ساتھ نظمیں لکھا کرتے تھے۔ ضلع ہذا کے مشہور ترین اپیل نویس تھے۔ جسٹس شاہ دین جو خود بھی شاعر اور علم دوست تھے۔ عموماً گرمیوں کے ایام میں ایبٹ آباد آیا کرتے تھے۔ اور مولانا سلطان میر سے ان کی علمی وجاہت کی بنا پر ملا کرتے تھے۔ حکام وقت ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ تمام ضلع ان کی قابلیت اور ان کے حسن سلوک کا مداح تھا۔ شہر کے رئیس اور مسلمانوں کے لیڈر تھے۔ تمام عمر انجمن اسلامیہ ایبٹ آباد کے سکرٹری رہے۔ اس انجمن کا وجود بھی انہی کی بدولت منصۂ شہود میں آیا تھا۔ چند روز بیمار رہ کر ۵ ر نومبر ۱۹۲۵ء کو فوت ہو گئے۔ عمر ۶۲ سال کے قریب تھی۔

میر ولی اللہ بی۔ اے ایل ایل۔ بی ایڈووکیٹ جو دیوان حافظ کے شارح اور بعض دوسری علمی و ادبی کتب کے مصنّف ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے تمام علمی حلقوں میں ممتاز شہرت رکھتے ہیں۔ آپ ہی کے فرزند ہیں۔ میر ولی اللہ بار ایسوسی ایشن ایبٹ آباد اور مقامی انجمن اسلامیہ کے پریذیڈنٹ ہیں۔ طویل عرصہ سے میونسپل کمیٹی کے ممبر ہیں۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں بہت اچھا شعر کہتے ہیں۔ کشمیر کے اکثر مناظر اور بعض تفریحی مقامات و باغات پر آپ نے وجدانی کیفیت

پیدا کرنے والی نظمیں لکھی ہیں۔

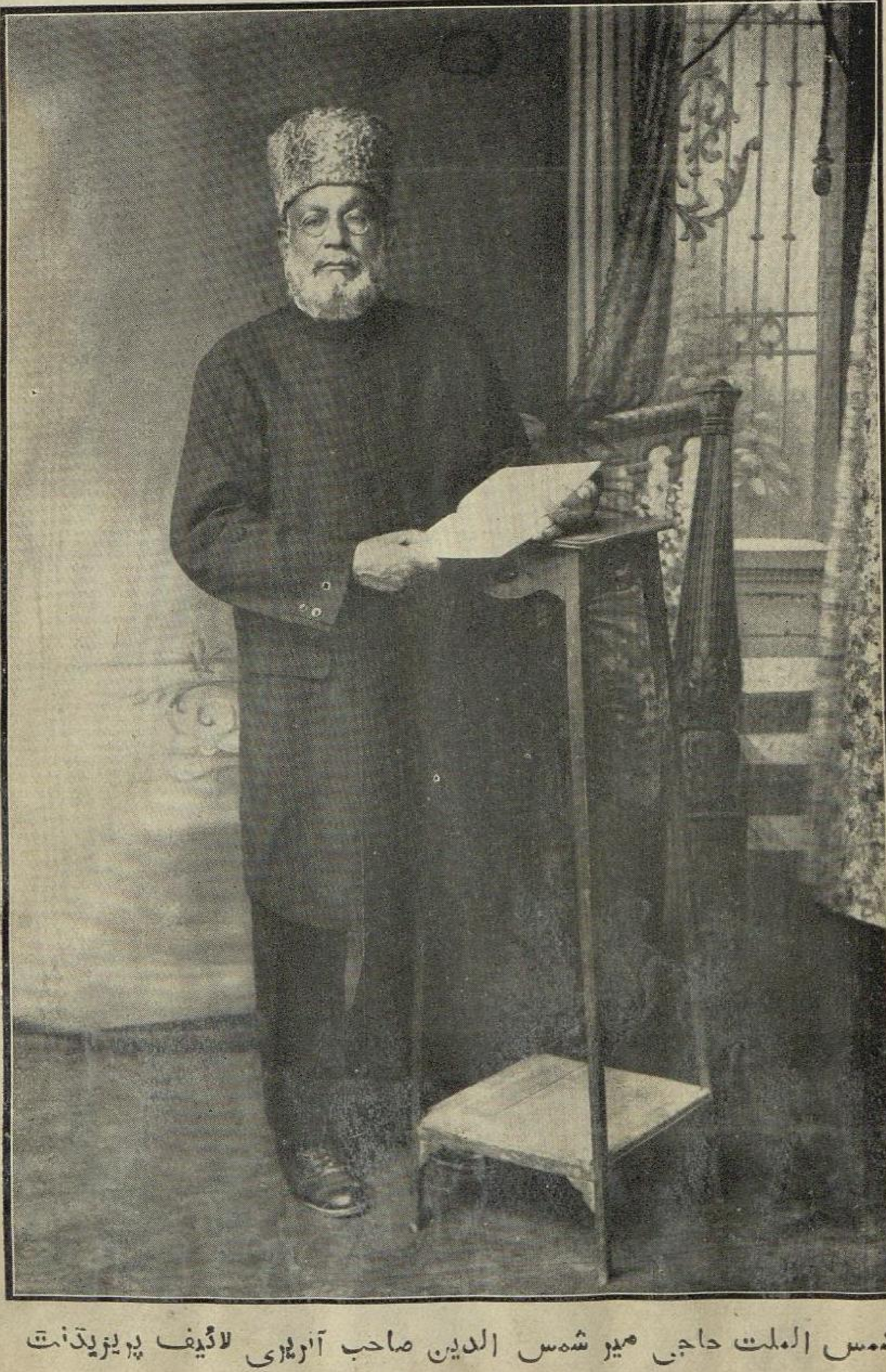
جنت الدنیا کے ان مناظر کے ساتھ آپ جنت کے ان دوزخیوں کو بھی نہیں بھولے۔ جن کی زبون حالی و سخت جانی نے ہر مسلمان اور بالخصوص ہر کشمیری مسلمان کو بے چین کر رکھا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

بگو کشمیری افیوں زدہ را　　مئے گلرنگ را کیفیتے ہست
شراب زندگی مے نوش دمے کوش　　بخط جام جمشید حکمتے ہست
بیا کارے کن و گرم عمل شو　　کہ زمِ آہنگیٔ تو آفتے ہست
بگو ایں بے سر و سامانیت چیست　　چو دستت مایہ دار صنعتے ہست

بیا اے ساکن فردوس دنیا　　فروغ لالہ زار سینہ بنگر
گمر آگہ شوی از صورت خویش　　یکے خود را دریں آئینہ بنگر
اگر خمیازۂ فردا بخواہی　　خمار بادۂ دوشینہ بنگر

بفردوس زمیں کشمیریٔ ما　　بخود نار جہنم آفرید است
بہ ذوق بندگی بُت مے تراشد　　ز الطاف خداوندی بدید است
فسونے خوردہ است از شر وسواس　　ز سحر خواجگی از خود رمید است
دلش محروم لذات تمنا ست　　نمے دانم دریں پستی چہ دید است

دل کشمیریٔ کم آرزو را　　بدہ یا رب تب و تاب و توانے
بدستش قوت سرپنجۂ شیر　　وے دارد بہ تن ترسندہ جانے
نہ دیدم در بسیط دہر ہرگز　　ہنرمندے چو او محتاج نانے



شمس الملت حاجی میر شمس الدین صاحب آنریری لائیف پریزیڈنٹ
انجمن حمایت اسلام لاہور

آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔(۱) میر صفی اللہ جو اس سال ڈاکٹری کا آخری امتحان دے رہا ہے۔(۲) میر حفیظ اللہ ایم اے کر چکا ہے۔ بی۔ٹی کا امتحان دینے والا ہے۔ (۳) میر نعیم اللہ ابھی خورد سال ہے۔

خاندان حاجی میر شمس الدین مرحوم

سنہ ۱۸۴۱ء میں شوپیان کشمیر کے ایک متصلہ موضع خورم پورہ کا ایک زمیندار جمال میر نام جو عابد میر بڈشاہی کی اولاد سے تھا۔ ترک وطن کر کے لاہور آیا۔ جہاں اس نے اجناس غلہ اور پشمینہ و پٹو کی تجارت شروع کر کے اپنی کھوئی ہوئی مرفع الحالی کا کچھ حصہ پھر حاصل کر لیا۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ جن میں حاجی شہاب الدین اور بالخصوص حاجی میر شمس الدین بہت مشہور ہیں۔ حاجی شمس الدین سنہ ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۸۸۴ء کے اواخر میں جن نوجوان مگر قابل تعظیم ہستیوں نے ایک چھوٹی سی بنیاد پر انجمن حمایت اسلام لاہور کا وجود قائم کیا۔ ان میں سب سے زیادہ سرگرم حاجی شمس الدین ہی تھے۔ جن کی عمر اس وقت ۲۲ سال تھی۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں آپ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ اور واپسی پر اسی سال انجمن کے اسسٹنٹ سکرٹری اور سنہ ۱۸۸۷ء میں جنرل سکرٹری ہوئے۔ اور قریباً ۴۰ سال تک اسی عہدہ پر رہ کر بوجہ ضعیفی فروری سنہ ۱۹۲۶ء میں مستعفی ہو گئے۔ انجمن نے آپ کی مخلصانہ خدمات کے لحاظ سے آپ کو لائف پریذیڈنٹ بنا دیا۔

جس طرح آپ نے انجمن حمایت اسلام کے ذریعہ عام مسلمانان پنجاب کی تعلیمی و اخلاقی فلاح و بہبود میں حصہ لیا ہے۔ اسی طرح آپ نے اپنی کشمیری برادری کو متحد و متفق کرنے اور کشمیر کے مسلمانوں کی تعلیمی ترقیوں میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ آپ انجمن کشمیری مسلمانان لاہور اور مسلم کشمیری کانفرنس لاہور کے بانیوں میں تھے۔ آپ کی تعلیمی و انتظامی شہرت نے آپ کو سابق بادشاہ افغانستان شاہ

امان اللہ خاں کے دربار تک پہنچا دیا۔ وہاں آپ نے اپنی ایک مبسوط رپورٹ میں حکومتِ افغانستان کو بیش قیمت تعلیمی مشورے دیئے۔ ۱۹۳۳ء کے اواخر میں آپ بیمار ہو گئے۔ اور ۱۵ر فروری کو ملت اسلامیہ کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔ آپ کی وفات پر ہندوستان اور پنجاب کی اکثر انجمنوں نے ماتمی قرار دادیں پاس کیں۔ شعراء نے ماتمی نظمیں لکھیں اور انجمن حمائت اسلام کے آرگن "حمائت اسلام" کے کارکنان نے شمس الدین نمبر کے نام سے آپ کی یادگار میں ۱۵ر مارچ کا اخبار شائع کیا۔ جس میں آپ کی علمی۔ مذہبی۔ تعلیمی۔ وطنی اور سیاسی خدمات پر ملک کے نامور اہل قلم اصحاب نے مضامین لکھے۔

راقم الحروف سے حاجی صاحب مرحوم کے دوستانہ و برادرانہ تعلقات تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے ہیں۔ فرزند کلاں میر رحمت اللہ ہمایوں۔ جو سابق بادشاہ امان اللہ خاں اور غازی شہید نادر شاہ کے معتمدین میں تھے۔ حاجی صاحب کی وفات پر ۱۳ سال کے بعد لاہور تشریف لائے ہیں۔ فرزند خورد کا نام میر حبیب اللہ ہے۔ جو لاہور ہی میں اقامت گزیں ہیں۔

صوبیدار میر نیاز علی آپ کے بزرگ علاقہ شوپیاں سے گجرانت کے موضع کریانوالہ میں آئے۔ آپ کے بزرگوں میں میر کرم خاں سپاہی بھرتی ہو کر صوبیداری تک پہنچے تھے۔ آپ کے والد کا نام میر پیر اندتا ہے جنہوں نے زمانہ کی روش کے مطابق آپ کو مروجہ تعلیم دلائی۔ آپ کی عمر ابھی ۱۸ سال کی تھی۔ کہ آپ بطور سپاہی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ آپ یورپ اور افریقہ کی لڑائیوں میں شامل رہے۔ اور تمغہ اور کڑیوں کے علاوہ آپ نے نیلی بار ضلع منٹگمری میں ۱/۲ مربعہ اراضی بھی سرکار سے حاصل کی۔ دسمبر ۱۹۲۱ء سے آپ پنشن پر ہیں۔

لفٹنٹ صوبیدار میجر میر محمد خان بہادر

پنجاب میں سکھوں کی حکومت تھی۔ کہ آپ کے دادا نے کشمیر سے آ کر تحصیل کھاریاں کے موضع سنت پورہ کو وطن بنالیا۔ دو پشتوں تک زمینداری کا روبار رہا۔ لیکن میر محمد خاں ۱۸۸۶ء میں پلٹن نمبر ۱۳۰ بلوچی میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے بھرتی ہو گئے۔ صوبیدار میجر اور آنریری لفٹنٹ ہو کر ۳۵ سال کی جنگی خدمات کے بعد ۱۹۲۱ء میں پنشن لے لی۔ آپ نے اپنی پلٹن میں اس قدر کشمیری بھرتی کرائے کہ نمبر ۱۳۰ بلوچی پلٹن ایک پہلو سے کشمیری پلٹن ہی تھی۔ جب سرکار نے آپ کو بصلہ حسن خدمات تحصیل پھالیہ میں دو مربعہ اراضی عطا کی تو وہاں کے راجپوت۔ جاٹ۔ گجر اور بلوچ اقوام کے فوجی سرداروں کے ساتھ آپ نے بھی نمبرداری کے لئے درخواست دے دی۔ لیکن جب دوسری اقوام کے سرداروں کو معلوم ہوا کہ میر محمد خاں کشمیری ہے۔ تو سب نے ان کی مخالفت کے لئے باہم عہد و پیمان کر لئے بلکہ حکام کے پاس ایک کشمیری کو نمبرداری نہ دینے کے لئے باقاعدہ عرضداشت بھیجی گئی۔ آپ نے حکام کو جواب میں لکھا۔ اور کہا کہ "کشمیری ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔ اگر جرم ہے۔ تو ۱۸۸۶ء میں خیال رکھنا تھا۔ جب مجھے فوج میں ایک کشمیری ذات ممبر کی حیثیت سے قبول کیا گیا تھا۔ اور اس ذات کی خوب چھان بین کی گئی تھی۔ سرکار نے بھی کشمیری کو اس کی قابلیت و شجاعت کی بدولت "بہادر" کا خطاب دیا۔ اور صوبیدار میجر اور لفٹنٹ بنایا۔ دو مربعہ زمین انعام دی۔ کیا نمبرداری لفٹنٹی سے بھی زیادہ عہدہ ہے۔ کہ ایک کشمیری کو جو زمیندار بھی ہے۔ اس کے ناقابل سمجھا جاتا ہے۔" آپ کی معقول و برجستہ دلائل نے آپ کو نمبرداری دلادی۔

ملفٹنٹ شیر علی خاں میر ان کے بزرگ ۱۸۳۰ء میں کشمیر سے تحصیل کھاریاں کے موضع سیدا میں آکر آباد ہو گئے۔ سیدا میں ان کی بڑی زمین ہے۔ ضلع منٹگمری میں بھی ان کو سرکار کی طرف سے دو مربعہ اراضی ملی ہوئی ہے۔ ۱۸۸۹ء میں فوج میں بھرتی ہوئے۔ صوبیدار میجر اور آنریری لفٹننٹی کے اعزاز حاصل کر کے ۲۸ ستمبر ۱۹۲۰ء کو ریٹائر ہو گئے۔ ان کے فرزند میر حاکم علی فوج میں جمعدار تھے۔ لیکن اپنی اراضی کے انتظام کے لئے ملازمت سے چلے آئے۔

میر محمد اسمٰعیل نائک قریباً سوا سو سال ہوئے۔ اس کا دادا قادر میر موضع ہیل تحصیل کھاریاں میں آکر آباد ہوا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ایک رمضان جس کا فرزند علم دین لاولد تھا۔ دوسرا بیٹا ولی محمد تھا۔ اس کے دو لڑکے ہیں۔ محمد عظیم و محمد اسمٰعیل فوجی نائک! محمد عظیم کے تین لڑکوں میں نیک عالم فوج میں نائک ہے۔ اس خاندان کے باقی افراد بہ حیثیت مالک اراضی کاشت کاری کرتے ہیں۔

منشی برکت علی میر منشی فاضل ان کا پردادا نعمت اللہ میر قریباً ڈیڑھ سو سال ہوئے۔ بمقام موسٰی کی متصل گجرات آکر آباد ہوا۔ میانہ کوٹ انہی کا آباد کردہ ہے۔ سوا سو کنال کے قریب ان کی اپنی زمین ہے۔ منشی برکت علی تین بھائی ہیں۔ خود منشی برکت علی ایس وی اور منشی فاضل ہیں۔ اور کھاریاں میں ہیڈ پرشین ٹیچر ہیں۔ محمد شفیع میر گوجرانوالہ میں ہیڈ کانسٹبل اور حاکم علی میر زمینداری کرتے ہیں۔

جمعدار نور الدین میر پنشنر آرہ ان کے بزرگ سوگام کشمیر کے رہنے والے تھے۔ ان کا دادا سبحان میر بن عثمان

میر بن رحیم میر بن سلطان میر پہلے گلیانہ اور پھر آڑہ تحصیل کھاریاں میں خانہ داماد ہو کر آباد ہوا۔ جمعدار نور دین کے والد کا نام عبد الغفور میر ہے۔ جمعدار نور الدین اور ان کا بھائی حوالدار احمد الدین پنشن پر ہیں۔ کرم الدین میر فوج میں میر منشی ہیں۔ دو بھائی اور ہیں۔ جن کے نام جیون اور الہ دین ہیں۔

میر عبد الرشید ایم۔ اے پروفیسر گورنمنٹ کالج گجرات۔ ضلع گجرات کے میر خاندانوں میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ اور کاشمیری کانفرنس اور کشمیر زراعتی بورڈ کے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں نمایاں حصہ لیتے رہے ہیں۔

ضلع گجرات اور خصوصاً تحصیل کھاریاں میں اہل خطہ مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی ہے۔ ان مسلمانوں میں ہر قسم کی ذاتیں اور گوتیں ہیں۔ اور فوجی پنشنر افسروں کی بھی ایک معقول تعداد ہے۔ انہی میں صوبیدار میجر لفٹنٹ میر محمد خاں "بہادر" بھی ہیں۔ جن کے حالات ۴۶۹ صفحہ پر درج ہیں۔ اور جنہوں نے اپنی قوم میر مغل کو زراعت پیشہ قرار دینے کے لئے ڈسٹرکٹ جج گجرات کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا تھا جس کے فیصلہ کا ضروری حصہ صفحہ ۴۷۱ پر درج ہے۔

گوجرانوالہ میں میر طبقہ کے کئی گھر ہیں۔ جن میں خانصاحب میر کریم بخش میر حسین بخش وکیل۔ میر محمد حسین۔ میر عبد العزیز۔ میر محمد رمضان بی۔ اے۔ میر صدر الدین ٹھیکیدار اور میر پیر بخش کے خاندان خاص طور پر مشہور ہیں۔ خانصاحب میر کریم بخش اور میر حسین بخش کے جد امجد کشمیر میں متصلہ دیہات کے رہنے والے تھے۔ میر محمد حسین اور میر محمد رمضان کے بزرگ آپس میں چچازاد بھائی تھے۔ کشمیر سے سیدھے گوجرانوالہ آئے۔ اب چند خاندانوں کا مختصر سا ذکر علیحدہ علیحدہ کیا جاتا ہے۔

خاندان میر محمد رمضان بی۔ اے

آج سے ایک سو سال پیشتر شنکر میر اپنے اکلوتے فرزند قاسم میر کے

ہمراہ موضع واتھور سے (جو سری نگر سے بجانب شمال ۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔) گوجرانوالہ آئے۔ اس وقت ان کا اچھا خاصہ قبیلہ گوجرانوالہ میں موجود ہے۔ قاسم میر کے چار فرزندوں میں امیر بخش اور الٰہی بخش کی اولاد دوسری پشت میں ختم ہو گئی۔ امام بخش کے دو فرزند تھے۔ ایک جیون بخش جس کے فرزند میر محمدؐ رمضان بی۔اے اس وقت سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات کشمیر کے ہیڈ کلرک ہیں۔ اور انسپکٹری کے زمانہ میں بدوران جنگ عظیم کئی سرٹیفکیٹ حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کا فرزند کلاں میر محمدؐ سلطان بی۔اے بی۔ٹی گورنمنٹ ہائی سکول پنڈی بھٹیاں میں سکنڈ ماسٹر ہے۔ دوسرے دو لڑکے محمدؐ ابراہیم و محمدؐ اسمٰعیل اس وقت پرتاپ کالج سری نگر میں زیر تعلیم ہیں۔

امام بخش کے دوسرے فرزند کا نام عبدالرزاق تھا۔ اس کے تین فرزند ہیں۔ میر عمرالدین سب سے بڑے ہیں۔ وہ ملٹری پولیس برہما میں بمقام پیاپوئی بعہدۂ صوبیدار انچارج وائرلیس ([illegible]) ہیں۔ جنگ عظیم اور سرحد چین کی جنگی خدمات میں آپ کو خان بہادر کا خطاب ملا۔ عبداللطیف و محمدؐ صدیق دو آپ کے فرزند ہیں۔ خان بہادر میر عمرالدین کے چھوٹے بھائی کا نام میر عبدالرحیم ہے۔ وہ محکمہ ریلوے میں کلرک ہیں۔ آپ کا ایک فرزند عطاءاللہ نام ہے۔ عبدالرزاق کا سب سے چھوٹا فرزند محمدؐ ابراہیم اپنے بڑے بھائی صوبیدار صاحب کے پاس برہما میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

قاسم میر کے چوتھے فرزند پیر بخش کا پوتا میر محمدؐ حسین گوجرانوالہ میں آئرن سیف کی دکان کرتا ہے۔

خاندان چودھری میر صدرالدین

ان کے بزرگ غفور میر ولد سلطان میر موضع سیر تحصیل بارہ مولا سے اپنے فرزند محمود میر کے ہمراہ پنجاب آئے۔ محمود میر جوان ہو کر موضع بدھپور ضلع



خانصاحب میر کریم بخش صاحب
ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم
صوبہ سرحد

گوجرانوالہ میں سکھوں کا کاردار بنا۔ سکھوں کی حکومت کے خاتمہ کے بعد محمود میر گوجرانوالہ چلا آیا۔ اس کے دو فرزند تھے۔ اول چودھری کرم الہٰی جو گوجرانوالہ میونسپلٹی کے ممبر اور شہر کے ایک معزز ٹھیکیدار تھے۔ ان کا ایک ہی فرزند چودھری صدر الدین ہے جو ٹھیکہ داری کا کام کرتا ہے۔ صدر دین کا بھی ایک ہی اکلوتا بیٹا عطا محمدؐ نام ہے۔ اور وہ بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح ٹھیکہ کا کام کرتا ہے۔ عطا محمدؐ کا ایک خورد سال لڑکا ارشد حسین موجود ہے۔

چودھری کرم الہٰی کے بھائی کا نام فضل الہٰی تھا۔ اس کے چار فرزند تھے ایک فرزند محمدؐ رمضان کا بعمر ۲۲ سال عرصہ ہوا انتقال ہو چکا ہے۔ باقی تین فرزند غلام محمدؐ سلطان محمدؐ۔ نذیر حسین موجود ہیں۔

خانصاحب میر کریم بخش ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم آپ کے بزرگ تحصیل کولگام کے رہنے والے تھے۔ سکھوں کے زمانہ میں کشمیر سے آئے۔ آپ کے والد میر نبی بخش گوجرانوالہ کے مشہور حاذق یونانی طبیب تھے۔ اور ان کی نبض شناسی، تشخیص اور ان کے علاج اور ان کے دست شفا کی صرف شہر ہی میں نہیں بلکہ ضلع بھر میں شہرت تھی۔

خانصاحب میر کریم بخش تین بھائی ہیں۔ ان کے برادر بزرگ میر عالم دین ہیں جو محکمۂ ریلوے کے ایک کامیاب انجینیر تھے۔ ۵۵ سال کے بعد ریٹائر ہو گئے آجکل بیر متھرا پور میں بہت بڑے ٹھیکیدار ہیں۔ نرینہ اولاد میں ان کا صرف ایک ہی لڑکا تھا۔ عرصہ ہوا وہ فوت ہو چکا ہے۔ اب صرف ایک لڑکی ہے۔ جو راقم الحروف کے چچازاد بھائی شیخ فصیح الدین بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ہیڈ ماسٹر ایبٹ آباد سے بیاہی ہوئی ہے۔ میر عالم دین کی عمر اس وقت ۶۸ سال ہے۔

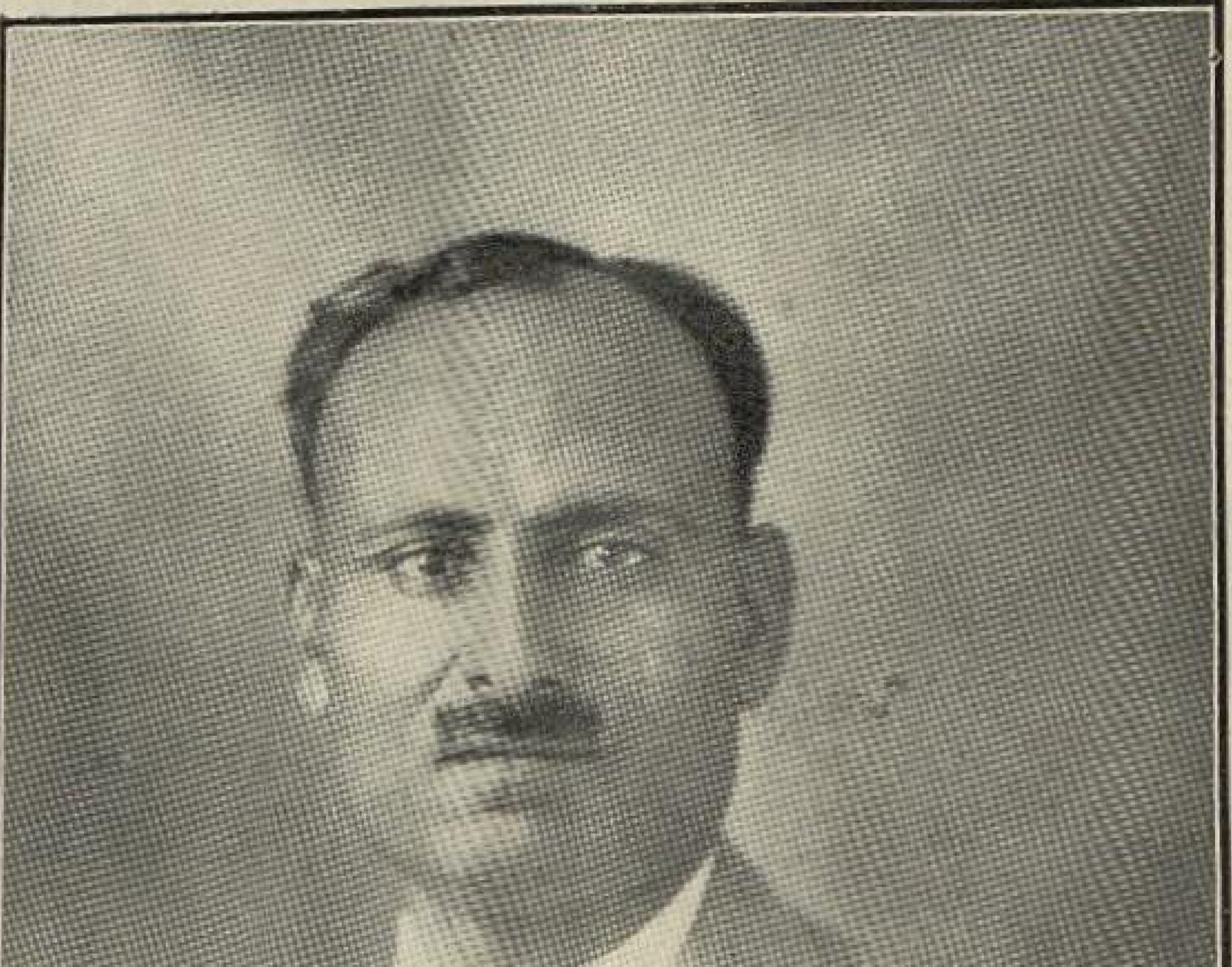
ان سے چھوٹے میر محمدؐ الدین مرحوم تھے۔ جو برسوں تک مشن ہائی سکول گوجرانوالہ

میں ٹیچر رہے۔ اپنی ضلع میں کریمنل پنشن تھے۔ گوجرانوالہ میونسپل کمیٹی کے ممبر تھے۔ بعد میں بلدیہ شیخوپورہ کے سیکرٹری ہو گئے۔ بعمر ۵۲ سال ۲۴ فروری ۱۹۳۱ء کو انتقال کر گئے۔ آپکے حسب ذیل صاحبزادے ہیں۔ میر مظفر حسین سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ شیخوپورہ۔ میر محمد اصغر الیف اے تک تعلیم یافتہ ہیں۔ میر محمد مختار نے امسال الیف اے کا امتحان دیا ہے۔ میر افتخار حسین وہ جماعت چہارم میں تعلیم پاتا ہے۔

میر کریم بخش سب سے چھوٹے ہیں۔ خانصاحب کے خطاب یافتہ ہیں۔ عرصہ سے آپ صوبہ سرحد کے تعلیمی محکمہ کے افسر ہیں۔ اور اس وقت وہاں سررشتہ تعلیم کے ڈائرکٹر ہیں۔ آپ کا اصل عہدہ انسپکٹر آف سکولز ہے۔ لیکن اپنی ہردلعزیزی اور تعلیمی تجربوں کی بدولت آپ تیسری مرتبہ ڈائرکٹر ہوئے ہیں۔ اور ۱۲ مئی ۱۹۳۴ء کو آپ نے اس جلیل القدر عہدہ کا اپنے پیشرو انگریز سے چارج لیا ہے۔ مسلم اخبارات اور مسلم انجمنوں کے علاوہ آپ کے بے شمار احباب نے جن میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شامل ہیں۔ آپ کو اس تقرری پر ہدیہ تبریک پیش کر کے اپنی مسرت کا اظہار کیا ہے۔

اپریل ۱۹۲۶ء کے اجلاس کشمیری کانفرنس منعقدہ گوجرانوالہ میں کشمیر کا تعلیمی پروگرام کے عنوان سے جو مضمون آپ نے پڑھا تھا۔ وہ بتاتا ہے کہ آپکو مسلمانان کشمیر کے تعلیمی مسائل اور انکی تعلیمی ترقیوں سے کس حد تک ہمدردی و دلچسپی ہے۔ اس پروگرام میں آپنے دربار کشمیر کو بھی مسلمانوں کی تعلیمی پستی کیطرف توجہ دلائی اور خود مسلمانوں کو بھی اپنی مدد آپ کرنیکا گر بتایا۔ واقعات ہمارے سامنے ہیں کہ جو مشورے آپنے حکومت کشمیر اور مسلمانان کشمیر کو ۱۹۲۶ء میں دیئے تھے آج کشمیر کی تعلیمی ترقیاں ایسے ہی مشفقانہ و ہمدردانہ مشوروں پر عمل پیرا ہونیکا نتیجہ ہیں۔ میر مظہر حسین آپکا صاحبزادہ ہے جو زیر تعلیم ہے۔

میر محمد حسین بی اے اسسٹنٹ سٹاف وارڈن ریلوے۔ آپکے جد امجد جمال میر غدر ۱۸۵۷ء سے چند سال قبل کشمیر سے گوجرانوالہ آئے۔ برخوردار میر جو قلعہ دیدار سنگھ کے مشہور تھانہ کے سب انسپکٹر پولیس تھے جمال میر ہی کے پوتے تھے۔ برخوردار میر کے فرزند اللہ دتہ میر تھے۔ وہ ریلوے اور ملٹری ورکس میں اچھے عہدوں پر کام کرتے رہے۔ سوات برج جو چکدرہ فورٹ کے قریب ۱۹۰۷ء میں بنایا گیا تھا۔ آپ ہی کا کارنمایاں تھا۔ اسی خدمت کے صلہ میں سپرنٹنڈنٹ ہو گئے۔ ۱۹۰۶ء میں پھر ریلوے میں آگئے۔ اور ۱۹۲۶ء



میر محمد حسین بی اے اسسٹنٹ سٹاف وارڈن ریلوے - دہلی

میں بعہدہ انسپکٹری گئے عہدہ سے ریٹائر ہو کر چند ایام کی علالت کے بعد انتقال کر گئے

میر محمد حسین بی۔ اے آپ ہی کے فرزند ہیں ۱۹۱۴ء میں مشن کالج لاہور سے بی۔ اے آنرز کی ڈگری لی ۱۶-۱۹۱۵ء میں اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ کے ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ اور دو سال کے عرصہ میں سکول کو جو اس وقت ڈگمگا رہا تھا۔ وہ شہرت دی کہ اس وقت تک وہ بفضلہ زمانہ کی مخالف ہواؤں سے محفوظ ہے۔ ۱۹۱۶ء میں آپ ریلوے میں کلیمز انسپکٹر ہو گئے۔ اور ۱۹۳۰ء تک انجمن اسلامیہ گوجرانوالہ کے جائنٹ سکرٹری رہے۔ اسی سال اسسٹنٹ سٹاف وارڈن ہو کر دہلی ڈویژن میں تبدیل ہو گئے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور۔ مسلم کشمیری کانفرنس لاہور۔ انجمن اہل سنت والجماعت گوجرانوالہ اور انجمن امداد باہمی وغیرہ میں بیش از بیش حصہ لیتے رہے ہیں۔ آپ کا ایک ہی صاحبزادہ سخاوت حسین نام ہے۔ جو جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں زیر تعلیم ہے۔ آپ کی عمر اس وقت ۴۱ سال ہے۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد آپ کی دوسری شادی شیخ محمد عبداللہ ریٹائرڈ ڈپٹی پوسٹماسٹر برادر اکبر خان بہادر شیخ محمد کاظم ڈپٹی پوسٹماسٹر جنرل کی صاحبزادی سے ۱۹۲۳ء میں ہوئی تھی۔

آپ کے عزیز رشتہ داروں میں خانصاحب میر کریم بخش ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم۔ میر عالم دین ریٹائرڈ ایس۔ ڈی او۔ اور میر محمد الدین مرحوم آپکے ماموں اور میر عبدالعزیز بی۔ اے انسپکٹر ڈاکخانجات آپکے خالہ زاد بھائی میر مظفر حسین سکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ شیخوپورہ آپ کے ماموں زاد بھائی اور میر حسین [illegible] بی اے ایل ایل بی وکیل و میونسپل کمشنر گوجرانوالہ۔ اور شیخ حسن دین مدیر اخبار حمایت اسلام اور بابو محمد جان انسپکٹر ورکس ای بی ریلوے کمپنی آپ کے بہنوئی ہیں۔

میر امیر بخش کریمی پرلیا والے

سکھوں کے عہد میں ان کے بزرگ شعبان میر ولد رمضان میر [illegible]

دگمرگ) سے لاہور آئے۔ شعبان میر کے فرزند کا نام رجب میر تھا۔ اس کے دو فرزند تھے۔ قادر بخش و امیر بخش۔ پنجاب کے شہروں اور قصبوں میں میر مغل قوم کے جو لوگ آباد ہیں۔ انہوں نے میر کا لفظ نام کے آخر میں رکھنے کی بجائے نام سے پہلے رکھنا شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ کشمیر میں یہ دستور نہیں ہے۔ اسی تقلید میں قادر بخش میر قادر بخش اور امیر بخش میر امیر بخش کہلائے۔ میر قادر بخش ضلع لدھیانہ میں بہت مدت تک پولیس سب انسپکٹر رہے ہیں۔ ان کے دو فرزند ہیں۔ میر احمد بخش و میر خدا بخش دونوں تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔

میر امیر بخش نے اپنی ذاتی ہمت و کوشش سے ایک عظیم الشان کمپنی کے علاوہ بہت بڑے پیمانہ پر ایک چھاپہ خانہ بنام کریمی پریس قائم کیا۔ اولاد نرینہ میں آپ کے ۶ فرزند ہیں۔ ایک لڑکا میر رحمت اللہ عین جوانی میں انتقال کر چکا ہے۔ اس کی اولاد موجود ہے۔ سب سے بڑے کا نام میر محمد عبداللہ ہے۔ وہ ریلوے میں ایک معزز عہدہ پر ہیں۔ میر سلیم اللہ سندھیں بلیٹ پیر ریلوے ہیں۔ باقی تین بھی اپنا اپنا کاروبار کر رہے ہیں۔

منشی نظام الدین میرزا اپیل نویس سیالکوٹ

آپ کے دادا کرم بخش سب سے پہلے کشمیر سے آئے۔ آپ کے والد کا نام گلاب دین تھا۔ عمر آپ کی قریباً ستر سال ہے۔ ۱۸-۲۰ سال تک آپ سیالکوٹ میونسپلٹی کے ممبر رہے ہیں۔ موضع پڑوپی تحصیل سیالکوٹ میں آپ کی زرعی اراضی ہے آپ مغل زراعت پیشہ ہیں۔ اور ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء کے حکم کے مطابق صاحب کلکٹر ضلع سیالکوٹ آپ کو زراعت پیشہ تسلیم کر چکے ہیں۔ آپ کی اولاد دو گو

حسب ذیل ہے:-

۱- ڈاکٹر محمد عبداللہ اسسٹنٹ سرجن میڈیکل افسر بارہ مولا کشمیر۔

۲- محمد ابراہیم مرحوم ہائیکورٹ پنجاب میں مترجم تھے۔

۳- ایم عبدالحق قائم مقام ایس ڈی او۔ امپیریل ڈیپارٹمنٹ شملہ۔

۴- ایم عبدالحکیم بی۔ اے اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس لائل پور۔

(۵) ایم عبدالکریم ڈسٹرکٹ سینٹری انسپکٹر ضلع امرتسر۔

(۶) ایم عبدالوحید اپنی اراضی پر خود کاشت کرتے ہیں۔

(۷) ایم محمد امین ٹرنک مرچنٹ سیالکوٹ

(۸) بدر منیر (۹) اور قیصر ابھی خورد سال ہیں۔ ۱ سے ۷ تک سب صاحب اولاد ہیں۔

میر مغل ہیں اور زراعت پیشہ ہیں۔ عدالت سب جج سیالکوٹ کا فیصلہ۔

۸ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو مستری نظام الدین میر سکنہ بلووال نے جب پیرانہ ارائیں سکنہ گگہ مہاراں تحصیل نارووال سے ایک کنال اراضی خرید کی۔ تو تحصیلدار نارووال نے بلجہ ۲۰ کو اس بنا پر خرید شدہ اراضی کا داخل خارج نامنظور کر دیا۔ کہ مدعی زراعت پیشہ اقوام سے نہیں ہے۔ آپ نے ۷ر مئی ۱۹۳۰ء کو عدالت میاں محمد اسلم پی۔ سی ایس سب جج سیالکوٹ کی عدالت میں استقرار حق کا دعوے کر دیا۔ اور لکھا کہ مدعی ذات کا مغل کشمیری ہے۔ اور زراعت پیشہ قوم سے ہے۔ سرکاری وکیل نے ان کے بزرگوں کی نقل مکانی تو کشمیر سے تسلیم کر لی۔ لیکن ان کے زراعت پیشہ اور مغل ہونے سے انکار کر دیا۔ عدالت نے ۲۷ر جنوری ۱۹۳۲ء کو اس امر کے متعلق کہ مدعی میر مغل اور زراعت پیشہ ہے یا نہیں۔ ایک طویل فیصلہ لکھا۔ جس کا کچھ خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"اب ہمیں دیکھنا ہے کہ لفظ میر سے کیا مُراد لی جاتی ہے۔ اگر لفظ میر کسی نام کے شروع میں لگا دیا جائے۔ تو یہ محض ایک معزز خطاب ہے۔ ہاں اگر یہی لفظ کسی نام کے بعد میں آ جائے۔ تو اس سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ میرزا کا مخفف ہے۔ جو مغل کا معزز خطاب ہے۔ رپورٹ مردم شماری ہند ۱۹۱۱ء میں صفحہ ۱۲۶ پر مغلوں کی چھ گوتیں ہیں۔ بیگ۔ چوغطہ۔ میر وغیرہ اور جلد اوّل کے صفحہ ۲۰۵ کے حاشیہ میں مغلوں کی سات گوتیں بتائی گئی ہیں۔ جن میں پھر میر کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ میر یعنی مغل زراعت پیشہ ہیں۔ اسی کتاب میں سید میروں سے جو پروہت جماعت سے ہیں انہیں علیحدہ بتا کر لکھا گیا ہے۔ کہ "زراعت پیشہ میر" کی حالت میں لفظ "میر" نام کے بعد لگایا جاتا ہے۔ اور سیّد میر کی صورت میں نام سے پہلے آتا ہے۔ ایسے مستند حوالہ جات کی موجودگی میں بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ "میر کشمیری" مغل زراعت پیشہ ہے۔ پنجاب میں جو جماعتیں "میر" کہلاتی ہیں۔ وہ فقط سیّد یا میراثی ہیں۔ لیکن کشمیر میں مغلوں کے سوا اور کوئی میر نہیں کہلاتا . . . .

کتاب ویلی آف کشمیر مصنفہ والٹر ایل لارنس آئی۔سی۔ایس۔سی۔آئی۔ای کے صفحہ ۳۰۹ کے ایک اقتباس سے جس کی نقل شامل مثل ہے۔ پایا جاتا ہے۔ کہ "میر" جو مرزا کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مغلوں کی نسل سے ہیں۔ اسی فیصلہ میں امپیریئل گزیٹر آف انڈیا جلد ۱۵ مطبوعہ ۱۹۰۸ء میں اقوام کشمیر کے سلسلہ میں جو چند سطریں ہیں۔ فاضل جج ان کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "مغلوں کی زیادہ اقسام نہیں ہیں۔ ان کی گوتوں کے نام میر وغیرہ ہیں۔ جو میرزا کی بگڑی ہوئی صورت ہے" . . . .

"بہر حال مدعی بلاشک وشبہ کشمیری میر ہے۔ اور کشمیری میر سے مراد سوائے

مغل کے اور کچھ نہیں۔ اور مغل اس ضلع میں زراعت پیشہ ہیں۔ لہذا مدعی مغل زراعت پیشہ ہے۔ اور اس استقرار کا مستحق ہے۔ جس کیلئے اس نے درخواست دی ہے" .....

میر مغل ہیں اور زراعت پیشہ ہیں۔

میر زراعت پیشہ قوم ہے۔ اور کشمیر میں زمینداری کاروبار پر ہی اس کی بسر اوقات ہے۔ (ملاحظہ ہو رپورٹ مردم شماری جموں و کشمیر بابت ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۰۵)

(ڈسٹرکٹ جج گجرات کے ایک فیصلہ کا خلاصہ)

کشمیر سے نقل مکانی کرتے ہی جب اس قوم اور کشمیر کی دیگر اقوام نے پنجاب میں قدم رکھا۔ تو باوجود اُس بے سروسامانی کے جو ایک غریب الدیار قوم کو ہر اجنبی ملک میں پیش آتی ہے۔ کشمیری مسلمانوں نے جس شعبہ کو اختیار کیا۔ اس میں نمایاں ترقی کی۔ جن لوگوں نے زمینیں حاصل کریں وہ اچھے زمیندار ثابت ہوئے۔ مگر ۱۹۰۰ء میں جب پنجاب میں قانون انتقالِ اراضی کا نفاذ ہوا۔ تو کشمیریوں کو بھی غیر زراعت پیشہ قرار دے دیا گیا۔ جو کشمیری شہروں اور قصبوں میں رہتے تھے۔ وہ اراضی کی قدر و قیمت سے ناواقف تھے۔ اور اسی ناواقفیت کی وجہ سے اپنے دیہاتی کشمیری بھائیوں کی تکالیف کا احساس نہ کر سکتے تھے۔

آخر پنجاب کے کشمیری مسلمانوں نے حصولِ اراضی کے حقوق حاصل کرنے کے لیے پُر زور جد وجہد شروع کی۔ برسوں کی کوششوں اور ذاتی ملاقاتوں اور طویل خط و کتابت کے بعد گورنمنٹ پنجاب نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ "کشمیری تو کوئی ذات ہی نہیں"۔ (اور یہ بات بھی صحیح تھی) البتہ کشمیری مسلمانوں کی جو ذاتیں اور گوتیں پنجابی مسلمانوں سے ملتی ہیں۔ اور جو زراعت پیشہ ہیں۔ ان کو زراعت پیشہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً لاہور یا گوجرانوالہ میں پنجاب کے قریشی زراعت پیشہ قوم شمار کئے جاتے ہیں۔ ان اضلاع میں اگر کوئی کشمیر کا قریشی بھی ہے۔ تو وہ بھی زراعت پیشہ

ہی سمجھا جائے گا۔ جہاں پنجابی قریشی زراعت پیشہ نہیں ہے۔ وہاں کشمیری قریشی بھی زراعت پیشہ نہیں ہو سکتا۔

اسی بنا پر میر بھی مغلوں کی ایک شاخ ہونے کی وجہ سے اُس ضلع میں جہاں پنجابی مغل زراعت پیشہ ہیں۔ زراعت پیشہ کہلوانے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ اور ہر چند کہ مسلم کشمیر زراعتی بورڈ راولپنڈی کی تحقیقات (۱۹۲۷ء) کے مطابق ضلع گجرات میں ۲۳۸ ضلع جہلم میں ۲۰۹ اور ضلع راولپنڈی میں ۶۸۵ گھرانے میر قوم کے زراعت پیشہ ہیں۔ لیکن پھر بھی حصولِ اراضی میں ان کو بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اور بعض اوقات تو حصول انصاف سے بالکل مایوسی ہو جاتی تھی۔ آخر ضلع گجرات کے ایک میر صوبیدار میجر محمد خان آنریری مجسٹریٹ نے زراعت پیشہ اقوام میں شامل ہونے کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ عدالت نے گواہان وغیرہ کے بیانات کے بعد آخر انہیں مغل تسلیم کر لیا اور چونکہ ضلع گجرات میں مغل زراعت پیشہ قوم ہے۔ اس لئے عدالت نے اُس کے زرعی حقوق بھی تسلیم کر لئے۔ لیکن سرکار نے مستغیث کے خلاف لالہ جسونت رائے ایم۔ اے ڈسٹرکٹ جج گجرات کی عدالت میں اپیل کیا۔ عدالت نے سرکار کی اپیل کا جو فیصلہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو صادر کیا ہے۔ اُسے دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ اس مقدمہ میں مدعا علیہ وزیر ہند تھے۔

عدالت کے فیصلہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

مستغیث صوبیدار میجر و آنریری مجسٹریٹ محمد خان نے یہ دعویٰ دائر کیا ہے کہ اسے مغل قرار دیا جائے۔ جو ضلع گجرات میں مشتہرہ زراعت پیشہ قوم ہے۔ مستغیث نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ کاغذات مال میں غلط طور پر اس کی ذات کشمیری درج کی گئی ہے۔ کیونکہ کشمیری درحقیقت کوئی ذات نہیں ہے ......

میرا خیال ہے کہ یہ مقدمہ بالکل واضح ہے۔ معزز گواہوں۔ نمبرداروں۔ اور فوجی افسروں نے مستغیث کے مغل ہونے کی شہادت دی ہے۔ کاغذات مال میں بھی اسے میر کشمیری ظاہر کیا گیا ہے۔ اور الفاظ "میر کشمیری" کے اس کے سوائے کوئی اور معنے نہیں کہ وہ مغل ہے۔ مرافعہ گذار (وزیر ہند) کے فاضل وکیل نے میری توجہ کتاب (A glossary of the tribes and customs of the Punjab and North Western frontier province P. Vol. III) مصنفہ ایبسن کے صفحہ ۱۰۵ اور ۱۲۰ کی طرف منعطف کرائی ہے۔ صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے "میر سیدوں اور میراثیوں کا خطاب ہے" کتاب مذکور میں میر کی جو شرح کی گئی ہے۔ وہ ناکافی ہے یا غلط ہے۔ صفحہ ۱۲۰ کا حوالہ دے کر فاضل وکیل یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس صفحہ میں جہاں مغلوں کا بیان ہے۔ وہاں مغل کے زیر عنوان میر نام کی کسی ذات کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اسی صفحہ میں یہ لکھا گیا ہے۔ کہ ادنیٰ ذات کے لوگوں میں جس طرح اپنے آپ کو شیخ کہلانے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ایسے ہی وہ اپنے آپ کو مغل کہلوا رہے ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ حقیقی مغل قبائل صرف برلاس اور چوغطہ ہی ہیں۔ جو پنجاب میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

عدالت نے اس کے جواب میں اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کرنل ولسن کا اشارہ جاٹ ذات کے ان لوگوں کی طرف تھا۔ جو اسلام قبول کرنے کے بعد مغل کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ برلاسوں اور چوغطوں کے متعلق لکھا ہے۔ ممکن ہے پنجاب میں ان کی کثرت ہو۔ لیکن پنجاب کے تمام مغل چوغطے اور برلاس ہی نہیں ہیں۔

لیکن ان اعتراضات کے برعکس مستغیث کے دعوے کی تائید میں ہم کو موافق شہادت ملتی ہے۔ مردم شماری ہندوستان بابت ۱۹۱۱ء جلد ۲۰ کشمیر حصہ دوم میں صفحہ ۱۲۶ پر نقشوں کو حسب ذیل ۶ فصلوں میں منقسم کیا گیا ہے بیگ۔ چوغطہ۔ میر۔ قزلباش۔ وغیرہ اسی رپورٹ مردم شماری میں صفحہ ۲۰۵ کے حاشیہ پر ان مغلوں کو جو خراسان و ترکستان سے نقل وطن کر کے آئے ہیں۔ سات گوتوں میں دکھایا گیا ہے۔ اور ان میں سب سے پہلی گوت میر ہے۔ جو میرزا کا مخفف ہے۔ یہ میر زراعت پیشہ ہیں۔ اور سید میروں سے بالکل علیحدہ ہیں۔ سید میر مذہبی پیشواؤں کی گوت ہے۔ ان دونوں گوتوں کا بیّن فرق یہ ہے۔ کہ مغل میر تو اپنے نام کے بعد میر کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اور سید میر۔ میر کا لفظ اپنے نام سے پہلے لکھتے ہیں۔ اس لئے کشمیر میں "میروں" سے صرف مغلوں ہی کی گوت مراد ہے۔

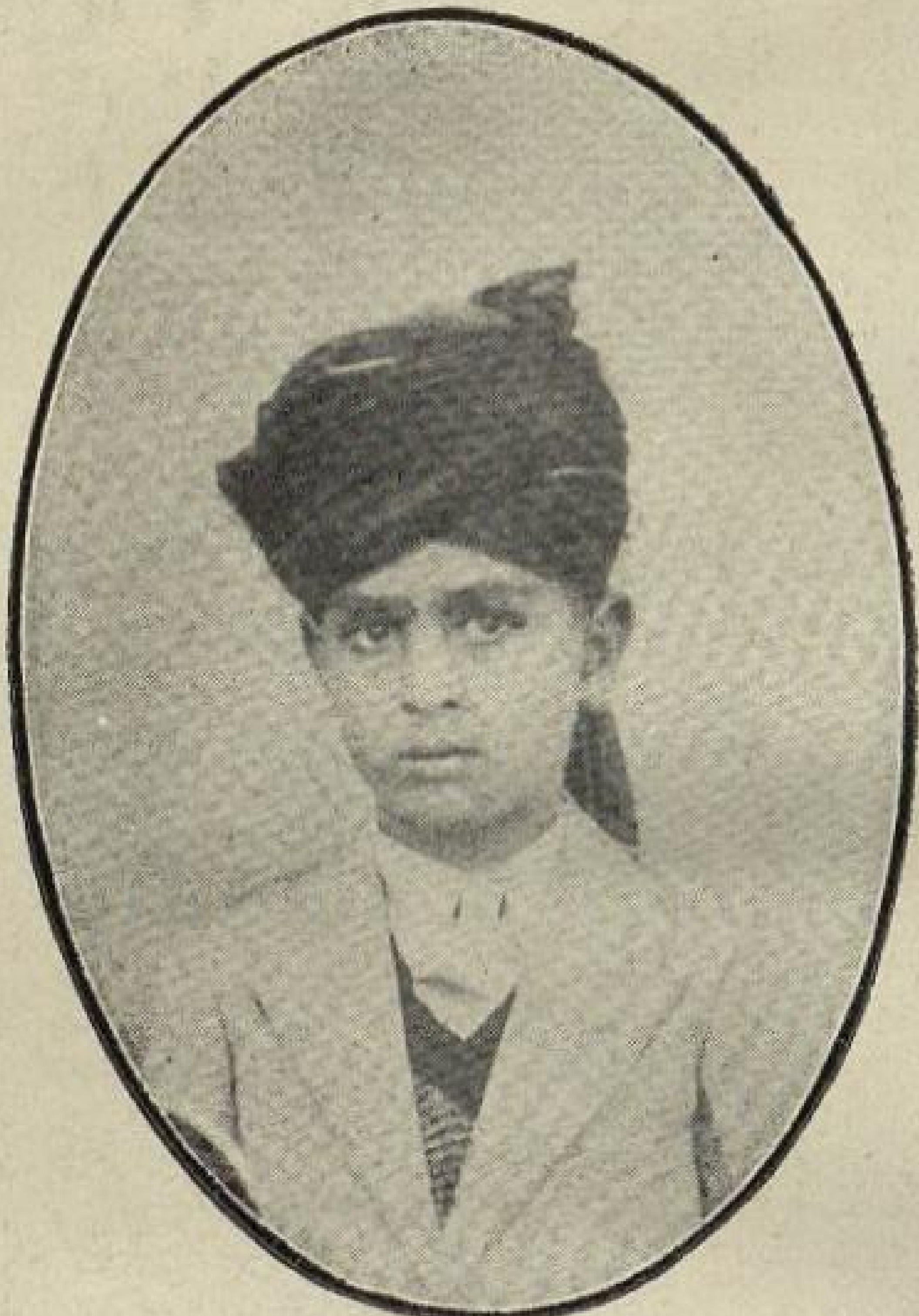
جیساکہ مستغیث نے دعوے کیا ہے کہ کشمیری کوئی ذات نہیں ہے۔ اور Glossary کے صفحہ ۴۷۸ جلد دوم میں بھی جس کا حوالہ مرافعہ گزار کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ لفظ کشمیری کا استعمال کشمیر کے افراد کے لئے ہے۔ جو بہر صورت ایک جغرافئی اصطلاح ہے۔ اور جس میں بہت سی ذاتیں ہیں۔ صفحہ ۴۷۹ میں بتایا گیا ہے کہ قبائل کشمیر کے مکمل حالات سر والٹر لارنس کی کتاب ویلی آف کشمیر کے باب ۱۲ صفحہ ۳۰۹ پر بھی درج ہیں۔ ان میں میر ذات کو مغل ظاہر کیا گیا ہے۔ اور لفظ میر کو لفظ میرزا کی بگڑی ہوئی صورت بیان کیا گیا ہے۔ امپیریل گزیٹر آف انڈیا جلد ۱۵ صفحہ ۱۰۳ پر بھی مسلمانان کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے میر ذات کو میرزا کی بگڑی ہوئی صورت اور میر کو مغلوں کی ایک گوت ظاہر کیا گیا ہے۔

فاضل سرکاری وکیل مجھے ایک بھی ایسی سند نہیں دکھا سکا۔ جس میں لفظ



(۱) میر عبدالعزیز بی۔ اے انسپکٹر ڈاک خانجات لاہور

(۲) ظفر قبول خلف میر عبدالعزیز



ظفر العزیز جماعت تھرڈ مڈل
خلف میر عبدالعزیز بی اے

میر کشمیری کو مغل کے سوا کسی اور مفہوم میں استعمال کیا گیا ہو۔ اس لئے مستغیث کا اپیل اصطلاحی طور پر اس حد تک منظور کیا جاتا ہے۔ جہاں تک مقدمہ کی سماعت کرنے والی عدالت نے مستغیث کے حق میں ڈگری دی ہے۔ کہ وہ مُغل ہے۔

خانصاحب میر عزیز الدین کوئٹہ میں ای اے سی تھے۔ کچھ عرصہ تک ریاست لس بیلہ کے وزیر اعظم بھی رہے ہیں۔ سیالکوٹ میں انجمن اسلامیہ کے سیکرٹری تھے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے میر خورشید الزمان بی۔اے بیرسٹرایٹ لا لاہور کے مشہور قانون دانوں میں ہیں۔

حکیم میر نور الٰہی ان کے والد میر کرم دین لاہور کے مشہور کتب فروشوں میں تھے۔ ان کا ایک بھائی میر احسان الٰہی اپنی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے سیاسی اور کانگرسی حلقوں میں خاص طور پر مشہور ہے۔ آپ کا مطب مصری شاہ لاہور میں اپنے فیض عام سے عوام کو مستفیض کر رہا ہے۔ پنجاب کے اضلاع راولپنڈی۔ جہلم۔ گجرات میں میر خاندان جو زراعت پیشہ ہیں۔ یا فوجی ملازم ہیں۔ رپورٹ کشمیر زراعتی بورڈ ۱۹۲۷ء کے مطابق ان کی تعداد ۱۰۳۲ ہے۔

میر عبدالعزیز بی اے انسپکٹر ڈاک خانجات ان کے بزرگ بھی سکھوں کے زمانہ ہی میں کشمیر سے آئے۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ اپنے خاص شوق اور ذاتی کوشش سے بی۔اے پاس کیا۔ پھر ڈاکخانہ میں ملازم ہو کر پشاور میں سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانجات کے ہیڈ کلرک ہو گئے۔ کیمبل پور۔ مردان۔ جموں وغیرہ میں انسپکٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے ۱۹۳۴ء سے لاہور میں ہیں۔ آپ نے جب انسپکٹری کا امتحان دیا تھا تو پنجاب میں سب سے اول رہے تھے۔ آپ کی اولاد ذکور میں بڑا لڑکا

۱؎ آپ کا قیام آجکل لاہور میں ہے۔

ظفرالعزیز تھرڈ مڈل میں پڑھتا ہے۔ اور ظفر قبول ابھی چھوٹا ہے۔

امرتسر۔ سیالکوٹ۔ لاہور کے پال خاندان

پال خاندان امرتسر

جس زمانہ میں سکھوں کی حکومت پنجاب اور کشمیر میں اپنے آخری سانس لے رہی تھی۔ اُن ایام میں حمزہ پال نام امرتسر کے ایک کاشمیری بزرگ جن کے والد کشمیر سے نقل مکانی کر کے سیدھے امرتسر آئے تھے۔ امرتسر میں عزت و احترام کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ ان کے فرزند جان محمد پال اپنے زمانہ میں پشمینہ کے بہت اچھے تاجر تھے۔ اور امرتسر کی مقامی سوسائٹی میں چودھری جان محمد کے نام سے موسوم تھے۔ آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔ فرزند اول کا نام چودھری سراج الدین پال ہے۔ جو دفتر نہر امرتسر میں ملازم ہیں۔ دوسرے فرزند کا نام چودھری سراج الدین احمد پال ہے۔ جو ایم اے ہیں۔ ایچ پی ایچ اے ہیں۔ اور ایم او۔ ٹی کے ڈگری یافتہ ہیں۔ قانون کا امتحان ایل ایل بی پاس ہیں۔ اور کئی سال سے امرتسر میں ایک کامیاب پلیڈر کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تیسرے فرزند چودھری ظہور الدین احمد پال ہیں۔ جو بی اے ایل ایل بی ہیں۔ اور وکلائے امرتسر میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ اور فروری سنہ ۱۹۳۴ء کے میونسپل الیکشن میں بغیر کسی مقابلہ کے کامیاب رہے ہیں۔

پال خاندان سیالکوٹ

سیالکوٹ میں پال خاندان کے صرف دو گھر تھے۔ ایک گھر عرصہ دراز سے مفقود ہے۔ دوسرے گھر کے سردار منشی احمد الدین ریٹائرڈ ریڈر ہیں۔ ان کے دادا غفار پال اس زمانہ میں جب پنجاب میں سکھوں کا زوال اور انگریزی عملداری

کا آغاز ہو رہا تھا کشمیر سے سیالکوٹ آئے۔

اس وقت کشمیر میں سکھوں کی حکومت تھی۔ اُس زمانہ میں جہاں اور با اقتدار مسلمانوں کو کشمیر میں مصیبت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ ان میں عفار پال بھی تھے۔ جو اہل و عیال سمیت ہمیشہ کے لئے وطن کو خیرباد کہہ کر پنجاب آگئے خواجہ احمدالدین کے والد یہیں پیدا ہوئے۔

خواجہ احمدالدین جنوری ۱۸۹۱ء میں ملازم ہوئے۔ اور ۳۱ مارچ ۱۹۲۶ء کو ریٹائر ہوگئے۔ سیالکوٹ ہی میں مختلف سرکاری شعبوں میں کام کرتے رہے آپ کے پانچ صاحبزادگان حسب ذیل ہیں :-

(۱) خواجہ محمد مسیح پال گلگت میں انڈین اسسٹنٹ اور خانصاحب کے خطاب سے ممتاز ہیں۔ بہت عرصہ ہوا۔ ان کی اُردو نظمیں اخبار "زمیندار" میں چھپا کرتی تھیں (۲) خواجہ عبدالسلام پال بی اے ایل ایل بی پلیڈر اور (۳) خواجہ عبدالسمیع پال ایم اے ایل ایل بی پلیڈر سیالکوٹ میں وکالت کرتے ہیں۔ خواجہ عبدالسمیع اثر صہبائی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی رباعیات کا مجموعہ چھپ چکا ہے ادبی دنیا میں ان کے نام کی بہت شہرت ہے۔ آپ کی ایک غزل کے دو شعر ذیل میں درج ہیں ؎

یا ڈوب جائیں لب مرے جام شراب میں | یا موسم بہار نہ آئے شباب میں
اب آرزو یہی ہے کہ اے مطرب حسیں | ہو جاؤں جذب زمزمہ ہائے رباب میں

(۴) خواجہ عبدالبصیر پال ایم ایس سی ایم اے او کالج امرتسر میں پروفیسر ہیں (۵) عبدالقدوس پال نے امسال مرے کالج سیالکوٹ سے بی اے کا امتحان دیا ہے۔

پال خاندان[1] لاہور ۔ لاہور کے مشہور ملا محمد بخش (پیدائش ۱۸۵۱ء)

[1] لاہور میں دو تین گھر اور بھی پالوں کے سنے گئے ہیں۔ چند ایک گھر ضلع گجرات۔ جہلم اور راولپنڈی میں بھی ہیں۔ جو زراعت کا کاروبار کرتے ہیں ۱۲

ایک بزرگ کشمیری مہاجر محمد عبداللہ پال کے فرزند تھے۔ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے لیکن آپ نے اپنی غیر معمولی دماغی قابلیت سے ان پڑھ ہونے کے باوجود اخباری اور علمی اور مذہبی دنیا میں بہت شہرت حاصل کی۔ آپ تاج الہند پریس اور ایک ہفتہ وار اخبار جعفر زٹلی کے مالک تھے۔ ملا محمد بخش مرحوم میرزا غلام احمد قادیانی کے زبردست مخالفوں میں تھے۔ اور ہمیشہ ان کے خلاف کوئی نہ کوئی اشتہار یا ٹریکٹ شایع کرتے رہتے تھے۔ اخبار ہنٹر بھی آپ ہی نے جاری کیا تھا۔ وہ بھی کئی سال تک جاری رہا۔ ۱۹۲۳ء میں آپ لاہور میں انتقال کر گئے۔

"ابوالمعانی" مولانا تاج الدین احمد تاج آپ ہی کے فرزند ہیں۔ ملا محمد بخش نے آپ ہی کی پیدایش (۱۸۹۴ء) پر اپنے مطبع کا نام تاج الہند رکھا تھا۔ مولانا تاج اپنی اعلیٰ شاعرانہ قابلیتوں۔ اپنے مذہبی جوش و خروش اور اپنی زبردست قلم کاریوں اور اپنے اخباری تجربات کی بدولت ایک ممتاز شخصیت کے مالک ہیں آپ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۹ء تک قریباً سات (ماہوار ہفتہ وار۔ روزانہ) رسائل و اخبار جاری کر چکے ہیں۔ جن میں ہنٹر کا دوبارہ اجرا زیادہ مشہور ہے۔ مولانا تاج فی الحقیقت فطری اور وہبی شاعر ہیں۔ پنجابی کے علاوہ اُردو شاعری میں بھی آپ کا ممتاز درجہ ہے۔ لاہور کے علاوہ حیدر آباد دکن۔ دہلی اور لکھنؤ کے معرکۃ الآرا مشاعروں میں ہمیشہ کامیاب رہے۔ پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری۔ لالہ گوکل چند نارنگ بیرسٹر ایٹ لا (حال وزیر بلدیات صوبہ پنجاب) اور مولانا حامد رضا خاں بریلوی نے آپ کے کلام کی انعامات و عطایات سے عملاً داد دی ہے۔

آپ کی اولاد ذکور سے دو بیٹے فوت ہو چکے ہیں۔ جن میں غلام نقشبند (عمر ۱۸ سال) نہایت ذہین اور ہونہار تھا۔ آپ کا منجھلا صاحبزادہ فیض مجدد (عمر ۲۰ سال) بفضلہ تعالیٰ زندہ ہے۔ اور ایک مشہور اور کامیاب آرٹسٹ

اور خوشنویس ہے۔

لدھیانہ کے چند اہل خطہ خاندان

دار خاندان خواجہ احمد شاہ مرحوم جو ملک سیف دار کی پندرھویں پشت[1] میں تھے۔ ۱۸۴۹ء میں سرینگر سے لودھیانہ آکر مستقل طور پر اقامت گزین ہو گئے۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ (۱) خواجہ صمداللہ دار (۲) خواجہ محمد شاہ دار (۳) خواجہ خلیل شاہ دار (۴) خواجہ احد شاہ دار۔ یوں تو قابلیت و امارت کے لحاظ سے یہ تمام خاندان ایں خانہ تمام آفتاب است کا مصداق تھا۔ لیکن خواجہ احد شاہ مرحوم نے پنجاب بلکہ ہندوستان میں سارے کشمیر کا نام روشن کر دیا۔ یعنی اس زمانہ میں جب انگریزی خواں مسلمانوں کی تعداد پنجاب کیا سارے ہندوستان میں۔ بہت کم تھی۔ اور کسی کو ایسا انگریزی اخبار جاری کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ جو مسلمانوں کے حقوق و مطالبات کی پُرزور ترجمانی کر سکے۔ آپ نے انگریزی نہ جاننے کے باوجود اکابر ملک کے اصرار سے "ابزرور" کے نام سے ایک روزانہ انگریزی اخبار لاہور میں جاری کر دیا۔ جو ہندوستان بھر میں مسلمانوں کا واحد انگریزی اخبار تھا۔ خانصاحب شیخ عبدالعزیز بی اے جو برسوں تک سپرنٹنڈنٹ پریس برانچ سکرٹریٹ پنجاب رہ کر اب پنشن پر ہیں۔ اور خان بہادر سر شیخ عبدالقادر بی۔ اے بیرسٹر ایٹ لا جو حال ہی میں ہائیکورٹ پنجاب کی ججی سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ اور کئی اور معزز اصحاب اسی اخبار کے ایڈیٹوریل سٹاف میں رہے ہیں۔

خواجہ احد شاہ مرحوم پنجاب کونسل کے ممبر تھے۔ اور اپنے تجارتی کاروبار اور تمول و وجاہت و شرافت خاندانی کی وجہ سے خاص طور پر مشہور تھے۔

[1] دار خاندان کے مطبوعہ شجرہ نسب کے مطابق۔

آپ کے تین صاحبزادے ہیں (۱) حاجی خواجہ محمد اکرم میونسپل کمشنر (۲) خواجہ محمد اسلم میونسپل کمشنر (۳) حاجی خواجہ محمد اعظم میونسپل کمشنر۔ تین صاحبزادیاں ہیں۔ سب سے بڑی صاحبزادی کی شادی آپ کے برادرزادہ خواجہ محمد شاہ دار کے فرزند خواجہ محمود شاہ مرحوم کے ساتھ تھی۔ دوسری صاحبزادی کی شادی خواجہ عبدالغنی گورنمنٹ کنٹرکٹر خلف خان بہادر خواجہ عبدالاحد مرحوم رئیس شملہ کے ساتھ اور تیسری صاحبزادی کی شادی مسٹر محمد نیاز فاروقی ایگزکٹو انجنیئر پنجاب کے ساتھ ہوئی۔ ۱۹۲۳ء میں آپ کے انتقال پر مقامی اور پنجاب کے کئی بڑے بڑے مقامات کے مسلمانوں اور کئی اسلامی انجمنوں نے تعزیتی قراردادیں پاس کیں۔ اور آپ کی وفات کو ایک قومی صدمہ تصور کیا۔

آپ کے فرزندوں کی اولاد حسب ذیل ہے۔ خواجہ محمد اسلم دار کے تین فرزند ہیں (۱) محمد نسیم دار (۲) محمد سلیم دار (۳) محمد اصغر دار۔ خواجہ محمد اعظم کا ایک ہی فرزند بنام خواجہ محمد اطہر دار ہے۔

خواجہ خلیل شاہ مرحوم کے فرزند یعنی خواجہ احد شاہ مغفور کے برادرزادہ خواجہ محمد یوسف دار اس وقت میونسپلٹی لدھیانہ کے صدر اور لیجس لیٹو کونسل پنجاب کے ممبر ہیں۔ علی گڈھ کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔ انگلستان کی سیاحت کے علاوہ زیارت بیت اللہ سے مشرف ہو چکے ہیں۔

خاندان خواجہ آیت اللہ گورگانی

خواجہ آیت اللہ گورگانی[1] جو لدھیانہ کے گورگانی خاندان کے مورث

---

[1] صاحب "ادیماق مغل" صفحہ ۲۸۸ پر گورگان کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "در مغلی زبان داماد را گورگان مے گویند۔ آں امرائے را کہ سلاطین مغول د (باقی برصفحہ ۴۸۹)

اعلیٰ ہیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے زمانہ میں کشمیر سے لداخ آئے۔ آپ کے دو فرزند تھے (۱) خواجہ احمد شاہ (۲) خواجہ احسن شاہ۔ خواجہ احمد شاہ کو خدا نے چار فرزند دیئے (۱) خواجہ غلام محی الدین جن کے حسب ذیل تین فرزند ہیں۔ خواجہ نجم الدین۔ خواجہ ناصر الدین۔ خواجہ محمد یوسف شاہ (۲) خواجہ اکبر شاہ لاولد (۳) خواجہ شمس الدین آپ کے دو فرزند ہیں۔ خواجہ قمر الدین۔ خواجہ نور الدین۔ خواجہ آیت اللہ کے چوتھے فرزند خواجہ خلیل شاہ ہیں۔ آپ کے حسب ذیل پانچ فرزند ہیں۔ احمد شاہ محمد شاہ۔ ممتاز احمد بی۔ اے۔ منظور احمد۔ محبوب احمد۔ خواجہ شمس الدین تیس سال تک میونسپل کمشنر اور کئی مرتبہ آنریری سکرٹری اور ۱½ سال تک پریذیڈنٹ میونسپلٹی بھی رہے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں بعمر ۶۰ سال ۱۷ سال کی آنریری مجسٹریٹی کے بعد آپ ریٹائر ہو گئے۔ خواجہ آیت اللہ کے دوسرے فرزند خواجہ احسن شاہ کا ایک ہی فرزند تھا۔ خواجہ مختار شاہ۔ اس کے دو فرزند ہیں (۱) خواجہ احمد شاہ جو خواجہ شمس الدین کی جگہ اب میونسپل کمشنر ہیں۔ دوسرے ڈاکٹر خواجہ صمد شاہ ڈی۔ پی۔ ایچ ڈی۔ ٹی ایم جو گورنمنٹ کی طرف سے امریکہ گئے ہوئے ہیں۔

اس خاندان کے قریباً سب صاحبزادگان سرکاری ملازمت میں ہیں۔ اس خاندان کی یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کہ خاندان قریباً مشترکہ چلا آتا ہے اور افراد خاندان ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے اور خدا کی حمد بجا لاتے

دختر زادہ بود ند گورگاں مے گفتند" امیر تیمور کے باپ امیر طراغائی سے لیکر ایچل ابن قراچار تک کئی امراء سلاطین مغول کے داماد ہوئے ہیں۔ لیکن یہ لقب مستقل طور پر امیر تیمور کے نام ہی چسپاں رہا۔ اس لئے کہ وہ امیر قرغن بادشاہ ماوراءالنہر اور خضر خواجہ خاں چغتائی بادشاہ مغولستان دونوں کا داماد تھا ۱۲

ہیں۔ خواجہ شمس الدین کے ایک بھانجے خواجہ غلام صادق جو پہلے ہیڈ ماسٹر تھے اب لدھیانہ کے کامیاب وکیل ہیں۔

انوری خاندان اصل وطن سرینگر ہے۔ اس خاندان کے افراد اس وقت بھی سرینگر میں ریشم اور پشمینہ کے نامور تاجروں میں ہیں۔ اس خاندان کے کوئی بزرگ مغلیہ حکومت کے ایام میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ تیرھویں صدی ہجری کے اوائل میں اسی خاندان سے عزیز شیخ نام ایک بزرگ سرینگر سے لدھانہ آ گئے۔ اور یہاں شال پشمینہ کی تجارت کو انہوں نے خوب ترقی دی۔ آپ کے تین فرزندوں میں سے ایک کا نام انور شیخ تھا۔ آپ کی ذریات اسی نام کی مناسبت سے انوری کہلاتی ہے۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ بنیر شیخ۔ کبیر شیخ۔ احد شیخ۔ دو اول الذکر لدھانہ میں پولیس و فوج کی ٹھیکہ داری اور پشمینہ کا کام کرتے ہیں۔ احد شیخ بمبئی میں تجارت کرتا ہے۔

خواجہ بنیر شیخ کے پانچ صاحبزادے ہیں۔ سب سے بڑے مسٹر فتح محمد انوری بی۔ اے ایل ایل بی جو لدھانہ کے کامیاب وکلاء میں ہیں۔ اور لدھانہ میونسپلٹی کے مشیر قانونی بھی ہیں۔ آپ کے حسب ذیل دو فرزند ہیں۔ ارت مبین انوری اور سرور سعید انوری۔ خواجہ بنیر شیخ کے دوسرے فرزند مسٹر فیض محمد انوری ٹھیکہ دار ہیں۔ باقی تین فرزند محمد رفیع انوری۔ محمد سلیم انوری۔ اور محمد اعجاز انوری ابھی زیر تعلیم ہیں۔ خواجہ کبیر شیخ کے پانچ فرزندوں میں مسٹر عبد الکریم[1] انوری محکمہ نہر میں سب ڈویژنل کلرک ہیں۔ ان سے چھوٹے عبد الحمید[2] انوری تیسرے عبد الرشید

---

[1] ان کے دو فرزند ہیں۔ عارف کریم انوری و آفتاب کریم انوری [2] ان کے بھی دو فرزند ہیں۔ جاوید حمید انوری و حارث حمید انوری۔

انوری ان سے چھوٹے لطیف انوری و شریف انوری ہیں - اور یہ سب بوٹوں کا کاروبار کرتے ہیں -

خاندان اسد اللہ گورو اس خاندان کے مورث اعلےٰ محمد اسمٰعیل ولد قادر خاں تھے - جو دینا نگر سے لدھانہ آئے تھے - بچپن ہی میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا - اس لئے ایک لاولد گورو نے ان کو پالا - جوان ہونے پر ان کی شادی بھی کر دی - نکاح کے وقت نکاح نامہ میں جب محمد اسمٰعیل اصلی ولدیت لکھوانے لگے - تو لاولد گورو نے کہا - کہ اگر آج میرا اپنا بیٹا ہوتا - تو وہ میری ہی ولدیت لکھواتا - چنانچہ اس وقت نکاحنامہ میں محمد اسمٰعیل کی ولدیت گورو ہی لکھی گئی - اس وقت سے یہ گورو ہی مشہور ہیں - محمد اسمٰعیل شالبافی کے کاروبار میں بڑا کامیاب رہا - مگر ایک مرتبہ جب دوسرے کشمیری سوداگروں کے ہمراہ ریاست جیند میں گیا - تو سخت خسارہ اٹھایا بلکہ جو کچھ کمایا تھا - وہ بیچ کر بھی قرضہ موجود رہا - آپ سجان پور کے مشہور بزرگ پیر باہر شاہ رحہ کے مرید تھے - ادائیگی قرضہ کے بعد جب ان کے فرزند جوان ہو گئے - تو قسمت نے ایک دفعہ پھر یاوری کی - اور پھر وہی حالت پیدا ہو گئی - آپ کے فرزندوں کے نام حسب ذیل ہیں - محمد صدیق - عبدالعزیز - محمد خلیل - جن میں اس وقت صرف آخرالذکر زندہ ہے - صوفی ولی محمد امام مسجد و خطیب اور خواجہ فیض محمد فیض منشی فاضل اس خاندان کے مشہور افراد ہیں - خواجہ فیض کو مشرقی علوم کا خاص شوق ہے - ۱۹۳۳ء میں آپ نے اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل کا امتحان دیا - اور کالج کے تمام طلباء میں سب سے اول رہے ہندوستان و پنجاب کے بیشتر جرائد و رسائل میں آپ کی نظمیں شائع ہوتی رہتی ہیں - حال ہی میں آپ نے اپنی مختصر نظموں کا مجموعہ "فیضیات" کے نام سے

شائع کیا ہے۔ آپ کی عمر ۲۲-۲۳ سال کے قریب ہے۔ اس عمر میں کلام کی پختگی اور طبیعت کی روانی اور الفاظ کی بندش اور خیالات کی شستگی بڑے ثاقب ستارۂ بلندی" کا مظہر نظر آرہی ہے۔ آپ کے خاندانی رشتے لون۔ بٹ۔ ڈار۔ ملک۔ وانیں وغیرہ اقوام سے ہوتے رہتے ہیں۔ آپ اس وقت اسلامیہ ہائی سکول لدھیانہ میں مدرس ہیں۔

خاندان پیرجی صاحبان

اس خاندان میں سب سے پہلے علی پیر کشمیر سے لدھیانہ آئے۔ آپ کی تمام اولاد پیرجی یا شاہ جی کے نام سے موسوم ہے۔ ایک شاخ امرتسر میں بھی ہے سید یاسین شاہ میونسپل کمشنر و ٹھیکہ دار شاخ لدھیانہ کے سرگردہ بزرگ ہیں

خاندان ہارونی

کشمیر میں اس خاندان کا اصل وطن اسلام آباد تھا۔ سب سے پہلے عثمان ہارونی ولد رمضان ہارونی مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں کشمیر سے لدھیانہ آئے۔ اس خاندان میں فوجی خدمات اور سرکاری ملازمت کے ساتھ علمی مذاق بھی موجود ہے۔ خواجہ احمد ہارون اور خواجہ عبدالسبحان ہارون اس خاندان میں دو بھائی مشہور ہیں۔ اس وقت بھی سعید ایم اے اور نذیر بی اے ایل ایل بی وکیل دو بھائی اپنی قابلیتو کی وجہ سے نہایت مشہور ہیں۔

پنجاب میں کھانڈے خاندان

کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔ کہ جنوبی کشمیر (موضع دیو ضلع اسلام آباد) کا ایک کھانڈے زمیندار عبدالسلام نام انقلاب روزگار کی وجہ سے کشمیر چھوڑ کر بھ ابتدائے عہد برطانیہ میں سیالکوٹ چلا آیا۔ اب اس کی ذریات وہیں آباد ہے

شریف بلڈنگ سکندرآباد دکن مالک محمد شریف خلف کے ڈی عبد الغفور



انکے فرزند کا نام لکو خاں تھا۔ سیالکوٹ۔ سکندر آباد۔ کوئٹہ۔ حیدر آباد دکن۔ لکھنؤ میں سپورٹس گڈس کے جو مشہور کارخانے ہیں۔ انکے مالک کے ڈی عبدالغفور اینڈ سنس ہیں جو بھی لکو خاں کی اولاد سے ہیں۔ سکندر آباد جیمس سٹریٹ میں انکی ایک عالیشان بلڈنگ بھی ہے جسکا فوٹو بھی کتاب میں درج ہے۔ انکے علاوہ کوئٹہ اور سیالکوٹ میں انکی مکانات اور زمینیں ہیں۔ سیالکوٹ بلڈنگ کا نام شریف منزل ہے اور یہ سب کچھ محمد شریف صاحب کے ڈی عبدالغفور کا پیدا کردہ ہے۔ جو عرصہ دراز سے کے ڈی عبدالغفور اینڈ سنس کی فرم کو چلا رہے ہیں۔ اور اس کے واحد مالک ہیں۔

نیابت ویری ناگ شاہ آباد میں غفار کھانڈی ایک نامور ذیلدار گذرا ہے۔ اور اب اس کا بیٹا اکرم کھانڈی ذیلداری میں اس کا جانشین ہے۔

کشمیر میں کھانڈی ذات کے نام پر کئی گاؤں ہیں۔ جن میں ایک تحصیل اننت ناگ میں دوروں کھانڈی پورہ کے نام سے ہے۔ آبادی ۲۱۴ نفوس۔ ایک تحصیل کولگام میں ہے۔ بونہ کھانڈی پورہ نام آبادی ۹۴ نفوس۔ ایک تحصیل بڈگام میں نام کھانڈی پورہ آبادی ۱۵۶ نفوس ایک تحصیل پلوامہ میں نام کھانڈی پورہ آبادی ۹۲ نفوس سب لوگ زراعت پیشہ ہیں۔

جب حکام مال نے عبدالغفور کھانڈی کے نام زمین کا انتقال کرنے سے انکار کردیا۔ تو انہوں نے وزیر ہند بہ اجلاس کونسل کے نام اس بنا پر دعوٰے دائر کردیا۔ کہ جب وہ ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ جو اس ضلع میں زراعت پیشہ ہے۔ تو اسے زمین خرید کرنے کی کیوں اجازت نہیں ملتی ابتدائی عدالت میں مقدمہ خارج ہو جانے پر ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں اپیل کیا گیا۔ چونکہ اس مقدمہ اور اس کے فیصلہ سے بہت سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اور کشمیر کی طرح پنجاب میں بھی اس فیصلہ کے رُو سے کھانڈے قوم کو زراعت پیشہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے فیصلہ کی نقل افادہ ناظرین کے لئے ذیل میں درج کی جاتی ہے :۔

عدالت کا فیصلہ کھانڈے ذات کے زراعت پیشہ ہونیکے متعلق

مقدمہ دیوانی بعدالت خان محمد شیر نواب خاں سب جج درجہ سوم سیالکوٹ۔

دعویٰ دیوانی ۲۱ / ۸ ہستدائرہ ۱۹۲۷ء تاریخ دعویٰ ۲ رجون ۱۹۲۷ء

کے ڈی عبدالغفور ولد گگو خان ذات پٹھان متوطن سیالکوٹ - مدعی

بنام ۱- وزیر ہند بہ اجلاس کونسل بوساطت کلکٹر سیالکوٹ

۲ - فوجدار خاں ولد عدالت خاں ذات پٹھان متوطن سیالکوٹ مدعا علیہ

دعوے کا مقصد۔ مدعی کی ذات اور قومیت پٹھان ہے۔ لہذا وہ ایک زراعت پیشہ قبیلہ کا رکن ہے۔ اور اس بنا پر وہ سیالکوٹ کے کسی زراعت پیشہ سے کلکٹر کی منظوری کے بغیر زمین خرید سکتا ہے۔ مالیت دعوے آٹھ سو روپیہ۔

مدعی نے مدعا علیہ نمبر ۲ سے زرعی زمین خریدی تھی۔ لیکن حکام مال نے بدیں وجہ اس کی تصدیق کرنے اور اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ کہ مسٹر سی (مدعی) زراعت پیشہ گروہ کا فرد نہیں ہے۔ اب مدعی نے یہ دعوے دائر کیا ہے کہ یہ اعلان کیا جائے کہ وہ پٹھان ہے۔ اور اس لئے زراعت پیشہ قبیلہ کا فرد ہے۔ مدعا علیہ نمبر ۱ نے یہ عذر پیش کرتے ہوئے مدعی کے دعوے پر اعتراض کیا ہے کہ مدعی کشمیری ہے پٹھان نہیں ہے۔ اس لئے وہ اس بات کا مستحق نہیں کہ اُس کے زراعت پیشہ ہونے کا اعلان کیا جائے۔

مدعی نے میرے پیش رو کی عدالت میں چھ گواہ پیش کئے۔ اُن کے بیانات کا مطلب یہ ہے کہ مدعی خان ہے۔ اور کشمیری زبان میں خان کا تلفظ بگڑتے بگڑتے کھانڈ ہو گیا ہے۔ اور مدعی کو بھی کھانڈ کہا جاتا ہے

مدعی کے آباؤ اجداد موضع دمن واقع کشمیر کے باشندے تھے۔ اس کا دادا نقل وطن کر کے سیالکوٹ چلا آیا تھا۔ اور کہ موضع دمن کے مالک اور باشندے "کھانڈ" ہیں۔ جن کا سب سے بڑا پیشہ زراعت ہے۔

مدعا علیہ نمبر ا نے دو گواہ مسمیان حفیظ اللہ و شمس الدین پیش کئے ہیں۔ اور اُس نے محکمہ مال کے بعض ریکارڈوں کے اقتباسات کی نقل پیش کی ہے۔ حفیظ اللہ پٹواری ہے اور سرکاری ملازم۔ اس لئے اس کی شہادت ناقابل قبول ہے۔ دوسرے اُس نے جو ریکارڈ پیش کئے ہیں۔ اُن کے مندراج کو قانونی اہمیت حاصل نہیں۔ دیکھو فیصلہ نمبر ۴ لاہور صفحہ ۳۰۷۔

کشمیر کے باشندوں کو عام طور پر کشمیری کہا جاتا ہے۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ جیسا کہ پنجاب میں رہنے والوں کو دوسرے صوبوں کے لوگ پنجابی کہتے ہیں۔ یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ مسلمانوں میں بہت سی ذاتیں ہیں۔ مثلاً سید۔ مغل۔ پٹھان۔ شیخ۔ راجپوت وغیرہ۔ لازمی طور پر مدعی کا تعلق ان میں سے کسی ایک ذات سے ہونا چاہئے۔ مدعی نے یہ ظاہر کرنے کے لئے معتدبہ شہادت پیش کی ہے۔ کہ وہ پٹھان ہے۔ اور لفظ خان (جو پٹھان کا دوسرا نام ہے) ریاست کشمیر میں "کھانڈ" بولا جاتا ہے۔ مدعا علیہ نے مدعی کے بیانات کی تردید نہیں کی۔ مدعا علیہ نمبر ا نے اپنے جواب میں یہ ثابت نہیں کیا کہ مدعی کھانڈ نہیں ہے۔ اور کھانڈ لفظ خان کا غلط تلفظ نہیں ہے خان۔ افغان اور پٹھان سب ایک ہی لفظ ہیں۔ ہندوستان میں پٹھان کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ افغانستان میں خان اور افغان۔ کشمیر افغانستان کے زیادہ قریب ہے۔ اس لئے وہاں خان کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جو بگڑ کر کھانڈ ہو گیا ہے۔ اس لئے اس کی کوئی وجہ نہیں۔ کہ کیوں مدعی کے

پیش کردہ گواہوں کی شہادت تسلیم نہ کی جائے۔ حکام مال ریاست کشمیر نے جو شجرہ تیار کیا ہے۔ اس میں مدعی کے آباؤ اجداد کو پٹھان اور زراعت پیشہ ظاہر کیا گیا ہے۔

مدعی کی پیش کردہ شہادت کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ مدعی کشمیر کا کھانڈ ہے۔ اور کھانڈ کشمیر کا غلط تلفظ ہے۔ اور یہ لفظ ہندوستانی لفظ پٹھان کا ہم معنے ہے۔ میں مدعی کے حق میں فیصلہ صادر کرتا ہوں۔

کھانڈ کو کھانڈے بھی کہتے ہیں۔ میں کھانڈا اور کھانڈے کے فرق کو دانستہ نظر انداز کرتا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دیوانی مقدمہ نمبر ۴۴ استدائرہ ۱۹۲۹ء بھگت جگن ناتھ ایم اے ڈسٹرکٹ جج سیالکوٹ

پنجاب کے چند ڈار خاندان

نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم[1]

انجمن ترقی اردو حیدرآباد دکن کے مشہور عالم سکرٹری مولوی عبدالحق بی اے نے عرصہ ہوا۔ نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم کے حالات رسالہ پنجاب ریویو[2] میں لکھے تھے: وہ لکھتے ہیں

ان کے آباؤ اجداد دراصل سرینگر کشمیر کے رہنے والے تھے۔ ان کے دادا ایک

۱؎ آپکی زندگی کے چند آخری سال پنجاب ہی میں گذرے ہیں یہیں انتقال ہوا۔ گو نعش میرٹھ میں لیگئے لیکن یوپی کے اہل خطہ کے حالات چونکہ لکھے جاچکے تھے۔ اسلئے ان کا ذکر پنجاب کے اہل خطہ خاندان میں کردیا گیا ہے۔ ۲؎ یہ رسالہ مولوی ظفر علی خاں (اخبار زمیندار) نے لاہور سے جاری کیا تھا۔ غالباً ۱۰ء یا ۱۱ء کے کسی مہینہ کے پنجاب ریویو میں یہ مضمون درج تھا۔ اور وہاں سے کشمیری میگزین ۱۹۱۱ء کے اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر کے تین پرچوں میں مسلسل نقل ہوا تھا ۱۲

مدت تک پنجاب میں ملازم رہے۔ وہاں سے میرٹھ آئے۔ اور وہیں آباد ہو گئے۔ مولوی چراغ علی کے تین اور بھائی تھے۔ ولائت علی۔ عنائت علی اور منصب علی۔ والد کا نام مولوی محمد بخش تھا۔ وہ کلکٹر سہارنپور کے ہیڈ کلرک تھے۔ اور چونکہ اس زمانہ میں انگریزی دان تھے۔ اور انگریزی لباس پہنتے تھے۔ اس لئے محمد بخش کرانی کے نام سے مشہور تھے۔

الحاق پنجاب کے بعد انگریزوں نے پنجاب کے انتظام کے لئے ہندوستان سے جن تجربہ کار اور لائق عہدہ داروں کو منتخب کیا۔ ان میں مولوی محمد بخش بھی تھے۔ پنجاب کے مختلف اضلاع ملتان۔ ڈیرہ غازی خاں۔ بنوں۔ شاہ پور اور سیالکوٹ میں وہ مہتمم بندوبست کے معزز عہدہ پر رہے۔ سیالکوٹ میں تھے کہ ۱۸۵۶ء میں بعمر ۳۵ سال عین جوانی میں انتقال کر گئے۔ اس وقت ان کے سب سے بڑے فرزند چراغ علی کی عمر ۱۲ سال سے زیادہ نہ تھی۔ راقم مؤلف نے کئی سال ہوئے اپنی ایک خاندانی کتاب السلف والخلف کے نام سے لکھی ہے۔ اس وقت راقم کے والد بزرگوار بقید حیات تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب ہمارے والد رجب علی ڈار (راقم مؤلف کے دادا) ۱۸۴۹ء کے بعد شاہ پور میں بندوبست کا کام سیکھتے تھے۔ تو ان کے افسر اعلیٰ کا نام مولوی محمد بخش تھا۔ وہ کشمیری تھے۔ لیکن ہندوستان سے تبدیل ہو کر آئے تھے۔ ان کو جب معلوم ہوا کہ رجب علی کشمیری ہیں۔ تو وہ بڑے خوش ہوئے۔ اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ان کی ذات ڈار ہے۔ تو انہوں نے اور بھی زیادہ شفقت کا اظہار کیا۔ اور انہی کی طفیل وہ سیالکوٹ میں پٹواری بھی ہو گئے۔ اور اگر ان کے افسر اعلیٰ مولوی محمد بخش مہتمم بندوبست کی زندگی وفا کرتی۔ تو وہ ان کو بہت جلد کسی اور عہدہ پر پہنچا دیتے۔

راقم الحروف کے دادا میاں رجب علی کا بیان ہے۔ کہ ان کے مہتمم بندوبست مولوی محمد بخش بھی ذات کے ڈار ہی تھے۔

مولوی چراغ علی اپنے باپ کے انتقال کی وجہ سے امتحان پاس نہ کر سکے ان کی ملازمت کی ابتداء بیس روپیہ ماہوار تھی۔ مطالعہ کتب نے ان کو عالم اور اہلِ قلم بنا دیا۔ سر سید احمد خاں مرحوم کے اخبار تہذیب الاخلاق میں مضامین لکھتے رہے۔ انگریزی میں بھی مہارت پیدا کر لی تھی ۱۸۷۷ء میں سر سید احمد خاں کی سفارش سے نواب سر سالار جنگ اعظم نے چار سو روپیہ ماہوار تنخواہ دے کر اسسٹنٹ ریونیو سکرٹری کے عہدہ پر حیدر آباد بلوا لیا۔ پھر مددگار معتمد مال ہو کر ۱۲ ہزار تک پہنچے۔ اور نواب محسن الملک کے بعد معتمد مال و فینانس ہو گئے۔

شمس العلما مولانا عبد اللہ ٹونکی مرحوم کو بعض کتابوں کے مطالعہ اور حوالجات کے لئے آپ ہی نے مصر بھیجا تھا۔ مولوی چراغ علی صاحب تصانیف تھے۔ عربی فارسی۔ اردو۔ انگریزی میں ان کی تصنیفات موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے براہین احمدیہ کی تصنیف کے دوران میں خط کتابت کے ذریعہ بہت سے معلومات ان سے حاصل کئے ہیں۔

سرکاری خدمات میں کسی کا لحاظ نہ کرتے تھے۔ ان کی دیانت داری اور بے لوثی سارے حیدر آباد میں مشہور ہے۔ انہی خدمات کی بدولت نواب اعظم یار جنگ کا خطاب ملا۔ آخر وقت آ پہنچا۔ ذیابیطس کی شکایت بڑھتی گئی۔ ۱۱ر جون ۱۸۹۵ء کو علاج کے لئے بمبئی چلے گئے۔ وہیں ۱۵ر جون کو انتقال کر گئے۔

انگریزی اردو اخبارات کے علاوہ گورنمنٹ نظام نے ان کی موت پر افسوس کا اظہار کیا۔ سر سید احمد خاں نے تہذیب الاخلاق میں ایک طویل مضمون میں ان کے محاسن بتائے جسٹس سید محمود (خلف سر سید احمد خاں۔ و والد نواب مسعود جنگ

سر راس مسعود) نے "حیف چراغ علی از دنیا نہاں شد" مادۂ تاریخ نکالا۔ مولانا حالی نے فارسی کی ایک طویل نظم میں ان کا نوحہ لکھا۔

آپ کی اولاد کا حال معلوم نہیں ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے مضمون میں ان کے ایک برادر زادہ مولوی محمد علی کا ذکر کیا ہے۔

خاندان کپتان محمد عظیم ڈار

(کالہ ضلع جہلم)

کالہ گوجراں ضلع جہلم میں صوبیدار محمد بخش ایک ناموراہل خطہ بزرگ گزرے ہیں آپ کے دادا اسلم ڈار عرف لسہ ڈار مہاجر کشمیر بن کر کالہ میں آئے۔ صوبیدار محمد بخش اسلم ڈار ہی کے پوتے تھے۔ محمد بخش ۱۸ سال کی عمر میں پلٹن نمبر ۲۷ امیں بھرتی ہوئے۔ صوبیداری سے پنشن پائی۔ سرکار نے پنشن کے بعد عطائے اراضی دو مربعہ (ضلع سرگودھا سے) حوصلہ افزائی فرمائی۔ ۲۵ فروری ۱۹۰۵ء کو اپنے وطن میں فوت ہو گئے۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ بڑے کا نام سردار محمد عظیم ہے۔ جو ۱۹۱۰ء میں انٹرنس کلاس میں پڑھا کرتے تھے۔ چھوٹے کا نام محمد یعقوب ہے۔ سردار محمد عظیم نے جنگ عظیم کے دوران میں فوج میں بھرتی ہو کر اس روایتی اور خاندانی لگاؤ کے سبب سے جو انہیں فوجی سپرٹ سے تھا۔ تین سال کے اندر ہی وائسرائے کمیشن حاصل کر لیا اور اعلیٰ خدمات کے معاوضہ میں آپ کو دو پشتوں کے لئے جاگیر اور اراضی کا عطیہ ملا۔ ۱۹۲۴ء میں جب کنٹونمنٹ مجسٹریٹوں میں ہندوستانیوں کو بھی لیا جانا منظور ہوا۔ تو آپ نے بھی امتحان دیا اور ہندوستانیوں میں سب سے اول رہ کر کنگ کمیشن حاصل کیا۔ آپ اس عرصہ میں الہ آباد۔ منڈلے (برہما)، جالندھر، ساگر، نصیر آباد۔ مہو وغیرہ کی چھاؤنیوں میں فرائض سرکار انجام دے کر آجکل چھاؤنی ملتان میں کنٹونمنٹ اگزیکٹو افسر کے فرائض ادا

کر رہے ہیں۔ فوجی رینک آپ کا کپتان کے عہدہ کا ہے۔

آپ نے اپنی اراضی میں ایک چک بنام عظیم آباد آباد کیا ہے۔ جہاں آپ کے چھوٹے بھائی سردار محمد یعقوب نمبردار بھی ہیں۔ یہ چک نیلی بار میں منڈی بورے والا (ضلع ملتان) کے قریب ہے۔

آپ کا خاندان دراصل خالص فوجی خاندان ہے۔ آپ کے والد صوبیدار محمد بخش ضلع جہلم راولپنڈی میں سب سے پہلے کشمیری انڈین افسر تھے۔ ان کے بعد خاندان کے بہت سے افراد فوج میں گئے۔ جو اپنے اپنے وقت میں عزت و شہرت حاصل کرتے رہے۔ ان میں سے چند ایک کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) آپ کے چچا) صوبیدار سلطان محمد پنشنر (۲) (ایک اور چچا) سردار خدا بخش مرحوم (۳) (آپ کے ماموں) سردار پیر بخش پنشنر (۴) (آپ کے خالہ زاد بھائی) اٹر دار قائم دین پنشنر (۵) (آپ کے عم زاد بھائی) سردار احمد الدین پنشنر (۶) صوبیدار میجر محمد عالم ۲-۱ راجپوتانہ رائفلز (۷) سردار محمد الدین پنشنر (۸) سردار محمد عالم پنشنر وغیرہ

آپ کے چار صاحبزادے ہیں۔ بڑے کی عمر جس کا نام ریاض عظیم ہے۔ دس سال ہے۔ تین چھوٹے ہیں۔ اعجاز عظیم۔ نیاز عظیم۔ امتیاز عظیم۔

خاندان[1] میاں رجب علی ڈار (گھرتل ضلع سیالکوٹ)

آپ اپنے والد حسن ڈار کے ہمراہ خورد سالی ہی کی حالت میں جبکہ کشمیر میں پٹھانوں کی حکومت چراغ سحری کی مانند ٹمٹما رہی تھی۔ کشمیر سے سیدھے گھرتل پہنچے۔ لکھ پڑھ کر سکھوں کی فوج میں میر منشی ہو گئے۔ سکھوں اور انگریزوں کی آخری جنگ چیلیانوالہ میں

---

[1] اس خاندان کے حالات ان کی خاندانی کتاب سلسلہ احسن المعروف السلف والخلف میں تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔



بابو رحیم بخش صاحب ڈار ریٹائرڈ انسپکٹر ریلوے (سیالکوٹ)